

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 وَالْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ
 ترجمہ: قرآن مجید سے نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے
 تو کیا کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا؟

مَعَالِمُ الْعُرْفَانِ

دُرُوسُ الْقُرْآنِ

إفادات

حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سوانیؒ

خطیب جامع مسجد نور

بانی مدرسۃ العلوم گوجرانوالہ

مترتب

الحاج لعل دین ایم۔ اے [علوم اسلامیہ]

ناشر

مکتبہ داروس القرآن

فاروق گنج ۰ گوجرانوالہ

روزانہ درس قرآن پاک



تفسیر

سُورَةُ الْعَمَّانِ (مکمل)

جلد: ۴

انوارات

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ

خطیب جامع مسجد نور، گوجرانوالہ

تیسواں ایڈیشن

(جملہ حقوق بحق انجمن محفوظ ہیں)

نام کتاب	معالم العرفان فی دروس القرآن (سورۃ آل عمران مکمل) جلد ۲
افادات	حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
مرتب	الحاج لعل دین <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> ۔ ایم اے (علوم اسلامیہ) شمالا مارٹاؤن لاہور
تعداد طباعت	پانچ سو (۵۰۰)
سرورق	سید الخطا طین حضرت شاہ نفیس الحسنی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
کتابت	محمد امان اللہ قادری، گوجرانوالہ
ناشر	مکتبہ دروس القرآن فاروق کالج گوجرانوالہ
قیمت	۲۳۵/- (دوسو پینتالیس روپے)

تاریخ تصحیح تیسواں ایڈیشن رجب ۱۴۳۲ھ بمطابق مئی ۲۰۱۳ء

ملنے کے پتے

- (۱) کتب خانہ صفدریہ حق سٹریٹ اردو بازار لاہور
- (۲) مکتبہ دروس القرآن ہی، محلہ فاروق کالج گوجرانوالہ (۳) کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار راولپنڈی
- (۴) مکتبہ رحمانیہ اقرائے سنٹر اردو بازار لاہور
- (۵) کتب خانہ مجیدیہ، بیرون بوہڑ گیٹ ملتان
- (۶) مکتبہ قاسمیہ، الفضل مارکیٹ لاہور
- (۷) مکتبہ حلیمیہ نزد جامعہ بنوریہ سائٹ نمبر ۶ کراچی
- (۸) مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار، لاہور
- (۹) اسلامیہ کتب خانہ اڈا گامی، ایبٹ آباد
- (۱۰) مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ
- (۱۱) مکتبہ العلم ۱۱۸ اردو بازار لاہور

فہرست مضامین

معالم العرفان فی دوس القرآن، سوۃ ال عمران جلد ۲

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۲	علم سیکھنے سے آتا ہے	۲۳	سوۃ ال عمران
"	راسخ فی العلم	۲۴	درس اول (آیت ۶۷) آیات و ترجمہ
۴۳	دعا کی کلمات	۲۵	نام اور کو اکت
۴۴	درس سوم ۳ (آیت ۱۳ تا ۱۰)	"	زمانہ نزول
"	آیت و ترجمہ	۲۶	مرکزی مضمون
۴۵	رابط آیات	"	نجران کا وفد
"	شان نزول	۲۸	موضوع بحث
۴۷	مال و اولاد بے سود ہوں گے	۲۹	ایمانیات کا بیان
۴۸	ال فرعون کی مثال	۳۲	منکرین کا انجام
۵۰	جنگ بدر کی یاد	۳۳	اللہ تعالیٰ کی قدرت نامہ
۵۱	تائید قرآنی	۳۵	درس نوم ۷ (آیت ۹۷) آیات و ترجمہ
۵۲	شرط علیہ	۳۶	رابط آیات
۵۳	درس چہارم ۴ (آیت ۱۵ تا ۱۴)	"	نزول کتاب
"	آیات و ترجمہ	۳۷	حکم اور مشابہ
۵۵	اسباب خلافات مرغوب اشیاء و ما عورت	۳۸	غلط تاویلین
۵۷	کثرت اولاد	۴۰	صحیح تاویل
۵۸	خزالی کی بنیاد	"	گمراہی کی اسلام دشمنی

۷۸	اسلام کیسے	۵۹
۸۰	اطاعت خداوندی	۶۰
۸۱	ایمان کی دعوت	۶۱
۸۳	درس ہفتم (آیت ۲۱ تا ۲۵)	۶۲
۸۴	آیات و ترجمہ	۶۳
۸۴	ربط آیات	۶۳
۸۵	آیات سے انکار	۶۵
۸۶	قلیل ناحق	۶۶
۸۷	عذاب الیم	۶۷
۸۸	دعوت الی الکتاب	۶۸
۸۹	فہم القرآن	۶۹
۹۰	شفاعت کا غلط عقیدہ	۷۰
۹۱	افترائی الدین	۷۱
۹۳	درس ہشتم ۸ (آیت ۲۶ تا ۳۰)	۷۲
۹۴	آیات و ترجمہ	۷۳
۹۵	ربط آیات	۷۴
۹۶	مالک الملک	۷۵
۹۷	غلبہ اسلام کے لیے دعا	۷۶
۹۸	عزت و ذلت	۷۷
۹۹	خیر اور شر	۷۸
۱۰۰	دن اور رات	۷۹
۱۰۱	رزق رسانی	۸۰
۱۰۲	درس نہم ۹ (آیت ۲۸ تا ۳۰)	۸۱

عورت کی نمائندگی
۲ اولاد
۳ مال و دولت
۴ گھوڑے اور مویشی
۵ کھیتی
متیقن کے لیے انعام
درس نهم ۵ (آیت ۱۶ تا ۱۸)
آیات و ترجمہ
ربط آیات
ایمان اور بخشش
اہل تقویٰ و صابریں
۲ صادقین
۳ اطاعت گزار
۴ ضریح کمر نوالے
۵ طالبان بخشش
توحید باری تعالیٰ
علمائے حق
علمائے سواد
درس ششم ۶ (آیت ۱۹ تا ۲۰)
آیات و ترجمہ
ربط آیات
سچا دین صرف اسلام ہے
وجہ اختلاف

۱۳۳	آل عمران	۱۰۲	آیات و ترجمہ
"	نمل الثانی	۱۰۳	رابط آیات
۱۲۴	بشریت انبیاء	"	دوستی کا معیار
۱۲۶	درس دوازدهم ۱۲ (آیت ۲۵ تا ۲۷)	۱۰۴	دوستی کی تین اقسام
"	آیت و ترجمہ	۱۰۶	کفار سے دوستی
۱۲۷	زوجہ عمران کی نذر	۱۰۷	اللہ علیہم کُل ہے
۱۲۸	جائزہ اور ناجائزہ نذر	۱۰۸	غیر و مشرک کا بدلہ
۱۳۰	حضرت مریم کی ولادت	۱۱۰	درس دہم ۱۰ (آیت ۳۱ تا ۳۲)
۱۳۱	حضرت مریم کی کفالت	"	آیات و ترجمہ
۱۳۲	حضرت مریم کی کھراست	"	رابط آیات
۱۳۵	درس سیزدہم ۱۳ (آیت ۲۸ تا ۴۱)	"	وہابی محبت
"	آیات و ترجمہ	۱۱۱	معیار محبت
۱۳۶	رابط آیات	۱۱۲	حب رسول
"	نیک اولاد کے لیے دعا	۱۱۳	اتباع رسول
۱۳۸	دعا کی قبولیت	۱۱۴	اللہ کی محبوبیت
۱۳۹	حضرت اسمعیل کے مناقب	۱۱۵	عصمت انبیاء
۱۴۱	حضرت زکریا علیہ السلام کا استجاب	۱۱۸	درس یازدہم ۱۱ (آیت ۳۳ تا ۳۴)
"	استقرار حمل کی نشانی	"	آیات و ترجمہ
۱۴۳	درس چہارم ۱۴ (آیت ۴ تا ۴۴)	"	رابط آیات
"	آیات و ترجمہ	"	ظلم و ستم کا دور
"	رابط آیات	۱۲۱	شرف انسانی اور آدم علیہ السلام
۱۴۴	فرشتوں کا غیر نبی سے کلام	"	نوح علیہ السلام
۱۴۵	حضرت مریم کے مناقب	۱۲۲	آل ابراہیم

۱۶۰	رسالت عامہ	۱۴۷	حضرت مریم کو نصیحت
۱۶۱	معجزات انبیاء	۱۴۹	غیب کی خبریں
"	مصنوعی پمپزہ	۱۵۰	قرعہ کی شرعی حیثیت
۱۶۲	شقلے بیماروں	۱۵۱	پہنیر اور علم غیب
۱۶۳	احیائے موتی	۱۵۲	درس پانزدہم ۱۵ (آیت ۴۵ تا ۴۸)
۱۶۴	شوراک کی خبر	"	آیات و ترجمہ
۱۶۵	معجزات کا انکار	"	رابطہ آیات
"	تصدیق کتب سابقہ	۱۵۳	حضرت مریم کو بشارت
۱۶۷	درس ہفتم ۱۷ (آیت ۵۴ تا ۵۷)	۱۵۴	کلمۃ اللہ کی تفسیح
"	آیات و ترجمہ	۱۵۵	سیح ابن مریم
"	بنیادی عقیدہ	۱۵۶	جدیانیوں کا باطل عقیدہ
۱۶۸	اعتقاد امر عمل	"	علی بن مریم
۱۶۹	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری	۱۵۷	یہودیوں کی سیح دشمنی
۱۷۱	حواریوں کی دعا	۱۵۸	حضرت مسیح کے مناقب
۱۷۲	یہودیوں کی سازش	۱۵۹	مقربین الہی
۱۷۳	درس ہشودہم ۱۸ (آیت ۵۵ تا ۵۷)	۱۶۰	یحیٰ مانہ کلام مسیح میں کلام
"	آیت و ترجمہ	۱۶۱	صالح عیسیٰ علیہ السلام
۱۷۵	رابطہ آیات	"	حضرت مریم کی پریشانی
"	توفیٰ کا معنی	۱۶۲	مسیح علیہ السلام کی حیثیت معلم
۱۷۸	قادیانیوں کی غلط تاویل	۱۶۸	درس شانزدہم ۱۶ (آیت ۴۹ تا ۵۰)
"	مسئلہ ختم نبوت	"	آیات و ترجمہ
۱۷۹	حق و باطل	۱۶۹	رابطہ آیات
"	واقعہ ارتفاع	"	درمحل بنی اسرائیل

۲۱۳	آیات و ترجمہ	۱۹۰	متبعین کا علیہ
"	رابط آیات	۱۹۲	عذاب اور ثواب
۲۱۳	عقیدہ توحید	۱۹۳	درس نوزوم ۱۹ (آیت ۵۸ تا ۶۰)
۲۱۵	قبر پرستی	"	آیات و ترجمہ
۲۱۶	شُرک کی لعنت	"	رفع علی علیہ السلام پر دلائل
۲۱۷	رب صرف اللہ ہے	۱۹۵	نشانات صداقت
۲۱۸	تخیل و تحریم	۱۹۶	صانع اور مصنوع
۲۲۰	شاہ روم کے نام خط	۱۹۷	رفع کی مزید تفصیل
۲۲۲	درس نسبت دو ۲۲ (آیت ۶۵ تا ۶۸)	۱۹۸	نزول سبح
"	آیات و ترجمہ	۱۹۹	علاقہ قیامت
۲۲۳	رابط آیات	۲۰۰	تخلیق علیی پر مثال
"	شان نزول	۲۰۳	درس مستجم ۲۰ (آیت ۶۱ تا ۶۳)
۲۲۴	بیودیت اور نصرت کی ابتداء	"	آیات و ترجمہ
۲۲۵	ہندوانہ رسوم	"	رابط آیات
"	ابراہیم علیہ السلام کے متعلق جھگڑا	۲۰۴	میاہدہ کا چیلنج
۲۲۶	ابراہیم علیہ السلام خلیفہ تھے	۲۰۵	میاہدہ سے فرار
۲۲۷	بزرگوں کی طرف نسبت	"	صلح نامہ
۲۲۹	حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متبعین	۲۰۶	میاہدہ کا خیال
۲۳۰	درس نسبت سہ ۲۳ (آیت ۶۹ تا ۷۱)	۲۰۷	میاہدہ اور اہل بیت
"	آیات و ترجمہ	۲۰۸	میاہدہ کی مشرور عیت
"	رابط آیات	۲۱۰	حق بات
۲۳۱	اہل کتاب کا منصوبہ	۲۱۱	مفسدین کو تنبیہ
۲۳۲	مستشرقین کی سازش	۲۱۲	درس نسبت یک (آیت ۷۳)

۲۵۲	شانِ نزول	۲۳۳	فن اور فحاشی
۲۵۳	اہل کتاب کی بدعہدی	۲۳۵	مشنبری اور دل کا جال
۲۵۴	مبغوض لوگ	۲۳۶	تکفیر آیات
۲۵۵	محبوب لوگ	۲۳۷	کتمانِ حق
۲۵۶	تحریفِ لفظی	۲۳۸	درس نسبت چہارم (آیت ۷۲ تا ۷۴)
۲۵۷	تحریفِ معنوی	۲۳۹	آیت و ترجمہ
۲۵۸	درس نسبت ہفتم (آیت ۷۹ تا ۸۰)	۲۴۰	ربط آیات
۲۵۹	آیات و ترجمہ	۲۴۱	یہودیوں کی تدبیر
۲۶۰	ربط آیات	۲۴۲	تصدیقِ حق سے انکار
۲۶۱	شانِ نزول	۲۴۳	بنی اسرائیل کی عارضی فضیلت
۲۶۲	بشریتِ انبیاء علیہم السلام	۲۴۴	تمام فضائلِ کمالہ
۲۶۳	منصبِ نبوت	۲۴۵	درس نسبت ہجتم (آیت ۷۵ تا ۷۶)
۲۶۴	اللہ والے	۲۴۶	آیات و ترجمہ
۲۶۵	عبودیت کی غلط نسبت	۲۴۷	ربط آیات
۲۶۶	رب صرف اللہ ہے	۲۴۸	مالی خیانت
۲۶۷	مخلصہ کلام	۲۴۹	شانِ نزول
۲۶۸	درس نسبت و مشیت (آیت ۸۱ تا ۸۲)	۲۵۰	دینا و درہم
۲۶۹	آیات و ترجمہ	۲۵۱	باطل فلسفہ
۲۷۰	ربط آیات	۲۵۲	امانت کی دلہی پر اصرار
۲۷۱	میتاق الست	۲۵۳	عہد کی پابندی
۲۷۲	تمام انبیاء سے میتاق	۲۵۴	درس نسبت و مشیت (آیت ۸۳ تا ۸۴)
۲۷۳	میتاقِ خاص	۲۵۵	آیات و ترجمہ
۲۷۴	یہودیوں کی خلافتِ ورزی	۲۵۶	اہل کتاب کی تیسری خیانت

۲۹۵	آیات و ترجمہ	۲۷۳	پاکیزہ مشن
"	رابطہ آیات	۲۷۵	عزیز سخنی پریس
"	قبولیت کا مدار ایمان پر ہے	۲۷۷	درس نسبت نمبر ۲۹ (آیت ۸۲ تا ۸۵)
۲۹۶	بہ، بڑا اور اٹھ	"	آیات و ترجمہ
۲۹۷	نیچی کی مثالیں	۲۷۸	رابطہ آیات
۲۹۹	محبوب چیز کی قربانی	"	سچا دین
۳۰۰	معاشی نظام	۲۸۰	ایمان باللہ
"	تاجروں کے لیے لمحہ فکرمہ	"	ایمان بالکتاب
۳۰۱	اسراف و تبذیر	۲۸۳	ایمان بالرسول
۳۰۳	درس سہمی دو ۳۲ (آیت ۹۳ تا ۹۵)	"	غیر اقوام کی سازشیں
"	آیات و ترجمہ	۲۸۵	مسلمانوں کی بد قسمتی
"	شان نزول	"	اسلامی قوانین
۳۰۴	یہودیوں کے چار سوال	۲۸۷	درس سہمی ۳ (آیت ۸۶ تا ۹۱)
۳۰۶	حلت و حرمت	"	آیت و ترجمہ
۳۰۷	مختلف شرائع کے احکام میں فرق	۲۸۸	رابطہ آیات
۳۰۹	یہودیوں کی کذب بیانی	"	آخرت کا مدار اسلام پر ہے
۳۱۰	ملت ابراہیمی کا اتباع	۲۸۹	شان نزول
۳۱۲	درس سہمی سہم ۳۳ (آیت ۹۶ تا ۹۷)	۲۹۰	بحث رسول کی پیشین گوئیاں
"	آیات و ترجمہ	۲۹۱	ظالم ہدایت سے محروم ہیں
"	گذشتہ سے پیوستہ	۲۹۲	قبولیت تو بہ
۳۱۳	قبلاً اقول	۲۹۳	عدم قبولیت تو بہ
۳۱۵	بجہ اور مسمہ	"	فدیہ کام نہ آنے کا
۳۱۶	فضائل بیت اللہ شریف	۲۹۵	درس سہمی وکیلا (آیت ۹۲)

۳۴۱	آیات و ترجمہ	۳۱۷	تاریخ تعمیر کعبہ
"	رابط آیات	۳۱۸	مقام ابراہیم
۳۴۲	دعوت الی الخیر	۳۱۹	جائے امن
۳۴۳	اصلاح کے تین اصول	۳۲۰	فرضیت حج
"	ایمان کے تین درجات	۳۲۱	معرضین حج کے لیے وجیہ
۳۴۴	فرض کفایہ	۳۲۳	درس سی چہارم ۲۴ (آیت ۹۸ تا ۱۰۱)
۳۴۶	اس کے مکلفین	"	آیات و ترجمہ
۳۴۸	درس سی و ہفت ۳۷ (آیت ۱۰۵ تا ۱۰۹)	۳۲۴	رابط آیات
"	آیات و ترجمہ	"	تکفیر آیات
۳۴۹	رابط آیات	۳۲۵	صلوٰۃ مستقیمہ میں رکاوٹ
"	تفرقہ فی الدین	۳۲۷	اہل اسلام کو تنبیہ
۳۵۰	صحابہ روشن سنا سے ہیں	۳۲۹	حقیقہ حاضر و ناظر
۳۵۱	اختلاف رحمت	۳۳۰	اعتصام باللہ
۳۵۲	مسک اہم ابوحنیفہؒ	۳۳۲	درس سی و پنج ۳۵ (آیت ۱۰۲ تا ۱۰۴)
۳۵۳	اختلاف زحمت	"	آیات و ترجمہ
"	بدعات کی کثرت	"	رابط آیات
۳۵۵	روشن اور سیاہ چہرے	۳۳۳	خوف خدا
۳۵۶	رجوع الی اللہ	۳۳۴	حق لُقَاتِہِ
۳۵۷	درس سی و ہشت ۳۸ (آیت ۱۱۰ تا ۱۱۱)	۳۳۵	غائمہ بالایمان
"	آیات و ترجمہ	۳۳۶	جبل اللہ
"	رابط آیات	۳۳۸	تفرقہ بین المسلمین
۳۵۸	بہترین امدت	"	تذکیر احسانات الہی
۳۵۹	امر بالمعروف	۳۴۱	درس سی و نہم ۳۶ (آیت ۱۰۴)

۳۸۱	رابط آیات	۳۶۰	ہنی عن المنکر
۳۸۲	مخلص دوست	۳۶۱	تبی برایاں
"	شان نزول	۳۶۲	ایمان باللہ
۳۸۳	فساد انگیزی	۳۶۳	اہل ایمان کو تسلی
۳۸۴	اخلاقی رواداری	۳۶۵	درس سی و نہم ۳۹ (آیت ۱۱۲ تا ۱۱۵)
"	کلیدی اسمیوں پر تفسیری	"	آیات و ترجمہ
۳۸۵	مسلمانوں کے ساتھ بدخواہی	۳۶۶	رابط آیات
۳۸۸	درس چہل و سوم ۳۷ (آیت ۱۱۹ تا ۱۲۰)	"	یہودیوں کی ذلت
"	آیات و ترجمہ	۳۶۷	جبل اللہ اور جبل الناس
"	رابط آیات	"	محروم اقدار
۳۸۹	افتائے راز	۳۶۸	مسلمانوں کی زہلوں حالی
۳۹۰	خلافت اسلامیہ	۳۶۹	غضبِ الہی
۳۹۱	یکطرفہ محبت	۳۷۰	سعید روہیں
۳۹۲	ایمان بالکتاب	۳۷۱	درس چہل و چہم ۴۰ (آیت ۱۱۶ تا ۱۱۷)
"	منافقین کا اظہارِ حقیقی	"	آیات و ترجمہ
۳۹۳	دفاع کا طریقہ	"	رابط آیات
۳۹۶	درس چہل و سوم ۳۷ (آیت ۱۲۱ تا ۱۲۲)	۳۷۲	مال و اولاد کا فتنہ
"	آیت و ترجمہ	"	جیاداری
"	رابط آیات	"	کفار کا ہلکا انفاق
۳۹۷	صبر اور تقویٰ	"	دنیا میں شہرت
"	جنگ احد کا پس منظر	"	برائی کا اثر نیچے پڑ
۳۹۸	صحابہ سے مشورہ	۳۷۵	درس چہل و یکم (آیت ۱۱۸)
۳۹۹	حضور علیہ السلام کے خواب	۳۷۶	آیات و ترجمہ
"	جنگ کے لیے تیاری	"	رابط آیات
۴۰۱	توکل علی اللہ	"	غزوہ بدر
۴۰۳	درس چہل و چہم ۴۰ (آیت ۱۲۲ تا ۱۲۵)	۳۷۸	اذکار کا مفہوم
"	آیت و ترجمہ	"	تقویٰ اور شکر
"	رابط آیات	"	فیشتوں کے ذریعہ مدد
۴۰۳	غزوہ بدر	۳۷۹	
۴۰۴	اذکار کا مفہوم	۳۸۱	
۴۰۴	تقویٰ اور شکر	"	
۴۰۵	فیشتوں کے ذریعہ مدد		

۴۳۰	فلاح انانیت	۴۰۹	درس چیل وینج ۴۵ (آیت ۱۲۶ تا ۱۲۹)
۴۳۲	درس چیل وینج ۴۸ (آیت ۱۳۹ تا ۱۴۳)	"	آیات و ترجمہ
"	آیات و ترجمہ	۴۱۰	رابط آیات
۴۳۳	رابط آیات	"	مقصود نزولِ ملائکہ
"	مسلمانوں کی حوصلہ افزائی	۴۱۱	نصرت الہی
۴۳۴	جنگ قادیسیہ	۴۱۳	کفار کی ناکامی
"	حالات میں تغیر و تبدل	"	غزوة احد میں آزمائش
۴۳۶	آزمائش اور اسکی حکمت	۴۱۵	جزا اور سزا اللہ تعالیٰ کے پاس ہے
۴۳۶	سوموں کا ترکیبہ نفس	۴۱۷	درس چیل وینج ۴۶ (آیت ۱۳۰ تا ۱۳۲)
۴۳۸	جہاد اور صبر	"	آیات و ترجمہ
۴۳۹	موت کی تمنا	"	رابط آیات
۴۴۲	درس چیل وینج ۴۹ (آیت ۱۴۴ تا ۱۴۵)	۴۱۸	صدمتِ سود
"	آیات و ترجمہ	۴۱۹	خبرہ انتقام
"	رابط آیات	۴۲۰	ڈرانے والی آیت
"	ساخہ احد	۴۲۱	کامیابی کا راز نیچے میں سبق
۴۴۴	ازلی، ابدی صورت ذات خداوتی ہے	۴۲۳	انفاق فی سبیل اللہ
۴۴۵	دین پر ثابث قدمی	"	مستحق کی صفات
۴۴۶	ابن قیمیہ کا شعر	۴۲۶	درس چیل وینج ۴۷ (آیت ۱۳۵ تا ۱۳۸)
۴۴۷	موت کا وقت مقرر ہے	"	آیات و ترجمہ
"	طلب دنیا یا طلب آخرت	۴۲۷	رابط آیات
۴۴۹	درس پنجابہ ۵۰ (آیت ۱۴۶ تا ۱۴۸)	"	ارتکاب گناہ اور معافی
"	آیات و ترجمہ	۴۲۸	استغفار کی برکات
"	رابط آیات	۴۳۰	نشاناتِ عبرت

۴۷۳	درس پنجاہ و سہ (آیت ۱۵۴ تا ۱۵۵)	۴۵۰	جہاد سنتِ انبیاء ہے
۴۷۴	آیات و ترجمہ	۴۵۱	مؤمن ثابت قدم رہتا ہے
"	رابط آیات	۴۵۲	صبر بہترین حربہ ہے
"	دوران جنگ نیند	"	مجاہدین کی دعا
۴۷۵	منافقوں کے شبہات	۴۵۵	دنیا و آخرت کا ثواب
۴۷۶	موت کا وقت مقرر ہے	"	محبوبانِ خدا
۴۷۷	مؤمن کی آزمائش	۴۵۷ (آیت ۱۴۹ تا ۱۵۱)	درس پنجاہ و یک (آیت ۱۴۹ تا ۱۵۱)
۴۷۹	شیطان کا پھسلاوا	"	آیت و ترجمہ
"	اللہ کی طرف سے معافی	"	رابط آیات
۴۸۲	درس پنجاہ و چہار (آیت ۱۵۶ تا ۱۵۸)	۴۵۸	عظیم نقصان
"	آیات و ترجمہ	۴۵۹	مسلمانوں کے تنزل کی وجہ
"	رابط آیات	۴۶۰	اللہ ہی مددگار ہے
۴۸۳	منافقین کی تدبیر	۴۶۱	اسلام کا رعب
۴۸۴	حسرت و یاس	۴۶۲	بیلادیلِ مشرک
۴۸۵	موت و حیات کا سرشتہ	۴۶۳ (آیت ۱۵۲ تا ۱۵۳)	درس پنجاہ و دو (آیت ۱۵۲ تا ۱۵۳)
۴۸۶	شہداء کے لیے انعام	"	آیت و ترجمہ
۴۸۷	اللہ کے حضور کی پیشی	۴۶۵	رابط آیات
۴۸۸	درس پنجاہ و پنج (آیت ۱۵۹ تا ۱۶۰)	"	غزوہٴ احد - سرسری جائزہ
"	آیات و ترجمہ	۴۶۷	مسلمانوں کو تہنید
"	رابط آیات	۴۶۸	طلبِ دنیا اور طلبِ آخرت
۴۸۹	بنی علیہ السلام کی نرم مزاجی	۴۷۰	غلطی معاف ہوگئی
۴۹۰	بخش، معافی اور مشورہ	"	مسلمانوں کی زبوں حالی
۴۹۱	مشاورت کی مثالیں	۴۷۱	کفر و اسلام میں مکالمہ

۵۱۲	قرآنی تعلیم	۴۹۲	مشورہ کی فتنی حیثیت
۵۱۳	تعلیم حکمت	۴۹۳	ڈاکٹر شربت بمقابلہ مشاورت
۵۱۵	درس پنجاہ و ہفت ۵۸ (آیت ۱۶۵ تا ۱۶۸)	۴۹۵	نصرت الہی
"	آیات و ترجمہ	۴۹۷	درس پنجاہ و س ۵۶ (آیت ۱۶۱ تا ۱۶۳)
۵۱۶	رابطہ آیات	"	آیات و ترجمہ
۵۱۷	مسلمانوں کے لیے کئی	"	رابطہ و آیات
۵۱۸	شکست کی حکمت	۴۹۸	شانِ نزول
۵۱۹	جارحانہ یا مدافعتی جنگ	۴۹۹	غلول کا مفہوم ہے
۵۲۰	مناظروں کی حیلہ سازی	"	خیانت کبیرہ گناہ ہے
۵۲۱	موت سے فرار ممکن نہیں	۵۰۰	تجبر، غلول اور قرض
۵۲۳	درس پنجاہ و نہ ۵۹ (آیت ۱۶۹ تا ۱۷۱)	۵۰۲	خانہ کی سزا
"	آیات و ترجمہ	۵۰۳	جوازِ عمل
"	رابطہ آیات	"	نیک و بد برابر نہیں
۵۲۴	جہاد فی سبیل اللہ	"	نیچ اور بدی کے درجات
۵۲۵	شہداء کی زندگی	۵۰۵	درس پنجاہ و ہفت ۵۷ (آیت ۱۶۴)
"	شہداء کے مناقب	"	آیات و ترجمہ
۵۲۷	برزخ کی زندگی	"	رابطہ آیات
۵۲۸	پچھلوں کے متعلق بشارت	"	احسانِ خداوندی
۵۲۹	شہداء کا غسل اور جنازہ	۵۰۶	دو عظیم نعمتیں
"	شہداء پر میوہ سمونہ	۵۰۷	پیغمبر اور جنس انسانی
۵۳۱	درس شخصیت ۷۱ (آیت ۱۷۲ تا ۱۷۵)	۵۰۸	عقیدہ لوجوم من نور اللہ
"	آیات و ترجمہ	۵۰۹	تلاوتِ قرآن
۵۳۲	رابطہ آیات	۵۱۰	شہداء کا کامل

۵۵۳	آیات و ترجمہ	۳۲	شان نزول
"	رابط آیات		پراگینڈا بطور روشنی و بصیرت
"	جہاد بالمال	۵۳۳	جزیرہ ایمانی
۵۵۴	سجّل کی بیماری	۵۳۵	ایمان میں اضافہ
۵۵۵	سجّل فی العلم	"	صحابہ کرام کی فضیلت
۵۵۶	فضل وسیع تر معنوں میں	۵۳۷	شیطان فی فضل
۵۵۷	اخلاق کا بگاڑ	"	در شصت و یک (آیت ۱۷۶ تا ۱۷۸)
۵۵۸	سجّل کی سزا	۵۳۹	آیات و ترجمہ
۵۵۹	مالک ہر شے خدا است	"	رابط آیات
۵۶۰	در شصت و چہار (آیت ۱۸۱ تا ۱۸۲)	"	منافقین کی مذمت
"	آیات و ترجمہ	۵۴۰	ایمان اور کفر
"	شان نزول	۵۴۲	آخری امت کی عمریں
۵۶۱	قرض حسن	۵۴۳	کفار کے لیے مہلت
۵۶۲	حلال و حرام کی حکمت	"	در شصت و دو (آیت ۱۷۹)
"	یہود کی گت خیاں	۵۴۶	آیات و ترجمہ
۵۶۳	قتل انبیاء علیہم السلام	"	رابط آیات
۵۶۴	گستاخی کی سزا	"	شکست کی توحیدی حکمت
۵۶۶	در شصت و پینچ (آیت ۱۸۲ تا ۱۸۵)	۵۴۷	عینب کی خبریں
"	آیات و ترجمہ	۵۴۸	عینب کا مفہوم
۵۶۷	رابط آیات	۵۴۹	عینب خاصہ خداوندی ہے
"	سرمایہ داری کی لعنت	"	معصوم صرف نبی ہوتا ہے
۵۶۸	قربانی کی فرمائش	۵۵۱	اجر عظیم
۵۷۰	اس کا جواب	۵۵۲	در شصت و تیرہ (آیت ۱۸۰)
۵۷۱	اہل ایمان کی تسلی	۵۵۳	

۵۹۷	درس شخصیت و نہ ۶۹ (آیت ۱۹۰ تا ۱۹۱)	۵۷۲	موت اور حجتِ امیرِ عمل
"	آیات و ترجمہ	۵۷۳	دنیا دھوکہ محض ہے
"	سورۃ کی ابتداء اور انتہاء	۵۷۴	درس شخصیت و خصلت ۶۶ (آیت ۱۸۶)
۵۹۸	شانِ نزول	"	آیات و ترجمہ
۵۹۹	نشاناتِ قدرت	"	رابط آیات
۶۰۰	اولی الالباب	۵۷۵	اصول ابتلاء
۶۰۱	ذکر الہی	۵۷۶	تکلیفِ دہ باتیں
۶۰۲	قلبی ذکر	۵۷۹	صبر کی تقصین
۶۰۴	مصنوعاتِ خداوندی میں غور و فکر	۵۸۰	تقویٰ کی ڈھال
"	مصنوعاتِ قدرتِ عجب نہیں	"	مقصودِ امور
۶۰۵	دوزخ سے نجات	۵۸۲	درس شخصیت و صفات ۶۷ (آیت ۱۸۷)
۶۰۶	درس صفات ۷۰ (آیت ۱۹۲ تا ۱۹۴)	"	آیات و ترجمہ
"	آیات و ترجمہ	"	رابط آیات
"	رابط آیات	۵۸۳	میشاق اہل کتاب
۶۰۷	غور و فکر کی حد	۵۸۴	عقیدہ شخی
"	نظامِ شمسی	۵۸۵	غرضِ فاسد
۶۰۸	علمِ فلکیات	۵۸۶	آخری امت کی بیماری
"	آخرت کی رسوائی	۵۸۸	حقیقہ دنیا کی طلب
۶۱۰	ایمان کی دعوت	۵۹۰	درس شخصیت و صفات ۶۸ (آیت ۱۸۸ تا ۱۸۹)
"	دعائے مغفرت	"	آیات و ترجمہ
۶۱۲	بیچکاروں کی رفاقت	"	گذشتہ سے پیوستہ
"	منہجائے مقصود	۵۹۱	اہل کتاب کی خام خیالی
۶۱۳	درس صفات و وکیک (آیت ۱۹۵)	۵۹۲	اہل ایمان کی خداخوانی
۶۱۵		۵۹۳	مرحہ کے طالبِ ریاکار
		۵۹۵	اقدارِ اعلیٰ

۶۲۰	درس ہفتاد و نوسہ (آیت ۱۹۹)	۶۱۵	آیات و ترجمہ
"	آیات و ترجمہ	"	رابط آیات
"	رابط آیات	۶۱۶	اعمال صالحہ کی قبولیت
"	سائے اہل کتاب بلبرینین	۶۱۷	مرد و زن کا دائرہ کار
۶۳۱	سجاشی کا قبول اسلام	۶۱۸	تفریق صنف
۶۳۲	سجاشی کی منائے نہ نماز جنازہ	"	اچھی تربیت
۶۳۳	اہل کتاب کے لیے دوہرا اجر	۶۱۹	ہجرت کا فضیلت
۶۳۴	قریبی دور کے نو مسلم	۶۲۱	اذیت فی سبیل اللہ
۶۳۶	خشیت الہی	"	معافی کی بشارت
۶۳۷	حساب میں جلدی	۶۲۲	جنت میں داخلہ
۶۳۸	درس ہفتاد و چہارہ (آیت ۲۰۰)	۶۳۳	درس ہفتاد و دو (آیت ۱۹۶ تا ۱۹۸)
"	آیت و ترجمہ	"	آیات و ترجمہ
"	خلاصہ سورت پانچ اصول	"	رابط آیات
"	پہلا اصول ایمان	۶۲۳	استدراج
۶۳۹	دوسرا اصول صبر	۶۲۵	طرز مخاطب
۶۴۰	تیسرا اصول تلقین صبر	۶۲۶	متاع قلیل
"	چوتھا اصول رابط	۶۲۷	مستقین کے لیے انعام
۶۴۲	پانچواں اصول تقویٰ	۶۲۸	اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمانداری
"	فضائل سورت	۶۲۹	نیکی کاروں کے لیے بہتر اجر

احکام حج مع زیارات مکہ المکرمہ و مدینۃ المنورہ

تالیف: مولانا حاجی محمد فیاض خان سواتی

قیمت
۲۰ روپے

پٹنہ کا مکتبہ دوس القرآن فاوق گنج گوہر انوار

صفحات
۱۲۸

پیش لفظ

انما: الحج لعل دین - ایم لے (علوم اسلامیہ) شالسالار، لاہور

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ
وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

امابعد

تاریخ عالم گواہ ہے کہ دنیا میں آج اگر کوئی آسمانی کتاب اپنی اصلی حالت میں موجود ہے، تو وہ صرف اور صرف قرآن حکیم ہے۔ سابقہ کتب تورات، انجیل، زبور اور دیگر صحائف کے متعلق خود ان کے پیروکار بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ وہ کتب بعینہ اسی حالت میں موجود ہیں جس حالت میں اللہ تعالیٰ نے انہیں نازل فرمایا۔ سابقہ اعم اپنی اپنی کتابوں سے روگردانی اور ان میں تحریف کرنے کی بنا پر ہی کلام الہی کے اعزاز سے محروم ہو گئیں، افسوس کا مقام ہے کہ قیامت تک کیلئے محفوظ خدا کی آخری کتاب قرآن پاک کی حامل امت محمدیہ اس اعتقاد کے باوجود کہ یہ کتاب واجب الاطاعت اور مذہبی فلاح و کامرانی کی ضامن ہے، اس کی تعلیم سے مسلسل اعراض برت رہی ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ پوری امت مسلمہ آج قعر مذلت کا شکار ہے۔

خوار از مجوری قرآن شری

قرآن کریم نے اپنے آپ کو ایک عالمگیر کتاب کی حیثیت سے پیش کیا ہے پانچ سورہ یوسف اور سورہ ص میں یہ دعویٰ موجود ہے ان هو الاذکر للعالمین یعنی یہ دنیا بھر کے لیے نصیحت ہے۔ سورہ فرقان میں ارشاد ہوتا ہے، پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر یہ حدس کتاب نازل فرمائی لیسکون للعالمین تذیباً اگر یہ کتاب تمام جہان والوں کے لیے وہ راہنما بنیاد ہے جس سے وہ اپنے انجام سے خبردار ہو جائیں سورہ اعراف میں حضور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خطاب ہے

قَدْ يَأْتِيهَا النَّاسُ رَأَى مَرَسُولَ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا أُبَيٌّ فَرَأَيْتُمْ كَيْفَ لَوْ كَرِهُوا
 میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور میری بعثت کا مقصد یہ ہے وَأَوْحَى إِلَيْنَا
 هَذَا الْقُرْآنَ لِأَنَّ نَذِيرًا كَرِيمًا وَمَنْ بَلَغَكَ كَمَا اس کے ذریعے میں تمہیں بھی خبردار
 کہہ دوں اور ہر اس شخص کو متنبہ کہہ دوں جس تک اس کلام الہی کا پیغام پہنچے غرضیکہ قرآن پاک
 نے اپنے عالمگیر ہونے کا بار بار دعویٰ کیا ہے۔ اور حضور نبی کریم نے اس کی صداقت کی
 تشریح فرمادی۔

قرآن پاک کی عالمگیریت کا معنی یہ ہے کہ یہ پوری نوع انسانی کے لیے منبغ شہادت
 ہے۔ اس کا پیغام اس دنیا میں بسنے والے ہر انسان کے لیے ہے خواہ وہ دنیا کے کسی
 خطے میں رہتا ہو کسی رنگ اور نسل سے تعلق رکھتا ہو اور کسی زمانے میں پیدا ہوا ہو۔ ذرا غور
 فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغام میں انسان کو کس طرح خطاب کیا ہے سورۃ الانفا
 میں آتا ہے۔ يَأْتِيهَا الْإِنْسَانُ مَسْعًا كَمَا عَلَّمَكَ بِسَبْتِكَ الْكَرِيمِ لِيَأْتِيَ النَّاسَ
 رب کریم کے بارے میں تجھے کس چیز نے دھوکے میں ڈال دیا ہے۔ سورۃ العصر میں
 انسان کی توجہ اس کی اصلیت کی طرف دلاتے ہوئے فرمایا هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ
 حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ كَرِهًا لَّيَكُنَّ شَيْئًا مَّذْمُومًا كَمَا الْإِنْسَانُ عَلَيْهِ الْيَاسُوتُ
 نہیں گنہگار جب کہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ سورۃ العصر میں انسان ہی کو موضوع سخن
 بنایا گیا وَالْعَصْرِ هِ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفِي خُسْرًا بیشک انسان خائے میں ہے جب
 تک وہ مطلوبہ معیار پر پورا نہ اترے۔

مقصد یہ ہے کہ قرآن پاک کی تمام تعلیمات انسان ہی کی ہدایت اور فلاح کے لیے
 ہیں راسی کے فرمودات پر عمل کر کے انسان دنیا و آخرت میں مسرخر ہو سکتا ہے۔
 مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے إِنَّ اللَّهَ يَرْفَعُ بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا
 وَيَضَعُ بِهِ الْآخَرِينَ اللہ تعالیٰ اس کتاب پر عمل کے ذریعے ہی سے لوگوں کو مامعروف
 تک پہنچاتا ہے اور اسی کتاب کی خلاف ورزی کے مرتجبین کو ذلیل و رسوا کرتا ہے ہم
 مالک کا قول ہے لَا يَصْلِحُ الْخَرَفُ : : لَامَةُ الْأَمَّا صِلِحُ بِهِ الْأَوَّلُ اس امرت

کے آخری لوگوں کی اصلاح بھی اسی چیز سے ممکن ہے جس چیز سے امت کے طبقہ اول کی اصلاح ہوئی۔ مطلب یہ کہ جس طرح قرآن حکیم اپنے اولین مخاطبین کے لیے قلدح دارین کا سبب بنا، اسی طرح وہ آج بھی اپنے مانتے والوں کے لیے مزیدہ جانظر بن سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ طے سے مضبوطی سے تقام لیں۔

قرآن پاک کی تعلیمات کو عام کرنے اور اس کا پیغام گھر گھر پہنچانے کا کام اہل حق ہر زمان اور ہر مقام پر انجام دیتے آئے ہیں اور انشاء اللہ تاقیام قیامت دین کی یہ خدمت جاری رہیگی۔ سلسلہ دروس القرآن بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے اور حتی المقدر یہ کام انجام دیا جا رہا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ ادارہ کو توقع سے زیادہ کامیابی ہوئی ہے اور ایک ایک جلد کے کئی کئی ایڈیشن شائع ہو رہے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ قارئین کو اس سلسلہ سے زیادہ سے زیادہ استفادہ ہونے کی توفیق ارزانی فرمائے اور کارکنان کے لیے اسے ذخیرہ آخرت بنا سکے۔ یہ جلد اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اس میں پوری سورۃ آل عمران سما گئی ہے۔ پروگرام کے مطابق انشاء اللہ ہر آدھ جلد ایک یا ایک سے زیادہ مکمل سورتوں پر مشتمل ہوگی۔ اگلی سورۃ نسا کے لیے ایک مکمل جلد ہوگی۔ ہمیں امید ہے کہ کام کی رفتار اب بہت تیز ہو جائے گی اور قارئین کو اگلی جلد کے لیے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ

احقر العباد

لعل دین شالامارٹاؤن لاهورا

۱۔ یہ تفسیر مکمل نیٹل ضخیم جلدوں میں شائع ہو کر منظر عام پر آچکی ہے (فیاض)

باسمہ سبحانہ و تعالیٰ

سخن سے گفتنی

نما: محمد شریف، فاضل مدرسہ فقہ العلام گومبرازوالہ و دفتار المدارس العربیہ پاکستان

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ
خَاتَمِ الْأَنْبِيَاءِ وَالرُّسُلِينَ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ
أَمَّا بَعْدُ

نماز فجر کے فوراً بعد اگر آپ جامع مسجد نور مدرسہ نصرتہ العلوم میں داخل ہوں تو مسجد میں ایک روشن چہرہ اور اس پر گزرے ہوئے ماہ و سال کے نقوش، سر پر سیاہ کپڑے کی سفید ٹوپی، آنکھوں میں تدمبر کی گہریاں، سفید قدے گھنی سنت کے مطابق ٹراہی آواز میں سنجیدگی اور متانت، صبح اور مستحکم نظریات و افکار لئے ہوئے، حاضرین کے مجمع میں قرآن حکیم کھولے، سادہ اور عام فہم زبان میں قرآنی اسرار و رموز، تفسیری نکات، فقہی مسائل اسلامی عقائد اور نظامائے اسلام کی توضیح، غیر اسلامی نظاموں، غلط افکار، مسلمانوں کی موجودہ پستی، زلیوں حالی اور تنزل کے اصل اسباب و محرکات کی واضح نشاندہی اور باطل نظامائے حکومت کی تردید، معاشی، اقتصادی، تعلیمی اور اخلاقی خامیوں پر بے لاگ تبصرہ کرتے ہوئے، باوقار شخصیت نظر آتی، جو کہ حضرت مولانا مونی عبدالحمید عواتی رضی اللہ عنہما کے نام سے موصوفہ جنہوں نے تصوف، علم و حکمت اور سیاست کے اکابر و اساطین سے تلمذ کیا، اور شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی سے تلمذ کے علاوہ بیعت و نسبت حاصل کر کے باطنی علوم میں بھی خاصی مناسبت حاصل کی۔

عرصہ دراز سے جامع مسجد نور میں قرآن پاک اور حدیث خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کا درس دے رہے ہیں اور متعدد بار اول سے آخر تک قرآن حکیم کا درس دے چکے ہیں، قرآن پاک کا

درس حضرت کی زبان سے کیسٹ اور کیسٹ سے صفحہ قرطاس پر منتقل ہو کر عالم الغرین
فی دروس القرآن کے نام سے معروف ہے۔

ذی نظر کتاب انہی دروس کا حصہ اور مکمل سورۃ آل عمران پر مشتمل ہے، اس جلد میں
توحید و رسالت، ایمانیات، حقانیت اسلام، معاشی، معاشرتی اور اخلاقی اصول ہر مرتبہ
یہود و نصاریٰ کی اسلام دشمنی، غیر اسلامی ممالک سے تعلقات کے اصول اور ان سے
مسلمانوں کی خارجہ پالیسی کا اچھے انداز میں ذکر موجود ہے، صحیح علیہ السلام، اور حضرت
سریم رضی اللہ عنہما کے اہم واقعات، یہودیوں اور عیسائیوں کے باطل عقائد، مشنری اور فو
شکر و بدعت کا رد اچھے طریقہ سے کر دیا گیا ہے، ملت ابراہیمی کے اصول و مدارج
ایمان کے ذکر کے علاوہ بعض معروف اسلامی شخصیات کی مختصر سوانح کا ذکر فائدہ سے
خالی نہ ہوگا۔ واقعات و قصص کا سلسلہ انتہائی مربوط ہے، علاوہ انہیں چھوٹے چھوٹے
سینکڑوں مفید مسائل کا بھی ضمنی طور پر بیان موجود ہے۔

اس جلد میں بعض دروس انتہائی اہم ہیں، جو مسلمانوں کے لیے بہت مفید ہیں، جو
انہیں ضلالت و گمراہی سے نکال کر عزت کے اعلیٰ مقام پر پہنچانے کا کام دیں گے
انشار اللہ العزیز۔

وہ سحر جس سے لڑنا ہے شہستان موجود ہوتی ہے بندہ مؤمن کی اذال سے پیدا
آخر میں ولی دعاب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دروس کو صاحب درس حضرت صوفی صاحب نے
انجمن مجاہد اشاعت قرآن کے جملہ اراکین، فاضل مرتب اور اشاعت میں حصہ لینے والے سرگرم ارکان
نوجوان بلال آغاگی، الحاج ابو غلام حیدر، مستری میر احمد، شیخ محمد یعقوب، منشی شاق احمد، الحاج میر احمد نارو
اور سب اشاعت میں حصہ لینے والے تمام حضرات کی فوز و فلاح اور خوش کامیابی کے لیے دعا کرتا ہوں
جیل کو قبول فرمائے اور قیامت تک زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو اس مستفید ہونے والی توفیق عطا فرمائے۔

اس دعا از من و جملہ جہاں آمین باد

فقط محترم شرف
دفاعت مد سے نصرۃ العلوم و دوقات المدارس العربیہ



ال عمران ۳

آیت ۶ تا ۱۶

تِلْكَ السُّرَّةُ ۳

درس اول

سُورَةُ الْاِٰرْمٰنِ مَدِيْنَةٌ وَّهِيَ اَمَّا اَيَّتْرُوفِيْهَا عَشْرُوْنَ اٰيَةً

سورۃ آل عمران مدنی ہے اور یہ دو سو آیات اور سہیں بیس رکوع ہیں،

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑھاپا اور نہایت حکم کرنے والا

اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝ نَزَّلَ
 عَلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ يَدَیْهِ
 وَاَنْزَلَ التَّوْرَةَ وَالْاِنْجِیْلَ ۝ مِنْ قَبْلُ هَدٰی
 لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا
 بِآیٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ۝ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ
 ذُوْا نِقْمٍ ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَخْفٰی عَلَیْهِ شَیْءٌ فِی
 الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمٰوٰتِ ۝ هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ
 فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ ۝ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝

ترجمہ: ۱۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں (کوئی عبادت کے
 لائق نہیں) وہی ہے زندہ، تعالیٰ والا ۲۔ اُس نے تمہاری طرف حق کے
 ساتھ کتاب اتاری ہے، تصدیق کرنیوالی ہے اُنہی جو اس سے پہلے ہیں۔ اور
 اُس نے اتاری ہے تورات اور انجیل ۳۔ اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت
 کے لیے، اور نازل کیا اُس نے فرقان (فیصلہ کرنے والی بات) بیشک وہ
 گنہگاروں نے کفر کیا اللہ کی آیتوں کے ساتھ، اُن کے لیے سخت عذاب

اور اللہ تعالیٰ غلبے والا ہے۔ انتقام لینے والا ہے ۴) بیشک اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز مخفی نہیں، زمین میں اور نہ آسمان میں ۵) وہ وہی ہے جو تمہاری تصویر بناتا ہے (نقشہ بناتا ہے) رحموں کے اندر جس طرح چاہے۔ کوئی عبادت کے لائق نہیں اس کے سوا۔ وہی ہے کمال قدرت کا مالک اور حکمت والا ۶)

سورۃ کا نام آل عمران ہے۔ چونکہ اس سورۃ میں عمران کی اولاد کا ذکر ہے اس لیے نام کو ائمتہ اس کا نام آل عمران ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح پہلی سورۃ میں بقرہ یعنی گائے کا ذکر ہے، تو اس کا نام سورۃ بقرہ ہے۔

مفسرین کہہ فرماتے ہیں کہ عمران دو ہیں۔ ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد اور دوسرے حضرت مریم کے والد۔ چونکہ اس سورۃ میں زیادہ تو حضرت مریم اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔ اس لیے یہاں پر عمران سے مراد حضرت مریم کے والد ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد بھی پیغمبر نہیں تھے۔ اور حضرت مریم کے والد بھی پیغمبر نہیں۔ البتہ یہ دونوں حضرات نیک، صالح اور ایماندار تھے تاہم حضرت مریم کے والد عمران بیت المقدس کے امام تھے۔ ہاں حضرت مریم کے خالو حضرت زکریا علیہ السلام اللہ کے نبی تھے۔

سورۃ بقرہ کی طرح سورۃ آل عمران بھی نبی سورتوں میں شامل ہے۔ اس کی دو آیات اور بیس رکوع ہیں۔ یہ سورۃ ۲۵۴۲ کلمات اور ۱۵۳۳۶ حروف پر مشتمل ہے

یہ سورۃ مدنی ہے کیونکہ ہجرت کے بعد نازل ہوئی۔ ہجرت سے پہلے ازل ہونے والی سورتیں مکی کہلاتی ہیں۔ اس سورۃ میں بحران کے اس عیسائی وفد کا ذکر ہے۔ جو حضور علیہ السلام سے بخت مباحثہ کے لیے فتح مکہ سے اگلے سال یعنی ۹ھ میں مدینے آیا تھا۔ لہذا اس کا زمانہ نزول ۹ھ ہے۔ البتہ اس سورۃ میں جنگ بدر اور جنگ احد کا ذکر بھی ہے۔ اس لیے بعض مفسرین کہہ فرماتے ہیں کہ اس کا زمانہ نزول ۱۲ھ تا ۱۰ھ ہے۔ بعض آیات قہر

سے پہلے نازل ہوئی ہیں اور بعض اس سال میں یا ہم اس سورۃ کا زیادہ تر حصہ ۹ھ میں نازل ہوا۔ تفسیر تنزیہ جو حضرت عبداللہ بن عباس کی طرف منسوب ہے اور جسے امام فیروز آبادی نے مرتب کیا ہے۔ اس کے مطابق سورۃ آل عمران کا نزول سورۃ انفال کے بعد ہوا ہے۔

سورۃ انفال میں بدر وغیرہ کے واقعات مذکور ہیں اور جیسا کہ عرض کیا گیا تھا کہ سورۃ بقرہ کا خاص مضمون یہود کی اصلاح اور اس کے ساتھ اہل ایمان کے لیے ضروری احکام ہیں جن کے ذریعہ حصول تقویٰ کا مقصد لپرا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ نظام خلافت کبریٰ کا مفصل بیان ہے۔ اس سورۃ میں روئے سخن زیادہ تر نصاریٰ کی طرف ہے اور اہل ایمان کے لیے ضروری احکام بھی ہیں۔ چنانچہ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس سورۃ کی ابتدائی ۸۳ آیتوں میں عیسائیوں کے باطل عقیدہ کا رد ہے۔ اور ضمناً بہت سی دوسری باتیں بھی بیان ہوئی ہیں۔ توحید کا مسئلہ اور اس کے عقلی و نقلی دلائل پیش کیے گئے ہیں اس کے علاوہ قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کا تذکرہ ہے۔ پہلی سورۃ میں جو بعض باتیں اجمالاً ذکر کی گئی تھیں۔ ان کا تفصیلی ذکر ہے۔ جیسے دہاں پر شہدار کا ذکر اجمالی تھا، یہاں تفصیل کے ساتھ ہو گیا۔ دہاں پر رسولوں کا ذکر اجمالی تھا، اب تفصیل کے ساتھ آئیگا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت مسیح علیہ السلام کے تذکرے سورہ بقرہ میں اجمالی تھے، اب ان کا مفصل تذکرہ آئے گا۔ سورہ بقرہ کے آخر میں ایمانیات کا تذکرہ تھا۔ اَمِنَ الدَّسُّوْلُ بِمَا اُنزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ طَمَعُوْا اَمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلِكَتِهٖ وَكُتِبَ لَهُ وَرُسُلُهُ تَقٰتٌ اس سورۃ مبارکہ میں ابتداء ہی سے توحید کا مسئلہ بیان ہوا ہے۔ یمن کے نجران کا عیسائی وفد ساٹھ افراد پر مشتمل تھا۔ جن میں چودہ سرکردہ آدمی اور تین سردار تھے۔ ان میں عبیدالسیح عاقبت امارت اور سیادت کے لحاظ سے اعلیٰ حیثیت کا پاک تھا۔ ایہم السید عقلمندی اور تدبیر میں کامل تصور کیا جاتا تھا

مركزی مضمون

جران کا وفد

اور تیسرا شخص ابو جابر ابن علیؓ مذہبی اعتبار سے ایک جید عالم، پادری، درویش اور معزز شخص تھا۔ یہ آدمی دراصل عربوں کے مشہور قبیلہ بکر بن وائل سے تعلق رکھتا تھا۔ اس قبیلہ نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ روم کے عیسائی بادشاہ نے انہیں جاگیر بخش رکھی تھی۔ ان کی بڑی قدر و منزلت کرتا تھا۔ انہیں ایک بہت بڑا گرجا بنا کر دیا تھا۔

مورخین کے اقوال، سیرت کی کتابوں اور ذخیرہ احادیث سے وہ بکران کی آمد کے دو مقاصد سمجھ میں آتے ہیں۔ پہلا مقصد تو سیاسی تھا یہ وہ زمانہ تھا جب مکہ فتح ہو کر عرب کی پوری سرزمین اور زمین کچھ علاقے بھی مسلمانوں کے تسلط میں آچکے تھے۔ اور بکران کے یہ عیسائی بھی مسلمانوں سے خائف تھے۔ اُدھر مدینہ طیبہ کے گمراہ یہودیوں کی اکثریت تھی۔ جن میں تین خاندان بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ بڑے متعصب یہودی تھے۔ سوذخورد اور سازشی ذہن کے حامل تھے۔ ان کی اسی خباثت کی وجہ سے ان میں سے دو قبیلوں یعنی بنو نضیر اور بنو قینقاع کو جلا وطن کر دیا گیا تھا۔ تیسرے قبیلہ بنو قریظہ کا فیصلہ جنگ خندق کے بعد کیا گیا تھا۔ ان لوگوں نے اس جنگ میں مسلمانوں کے ساتھ غداری کی تھی۔ چنانچہ جنگ کے بعد ان کا مسئلہ پیش ہوا۔ کہ وہ اپنی سزا خود ہی بخور نہ کریں۔ انہوں نے حضرت سعد بن معاذؓ کو اس سلسلے میں حکم تسلیم کیا۔ جنہوں نے یہ فیصلہ دیا کہ ان کے تمام مردوں کو جن کی تعداد چار سو یا چھ سو تھی قتل کر دیا جائے، ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے۔ اور ان کے اموال مسلمانوں میں تقسیم کر دیے جائیں۔ چنانچہ اس فیصلے پر عمل کر کے ان کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا گیا۔ اس موقع پر حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ سعدؓ کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق ہے۔

ان تاریخی واقعات سے بکران کے عیسائی سخت خائف تھے۔ کہ کہیں مسلمان ان کے ساتھ بھی یہودیوں جیسا سلوک نہ کریں۔ لہذا انہوں نے اس وفد کے ذریعے مسلمانوں سے صلح کرنے اور ان سے امان حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اور

جزیرہ ادا کر کے مسلمانوں کے زیر تسلط اپنے ہی علاقے میں آباد ہونے کی خواہش کا اظہار کیا۔

وفدِ بجران کی آمد کا دوسرا بڑا مقصد عیسائیت کی تبلیغ تھا۔ مسیح علیہ السلام کے متعلق ان کا عقیدہ تھا، کہ وہ خدا کے بیٹے ہیں یا تین خداؤں میں سے تیسرے ہیں۔ یادہ خود خدا ہیں۔ اس عقیدے پر وہ حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث مباحثہ کرنا چاہتے تھے۔ اس کا ذکر آگے سورۃ میں صریح الفاظ میں آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ فَإِن حَآجُّوْكَ أَكْرِمْهُم مِّنْ أَنفُسِنَا وَخِمْ بِرُءُوسِهِمْ إِنْ نَبَذُوا فِيهَا مَثَوْنًا وَخَسِرَ الَّذِينَ هُم يُحِبُّونَ۔

نرم طریقے سے ان کو سمجھانے کی کوشش کریں۔ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ یعنی ہیں اور میرے پیروکاروں نے اپنے آپ کو اللہ کے لیے سونپ دیا ہے۔ اس کے باوجود اگر وہ آپ کی دعوت کو قبول نہ کریں۔ اور آپ سے مسلسل جھگڑا کریں۔ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَالْأَنْفُسَ الَّتِي نَفْسُكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لِّلْعَذَابِ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ تَوْبَةً لِّمَن يَّشَاءُ تَوْبَةً سَّوِيَّةً وَمَن يَّكْفُرْ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ إِنَّا سَنَجْزِيْهِمْ عَذَابَ الْكَبِيْرِ۔

کہہ دیں کہ آؤ تم بھی اپنی اولاد اور عورتوں کے ساتھ میدان میں نکل آؤ اور لڑو پھر بھی اسی طریقے سے آتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی کے ساتھ دعا کریں۔ اور جھوٹے بچہ کی لعنت کریں۔ مگر آپ کے اس چیلنج کو عیسائیوں نے قبول نہ کیا۔ اس کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا۔ بہر حال عیسائیوں کا دوسرا مقصد حضور علیہ السلام سے بحث و مباحثہ کرنا تھا۔

موضوع بحث / چونکہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الٰہ مانتے تھے۔ لہذا اس بحث مباحثہ کا موضوع بھی مسئلہ الوہیت قرار پایا۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے ان کے سامنے الوہیت کی چار صفات بیان کر کے دریافت کیا کہ کیا یہ صفات عیسیٰ علیہ السلام میں بھی پائی جاتی ہیں۔ فرمایا عیسیٰ علیہ السلام ازلی اور ابدی ہیں جن کو کبھی غم نہیں۔ تو عیسائیوں نے اقرار کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو حیاتِ سرمدی حاصل

حیات مینے والا ہے۔ وہ قیوم ہے۔ یہی خود قائم ہے، ہمیشہ قائم رہیگا۔ اور دوسروں کو قائم رکھنے والا ہے۔ وہی سب کو تھامنے والا ہے۔ خدا کے سوا نہ کوئی جی ہے اور نہ قیوم ہے۔ لہذا مجبور بہ حق وہی ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ عبادت کے لائق کوئی نہیں ہو سکتا۔

یہ تو عقلی دلیل ہے کہ مسجد خلافت صرف وہی ذات ہے۔ اب نقلی دلیل ہے کہ مسئلہ توحید سمجھانے کے لیے لوگوں کو ایمان کی حقیقت سے آگاہ کرنے کے لیے اور شرک و کفر کی بیخ کنی کے لیے اس ملک الملک نے کتابیں نازل فرمائیں۔ تَنْزِيلَ عَلَيْكَ الْكِتَابِ بِالْحَقِّ اِس اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب یعنی قرآن پاک حق کے ساتھ نازل فرمایا۔ اور اس کی خوبی یہ ہے کہ یہ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے۔ جس طرح ہر آنیوالا نبی پچھلے نبی کی تصدیق کرتا ہے۔ اسی طرح ہر آسمانی کتاب سابقہ کتاب کی تصدیق کرتی ہے۔ اور اس میں شامل شدہ خرابیوں کی نشاندہی کرتی ہے یہ چیز قرآن پاک نے بتائی کہ تورات سچی کتاب ہے۔ جو اللہ نے نازل فرمائی۔ مگر یہودیوں نے اس میں خرابیاں پیدا کیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر فرمایا وَانزَلَ التَّوْرَةَ وَالْانجِيلَ اللہ تعالیٰ نے تورات اور انجیل کو نازل فرمایا۔ تورات کا معنی ہی قانون (Law) ہے۔ جب فرعون عزق ہو گیا اور نبی اسرائیل اس کے عذاب سے بچ گئے۔ تو انہوں نے خود موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا۔ کہ مصر میں قیام کے دوران میں تو ہم مجبوراً فرعون کے قانون کے تحت زندگی بسر کرنے پر مجبور تھے۔ اب ہم آزاد ہیں اس لیے ہمارے لیے کوئی اپنی شریعت یعنی قانون ہونا چاہیے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس قانون کے لیے اللہ کی بارگاہ میں دعا کی۔ تو اللہ رب العزت نے فرمایا۔ کہ وہ طور پر آکر اعیان کمر و چالیس روز سے رکھو تو آپ کو کتاب دی جائے گی۔ یہ سارا واقعہ سورۃ اعراف میں موجود ہے۔ پتا چچہ یہودیوں کی اپنی خواہش کے جواب میں ان کو تورات عطا کی گئی۔ یہ

ایک عظیم کتاب تھی۔ مگر یہودیوں، اور عیسائیوں اور ان کے پیروکاروں نے اس میں تحریف کمر کے اس کو بگاڑ دیا۔ تاہم اس کا کافی حصہ اب بھی اپنی اصل صورت میں موجود ہے۔

فرمایا **وَالْاِنْجِيلُ** یعنی تورات کے بعد ہم نے انجیل بھی اتاری۔ یہ کتاب بنی اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ مگر انہوں نے کہ اس کا مصدقہ نسخہ آج دنیا سے مفقود ہے۔ اصل انجیل وہ فرما رہے ہیں اور خطبات ہیں۔ جو مسیح علیہ السلام نے اپنی زندگی کے آخری تین برسوں میں ارشاد فرمائے۔ آپ کی زندگی میں یہ فرما رہے تھے کہ آپ کے شاگرد ان کی زبانی تبلیغ کرتے تھے۔ ایک مدت کے بعد جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معتقدین کو یہودیوں سے الگ امت قرار دیا گیا۔ اور انہیں عیسائی کہا جانے لگا۔ تو انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی اور ان کے فرمودات پر کتب تصنیف کیں۔ ہر نثر نے اپنی اپنی علیحدہ کتاب تصنیف کی جن کی تعداد ۴۰ تک پہنچتی ہے۔ موجودہ انجیل اربعہ کی بنیاد یہی کتابیں ہیں۔ یہ چاروں انجیلیوں یونانی زبان پر لکھے گئے۔ عیسائیوں کی ترتیب دی ہوئی ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد اس مذہب میں داخل ہوئے۔ ان انجیل کا ایک بھی نسخہ اصل یونانی زبان میں موجود نہیں۔ عیسائی ان میں تغیر و تبدل کرتے رہے۔ لہذا آج انجیل کے وہی احکامات قابل اعتماد سمجھے جاسکتے ہیں جن کی تصدیق قرآن پاک نے کی ہے۔ باقی سب غیر معتبر اقوال ہیں۔

فرمایا **مَنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ** یہ تورات و انجیل پہلے لوگوں کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی۔ انبیائے بنی اسرائیل انہیں کتابوں کے احکامات کی تجدید کے لیے آتے رہے۔ تا آنکہ **وَأَنْزَلَ الْقُرْآنَ** اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو نازل فرمایا۔ اس مقدس اور آخری کتاب کے ذریعے تمام احکام منسوخ ہو گئے۔ اور قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے یہی

احکام قرآن منبع رشد و ہدایت ٹھہرے۔ اس کے ساتھ ہی نبوت کا دروازہ ہمیشہ کیلئے بند کر دیا گیا۔ اور تبلیغ دین کا کام علمائے امت کے سپرد ہوا۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے عَلَمَاءُ أُمَّتِي كَأَنْبِيَاءِ بَنِي إِسْرَائِيلَ (اور العلماء و رشتہ الانبیاء) یعنی میری امت کے علمائے حق بنی اسرائیل کے نبیوں کی مانند ہیں۔ جو کام بنی اسرائیل کے نبی انجام دیتے تھے، وہی کام میری امت کے علماء انجام دیتے رہیں گے۔

فرقان کا معنی حق و باطل میں فرق کرنے والا یا تقاضہ عامور میں آخری فیصلہ کرنے والا ہے۔ قرآن پاک کو فرقان اس لیے کہا گیا ہے کہ جب بھی اللہ کے دین کو کسی نے بگاڑنے کی کوشش کی، قرآن پاک نے حق کی نشاندہی کر دی۔ تورات و انجیل کے تحریف شدہ نسخوں میں آج بھی قرآن پال اللہ تعالیٰ کے اصل احکام کو واضح کر کے اپنے فرقان ہونے کا ثبوت مہیا کر رہا ہے۔

فرمایا ان واضح احکامات آجانے کے بعد ان الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ جن لوگوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا۔ انکار لفظی بھی ہو سکتا ہے۔ اور معنوی بھی لفظی انکار تو یہ ہے کہ اللہ کی کتاب کے الفاظ کو ہی بدل دیا جائے جیسا کہ یہودیوں نے تورات کے ساتھ کیا۔ اور معنوی انکار یہ ہے کہ واضح حکم کی غلط تاویل کر کے اسے اپنی مرضی کے مطابق غلط معنی پہنایے جائیں۔ اس کی بھی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ کس طرح یہودیوں اور عیسائیوں نے اللہ کے احکام کو اپنی من مرضی کے معنی پہنچانے کے لیے گمراہی میں نظر دوڑائیں ایسے منکرین آیات کی آج بھی کئی نہیں، جو اللہ کی آیتوں کے معنی اپنی خواہش کے مطابق کر کے مخلوق خدا کو گمراہ کر رہے ہیں۔ اگرچہ آج اللہ کے اس آخری کلام کی تحریف لفظی تو ممکن نہیں ہو سکتی ہے ہی پریٹ کے بجارمی معنوی تحریفات کر کے اللہ کے غضب کا نشانہ بن رہے ہیں۔ ایسے ہی مسیحی کے متعلق فرمایا کہ تَسُوعٌ ذَابَّ شَدِيدًا ان کے لیے سخت عذاب ہے۔ جب اللہ کی پکڑ آئے گی تو پھر اس سے بچ نہیں سکیں گے کیونکہ

وَاللَّهُ عَزَّوَجَلَّ اللَّهُ تَعَالَى عَلِيٌّ وَاللَّهِ بِهِ. اُسے ہر چیز پر غلبہ حاصل ہے۔ اس کی گرفت سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ اس کے سامنے کوئی چالاک اور جیلہ ساز کی کام نہیں آئیگی۔ اور وہ ذُو انْتِقَام یعنی بدلہ لینے والا ہے وہ ظلم و زیادتی کی رسی کو دراز ضرور کرتا ہے۔ مگر جب اپنے باغی سے انتقام لینے پہ آتا ہے۔ تو اس کے راستے میں کوئی چیز حائل نہیں ہوتی۔ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ مِّنْ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَاءِ ۗ زَمِيْنٍ وَّاسْمَانِ کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں اس کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اہل کتاب خوب سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی سازشوں سے بے خبر نہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہہ کر یہ لوگ جس طرح اسکی توحید میں خلل اندازی کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی تمام سازشوں سے واقف ہے۔ اور یہ تمام باتیں ان کے اعمال ناموں میں لکھی جا رہی ہیں۔ وقت آنے پر اس کا بدلہ چکا دیا جائے گا۔

فرمایا هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ اللہ تعالیٰ کی قدرت نامہ وہی ذات پاک ہے جو ماؤں کے رحموں میں تمہاری تصویریں بنا تا ہے جس طرح چاہے بچے کی ظاہری شکل و صورت یعنی گورا، کالا، گندمی، سُرخ وغیرہ ہونا بھی اسی کی قدرت نامہ کا شاہکار ہے۔ اور اس کا نیک و بد، عقل مند اور بے عقل سعید اور شقی ہونا سب اس کے علم اور قدرت میں ہے۔ یہاں پر بنی اسرائیل یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کو یہ سمجھانا بھی مقصود ہے۔ کہ مسیح علیہ السلام دیگر مخلوق کی طرح ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ اور ابتدائی حالت سے لے کر پیدائش تک ان پر جو تغیرات گزرے وہ سب ان کی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں۔ اس کے باوجود یہ لوگ حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا کس مشابہت کی بنا پر کہتے ہیں یہ تو بڑی زیادتی کی بات ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کیا۔ تو اس مالک الملک کے لیے یہ کوئی ایسی بڑی بات ہے۔ اس نے تو حضرت آدم علیہ السلام اور سوا علیہا السلام کو بغیر ماں باپ کے پیدا

فرمادیا تھا۔ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ معبود حقیقی وہی ہے اس
 کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ کیونکہ عبادت کے لائق وہی ہو سکتا ہے
 جو قدرت کاملہ کا مالک ہو اور جس کا علم ہر چیز پر محیط ہو۔ یہ صفات صرف اللہ تعالیٰ
 میں پائی جاتی ہیں۔ لہذا اللہ بھی صرف وہی ہے سب علیہ السلام اللہ نہیں ہو سکتے۔
 کیونکہ وہ تو مخلوق ہیں اور نہ وہ قدرت کاملہ کے مالک ہیں اور نہ ان کا علم ہر چیز پر
 محیط ہے۔ اور نہ وہ ازلی وابدی ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ عزیز یعنی ہر چیز پر غالب ہے
 اور حکیم ہے۔ کہ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ کائنات کا تمام نظام اس
 کے مقررہ اصولوں اور حکمت کے مطابق انجام پا رہا ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ

الْاِعْمَارُ ۳

درس دوم ۲

آیت ۹ تا ۶

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ
هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ ط فَاَمَّا الَّذِينَ

وقت لازم وقت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
وقت مسنون

فِي قُلُوبِهِمْ زَيْجٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ
ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ
تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ
أَمْثَلُهُ كُلِّ مَنْ عِنْدَ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ
إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ④ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ
إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً
إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ⑤ رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ
لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْعِقَادَ ⑥

۶-۹

ترجمہ: وہی ہے جس نے تجھ پر کتاب اتاری۔ اس میں بعض آیتیں محکم ہیں وہ کتاب کی اصل ہیں۔ اور دوسری متشابہ ہیں۔ پس جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ پھیل چکی ہے پس وہ پیچھے لگتے ہیں متشابہات کے اور اس میں تلاش کرتے ہیں گمراہی اور تلاش کرتے ہیں انہی تاویل میں۔ حالانکہ نہیں جانتا ان کی تاویل مگر اللہ۔ اور جو بچتے ہیں علم میں وہ کہتے ہیں۔ ہم ایمان لاتے ہیں ان سب پر۔ یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں اور نہیں نصیحت پڑھتے مگر غفلت لوگ ④ اے ہمارے پروردگار! ہمارے دلوں کو ٹیڑھانہ کہہ جب کہ تو نے ہدایت بخشی ہے اور بخش ہمارے لیے اپنی طرف سے مہربانی۔ بیشک تو ہی بخشش کرنے والا ہے ⑤ اے ہمارے رب تو جمع کرنے

والا ہے لوگوں کو اُس دن میں جس میں کوئی شک نہیں۔ بیشک اللہ حمد و عذرہ کرتا ہے۔

اسکی کبھی خلاف درزی نہیں کرتا ①

ربط آیات

گذشتہ درس میں بیان کیا جا چکا ہے۔ کہ سورۃ آل عمران کے اہم مضامین میں سے مسئلہ توحید اور اس کے عقلی و نقلی دلائل ہیں۔ پھر قرآن پاک کی صداقت و حقیقت کا تذکرہ ہے۔ اور بعض دوسرے مضامین بھی بیان ہوئے۔ سابقہ آیات میں مسئلہ توحید کو اجاگر کیا گیا تھا۔ اور سابقہ کتب کا تذکرہ تھا۔ جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں تک ہدایت کا سامان بہم پہنچاتا رہا۔ ان ہدایات کا انکار کرنے والوں کے لیے سخت سزا کی وعید تھی۔ اور لوگوں کو یاد دلایا گیا تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ وہ برائے کی ہر حرکت سے واقف ہے۔ بلکہ ماں کے رحم میں انسان کی شکل و صورت بنانے والی نبی وہی ذات ہے۔ پھر اس سے انسان کی کوئی حرکت پوشیدہ ہو سکتی ہے۔ ضمناً نصاریٰ کو یہ بھی یاد کرنا مقصود تھا۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام قدرتی طریقہ کے مطابق ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ تو پھر خدا کے بیٹے یا مخلوق اللہ کیسے ہو سکتے ہیں۔

آج کے درس میں قرآن پاک کی حقیقت کا تذکرہ ہے۔ اور اس کے احکام سے مستفید ہونے کے اصول بیان کیے گئے ہیں۔ اس ضمن میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے۔ جن کے دلوں میں کچی پائی جاتی ہے۔ اور وہ قرآن پاک کی مستثابہ آیات کی غلط تاویل کر کے فتنہ برپا کرنا چاہتے ہیں۔ نیز ان لوگوں کی تعریف کی گئی ہے جو علم میں سچے ہیں۔ اور ان کا ایمان تمام آیات پر یکساں ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ سے دعا کی گئی ہے۔ کہ وہ ہمارے دلوں کو طیر صراطِ حق پر قائم کرے۔ اور دوبارہ جی اٹھنے اور حساب کتاب ہونے پر یقین کا اظہار کیا گیا ہے۔

نزدک کتاب

ارشادِ ربانی ہے هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ الَّذِي فِيهِ

وہی ذات ہے۔ جس نے آپؐ کو کتاب نازل فرمائی ہے۔ کتاب سے مراد

قرآن پاک ہے۔ جو حضور علیہ السلام کی ذات اقدس پر آخری کتاب کے طور پر نازل ہوا جس طرح نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا ہے۔ اسی طرح اب کوئی آسمانی کتاب بھی نازل نہیں ہوگی۔ قرآن پاک کے احکامات قیامت تک آنے والی نسل انسانی کے لیے یکجا طور پر مفید ہیں۔

محکم اور
تشابہ

قرآن پاک کے احکام و فرامین کے متعلق فرمایا اِنَّ اٰیٰتِ مَّحْكَمٰتٍ اس میں بعض آیات محکم ہیں۔ هٰنَ اَمْرٌ اَلْکِتٰبِ یہی آیتیں کتاب کی جڑ بنیاد ہیں اہم راغب اصفہانی فرماتے ہیں فَاَلْمَحْكَمُ لَا یَعْرَضُ فِیْہِ شَبٰہٌ مِّنْ حٰدِثِ اللَّفْظِ وَلَا مِّنْ حٰدِثِ الْمَعْنٰی یعنی محکم سے مراد وہ آیات ہیں جن کا مفہوم واضح ہو۔ اور اسپر لفظی یا معنوی اعتبار سے کسی قسم کا شبہ وارد نہ ہوتا ہو۔ گویا ایسی آیتیں جن کی زبان آسان ہے۔ اور جن کے معانی متعلین کمنے میں کسی اشتباہ کی گنجائش نہیں ہوتی۔ ایسی آیات میں تاویلات کرنے کا موقع مشکل ہی سے ملتا ہے۔ تفسیر ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت منقول ہے۔ کہ قرآن پاک میں جو آیتیں عمل کے لیے نازل ہوئی ہیں۔ وہ محکم ہیں۔ اور جن سے عمل متعلق نہیں، محض ان پر ایمان لانا مقصود ہے جیسے حرمت مقطعات، قیامت یا دجال وغیرہ سے متعلق آیات، تو ایسی آیتیں مشابہ ہیں۔ فرمایا وَ اٰخَرُ مُمْتَشِبٰتٍ اور بعض آیتیں مشابہ ہیں۔ مضر ذات امام راغب اصفہانی میں تشابہ کی تعریف یوں کی گئی ہے۔ الْمُتَشَابِهُ مَا اشْکَلَ تَفْسِیْرَہٗ اما من حدیث اللفظ والمعنی یعنی ایسی آیت جس کا معنی اور تفسیر کسی لفظی یا معنوی پیچیدگی کی وجہ سے مشکل ہو۔ اور اس میں تاویل کی گنجائش رہتی ہو۔ ظاہر ہے۔ کہ قرآن پاک نے آئندہ زمانے کے لیے بعض ایسی پیش گوئیاں کی ہیں۔ اور برزخ، قیامت، جنت، دوزخ، فرشتے، جنات وغیرہ کے متعلق ایسی تفصیلات بیان فرمائی ہیں جنہیں اس وقت انسان نہ دیکھ سکتا ہے اور نہ محسوس کر سکتا ہے۔ ایسی چیزوں کی ٹھیک ٹھیک کیفیت معلوم کرنے کے

یہ انسان لاکھ کوشش کرے مگر اس کی حقیقت کو نہیں پاسکتا۔ ایسے امور میں انسان جتنی زیادہ کوشش کرے گا۔ وہ حقیقت سے قریب تر ہونے کی بجائے دُور بھی ہو سکتا ہے۔ لہذا اس قسم کی باتوں سے متعلقہ آیات۔ تشابہات میں داخل ہیں۔ اور انسان کے لیے اتنا ہی کام ہے۔ وہ ان پر ایمان لے آئے۔

فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فإِنَّهُمْ لَمَّا كَانُوا فِي دَلِيلٍ

میں ٹیڑھا پن ہے یہ قیادت سمون مانتا ہے وہ تشابہات کے پیچھے لگتے ہیں۔ چونکہ ان کے دلوں میں حسد، بغض، عناد اور بے ایمانی رچی بسی ہوتی ہے۔ اس لیے وہ محکم یعنی واضح آیات کو چھوڑ کر مشابہ آیتوں کی تاویل میں گمراہی کرتے ہیں۔ اور سادہ لوح مسلمانوں کے سامنے ایسے معانی بیان کرتے ہیں جو محکم آیات کے مفہوم کے منافی ہوتے ہیں۔ حالانکہ چاہیے تو یہ تھا۔ کہ تشابہات کی تاویل کرتے وقت محکم آیات کی پیروی کی جانی مگر ایسے لوگ الٹا چلنا چاہتے ہیں۔ اور لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اس سے ان کا مقصد یہ ہے مَنْهُ ابْتِغَاءُ الْفِتْنَةِ اس سے فتنہ یعنی گمراہی تلاش کرتے ہیں وَابْتِغَاءُ تَأْوِيلِهِ اور تشابہات کے ذریعے ایسی الٹی سیدھی تاویل میں تلاش کرتے ہیں۔ جن کے ذریعے مخلوق خدا کو گمراہ کر سکیں۔

ان آیات کے سیاق و سباق کے مطابق ان کا ہدف یہود و نصاریٰ میں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی مشابہ آیات کی غلط تاویل کر کے لوگوں کو اصل دین سے دُور کر کے دیا۔ حتیٰ کہ محکم آیات کو بھی تشابہات کے تابع کر کے دین کا حلیہ بگاڑ دیا۔ آج کے دور میں جب ہم اپنے گمراہ پیش دیکھتے ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس زمانہ میں یہود و نصاریٰ سے بڑھ کر خود مسلمانوں کے دور میں ایسے بہت سے فرقے اور لوگ موجود ہیں جنہوں نے پہلے تشابہات کی غلط تاویلیں کیں۔ اور پھر محکم آیات کو توڑ مڑ کر تشابہات کے معافی پہنائے اور اس طرح وہ یہود و نصاریٰ کی

غلط تاویلیں

کی ختم نبوت تک کو معاف نہیں کیا۔ اور خاتَمُ النَّبِيِّینَ کے معنی کچھ سے کچھ کم دیے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ اٹھائے جانے کا انکار کر دیا۔ آخر یہ سب کچھ کہاں سے ہو رہا ہے۔ قرآن پاک کی آیات کا سہارا ہی تو لیا جا رہا ہے۔ اور ایسے لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد اس آیت میں ہو رہا ہے۔ کہ جن کے دلوں میں کجی ہے۔ وہ متشابہات کے پیچھے لکھے ہیں اس سے گمراہی پھیلانے ہیں۔ اور غلط تاویل میں تلاش کرتے ہیں۔

صحیح تاویل

فرمایا وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ حَالانکہ حقیقت یہ ہے کہ متشابہ آیات کی حقیقت صرف اللہ ہی کو معلوم ہے۔ صحیحین میں حضرت عائشہ رضی عنہا سے روایت ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ جو لوگ متشابہ آیتوں کی تاویل کے درپے ہوں۔ ان کو اللہ کا خوف دلاؤ۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی عنہما کی مرفوع حدیث تفسیر ابن جریر میں منقول ہے کہ متشابہ آیتوں کا مطلب اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ جو کوئی دعویٰ کرے کہ اس کو متشابہ آیت کا مطلب یا تاویل معلوم ہے۔ وہ جھوٹا ہے۔ مستدرک حاکم میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محکم آیتوں پر عمل کرو۔

اور متشابہ پر فقط ایان لافہ مطلب یہ کہ مفہوم سمجھ میں نہیں آتا تو اس کو اللہ کی طرف سونپ دو۔ جھگڑا مرت کرو۔ غلط معنی مرت بیان کرو۔ اسی لیے مولانا علیہ اللہ سندھی فرماتے ہیں۔ غلط تفسیروں کی وجہ سے دنیا میں بڑی تباہی آتی ہے گمراہی پھیلتی ہے۔ فرماتے ہیں۔ قرآن پاک کی محکم آیتیں ہر سلیم الفطرت آدمی آسانی سے سمجھ سکتا ہے مگر بہت سی باتیں ایسی بھی ہیں جو استاذ کے بغیر سمجھ میں نہیں آتیں۔ لہذا ایسی باتیں استاذ سے سیکھنی چاہئیں۔ جو ایسا نہیں کہتا وہ کسی نہ کسی گمراہی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ مولانا سندھی خود اپنی مثال بیان کرتے ہیں۔ کہ مجھے راسخین فی العلم سے واسطہ پڑا۔ میرے استاذوں نے میری راہنمائی فرمائی اور اللہ نے مجھے قرآن میں کمالِ ربیبے کا ملکہ عطا فرمایا ہے میں اپنی مشکلات استاذوں

کے سامنے پیش کرنا تھا وہ مجھے متورہ دیتے تھے اور میرے اشکال کو حل کرتے تھے۔ اس لیے مجھے کسی قسم کی پریشانی لاحق نہیں ہوئی فرماتے ہیں میری طرح اور بھی کئی لوگ اسلام میں داخل ہوئے مگر انہیں اچھے استاذ نہ مل سکے۔ اس لیے وہ مشکلات میں پھنسنے لگے۔ آپ کے استادوں میں حضرت مولانا شہید احمد گنگوہیؒ جیسے راسخ فی العلم لوگ تھے۔ مولانا شیخ الحدیث ابن کثیرؒ اور دوسروں کی مختصر تفسیر بھی ہے بہت بڑے راسخ العلم انسان تھے۔ خاموشی سے سیکھ لیتے تھے۔ ان کے شاگردوں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کتنا کمال عطا کیا تھا ان کے شاگردوں میں حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ مولانا عبد اللہ سندھیؒ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین علی مدنیؒ اور آپ کے شہر کے مولانا عبد العزیز محدثؒ، حضرت مولانا نور شاہ کٹھیریؒ سندھ کے مولانا محمد صدوقؒ اور مولانا احمد علی لاہوریؒ شامل ہیں۔ ان لوگوں نے دنیا میں بڑے بڑے کارنامے انجام دیے۔

انگریزوں کی
اسلام دشمنی

مولانا سندھیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اٹھارہ سال تک اپنے استاد حضرت شیخ الحدیث کی خدمت میں رہ کر دین بھی سیکھا ہے اور سیاست بھی سیکھی ہے۔ آپ سیاست کے بھی اہم تھے۔ آخر زمانہ میں جب ہندوستان آئے تو کلکتہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا، میں نے انگریزوں کے قدم اکھاڑ دیے ہیں۔ اگر اب انگریز ہندوستان میں رہ گیا تو میری قبر پر بھٹوک دینا۔ آپ بارہ سال تک مکہ معظمہ میں رہے۔ تعلیم دیتے تھے۔ اور انگریزوں کی تباہی کا سامان بھی کرتے تھے فرماتے تھے۔ انگریزوں نے دنیا بھر میں مسلمانوں کو تباہ کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کو بھی تباہ کرے گا۔ گزشتہ دو سو سال میں مسلمانوں کو سب سے زیادہ نقصان انگریزوں نے پہنچایا ہے۔ اُس نے مسلمانوں کی سلطنتیں تباہ کر دیں مقامات مقدسہ کی بے حرمتی کی۔ قرآن پاک کے خلاف بڑی سازشیں کیں۔ مولانا شیخ الحدیث کو انگریزوں سے اس قدر نفرت تھی۔ کہ اگر کوئی اُن کے بارے میں مسئلہ دریافت

کرنا، تو فرماتے کسی اور عالم سے پوچھا مجھے ان سے سخت نفرت ہے، شاید میں غلطی نہ کر جاؤں۔ مگر آج لوگ انگلیز کی تہذیب کو فخر سے اپناتے ہیں۔ حالانکہ وہ مسلمانوں کا ازلی دشمن ہے۔

علامہ اقبال بھی انگلیزوں کو خوب سمجھتا تھا۔ انہوں نے اپنی شاعری کا ایک معتد بہ حصہ انگلیزوں کے خلاف لکھا ہے۔ بے عمل ہونا الگ بات ہے۔ مگر اقبال قومی آدمی تھا۔ اس نے انگلیزوں کی خوب خیر لی ہے۔

اہم بخاریؓ نے بخاری شریف میں لکھا ہے۔ العلم بالعلم یعنی علم سیکھنے سے آتا ہے۔ خود بخود نہیں آجاتا۔ اس کے لیے بہر حال استاذ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو لوگ استاذ کے بغیر خود بخود عالم بن بیٹھتے ہیں وہ گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ مرزا قادیانی اور پروردیز جیسے لوگوں کا یہی حال ہوتا ہے۔ اسلام کو کفر اور کفر کو اسلام بنا دیتے ہیں۔ جب کہ انسان کسی نسخہ فی العلم کے پاس نہ بیٹھے اس کے اشکال دور نہیں ہوتے۔

فرمایا وَاللّٰی سَخُوْنَ فِي الْعِلْمِ اور جو علم میں سچتہ ہیں یَقُولُوْنَ اٰمَنَّا بِہِ وہ کہتے ہیں ہم ایمان لائے اس پر کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں۔ یعنی جن باتوں کی تاویل صرف اللہ کے علم میں ہے۔ ان میں محض اپنی عقل کے گھوڑے نہیں دوڑاتے۔ بلکہ ان کا اپنا یہ ہوتا ہے۔ کہ سب کچھ ان کے اللہ کی طرف سے برحق ہے۔ فرمایا اس سیدھی سادھی بات کو بھی عام لوگ نہیں سمجھتے۔ وَكَأَيَّدُكُمْ اِلَّا اَوْثُوْا اِلَّا لِبَابِ اور نہیں نصیحت پڑھتے مگر عقلمند لوگ، کم علم اور بے عقل لوگ ایسی باتوں کو نہیں سمجھتے اور خواہ منخواہ گمراہی کے گڑھے میں گر پڑتے ہیں۔ طبرانی میں ابی مالک اشعریؓ سے روایت ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اپنی امت سے یہ خوف ہے۔ کہ وہ مشابہ آیتوں کی تاویل کے درپے ہوں گے۔ حالانکہ انہی تاویل سوائے خدا کے کسی کو معلوم نہیں۔

فرمایا اسخون فی العلم یہ بھی کہتے ہیں رَبَّنَا لَا تُسْخِغْ قُلُوبَنَا اے دعا کی کلمات
ہمارے پروردگار! ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرنا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا
بعد اس کے کہ تو نے ہمیں ہدایت سے نوازا ہے۔ ہمیں اسی راہ ہدایت پر قائم
رکھ۔ اسی لیے حضور علیہ السلام دعا کیا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ صَوِّفِ
الْقُلُوْبِ صَوِّفِ قُلُوْبَنَا عَلٰی طَاعَتِكَ یعنی اے دلوں کے
پھیرنے والے، ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت پر قائم رکھ وَهَبْ لَنَا مِنْ
لَدُنْكَ رَحْمَةً اور اپنی طرف سے ہمیں رحمت بخش کیونکہ اِنَّكَ
اَنْتَ الْوَهَّابُ تو ہی سب کچھ دینے والا ہے۔ ساری کی ساری مخلوق
تیری ہی محتاج ہے۔ تیرے بغیر کوئی کسی کی حاجت روائی نہیں کر سکتا۔ اس لیے
اپنی رحمت سے تو جی ہماری حاجت پوری فرما۔

فرمایا سچے علم والے یہ بھی دعا کرتے ہیں۔ رَبَّنَا اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ
رَبِّسُوْهُ لَّا رَيْبَ فِیْہِ طے ہمارے پروردگار! تو جی لوگوں کو اس دن میں
جمع کرنے والا ہے۔ جس میں کوئی شک نہیں۔ وہ دن یقیناً آنے والا ہے
جس دن تمام مخلوق اپنے رب کے ہاں پیش ہوگی۔ جس طرح انسان کو اپنے وجود
پر شک نہیں۔ اسی طرح قیامت کے برپا ہونے اور پھر محاسبے کا عمل واقع ہونے
میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ وَعَدَّا عَلَيْكَ نَا اَللّٰهُ تَعَالٰی کا وعدہ ہے۔ کہ ہم
انسانوں کو دوبارہ اٹھائیں گے اور ان کا حساب لیں گے اِنَّا كُنَّا فَاعِلِيْنَ
ہم ضرور ایسا کرنے والے ہیں۔ لہذا اس میں شبہ نہیں ہونا چاہیے۔

فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْلُفُ الْوَعْدَ اَللّٰهُ تَعَالٰی جو وعدہ کرتا ہے
اس کی کبھی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ وہ اپنا وعدہ پورا کرتا ہے۔ اسی لیے اس
کے بندے اسکے آگے دعا کرتے ہیں۔ کہ مالک الملک اس دن ہمیں رسوائی
حاصل نہ ہو۔ ہم ذلیل و خوار نہ ہوں بلکہ ہمیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔
ہمیں خصوصی رحمت اور مہربانی عطا فرما۔

تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

إِلِ عِمْرَانَ ۳

درس سوم ۳

آیت ۱۳ تا ۱۰

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِي عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ
 وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَأُولَئِكَ هُمْ
 وَقَوْمُ النَّارِ ⑩ كَذَابٍ إِلَّا فِرْعَوْنَ لَا وَالَّذِينَ مِنْ
 قَبْلِهِمْ ⑪ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَآخَذَهُمُ اللَّهُ
 بِذُنُوبِهِمْ ⑫ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ⑬ قُلْ
 لِلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ وَتُحْشَرُونَ إِلَى
 جَهَنَّمَ ⑭ وَبِئْسَ الْيَهَادُ ⑮ قَدْ كَانَ لَكُمْ
 آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ⑯ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي
 سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَى كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُمْ مِثْلَهُمْ
 رَأَى الْعَيْنِ ⑰ وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصَرِهِ مَن يَشَاءُ ⑱ إِنَّ
 فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ⑲

ترجمہ: بی شک وہ جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا۔ ہرگز کام نہ آئیں گے ان
 کے لیے ان کے مال اور نہ ان کی اولادیں اللہ کے سامنے، اور یہی لوگ ہیں دوزخ کے
 ایندھن ⑩ (ان کا حال ایسا ہی ہے) مثل عادت آل فرعون۔ کہے اور ان کو لوگوں
 کے جو ان۔ پہلے گنہگارے ہیں۔ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ پس پکڑو اللہ تعالیٰ
 نے ان کو ان کے گناہوں کے بدلے، اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے ⑪
 آپ کہہ دیجئے ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا، کہ تم مغلوب ہو گے
 اور اکھٹے کئے جاؤ گے جنہم کی طرف اور بہت برا ٹھکانا ہے ⑫ تحقیق تمہارے

یہ نشانی ہے اُن دو گمراہوں میں جو آپس میں ٹکرائے، ایک گمراہ اللہ کے راستے
 میں لڑتا ہے اور دوسرا کفر کرنے والا ہے، دیکھتے ہیں اُن کو اپنے
 سے دگنا اٹخے کے ساتھ دیکھنا، اور اللہ تعالیٰ تائید کرتا ہے اپنی مدد سے جس کو
 چاہے بیشک اس میں عبرت ہے آنکھیں رکھنے والوں کے لیے (۱۳)

پہلی آیت میں قیامت کا ذکر تھا۔ اس سے پہلے اللہ نے نصاریٰ کی
 تردید فرمائی اور ان کے باطل عقیدے کا رد فرمایا، توحید کا مسئلہ بیان فرمایا۔ اللہ تعالیٰ
 کی صفات الوہیت کا ذکر کیا اور جن تشابہ لفظوں سے یہود و نصاریٰ اسد لال
 کرتے تھے، اس کا جواب دیا۔ اب اس آیت میں کفار کے متعلق فرمایا کہ کوئی
 چیز انہیں خدا کی گرفت سے نہیں بچا سکتی، حتیٰ کہ ان کے مال و اولاد بھی انہیں
 کوئی فائدہ نہیں دے سکتے۔ اس کے بعد جنگ بدر سے متعلق یہود مدینہ کی زبان
 درازی کا ذکر ہے۔ کہتے تھے کہ اہل مکہ ناسخبرہ کا رہتے۔ جو مسلمانوں کے ہاتھوں
 مارے گئے، دو گمراہ جیسے آنسوؤں کا لوگوں سے واسطہ پڑتا۔ تو مسلمانوں کو
 پتہ چلتا کہ کیسے غالب آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس چالاکی کا رد فرمایا۔
 اس کے علاوہ نصاریٰ اور مشرکین کی بھی تردید فرمائی ہے۔

شانِ رسول

امام رازیؒ اور امام محمد بن اسحاقؒ جو کہ مفسرِ قرآن ہونے کے علاوہ مورخ بھی
 ہیں فرماتے ہیں کہ ان آیات کا مصداق نجران کا وفد ہے۔ اس آیت میں جن کفر
 کرنے والوں کا ذکر ہے۔ جن کے مال و اولاد ان کے کام نہیں آئیں گے، اُن
 سے مراد وفد نجران میں شامل لوگ ہیں، اور ان کا اطلاق عام طور پر اُن تمام لوگوں
 پر ہوتا ہے۔ جو اس قسم کا ذہن رکھتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ نجران کا یہ وفد جب
 مدینہ طیبہ کے سفر پر روانہ ہوا۔ تو دورانِ سفر خچر پر سواران کے لاٹ پادری
 ابو حارثہ کو کھٹو کھٹو لگی۔ اس کا بھائی کمر بن علقمہ بھی ہمراہ تھا۔ اس کی زبان سے
 نکلا۔ تَحَسَّ اَلَا لَبَدٌ ہلاک ہو خیر سے دور رہنے والا۔ مراد حضور علیہ السلام
 کی ذات والا صفات تھی۔ عربوں کی یہ عادت تھی کہ جب کسی کو کوئی تکلیف

پہنچتی، تو اپنے مخالف کو بڑا بھلا کہتے۔ تعس فلان، فلان ہلاک ہو، تباہ ہو۔ چنانچہ جب کمرز نے یہ الفاظ ادا کیے۔ تو اس کے بھائی ابو حارثہ پادری نے کہا یا تعس اهلک تیرے مال ہلاک ہو۔ تم نبی آخر زماں کی شان میں یہ الفاظ کیوں کہتے ہو۔ وہ اللہ کے کے سچے نبی ہیں۔ ان کی نشانیاں ہماری کتابوں میں موجود ہیں۔ اس پر کمرز کہنے لگا کہ اگر محمد واقعی اللہ کے سچے نبی ہیں۔ تو پھر تم ان سے بحث مباحثہ کرنے کی بجائے ان پر ایمان کیوں نہیں لے آتے۔ ابو حارثہ نے جواب دیا۔ کہ اس کی وجہ یہ ہے۔ لَآ اِنَّ هَؤُلَاءِ الْمَلُوكُ اعطونا اموالا كثيرةً و لكن هوناً و لو انما بى محمد لاخذوا منا كل هذه الاشياء يعنى روم کے ان عیسائی بادشاہوں نے ہمیں مال و دولت سے رکھا ہے وہ ہمیں عزت بخشتے ہیں۔ اگر ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئیں۔ تو یہ تمام چیزیں ہم سے چھین جائیں گی۔ ہمارے تمام اعزازات ختم ہو جائیں گے اور ہم غنم اور گنکال ہو کر رہ جائیں گے۔ بہر حال کمرز سمجھ گیا کہ ہمارا دین غلط ہے۔ ہم محض مال و دولت کی خاطر اللہ کے نبی کی مخالفت کر رہے ہیں۔ الغرض جب یہ وفد مدینہ پہنچا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث مباحثہ ہوا۔ وفد کسی نتیجے پر پہنچے بغیر واپس آ گیا۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے کمرز بن علقمہ کو ایمان کی دولت سے نوازا اور وہ صحابی رسول بن گیا۔ تو ان آیات کے مصداق یہی لوگ ہیں۔ جن کے متعلق فرمایا گیا ہے۔ کہ ان کے مال اور اولاد ان کے کچھ کام نہ آئیں گے۔

ان آیات کا اشارہ مدینے کے اردگرد بسنے والے یہودیوں کی طرف بھی ہے جنک بدر میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ تو یہودیوں نے کہنا شروع کر دیا کہ مکے والے لڑائی سے نابلد تھے۔ اگر کہیں ہم سے پالا لڑتا تو مسلمانوں کو بتا دیتے کہ لڑائی کیسے ہوتی ہے۔ چنانچہ یہاں پر ان یہودیوں کا بھی رد ہے کہ یہ ان کی غلط فہمی ہے کہ وہ بڑے مالدار لوگ ہیں۔ سچے دین کے مقابلے میں ان کے مال اور اولاد ان کے لیے مفید ثابت نہیں ہو سکتے۔ اس ذہن کے

عیسائیوں اور دیگر مشرکین کو بھی تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ ظاہری ساز و سامان پر نہ اتراویں۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوتا ہے۔ جب وہ اپنے مانتے والوں کی مدد فرماتا ہے۔ تو مخالفین کی تمام تدبیریں ناکام ہو جاتی ہیں۔ اور اللہ کے دین کو غلبہ حاصل ہوتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِشَيْءٍ جَن لُّوْكَوْلٍ نَّ كَفَرُوا كَمَا

لَنْ تُنْفِىَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا

ہرگز نہ کام نہ آئیں گے ان کے مال اور نہ اولاد کچھ بھی۔ یعنی جب اللہ کی گمراہی

آئے گی تو مال و اولاد جن کی خاطر وہ ایمان سے محروم ہے انہیں اس گمراہی

سے بچانہ سکیں گے۔ دوسرے مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعائیں

سورۃ شجرہ میں یہ بات مذکور ہے۔ "يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ"

الَّذِينَ آمَنُوا إِلَى اللَّهِ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ قِيَامَتِ كَيْفِي كَوْمَالِ فَادَهُ

دیگا اور نہ اس کے بیٹے کام آئیں گے۔ دل دہاں پر کامیاب وہ ہوگا۔ جو

قلب سلیم سے کمرہ حاضر ہوگا۔ جس کے دل و دماغ میں ایمان کی شمع روشن

ہوگی۔ اور جو اخلاص اور توحید پر قائم ہوگا۔ آج کتنے لوگ ہیں۔ جو مال اور اولاد

کی خاطر طرح طرح کی بے عزتوں میں مبتلا ہیں۔ نا انصافی۔ رشوت خوردی۔ ذخیرہ اندوزی

بیک مارکٹنگ سب کچھ مال و اولاد کی خاطر ہر دہا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتے

ہیں۔ کہ قیامت کے دن یہ لوگ تہی دست ہوں گے۔ دنیا میں کھائے ہوئے

مال ان کے کچھ کام نہ آسکیں گے اور یہ اللہ کی رحمت سے محروم ہو جائیں گے۔

سورۃ الحاقہ میں بھی آتا ہے کہ جس بد بخت کا اعمال نامہ اس کے پائوں ماتھے میں آئیگا

وہ چیخ و پکار کرے گا۔ کاش مجھے یہ اعمال نامہ ملتا ہی نہ، مجھ سے حساب کتاب

نہ لیا جاتا۔ میرا کام ہی تمام کر دیا جاتا، کیونکہ "مَا آغْنَىٰ عَنِّي مَالِيٰ كَلَّا آج

میرے مال نے مجھے کوئی نفع نہ پہنچایا۔

الغرض! اس مقام پر بھی یہی فرمایا کہ کفر کرنے والوں کے مال اور ان کی

مال اور اولاد
یہ سورت ہونگے

سورۃ شجرہ
سورۃ الحاقہ

اولاد میں کچھ کام نہ آئیں گے۔ وَأُولَئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ایسے لوگ خود دوزخ کا ایندھن ہیں۔ یہ کثرہ ناتراش جنہی ہیں۔ دوزخ کے ایندھن کے متعلق فرمایا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَابَةُ انسان اور پتھر دوزخ کا ایندھن ہیں۔ چنانچہ کفر کرنے والے پتھروں کے ساتھ دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔ کیونکہ کفر کے پروگرام کو غالب کرنے کے لیے حق کا مقابلہ کر رہے ہیں۔

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کفار کو آل فرعون سے تشبیہ دی ہے کہ جیسی عادات قوم فرعون کی تھیں، ویسی ہی ان کی بھی ہیں۔ قوم فرعون کو یقین تھا۔ کہ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اللہ کے برحق پیغمبر ہیں۔ مگر وہ انہیں ماننے پر تیار نہ تھے۔ سورۃ نمل میں فرمایا۔ وَجَعَلُوا بَيْنَهُمْ وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَقَبْلًا لِّأَعْيُنِهِمْ۔ اگرچہ ان کے دل یقین کر چکے تھے۔ کہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اللہ کے سچے نبی ہیں مگر اپنے ظلم و تعدی کی بنا پر یہ ان کا انکار کر دیا۔ یہاں پر بھی اللہ تعالیٰ نے ان کی اسی عادت کا ذکر فرمایا۔

كَذَابِ آلِ فِرْعَوْنَ لَا وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ان کی عادت بھی آل فرعون اور ان سے پہلے لوگوں کی سی ہے۔ یعنی ان کفار کا بھی وہی شیوہ ہے جو آل فرعون کا تھا۔ کہ محض دنیا کے مال و متاع کی خاطر حق کو قبول کرنے پر تیار نہ تھے۔ یہ لوگ بھی مال اور اولاد کی خاطر دین حق سے منہ موڑ رہے ہیں

دوب کے معنی عادت اور خصالت کے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر دو اقوام کے عادات و خصائل کا موازنہ فرمایا۔ اور آل کے لفظ سے مراد محض صلبی اولاد نہیں بلکہ اس لفظ میں تمام حوالی موالی اور ہاں میں ہاں ملاسنے والے تمام لوگ شامل ہیں۔ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ سے مراد وہ تمام پہلی قومیں ہیں جنہوں نے اپنے اپنے اقبیاء کا انکار کیا۔ جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم۔ حضرت ہود اور آلہما السلام کی قومیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم وغیرہ وغیرہ۔ عادات بھی ان گذشتہ اقوام کی عادات و خصائل کی مطابقت

ہیں كَذَّبُوا بِالآيَاتِنَا انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ آیات سے مراد احکام بھی ہیں اور معجزات بھی۔ گویا ان لوگوں نے نہ تو اللہ تعالیٰ کے احکام کی پروا کی اور نہ ہی پیغمبر کے معجزے کو سچا جانا۔ بلکہ جب کبھی ایسی بات دیکھتے تو کہتے۔ کہ یہ تو محض جادو کا کمرشمہ ہے۔ انہوں نے اپنے انبیاء کو کبھی مجنوں کہا۔ کبھی شاعر کہا اور اس طرح ہمارے انبیاء اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ اللہ تعالیٰ نے ان گنہوں کی پاداش میں انہیں پکڑ لیا۔ گویا سمجھانا یہ مقصود ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ اس طرح اہل مکہ یا مدینہ کے یہود و نصاریٰ بھی اپنی بری حرکتوں سے باز نہ آئے۔ تو وہ بھی ایسی ہی گرفت میں آجائیں گے۔ اور پھر ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ اور اللہ تعالیٰ سخت گرفت کرنے والا ہے۔ جب وہ پکڑتا ہے تو پھر چھوڑتا نہیں۔ جیسا کہ سورۃ بروج میں فرمایا إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے اس کے غضب کو دعوت نہ دینا۔ وہ حلیم بھی ہے مہلت بھی دیتا ہے مگر جب پکڑتا ہے۔ تو رہائی کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔

إِنَّ كُفْرًا کے متعلق نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ارشاد ہوتا ہے۔ قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا ان کافروں سے کہ وَيَسْجُدْ سَتْفَلِيقُونَ تم عنقریب مغلوب ہو جاؤ گے۔ اور آج تم جن عزیز، کمزور اور ناتواں مسلمانوں کو بے بس سمجھ رہے ہو، یہی تم پر غالب آئیں گے۔ تمہارا یہ حشر تو اسی دنیا میں ہوگا۔ جس میں کوئی زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ اور آخرت میں وَتَحْشُرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ تمہیں جہنم کی طرف اکٹھا کیا جائے گا۔ تم سب کو اس طرف ہانک کر لے جایا جائے گا۔ جو کہ وَبُئْسَ الْمِهَادُ بہت ہی بڑا ٹھکانا ہے۔ یہ پیش رفتی اس وقت کی گئی جب مسلمان طرح طرح کے مظالم کے شکار تھے۔ اور وہ بظاہر نہایت ہی کمزور جماعت تھے۔ مگر جلد ہی اللہ تعالیٰ نے انہیں غلبہ

دکھایا۔ مقصد یہ تھا لَيْقَضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا کہ اللہ تعالیٰ احسن کام کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ وہ مکمل ہو جائے۔ غرضیکہ میدان بدر میں اللہ نے ابتداء میں ایسی کیفیت طاری کر دی تھی۔ کہ دونوں گروہ ایک دوسرے کو اپنے سے کم تر دیکھ رہے تھے۔ اہل ایمان نے کفار کو دیکھا۔ تو انہیں اپنے سے کم تعداد میں پایا۔ اور کافروں نے ایمان والوں کو دیکھا۔ تو وہ بھی تھوڑے نظر آئے اور وہ حقیقت میں بھی کم تھے مگر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کفار کی تعداد کم کر کے دکھانے کی حکمت بھی بتائی۔ کہ اے اہل ایمان! تمہیں کفار کی تعداد کم کر کے دکھانے میں مصیحت یہ تھی۔ کہ کہیں تمہارے دلوں میں ضعف نہ پیدا ہو جائے۔ وَلَوْ أَرَادَ كُفْرُكُمْ كَثِيرًا لَفِضَلْنَاكُمْ“ اگر انہیں کثیر تعداد میں دکھایا جاتا تو تم پھسل جاتے، تم پر رعب طاری ہو جاتا اور تم جم کر نہ لڑ سکتے۔ پھر جب لڑائی شروع ہوئی۔ تو اللہ نے فرشتے میدان میں اتارے تو کفار کو مسلمانوں کی تعداد زیادہ نظر آنے لگی۔ جس کی وجہ سے ان پر رعب طاری ہو گیا۔ اور ان کے پاؤں اکھڑنے لگے۔ اُدھر اللہ تعالیٰ کی یہ خاص مہربانی تھی۔ اور ادھر نبی علیہ السلام کی اللہ کے حضور دعا اور مناجات تھی۔ اور مسلمانوں کے دلوں میں محض اللہ کی رضا اور کامل ایمان تھا۔ چنانچہ مسلمان فتحیاب ہوئے۔

جنگ بدر میں مسلمانوں کا ظاہری حال تو یہ تھا کہ ایک ہزار مسلح افراد کے تائید خلدی مقابلے میں صرف تین سو تیرہ یا تین سو انیس مجاہدین تھے۔ کل ستر اونٹ، دو گھوڑے، چھ زرمیں اور آٹھ تلواریں ان کا سامان جنگ تھا کفار کے پاس ساٹھ ضربے حرب میں ہر چیز موجود تھی۔ ہر روز اونٹ ذبح کر کے کھاتے تھے۔ شراب پیتے تھے۔ ہر طرح کا آرام میسر تھا۔ ناپچنے گانے والی عورتیں موجود تھیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کا اعلان یہ ہے۔ وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ تَعَالَى جَسَّهٖ چاہے اپنی تائید سے مدد فرماتا ہے۔ مسلمانوں کے پاس اس قدر کم تعداد اور قلیل سامان ہونے کے باوجود تائید ایزدی مسلمانوں کے حق میں تھی۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ کہ مسلمانوں کو فتح عظیم حاصل ہوگی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

کَبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ایسے واقعات میں عبرت ہے۔ ان لوگوں کے لیے جو صاحب بصیرت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے طاقنور دشمن کو کیسی عبرتناک شکست دی۔ مسلمانوں میں سے صرف چودہ شہید ہوئے۔ جن میں ایک سو لاکھ سال کا بچہ بھی تھا۔ ان کی قبور وہیں میدان بدر میں ہیں۔ برخلاف اس کے کفار کے بڑے بڑے سرکردہ اشخاص سمیت ستر لاکھ گئے۔ اور اتنی ہی تعداد میں قیدی بنا لیے گئے۔ بہت سا مال غنیمت بھی مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ پتکے کھچے کفار نہایت ذلت کے ساتھ بھاگ گئے۔ مکہ پہنچ کر بڑی خفت اٹھانی پڑی۔ مکے والے فتح کی خوشخبری کے منتظر تھے۔ مگر ان کی امیدوں پر خاک پڑ گئی۔ یہ واقعہ بیان کرنے سے اللہ تعالیٰ کی مراد یہودیوں کو عبرت دلانا ہے۔ کہ تم سامانِ حرب پر فخر نہ کرنا۔ ماہرین جنگ پر غرور نہ کرنا، اپنے تجربے اور جنگی چالوں پر نہ جانا۔ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے تو قلیل لشکر کو کثیر پر غالب کر دیتا ہے۔

سابقہ سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے یہ قانون بھی بتلادیا ہے۔ كَغَمَّ هُنَّ فِتْنَةً قَلِيلَةً غَلَبَتْ فِرْقَةً كَثِيرَةً يَا ذَنِ اللّٰهِ كَمْیٰ دفعہ ایسا ہوا ہے۔ کہ اللہ کی تائید سے چھوٹے چھوٹے گروہ بڑی بڑی جماعتوں پر غالب آئے ہیں۔ اسی طرح آج مسلمانوں کی جماعت ایک غریب اور کمزوری جماعت نظر آتی ہے۔ مگر وقت آئیگا۔ کہ اللہ کے یہ سپاہی قیصر و کسری جیسی بڑی بڑی سلطنتوں کو توہ بالا کر کے رکھ دیں گے۔ اور پھر ایسا ہی ہوا۔ ہزاروں سال پرانی سلطنتیں جن کے متمدن شہری۔ و فترتی نظام، باقاعدہ فوجیں، تنخواہ دار ملازم، خزانے سے بھر پور مگر اللہ تعالیٰ نے بے سرو سامان مگر ایمان سے لبریز مجاہدین کے ذریعے ان سلطنتوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔ یہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ مگر اللہ نے فرمایا ایسا ہو کر رہیگا اسی طرح مدینے کے یہودیوں کا فرد کو فرمایا کہ تم مختصر تیرب مغلوب ہو گے، اور پھر قیامت کو تمہارا حشر جہنم کی طرف ہوگا۔

تہم فرمایا کہ مسلمانوں کو غلبہ اسی صورت میں ہوگا کہ وہ خالص میری عبادت شرطِ غالبہ

کہنے والے ہوں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں وَعِبَادُ وَنَحْنُ لاکھ بڑے لوگوں
 بِسْمِ اللَّهِ (سورۃ نور) جب تک مسلمان اس اصول پر قائم ہے۔ اللہ نے غلبہ عطا
 کیا۔ یہود و نصاریٰ نے غیر اللہ کی عبادت شروع کر دی۔ شرک میں مبتلا ہو گئے ،
 لہذا وہ مغلوب ہو گئے۔ اہل کتاب بھی اپنے آپ کو یسوع مسیح کا ماننے والا کہتے
 تھے مگر اپنا الوہ سیدھا کرتے تھے۔ آج مسلمانوں کی حالت بھی کم و بیش ایسی
 ہی ہے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ السلام کا نام لے کر اپنی خواہشات کی تکمیل کھتے ہیں
 ایسی حالت میں ذلت کے سوا اور کیا مقررہ ہیں ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نفاق کو پسند
 نہیں کرتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کامل الایمان لوگوں سے مدد کا وعدہ کرتا ہے۔ جو لوگ
 راہ راست سے ہٹ جاتے ہیں۔ وہ آنے والی قوموں کے لیے باعث عبرت
 بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے واقعات بیان کرنے کے بعد فرمایا یہ
 محض قصے کہانیاں نہیں جن کو سن کر خوش ہو جاؤ بلکہ کہتے كَانَ فِي قَصَبٍ صِهْرٍ
عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ان واقعات میں اہل بصیرت لوگوں کے لیے
 سامانِ عبرت ہے جو لوگ ایسے حقائق کو کھلی آنکھوں سے نہیں دیکھتے۔ وہ تو
 سورج طلوع ہو چکے بعد اس کا بھی انکار کر سکتے ہیں۔ اس لیے فرمایا کہ ان واقعات
 کو عبرت کی نگاہ سے دیکھو۔ کہ وہ لوگ جن بدافعال کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئے
 ان سے پرہیز کرو۔ اور اللہ تعالیٰ نے کن لوگوں کو کس وجہ سے غلبہ عطا فرمایا
 ان کی پیروی کرو۔ تم آج بھی کامیاب ہو جاؤ گے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

الِ عَمَّان ۳

درس چہارم ۴۴

آیت ۱۴ تا ۱۵

زَيْنَ لِلنَّاسِ حُبِّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ
 وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ
 وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْفَاءِ وَالْمَحْتِ ط ذَلِكَ
 مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ
 الْمَبَآئِ ۱۴ قُلْ أُوْنِبِكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذَلِكُمْ
 لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّتْ تَجْرِي مِنْ
 تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَأَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ
 وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ ط وَاللَّهُ بِالصَّالِحِينَ بِالْعَبَادِ ۱۵

ترجمہ: مزین کی گئی ہے لوگوں کے لیے مرغوب چیزوں کی محبت عورتوں سے،
 اور بیٹوں سے اور سونے چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانوں سے، اور عمر و نشان
 لگے ہوئے کھوڑوں سے اور موشیوں سے اور کھیتی سے۔ یہ زدنیا کی زندگی بدلانہ
 اٹھانے کا سامان ہے اور بہترین ٹھکانا تو اللہ کے پاس ہے ۱۴ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم
 آپ کہ جسے کیا ہیں میں ان چیزوں سے بہتر نہ بناؤں۔ ان لوگوں کے لیے جو مرتے
 ہے۔ ان کے رب کے ہاں باغات ہیں ان کے سامنے عریں جاری ہیں یہ ان میں
 ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اور عیویاں ہیں پاکیزہ۔ اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی۔ اور
 اللہ تعالیٰ نگاہ میں رکھتا ہے بندوں کو ۱۵

بسا اہمیت گذشتہ آیت میں یہ وعید سنائی گئی تھی کہ جو لوگ کفر کے پردہ گمراہ کو غالب دیکھنا
 چاہتے ہیں۔ ان کے آل اور اولاد ان کے کچھ کام نہ آئیں گے۔ اور ساتھ بہ بشارت

بھی سنا دی کہ ایسے لوگ بالآخر مغلوب ہوں گے، اور جہنم کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے۔ آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے گمراہی کے اسباب بیان فرمائے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے زَيْنَ الْمُنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مرغوب چیزوں کی محبت کو لوگوں کے لیے مضرین کر دیا گیا ہے، یعنی ان اشیاء کے لیے لوگوں کے دلوں میں محبت ڈال دی گئی ہے۔ دوسری جگہ قرآن پاک میں موجود ہے رَاٰنَا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لِّهَا یعنی جو کچھ زمین پر موجود ہے، ہم نے اسے زینت بنایا ہے۔ اور زِينَةُ الدُّنْيَا کے اس تمام سائز و سامان کی شینیں ہم فریب دیا ہے لِيَبْلُوَكُمْ فِيهَا حَسَنًا أَمْ لَا تاکہ لوگوں کو آزمائیں کہ ان میں اچھے عمل کرنے والا کون ہے۔ اور بُرائی کا راستہ اختیار کرنے والا کون ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کو امتحان کے لیے مضرین کر دیا ہے۔ قرآن مجید میں بعض مقامات پر تمیز بین کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے۔ کہ وہ کم بخت مرغوب اشیاء کو مضرین کر کے دکھاتا ہے۔

اسی آیت کرمیہ میں جن چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے، وہ اکثر و بیشتر انسان کی گمراہی کا سبب بنتی ہیں ان چیزوں کے دو پہلو ہیں۔ ایک فطری اور دوسرا بغیر فطری۔ اگر ان مرغوب اشیاء کو اسی انداز پر رکھا جائے جس پر انہیں رکھنا مقصود ہے، یعنی ان کی رغبت میں حد سے تجاوز نہ کیا جائے تو یہ فطری امر ہے۔ اور اس میں کوئی قباحت نہیں۔ البتہ جب ان چیزوں کی رغبت میں غلو اور زیادتی پیدا ہو جاتی ہے تو یہی اشیاء بغیر فطری بن کر گمراہی کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ انہی چیزوں کی غیر فطری محبت میں مبتلا ہو کر لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو چھوڑ دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ گمراہی کے گڑھے میں جا گرتے ہیں۔ دگر نہ ہی چیزیں فطرت کے مطابق اپنی حدود کے اندر نہیں تو ان سے فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ ان اشیاء کو شہوات یعنی خواہشات کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ان کا ذکر آگے آتا ہے۔

مرغوب اشیاء
و شہوات

فرمایا مضرین کی گئی ہے لوگوں کے لیے خواہشات کی محبت مِنَ الشَّهَوَاتِ

عورتوں سے۔ اس فہرست میں سب سے پہلا نمبر عورت کا آیا ہے۔ یعنی عورتوں کی محبت انسانوں کے دلوں میں سترین کمر دی گئی ہے۔ اور جب لوگ اس محبت میں مبتلا ہو کر غفلت کا شکار ہو جاتے اور اطاعت الہی کا دامن چھوڑ دیتے ہیں۔ تو گمراہی کے گڑھے میں جا گرتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اپنی امت میں عورتوں سے بڑھ کر خطرناک فتنہ کوئی نہیں چھوڑ چلا۔ یعنی مردوں کے حق میں مجھے سب سے زیادہ خطرہ عورتوں کی طرف سے ہے۔ یہ بڑا خطرناک فتنہ ہے۔ ان کی محبت میں مبتلا ہو کر انسان اللہ سے غافل اور خیر سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔ اور محض نفسانی خواہش کا بندہ بن کر رہ جاتا ہے۔

مردوزن کا فطری رشتہ اللہ تعالیٰ نے بڑا عجیب بنایا ہے۔ فرمایا میں نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر اس کا جوڑا اسی سے پیدا کیا۔ یعنی مرد کے مقابلہ میں دوسری صنف کو پیدا کیا۔ **لَتَشْكُنُوا إِلَيْهَا** یعنی مردان کے ذریعہ سکون حاصل کر سکیں۔ عجم و اندوہ اور پیدائشی کی صورت میں عورت مرد کے لیے مرہم کا کام ہے، اس کے بوجھ کو ہلکا کرنے کی کوشش کرے، اُسے سکون میسر ہوگا۔ اور نفسانی خواہش کی تکمیل کا ذریعہ بنے گی، اسی لیے قرآن پاک میں ارشاد ہے **وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً** اللہ تعالیٰ نے مردوزن کے درمیان محبت اور مہربانی کے جذبے کو پیدا کیا تاکہ یہ جوڑا پیار و محبت کی بہترین زندگی گزار سکے۔ دوسرے مقام پر فرمایا **لَتَلْبَسُنَّ لِبَاسَكُمْ** و **لَتَشْمُو لِبَاسَكُمْ** یعنی عورتیں مردوں کیلئے ہمنزلہ لباس کے ہیں اور مرد عورتوں کے لیے لباس ہیں دونوں ایک دوسرے کے لیے پودہ لڑائی کا ذریعہ ہیں۔ بعفت اور پاکدامنی کا سبب ہیں اور یہ فطری رشتہ ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ عورت سے مقصود پاک دامنی اور اولاد کا صحیح ہونی چاہیے۔ محض شہوت رانی مطلوب نہیں ہونی چاہیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب عورتوں کے قریب جاؤ تو **وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ** اُس چیز کی تلاش کرو جو اللہ نے تمہارے مقدر میں

کی ہے، یعنی نیک اولاد کی تمنا ہونی چاہیے۔

الغرض! اگر عورت سے مقصود عفت، پاکدامنی اور اولاد ہو تو یہ بڑی اچھی چیز ہے، حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے۔ خیر متاع الدنیا المرأة الصالحة۔ دنیا کی مفید اشیا میں سے نیک عورت سب سے زیادہ فائدے والی چیز ہے۔ اگر مرد اس کی طرف نگاہ کرے تو وہ اس کو خوش کمرگی اور اگر حکم دیکھا، تو بجا لائیگی۔ اگر خاوند گھر سے باہر جائیگا تو اس کے مال کی اور اپنی ناموس کی حفاظت کرے گی۔

انسان کے لیے حقیقی سعادت تو یہ ہے کہ اسے ایمان کی دولت نصیب ہو اور وہ اعمال صالحہ پر کار بند ہو۔ دنیاوی سعادت کے متعلق مسند احمد شریف کی روایت میں آتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس کو دنیا میں تین چیزیں حاصل ہو گئیں وہ سعادت مند ہو گا۔ ان اشیا میں پہلا نمبر المرأة الصالحة یعنی نیک عورت کا ہے۔ اس کے بعد بننے کے لیے اچھا مکان اور سفر کے لیے اچھی سواری۔ یہ تین چیزیں سعادت کی نشانی ہیں۔ ان کے بغیر انسان شقی سمجھا جائیگا۔ جیسا کہ عرض کیا گیا ہے۔ عورت سے مقصود کثرت اولاد بھی ہے، جو کہ

کثرت اولاد

مفسر اسلامیہ میں اضافہ کا باعث ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا الخ مما شربکم الامم میں کثرت اولاد پر فخر نہ کرنا۔ بلکہ بشرطیکہ وہ نیک ہو۔ علمائے کرام فرماتے ہیں۔ کہ کثرت دو طریقے سے ہوتی ہے۔ ایک صورت، نوسل میں زیادتی ہے، جتنی زیادہ اولاد ہوگی، اتنا ہی اچھا ہے، امت محمدی میں اضافہ ہو گا۔ اسی لیے اسلام نے تعدد ازواج کی بھی اجازت دی ہے۔ کثرت امت کی دوسری صورت تبلیغ دین ہے جس قدر لوگ حلقہ بگوش اسلام ہونگے ان کی تعداد بڑھتی چلی جائے گی۔ اور یہ چیز حضور علیہ السلام کے لیے باعث فخر ہوگی۔ ایک عام مسلمان کے لیے یہی چیز باعث ثواب اور ذریعہ نجات ہوگی۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ الباقیہ میں فرماتے ہیں۔ کہ جو لوگ کثرت اولاد کے

راستے کو بند کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے جاری کردہ منہ کو کبھی مقابلہ کر کے اس کے نزدیک ملعون ٹھہریں گے۔ چنانچہ خاندانی مضموبہ: ترمذی، برحقہ کھنڈول اور عالمی قزاقیں جیسے غیر فطری بند جہاں بھی باندھے جاتے ہیں سب ملعون ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو اولاد میں کثرت چاہتا ہے۔ مگر یہ اس کی سختی میں دخل اندازی کرتے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ اگر کوئی بچہ کم سنی میں فوت ہو گیا، یا بچا حمل ضائع ہو گیا۔ تو یہ بچہ قیامت کے دن اپنے مومن والدین کے حق میں شفاعت کرے گا۔ وہ ماں باپ کے دامن کو پھڑکے گا اور جہنم میں نہیں جاتے دے گا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسی سفارش کرے گا۔ کہ والدین کو ساتھ لے کر جنت میں جائے گا۔ اور اگر بچہ جوان ہو گیا۔ تو والدین کے مرنے کے بعد ان کے لیے دعا کرے گا، اور نیک کام کرے گا تو باعثِ فخر ہو گا۔ لہذا ہم لحاظ اولاد کا ہونا باعثِ سعادت ہے۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے۔ کہ ایک عورت نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض کیا۔ حضور! میرے تین چھوٹے بچے فوت ہو چکے ہیں۔ میرا کوئی زندہ بچہ نہیں ہے۔ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: قَدْ حَضَرَ بِحَضْرَتِكَ یعنی تو نے تو جہنم کے آگے بڑھی شدید باڑھ لگا دی ہے۔ ان بچوں کی بدولت تو جہنم کی آگ سے بچ جاتی۔

برخلاف اس کے اگر عورت کی محبت حد سے بڑھ جائے تو پھر بھی چیز انسان کی تباہی کا باعث بن سکتی ہے۔ تاریخ میں کتنے واقعات محفوظ ہیں۔ جن کا سرگزشتی کردار عورت تھی۔ اسی کی سبب بڑی بڑی سازشیں پیدا ہوئیں بڑی بڑی سلطنتیں تباہ ہو گئیں۔ بے حیائی کو اس قدر ترقی حاصل ہوئی۔ کہ اب یورپ والے بھی کان پھڑکتے ہیں۔ آج بیشتر گمراہی اور نیچی سے دوری عورت کی وجہ سے ہے۔ اور اس کے ذمہ دار خود مرد ہیں جو عورت کو ہر میدان میں گھسیٹ لائے۔ انچی رسائی تعلیمی اداروں تک تو درست تھی کہ بچیوں کو زبورِ تعلیم سے آراستہ کرے اور پڑھے اور شرافت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے

خبرائی کی بنیاد

مگر جب یہی عورتیں دکانوں کی زینت بن گئیں، دفستروں اور ہسپتالوں میں پہنچ گئیں
 ہوئی جہازوں میں انٹرنیٹس بن گئیں، فوج میں بھرتی ہونے لگیں، تو گھر ہی کا
 کافر لیب بن گئیں۔ یہی کچھ انگریزوں نے کیا تھا۔ اور اب مشرق بھی مغرب کی تقلید
 میں بھاگا جا رہا ہے۔ حالانکہ حضور نبی کریم علیہ السلام کا فرمان ہے۔ کہ عورت
 کو اس مقام پر رکھو جہاں اللہ نے اسے رکھا ہے نماز کے لیے عورت اگلی
 صف میں کھڑی نہیں ہو سکتی۔ اس کا مقام کچھلی صف حتیٰ کہ بچوں سے بھی
 پیچھے ہے۔ عورت جس قدر عفت ماب ہوگی صاحب فضیلت اور صاحب کامل
 ہوگی۔ جن جن عربیائی کے کاموں میں آگے بڑھے گی، عورت عورت نہیں
 رہے گی، کچھ اور چیز ہی بن جائیگی۔ کھیل کے میدان میں عورت کو فٹ بال، ہالی بال
 کرکٹ، ہاکی وغیرہ کھلائی جا رہی ہے۔ مرد وزن سب دیکھ رہے ہیں۔
 خبری نہیں آتی تو اور کیا ہوگا۔ مردوں کے خیالات پر آئندہ ہوں گے۔ اور
 نتیجہ ظاہر ہے اس لیے اسباب ضلالت میں عورت کو پہلے نمبر پر رکھا گیا ہے
 اب جمہوریت نے نیا گل کھلایا ہے۔ ہر سطح پر عورتوں کی نمائندگی
 بھی ضروری ہے۔ کہتے ہیں کہ مرد۔ وزن ایک گاڑی کے دو پیسے ہیں۔
 دو وزن پیسوں کو برابر چلنا چاہیے، ورنہ زندگی کی گاڑی جام ہو کر رہ جائے گی۔
 لہذا مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو میونسپل کمیٹیوں کے ممبر بناؤ۔ عوامی اور
 قومی اسمبلی میں نمائندگی۔ وزارت و مشاورت کے قلمدان ان کے سپرد کرو۔ ان کے
 بغیر کام نہیں چل سکتا۔ کس قدر گڑبڑ کی بات ہے۔ عورت سے مشورہ کرنے کی
 ممانعت نہیں۔ حضور علیہ السلام خود عورتوں کے مسائل میں اپنی عورتوں سے بات
 پوچھ لیتے تھے، حضرت عمرؓ مشورہ کر لیتے تھے، مگر گھر میں اپنی مقام پر۔
 مشورہ کے لیے اسمبلی اور مجلس مشاورت میں کھینچ لانا کہاں سے نکال لیا حضور
 علیہ السلام نے فرمایا النساء حب اللہ الشیطن یعنی عورتیں شیطان کا
 جال ہیں۔ انہی کے ذریعے شیطان لوگوں کو پھانتا ہے۔ اور پھر بڑے بڑے

عورت کی
نمائندگی

تبع واقعات پیش آتے ہیں۔ بڑے بڑے سکینڈل بنتے ہیں۔ حتیٰ اگر تاریخ کا رخ مٹ جاتا ہے۔

تو مذہبی شریف میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گمراہی ہے۔
 اِذَا كَانَ امْرَاؤُكُمْ خِيَارَكُمْ وَجِبْتُمْهَا لَكُمْ فَهِيَ لَكُمْ رِجَالٌ
 قسم کے لوگ ہوں۔ وَاعْنِيَاكُمْ سَمَحًا وَكُفْرًا اور تمہارے
 دولت مند لوگ سخی ہوں وَأُمُورَكُمْ شُورًا بَيْنَكُمْ اور تمہارے
 کام آپس میں مشورہ سے طے ہوں فَظَهَرَ الْأَرْضِ خَيْرًا لَكُمْ
 مِنْ بَطْنِهَا تو ایسی حالت میں تمہارا زمین کے اوپر بہنا زمین کے اندر چلے
 جانے سے بہتر ہے۔ نیز فرمایا اگر اس کا الٹ ہو جائے یعنی اِذَا كَانَ
 امْرَاؤُكُمْ شِيَارَكُمْ وَجِبْتُمْهَا لَكُمْ فَهِيَ لَكُمْ رِجَالٌ ہوں۔
 وَاعْنِيَاكُمْ بَخْلًا وَكُفْرًا اور تمہارے والدہ لوگ بخیل ہو جائیں
 وَأُمُورُكُمْ إِلَى نِسَائِكُمْ اور تمہارے معاملات عورتوں کے ذریعہ
 طے پائیں۔ تو پھر سمجھ لو۔ بَطْنُ الْأَرْضِ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ ظَهْرِهَا تمہارے
 لیے زمین کے اندر چلے جانا زمین کے اُردھ سے بہتر ہے۔ یعنی تمہارا
 مرنے کا ہی بہتر ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لوگوں کے لیے خواہشات
 در مغرب چیزوں کی محبت کو فرین کیا گیا ہے۔ اور ان خواہشات یا مرغوب
 چیزوں میں اول نمبر عورت کا ہے۔

انسان کی مرغوبات میں سے دوسری چیز فرمایا وَابْنَيْكَ یعنی اولاد ہے
 اولاد کی محبت ایک خاص درجے تک فطری ہے۔ اور مال و اولاد کو دنیوی
 زندگی کے لیے زینت قرار دیا گیا ہے۔ الْمَالُ وَالْبَنَاتُ زِينَةُ
 الْحَيَاةِ الدُّنْيَا مگر اللہ جل شانہ نے یہ بھی فرمایا اِنَّهَا هِيَ اَمْوَالُكُمْ
 وَاولادکم فِتْنَةٌ یعنی تمہارے اموال اور اولاد میں سے تمہارے
 لیے فتنے کا باعث بھی ہیں۔ اولاد میں سے خصوصاً بیٹوں کے ساتھ محبت

عنا اولاد

فطری امر ہے۔ انسان سمجھتا ہے کہ بیٹے کی طرح اس کی نسل کا سلسلہ باقی رہے گا، فیک ہوگا، تو اس کا نام روشن ہوگا، اس کے لیے باعثِ عزت ہوگا بر خلاف اس کے اگر یہی اولادِ خلف ترقی برمی نکلے۔ اللہ کی حدود کو توڑنے جائز اور ناجائز کا خیال نہ کرے، فتنہ و فساد کا بازار گرم کھے، تو انسان کے لیے سخت آزمائش کا باعث ہوگی، اولاد کے با محقوں لوگ کس قدر تنگ آتے رہتے ہیں، ہر روز اخباروں میں خبریں چھپتی ہیں کہ والدین کے لیے نہ صرف بدنامی بلکہ ہلاکت کا سبب بھی بن جاتی ہے۔ بیٹا زبردستی باپ سے جائیداد کا حصہ طلب کرتا ہے۔ جان سے مار دینے کی دھمکی دیتا ہے۔ قتل و اغوار کے مقدمات میں ملوث ہو کر باپ کو ذلیل و خوار کر دیتا ہے۔ والدین لاکھ لاکھ کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح اولادِ سنور جائے۔ اولاد کے لیے مال، دولت، مکان، زمین ہر چیز مہیا کرنے کی کوشش کرتے ہیں خواہ انہیں ناجائز ذرائع ہی کیوں نہ اختیار کرنا پڑیں۔ مگر جب آزمائش آتی ہے تو یہی لاکھ پیار سے پائی ہوئی اولاد جان کی دشمن بن جاتی ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اولاد بھی فتنے اور گمراہی کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔

عالمِ دروہ

انسان کے لیے جو مرغوبات چیزیں مزین کی گئی ہیں ان میں سے تیسری چیز فرمایا وَأَلْقَا طَيْرًا مَّقْنَطَرَةً مِّنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ سونے چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانے (ڈھیر مال) ہیں۔ یہ بھی انسان کے لیے گمراہی کا باعث بن سکتے ہیں۔ مال کی محبت بھی کسی حد تک فطری ہے۔ سورۃ عادیات میں فرمایا وَأِنَّ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدًا انسان مال کی محبت میں بڑا پکا ہے بلکہ فرمایا مَنْ عَايَنَهُ حَرِيصًا اور بے صبر ابھی ہے۔ یہی محبت اگر حد سے تجاوز کر جائے تو گمراہی کا باعث بن کر باعثِ وبال ہوگی۔ قناطر سے مراد بہت سارا مال ہے۔ عرب ایک لاکھ اشرفی یا درہم کو قناطر کہتے تھے۔ مقصد یہ کہ یہ لفظ ڈھیر مال پر بولا جاتا ہے۔ اور اس کے حصول کے لیے انسان ہمیشہ سرگردان رہتا ہے

اس کے ذریعہ دنیا میں بھی آسائش، عیش و آرام حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اور گمان یہ کرتا ہے۔ اِنَّ مَّا لَكُمْ اَخْلَدُكُمْ يَوْمَ يَأْتِي سَاعَاتٍ مِّنَ النَّهْرِ يُمْسِكُ بِهَا الشَّمْسُ وَلَا يُغْنِي عَنْكُمْ كَيْدُكُمْ اِنَّ يَوْمَ يَأْتِي سَاعَاتٍ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا لِيُجْزَوْنَ فِيهَا كَافًا بِّمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔ اور گمان یہ ہے کہ اگر دنیا میں بھی آسائش، عیش و آرام حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اور گمان یہ کرتا ہے۔ اِنَّ مَّا لَكُمْ اَخْلَدُكُمْ يَوْمَ يَأْتِي سَاعَاتٍ مِّنَ النَّهْرِ يُمْسِكُ بِهَا الشَّمْسُ وَلَا يُغْنِي عَنْكُمْ كَيْدُكُمْ اِنَّ يَوْمَ يَأْتِي سَاعَاتٍ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا لِيُجْزَوْنَ فِيهَا كَافًا بِّمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔

اسی لیے فرمایا کہ گمراہی کے اسباب میں سے مال بھی ایک ہے۔

چوتھی چیز فرمایا وَالْخَيْلَ الْمَوْسُومَةَ وَالْأَنْعَامَ نِشَانِ زُورِہِ گھوڑے یعنی خوب پالے پوسے اور طاقتور گھوڑے اور دیگر مال و دیگر مویشی بھی اسباب ضلالت میں سے ہیں۔ یہ بھی انسان کی مرغوب اشیا میں سے ہیں۔ انسان ان سے خوب نفع حاصل کرتا ہے۔ گائے بھینس، بھینس، بکری، اونٹ وغیرہ سے دودھ حاصل کرتا ہے۔ اور ان کا گوشت کھاتا ہے۔ ان سے بولاری اور بار بولداری کا کام بھی لیتا ہے۔ یہ انسان کی اچھی خاصی جائیداد ہوتی ہے۔ اور ان سے محبت بھی فطری ہے۔ تاہم اگر کوئی شخص ان کی محبت میں اس قدر عتراق ہو جائے کہ ان کی دیکھ بھال میں نمازوں کی پروا نہ کرے۔ دیگر نیکی کے کاموں کی طرف توجہ ہی نہ دے سکے۔ گویا اَخَذَتْهُمُ الرَّبِّ بِذُنُوبِهِمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ۔ ان کی دم بچھڑ کر بیٹھا ہے۔ تو یہی مال انسان کے لیے گمراہی کا سبب بن جائے گا۔ لہذا اس سے بھی خبردار کیا گیا ہے۔

فرمایا اسباب ضلالت میں سے وَالْحُرُوثَ بھی ایک ہے۔ انسان کھیتی باڑی کے کام میں مصروف ہو کر بھی قرآن سے غافل ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے یہی چیز اس کے لیے فتنہ بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا تھا۔

علا گھوڑے اور مویشی

کھیتی

ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا یہ چیزیں تو دُنیا کی زندگی میں فائدہ حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔ مگر اصل مقصود تو آخرت کی زندگی سے ہے۔ اگر ان اشیاء کی محبت میں آخرت سے غافل ہو گیا۔ تو سخت خسارے کا سودا کیا۔ قیامت کے دن خالی ہاتھ ہو گا۔ یہ تمام لوازمات اسی مادی زندگی تک محدود ہیں۔ یہ چیزیں اس زندگی کے ساتھ ہی ختم ہو جائیں گی۔ اور پھر آخرت کی زندگی شروع ہوگی۔ انسان کو عبرت دلائی گئی ہے کہ اُس آئندہ زندگی کے لیے کوئی سامان پیدا کرے۔ کیونکہ اصل زندگی وہی ہے۔ وَاللّٰهُ عِنْدَهُ حَسَنُ الْمَالِ اصل اور بہترین ٹھکانا تو مالک الملک کے پاس ہے۔ اور اس کے حصول کے لیے انسان کو ایمان اور اعمالِ صالحہ کی فکر کرنا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ سر مغرباً دنیا میں مبتلا ہو کر ایمان کی دولت سے محروم ہو جائے۔ اور پھر اس دنیا سے خالی ہاتھ جانا پڑے یہ سخت گھاٹے کا سودا ہو گا۔

متقین کے لیے الغام

جب حُبُّ الشَّهَوَاتِ والی آیت نازل ہوئی۔ تو حضرت عمر فاروقؓ نے اللہ کے حضور دُعا کی۔ کہ مولا کریم! کہہ گمراہی کے ان اسباب کے پیش نظر ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا فَسَلِّ لِعِبَادِي یعنی علیہ السلام ان کو فرما دیجئے اَوْ تَبْتَئِكُمْ بِحَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكَ کیا میں تمہیں ان تمام سر مغرباً سے بہتر چیز نہ بتاؤں۔ لِّلَّذِينَ اتَّقَوْا ان لوگوں کے لیے جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔ ان کی طبیعتوں میں خوف خدا قائم رہا ہے۔ اور وہ کفر، شرک، نفاق اور برائی سے بچتے ہیں۔ فرمایا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَدَّتْ اَنْ کے رب کے ہاں باغات ہیں بِحَيْرٍ مِّنْ مَّتَمَّ اِلَّا يَنْهَوُوْا جن کے سامنے نہریں بہتی ہیں، خَلْدَيْنَ فِيْهَا مومن لوگ ہمیشہ باغات میں رہیں گے۔ وہاں سے نکلے جانے کا نہیں کوئی کھٹکا نہیں ہو گا۔ یہ باغات دنیا کی ان سر مغرباً اشیاء سے کہیں بہتر ہیں۔ اور پھر یہ صرف باغات ہی نہیں ہوں گے بلکہ تقویٰ اختیار کرنے والوں

کے لیے دہاں وَأَزْدًا مَّطَهَّرَةً پاکیزہ بیویاں ہوں گی۔ جو ہر قسم کی جسمانی و روحانی غلاظت سے پاک ہوں گی۔ اس دُنیا کی بہترین عورتیں بھی ان کی طہارت کا مقابلہ نہیں کر سکیں گی۔ فرمایا اس کے علاوہ جنتیوں کو وَرَضْوَانًا مِّنَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوگی۔ جو سب سے بڑی نعمت ہوگی۔ جب لوگ دوزخ سے نکل کر جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ اور انہیں ہر نعمت حاصل ہو جائے گی، تو اللہ کریم ان سے فرمائیں گے، کیا میں تمہیں کچھ اور زیادہ نہ دوں۔ وہ لوگ حیران ہوں گے۔ اور کہیں گے یا الہی! ہم جنت میں پہنچ گئے، کامیاب ہو گئے۔ ہر طرح کی نعمتیں حاصل ہو گئیں۔ اب اور کیا ملے گا۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے أَحِلُّ عَلَيْكُمْ رَضْوَانِي میں اپنی خوشنودی اور رضائے تم کو دیتا ہوں فَلَا اسْتَخَطُّ عَلَيْكُمْ كَبَدٌ اب آج کے بعد کبھی تم سے ناراض نہیں ہوگا۔ گویا اللہ تعالیٰ جنتیوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے راضی ہو جائے گا۔ یہ انسان کی ابدی فلاح ہوگی۔ فرمایا وَاللّٰهُ بِصِيْرِكُمْ کیا العباد اللہ تعالیٰ تمام بندوں کے حالات کو نگاہ میں رکھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کون کیا کر رہا ہے۔ اور کون کس بُرائی میں مبتلا ہے۔ لہذا اس کی گرفت سے کوئی شخص نہیں بچ سکتا۔ وہ یہ بھی جانتا ہے، کہ کون ایمان دار ہے اور اعمالِ صالحہ کمرہا ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے اس کے ہاں صلے کی کمی نہیں ہے وہ انہیں آخرت میں بہترین ابدی زندگی عطا کرے گا۔

تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

الْاِعْمَارِ ۳

درس پنجم ۵

آیت ۱۶ تا ۱۸

الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّا أَمَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا
وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٦﴾ الصَّابِرِينَ وَالصَّادِقِينَ
وَالْقَانِتِينَ وَالْمُنْفِقِينَ وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْمَارِ ﴿١٧﴾
شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۖ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو
الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ ۗ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٨﴾

ترجمہ: وہ لوگ جو کہتے ہیں، اے ہمارے پروردگار! بیشک ہم ایمان لائے ہیں
میں بخش دے ہم کو ہمارے گناہ، اور ہم کو آگ کے عذاب سے بچا (۱۶) وہ صبر
کرنے والے ہیں، اور چپائی والے ہیں اور اطاعت کرنے والے ہیں اور خرچ کرنے والے ہیں اور
بخشش طلب کرنے والے ہیں سحریوں کے وقت (۱۷) اللہ نے گواہی دی ہے کہ اُس
کے سوا عبادت کے کوئی لائق نہیں۔ اور فرشتوں نے بھی، اور اہل علم نے
بھی۔ وہ قائم ہے انصاف کے ساتھ۔ اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق
نہیں ہے۔ وہ زبردست ہے اور حکمت والا ہے (۱۸)

گزشتہ درس میں گمراہی کے اسباب بیان ہوئے تھے۔ عام طور پر انہی اشیاء
کی محبت میں گرفتار ہو کر لوگ گمراہی میں مبتلا ہوتے ہیں ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے
بچھے ہوئے دین اور آخرت کی زندگی سے قافل ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے
یہ بھی بتلا دیا کہ دنیا کی ان مرغوب اشیاء کے مقابلے میں اہل تقویٰ کے لیے
اللہ تعالیٰ کے ہاں بہتر سامان موجود ہے۔ وہاں پر جنت ہے جس میں ہر طرح
کی نعمتیں مہیا ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہاں اللہ کی خوشنودی اور رضا حاصل ہو
جائے گی۔ جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہوگی۔ اور جس کو کبھی تبدال نہیں آئیگا۔ اب آیات
زبردست میں اللہ تعالیٰ نے متقیوں کے اوصاف بیان فرمائے ہیں۔ یعنی یہ وہ

ربطیات

لوگ ہیں۔ جنہیں جنت کی نعمتیں اور اللہ کی رضا حاصل ہوگی۔

ایمان اور
بخشش

فرمایا جنت کے وارث وہ لوگ ہوں گے الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا
إِنَّا آمَنَّا جو کہتے ہیں۔ کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے ہیں۔ وہ
اس بنیادی عقیدے کا اظہار کرتے ہیں۔ کہ ہم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، اس
کی صفات، اس کے نیچے ہوئے ہر شے پروردگار۔ اس کے فرشتوں اور رزقیت
پر یقین رکھتے ہیں۔ اس ایمان کے اعتراف کے بعد اللہ تعالیٰ اسے دعا کرتے
ہیں هُنَا عَفْوَكَ لَنَا ذُنُوبَنَا مَوْلَاكَ كَرِيمٍ! تو نے ہمیں ایمان کی دولت دیکھ
اپنی پہچان کر لی ہے۔ ہم تیرے بندے ہیں۔ پس ہمارے گناہ معاف فرما دے
ہم سے جس قدر غلطیاں، کوتاہیاں اور لغزشیں سرزد ہو چکی ہیں، ان سے درگزر فرما
امام ازمی اور دیگر مفسرین کہہ رہے ہیں، بخشش کا معنی ایمان ہے۔
ایمان کے بغیر بخشش نہیں ہوگی۔ اسی لیے اَمَّنَّا کا اعتراف پہلے ہے اور فَاَعْفُوكُنَا
کی درخواست بعد میں ہے۔ جب تک ایمان مکمل نہیں ہوگا، معافی کی صورت
پیدا نہیں ہوگی۔ اے مولا کریم! ہمیں معاف فرما وَقَدْ كَذَبْنَا
اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا دے، تیری دوزخ کی سزا بڑی سخت ہے
اُسے برداشت کرنے کی ہم طاقت نہیں رکھتے۔ اس لیے ہمیں ایمان کی بدولت
اس جہنم سے بچا لے۔

دوزخ کی سزا اس قدر خطرناک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بار بار
اس سے بچنے کی دعا سکھائی ہے۔ فرمایا رَبَّنَا إِنِّي أَتَمُّتُ فِي الذَّنْبِ حَسَنَةً
وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقَدْ عَذَّبْنَاكَ الْمَنَ لَعْنَةُ اللَّهِ اِهْمِ
دنیا میں بھی بھلائی موعظہ اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب
سے بچا۔ دوسری جگہ فرمایا رَبَّنَا إِنَّا كُنَّا مِنَ الذَّنْبِ حَسَنَةً
اٰخِرِيَّتَهُ اے پروردگار! جسے تو نے آگ میں داخل کر دیا وہ ذلیل مغرور
ہو گیا۔ ہمیں اس رسوائی سے بچا۔ غرضیکہ اہل تقویٰ کی یہ صفات بیان کی گئی

ہیں کہ وہ ایمان کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں۔ اور پھر اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش چاہتے ہیں۔ اور دوزخ کے عذاب سے رہائی کے طالب ہوتے ہیں۔

اہل تقویٰ
عاصم بن

اہل تقویٰ کی فہرست میں سب سے پہلے فرمایا الصَّابِرِينَ ان کی ایک صفت یہ ہے۔ کہ وہ صبر کرنے والے ہوتے ہیں۔ یہ بہت بڑی سعادت ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے وقت، نفسانی تقاضوں سے بچنے کے وقت یا کسی مصیبت آنے پر صبر ہی کو بڑے کار لایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَانصَلُوا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ایمان! صبر اور نماز کے ساتھ مدد چاہو۔ صبر کرنا اگرچہ بڑا مشکل کام ہے۔ مگر اس کا اجر بھی زیادہ ہے۔ فرمایا يُوفَى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر عطا فرمائے گا۔ حضرت علیؑ کی روایت میں آتے الصَّابِرِينَ مِنَ الْإِيمَانِ بِمَنْزِلَةِ الرَّاسِ مِنَ الْجِدِّ جبکہ تعلق انسان کے ایمان کے ساتھ ایسا ہی ہے جیسے سر کا تعلق جسم کے ساتھ ہوتا ہے۔ سر اتر جائے تو دھڑ بھڑا ہو جاتا ہے اسی طرح صبر نہ دامن پہنچے جائے تو ایمان کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ صبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نعمت اور دین اسلام کے اہم اصولوں میں سے ہے۔ صبر بھی اسی طرح اہم ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان، نماز اس کا ذکر و تعظیم شعار ہے اور اس کی نعمتوں کا شکر ضروری ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کیا میں تمہیں درجات بلند کرنے والی چیز نہ بتلاؤں جو گناہوں کو مٹاتی ہے فرمایا وہ ہے اتِّمَامُ الْوَضُوءِ عِنْدَ الْكَيْدِهَا یعنی تکلیف کے وقت مکمل وضو کرنا۔ گرمی سردی میں بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ اگر سخت سردی کے ایام میں پانی گرم کرتے کا انتظام نہ ہو، تو وضو کرنے کے وقت تکلیف ہوتی ہے بعض اوقات ہاتھ پاؤں چھٹ جاتے ہیں۔ مگر ایک مومن جب یہ تکلیف برداشت

کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے انعامات سے نوازتا ہے۔ اُس کے لئے بخشش کے دروازے کھول دیتا ہے۔ بعض گرم طبقات میں ٹھنڈے پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر ایسا پانی میسر نہ آنے کی صورت میں گرم پانی سے ہی وضو کرنا پڑتا ہے۔ اور ایک مومن یہ تکلیف بھی برداشت کرتا ہے۔ اور صبر کا دامن نہیں چھوڑتا۔ نماز کے لئے قیام رکوع اور سجدہ پر صبر کرتا ہے۔ روزہ رکھ کر صبر کا مظاہرہ کرتا ہے۔ حج کی تکلیف پر صبر کرتا ہے اور سب سے بڑھ کر صبر جہاد کے موقع پر کرتا ہے۔ اور سردی صبر کی بازی لگا دیتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے۔ **إِنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلِّ الشَّيْءِ** یعنی جنت تلواروں کے سائے کے نیچے ہے۔ جسے جنت کی خواہش ہے۔ وہ جہاد میں چمکتی ہوئی تلواروں اور بڑھتے ہوئے تیروں اور نیزوں سے نہیں ڈرتا ہے۔ یہ اس کے صبر استقامت کی انتہا ہے۔ اسی طرح اپنی عزیز متاع مال و دولت کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بھی صبر پر دلالت کرتا ہے۔ یہ سب صبر ہی کی مختلف صورتیں ہیں۔

صبر کی ایک اور بڑی صورت کسی تکلیف یا صدمے کے وقت صبر کرتا ہے۔ مال و جائیداد ضائع ہو جائے۔ کوئی عزیز یا نیرنگ فوت ہو جائے۔ کسی چیز کا حرف مستط ہو جائے۔ تو ایسی حالت میں صبر کا دامن بٹھا متا بہت بڑا اصول ہے اسی اصول کو چھوڑ کر رافضیت اور شیعیت پیدا ہوئی۔ جس اصول کو امام حسینؑ نے آخر دم تک اپنائے رکھا۔ اسی اصول کو اُس کے نام ایوانوں نے ترک کر کے بے صبری کا انتہائی مظاہرہ کیا۔ روزنا پینا، واویلا کھنا، عمدتہ لوجہا، چھریاں مارنا، چھاتی پینا کونسا اصول ہے۔ یہ تو بے اصولی کی بات ہے۔ حضرت علیؑ نے صبر کے اصول کو قائم رکھا۔ حضرت عثمانؓ نے اس پر آج نہ آنے دی، حضرت عمرؓ نے اس کا کمال مظاہرہ کیا۔ آج ہم اس زریں اصول کو ترک کر کے کیسے فلاح پاسکتے ہیں بہر حال اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر صبر کرنے والوں کی تعریف بیان کی ہے۔ اس کا علم اعلان ہے۔ **إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ** بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے

ساتھ ہے۔

مصدقین

اہل تقویٰ میں سے دو گروہ کے متعلق فرمایا وَالصّٰدِقِیْنَ وہ لوگ ہیں جو ہر معاملہ میں سچائی اور راست بازی کو اختیار کرتے ہیں۔ اپنے قول، فعل، معاملے، اور وعدے میں سچائی کو ہمیشہ نظر رکھتے ہیں۔ جیسے فرمایا لَا یُزَالُ الْمُؤْمِنُ یَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتَّى یُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ صَدِیقًا یعنی مومن برابر سچائی کو تلاش کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کو صدیق لکھا جاتا ہے۔ سورۃ توبہ میں فرمایا اے ایمان والو! لیسے ڈرو وَكُونُوا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ، اور سچے لوگوں کے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ سورۃ مادہ میں فرمایا هٰذَا یَوْمٌ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ قیامت کے دن راست باز لوگوں کو ان کی سچائی نفع دے گی۔ سورۃ احزاب میں فرمایا لَیَسْئَلَنَّ الصّٰدِقِیْنَ عَن صِدْقِهِمْ قیامت کے دن سچے لوگوں کے سچ کے متعلق پوچھا جائے گا۔ سورۃ عبس کی ابتدا میں فرمایا فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوا یعنی اللہ تعالیٰ سچوں کو جانچتا رہتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کے ہاں سچائی بہت بڑا عمل ہے۔ اور اس کے ہاں اس کے واسطے بہت بڑا اجر ہے۔

عطا اطاعت

فرمایا متقیوں میں تیسرا گروہ وَالْقٰنِتِیْنَ کا ہے۔ یہ لفظ قنوت سے مشتق ہے۔ اور اس کا معنی اطاعت بجالانا ہے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جو اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کا دامن کسی حالت میں بھی نہیں چھوڑتے ان پر خوشحالی آئے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور آزمائش آئے تو صبر کرتے ہیں، مگر اپنے آپ سے باہر ہو کر اطاعت خداوندی سے باہر نہیں ہوتے انہیں ہر وقت یہ فکر لگنی رہتی ہے۔ کہ کسی وقت اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہ ہو جائے۔ یہی لوگ قانتین ہیں۔ سورۃ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے جن مردوں اور عورتوں کے لیے مغفرت اور اجر عظیم کی بشارت سنائی ہے۔ ان میں

وَالْقَائِمِينَ وَالْقَائِمَاتِ بھی شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اطاعت گزار مردوں اور
اطاعت گزار عورتوں کے لیے قیامت کو بہت بڑے اجر کا مشورہ سنایا ہے
الغرض اہل تقویٰ کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ اللہ کے اطاعت گزار ہوتے
ہیں۔ اس کی نافرمانی نہیں کرتے۔

علا خراج
کوئی مال

اہل تقویٰ کا جو تھا گمروہ وَالْمُنْفِقِينَ کا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ جو
اللہ کی راہ میں محتاجوں پر خرچ کرنے والے ہیں۔ دین اسلام میں خرچ کرنا بذاتِ خود
ایک بہت بڑا اصول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے محض جمع کرنے والوں کی مذمت
بیان فرمائی ہے۔ یہودیوں کی یہ صفت تھی جَمَعَ فَاَوْسَعِيَ کہ وہ محض جمع کرنا
جانتے تھے۔ خرچ نہیں کرتے تھے۔ مگر ایک مؤمن کی صفت یہ ہے کہ وہ
دولت کھاتا ہے۔ تو اللہ کی راہ میں خرچ بھی کرتا ہے۔ سچ نہیں کرتا۔ وہ جانتا ہے
”وَفِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْسُوْرِيْمِ“ کہ ان کے مالوں میں
محتاجوں اور محروموں کا حق بھی ہے اور ان کے متعلق حکم یہ ہے کہ اَعْطِ كُلَّ
ذِيْ حَقٍّ حَقَّهُ“ ہر حقدار کو اس کا حق پہنچاؤ۔ اگر محتاج کی خبر گیری نہیں کرو گے
تو لعنت برستے گی۔ مسلمانوں کا اجتماعی نظام خراب ہو جائے گا۔ لہذا جب اللہ تعالیٰ
مال عطا کرتے۔ تو اس کے ذیلے ہوتے ہیں سے اس کے حکم کے مطابق ضرور تمیز
کو ان کا حق ادا کرو۔

مفسرین کہہ فرماتے ہیں کہ خرچ کرنے کا حکم محض انفرادی نہیں۔ بلکہ اس کا
اطلاق اجتماعی حیثیت پر بھی ہوتا ہے۔ اور اس ضمن میں حکومت وقت پر بہت
زیادہ ذمہ داری عاید ہوتی ہے۔ جو حکومت محض جمع کرتی ہے۔ ایسی حکومت
کو اسلام ختم کرنے کے لیے آیا تھا۔ اُس زمانے میں قیصر و کسریٰ کی بڑی بڑی
سلطنتیں تھیں۔ لوگوں میں ناجائز ٹیکس لگا کر مال جمع کرتے تھے اور پھر اُسے حقداروں
سک پہنچانے کی بجائے اپنی عیاشی پر خرچ کرتے تھے۔ ایسی حکومتوں کی سیخ کنی
کے لیے اللہ تعالیٰ نے نبی کو مبعوث فرمایا۔ اور قرآن پاک نازل فرمایا۔ چت پنچ

خلفائے راشدینؓ کے زمانے تک مسلمان اس ذریعہ اصول پر عمل کرتے رہے مگر بعد میں مسلمانوں میں بھی قیصر و کسری پیدا ہو گئے۔ اب دنیا بھر میں نظر ڈالو اگر وہ دیکھ لو کہ کون سی حکومت ہے جو محتاجوں کا خیال کماتی ہے۔ ان قیصر و کسری کے جانشینوں سے کوئی پوچھے کہ تم لوگوں کی خون پسینے کی کمانی کو حاصل کر کے اسے کہاں خرچ کر رہے ہو۔ سب من مانی کر رہے ہیں کوئی اکاد کا اچھا آدمی ہو گا جسے خوف خدا ہو گا۔ اور جو امانت اللہ نے اُس کے سپرد کی ہے اُسے حقہ اردل تک پہنچاتا ہو گا ورنہ عام طور پر ہر طرف شہتشاہیت، ملوکیت اور اسپر پلینزم نظر آتا ہے۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں جو سوسائٹی اپنے غریبوں اور محتاجوں کا خیال نہیں رکھتی وہ مناسبت کے قابل ہے۔ آپ نے اپنے سب سے بڑے مرید اور شاگرد کے بھائی کی بیعت ان الفاظ میں کی کہ نیکی قائم کرنا اور ہمیشہ غریب اور مساکین کے مسائل کو حل کرنا۔ آپ نے بیعت میں یہ چیز داخل کر دی۔ مولانا عبید اللہ سندھی فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء نے بھی کام خراب کیا ہے یہ بھی ملوکیت سے متاثر ہو کر بگڑ گئے ہیں۔ بہت کم لوگ ایسے ہیں جو غریب اور مساکین کا خیال کرتے ہیں۔ خود عیش و آرام کے طالب ہیں۔ مگر اصل مشن سے دُور چلے گئے ہیں۔ غرضیکہ منصفین کا یہ لفظ بتلا رہا ہے کہ اہل ایمان دولت کو سمیٹ کر نہیں رکھتے۔ بلکہ دولت کو خرچ کرنا ان کے اوصاف میں داخل ہے۔

طالبانِ بخشش

فرمایا متقیوں کی پانچویں شاخ ہے۔ وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ وہ لوگ سحری کے وقت اُٹھ کر بخشش کی دعائیں مانگتے ہیں۔ سحری کا وقت تہائی اور سحون کا وقت ہوتا ہے۔ اللہ کی رحمت کے نزول کا وقت ہوتا ہے تقرب الہی کے اس وقت میں اللہ سے اپنی خطاؤں کی معافی طلب کرتے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ تہائی رات باقی رہنے پر اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر اعلان فرماتا ہے۔ مَنْ سَأَلَ عَوْنِي أَسْتَجِبْ لَهُ يَوْمَ كُوْنِي دُعَاءُكُمْ نَالَاكُمْ فِي اس کی دعا کو قبول کروں۔ مَنْ سَأَلَ عَوْنِي فَاعْطِيَهُ

ہے کوئی سائل کہ میں اُسے عطا کر دوں۔ مَنْ يَسْتَغْفِرْ لِي فَاغْفِرْ لَهُ
 ہے کوئی بخشش طلب کرنے والا کہ میں اس کو بخش دوں۔ چنانچہ حضرت
 عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت علیؓ اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق
 منقول ہے۔ رات کو نماز میں مشغول ہوتے۔ پھر پوچھتے صحیحی ہو گئی ہے۔ اُس
 وقت توبہ استغفار میں لگ جاتے۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا
 اس سورۃ مبارکہ کی ابتدا مسئلہ توحید سے ہوئی تھی۔ اَللّٰهُ

توحید باری تعالیٰ

لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اب اس آیت میں پھر وہی بات دہرائی جا رہی ہے، جو اصلی
 معنی دین ہے۔ ارشاد ہوتا ہے شَهِدَ اللّٰهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے اس بات کی
 گواہی دی۔ اِنَّكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اس کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں، کوئی عبادت
 کے لائق نہیں، نہ جبرائیل علیہ السلام، نہ میکائیل علیہ السلام، نہ یسوع علیہ السلام
 اور نہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں۔ الٰہ کا
 معنی اَبْرَ اَوْ سَبِيح ہے۔ الٰہ وہ ہو سکتا ہے۔ جس میں الوہیت کی صفت پائی جاتی
 ہو۔ جو واجب الوجود ہو، جس کا علم محیط ہو، جس کی قدرت تام ہو، جو خالق اور
 مدبر ہو اور جو فاطر ہو جو خود مخلوق اور محتاج ہو، وہ الٰہ کیسے ہو سکتا ہے۔ جو
 ہمہ دان نہ ہو، ہمہ بین نہ ہو، اور ہمہ توان نہ ہو، وہ الٰہ نہیں ہو سکتا۔ الٰہ وہ ہے
 جو جو چاہے کہ گزرتے، اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ لہذا فرمایا
 اللہ نے خود اس بات کی گواہی دی کہ اُس کے سوا الٰہ کوئی نہیں ہے۔ یہ جملہ
 اس قدر اہم ہے۔ کہ اس ایک آیت میں دو دفعہ دہرایا گیا ہے۔ حدیث ثریث
 میں اللہ تعالیٰ کی تعریف اِنْ الْفَاظِمْ كَمَا نِي كُنِيَ هِيَ۔ اَللّٰهُمَّ لَا اَحْصِي
 نَسَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَشْنَيْتَ عَلٰی نَفْسِكَ اے مولا کریم
 میں تیری تعریف کما حقہ نہیں کر سکتا۔ تیری تعریف وہ ہے، جو تو نے خود
 اپنی تعریف فرمائی ہے۔ اسی طرح اللہ نے خود گواہی دی ہے۔ کہ اس کے
 سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کے سوا کوئی حاضر ناظر نہیں، کوئی محتار کل نہیں کوئی

عالم الغیب نہیں، کوئی مینے والا نہیں اور کوئی چھیننے والا نہیں۔

فرمایا وَالْمَلَكُ اور فرشتوں نے بھی یہ گواہی دی ہے۔ اللہ کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں وَأُولُوا الْأُلْحٰبِ اور اہل علم نے بھی یہی گواہی دی ہے۔ علم والوں میں سب سے پہلے نبی ہیں، پھر کامل الایمان لوگ پھر صحابہ اور دانشور، سب نے یہی گواہی دی ہے۔ کہ اللہ جل شانہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔

آگے فرمایا قَائِمًا بِالْقِسْطِ خدا تعالیٰ کی ذات انصاف کے ساتھ قائم، امام میعادوی اور صاحب مدرک امام شافعیؒ اس کا ترجمہ کرتے ہیں هُكْمًا بِالْقِسْطِ انصاف کو قائم کرنے والا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت بھی بنتی ہے اور اہل علم کی بھی۔ اللہ تعالیٰ اپنے تمام فیصلوں اور افعال میں انصاف کے ساتھ قائم ہے۔ اس نے ہر چیز کو انصاف کے دائرے میں رکھا ہوا ہے۔ اس کے عمل اور اسکی پسند میں ظلم یا تکلیف نہیں ہے کسی کام میں نا انصافی نہیں ہے۔ بلکہ ہر کام میں اعتدال اور توازن ہے۔ وہ خود انصاف کے ساتھ قائم ہے۔ اور انصاف کو قائم کرنے والا ہے۔

علمائے

اہل علم کی بھی یہی صفت ہے۔ ہر اہل علم مقیمًا بالقسط یعنی انصاف کو قائم کرنے والا ہے۔ ان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ایسا ہی کریں۔ کیونکہ قرآن پاک میں انصاف کا بار بار حکم دیا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ جب اہل علم انصاف پر قائم ہوں گے تو وہ بھی یہی گواہی دیں گے لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ اس کے سوا کوئی معبود نہیں یہ کلمہ تمام اویان اور شرائع الہی کی بنیاد ہے۔ اللہ نے اپنی بہترین مخلوق کے متعلق فرمایا۔ کہ اس کا ہر فرد اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ اس کے سوا کوئی پرستش کے قابل نہیں۔

البتہ علماء کا ایک اور گروہ بھی ہے۔ جو توحید کا درس مینے کی بجائے شرک و بدعت کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ علمائے سہرہ ہیں۔ جہاں شرک و بدعت کی تعلیم دی

دی جا رہی ہو، سمجھ لو کہ یہ پیٹ پر دریاؤں کا دار علماء کی آواز ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ تو یہ ہے کہ اہل علم کی شہادت لاکھوں سال سے آج تک ہے۔ اگر تعلیم اس کے خلاف ہے۔ عرض منائے کی تلقین کی جا رہی ہے۔ قرآنی ہو رہی ہے قبروں پر سجدے ہو رہے ہیں، خواجہ فرید الدین کے دروازے سے گزرنے والے کو جنت کا ٹکٹ دیا جا رہا ہے۔ تو سمجھ لو کہ علماء سور کی مجلس برپا ہے خواجہ صاحب تو ماشاء اللہ کامل الایمان بزرگ تھے۔ ان کے ہاتھ پر پنجاب کے لاکھوں خاندانوں کو ہدایت نصیب ہوئی۔ انہوں نے استعائے سے کوئی بات کی ہوگی، جو کہ نئی بات کی ہوگی، کہ جو کوئی نیچا کے دروازے سے گزر گیا، جنت میں جائے گا۔ مگر جاہلوں نے ان کی قبر کے دروازے کو جنت کا دروازہ بنا لیا۔ یہ تو شرکیہ فعل ہے۔ کہیں تعویذ یہ نکل رہا ہے۔ اس کی تعظیم ہو رہی ہے۔ سجدہ ہو رہا ہے اس پر چڑھاٹے چڑھاٹے جا رہے۔ یہ صرف عوام تک محدود نہیں بلکہ حکومت کی سطح تک ایسے افعال کی سرپرستی کی جا رہی ہے۔ قبروں پر چادریں چڑھاتی جا رہی ہیں۔ مقبرے بن رہے ہیں ایسے کاموں پر بے دریغ روپیہ بہایا جا رہا ہے۔ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ لاڈ سپیکر پر علی الاعلان شرک و بدعت کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ یہ اولیٰ العلم کا کام نہیں۔ کیونکہ ان کی شہادت تو ایک ہی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

فَرَمَا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ اَمَامَ رَاٰی قَرَمَاتِهِمْ - عزیز کا معنی ہے کمال قدرت کا مالک۔ وہ جو چاہے کرے۔ اسکی قدرت کے سامنے کسی کو ٹھہرنے کی مجال نہیں۔ اور حکیم کے معنی کمال حکمت کا مالک۔ مہر خیر اللہ تعالیٰ کی حکمت کے مطابق ہے۔ وہ حکیم ہے۔ وہی معبود ہے۔ اس کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں اسے سوا کوئی نہیں جو مخلوق کی حاجت روائی کر سکے وہ تعلیم تمام بنیاد اور تمام آسمانی کتابوں کی جڑ اور بنیاد سے تمام اصحاب علم بھی اس کی تعلیم دیں گے تو اس تعلیم کی بنا نہ ہوگی۔ وہ علم کے سوا پیران میں شمار ہوگا۔ ایسا شخص اہل علم نہیں ہوگا بلکہ اہل علم کا

ال عمران ۳

آیت ۲۰، ۲۱، ۲۲

تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

درس ششم ۶

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ
 الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ
 الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ
 اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ①
 حَاجُّوكَ فَسَلِّ اسْأَلْتُ وَجْهِي لِلَّهِ وَمِنْ
 اتَّبَعْنِي ط وَفِي لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ
 عَ اسْأَلْتُ ط فَإِنْ اسْأَلْتُمْ فَقَدْ اهْتَدَوْا ج
 وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ ط وَاللَّهُ بَصِيرٌ
 بِالْعِبَادِ ②

ترجمہ :- بیشک سچا اور پسندیدہ دین اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے۔ اور
 نہیں اختلاف کیا ان لوگوں نے جن کو کتاب دی گئی۔ نیز اس کے بعد کہ ان کے
 پاس علم آئی، سرکشی کرتے ہوئے اپنے درمیان۔ اور یہ شخص اللہ کی آیتوں کے ساتھ
 کفر کر گیا، بیشک اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والا ہے ①
 جبکہ تم کہیں، تو آپ کہہ دیجئے، میں نے سوچ دیا ہے اپنے چہرے کو اللہ
 کے لیے۔ اور ان لوگوں نے بھی جنہوں نے میری پیروی کی۔ اور آپ ان
 لوگوں سے کہہ دیجئے جن کو کتاب دی گئی اور ان پر تھوڑے سے، کیا تم اسلام لاتے
 ہو۔ پس اگر وہ اسلام لائیں، تو بیشک وہ ہدایت پا گئے۔ اور اگر نہ پھیر دیں۔
 پس بیشک تیرے ذمے پہنچا دینا ہے۔ اور اللہ نگاہ میں رکھنے والا ہے

بندوں کے حالات ②

پہلی آیات میں دین کا مہنتی، جڑ اور بنیاد مسئلہ توحید اور اللہ کی صفات کو
 قرار دیا گیا تھا۔ اب اس آیت میں اللہ نے اسلام کی حقانیت بیان فرمائی ہے
 مشرکین عرب اور ایران کے مجوسی دعویٰ کرتے تھے کہ ان کے ادیان سچے
 ہیں۔ اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ اس معاملے میں زیادہ ہی غلو کرتے تھے
 وہ اپنے علاوہ ہر دوسرے مذہب کو غلط بتاتے تھے اور سجات کو صرف اپنے
 ہی دین میں بند سمجھتے تھے۔ حالانکہ یہود و نصاریٰ کے پاس کوئی حقیقت اس
 وقت نہ تھی۔ اور نہ آج ہے۔ انہوں نے انبیاء کے اصل دین کو بگاڑ کر رکھ دیا
 تھا۔ اور کفر و شرک میں مبتلا ہو چکے تھے۔

اس سے قبل گمراہی کے اسباب بھی بیان ہو چکے ہیں۔ حق و صداقت
 کی مخالفت کرنے والوں کو تنبیہ کی گئی، کہ ان کے مال و اولاد ان کے کچھ کام
 نہیں آئیں گے۔ اور وہ اس دنیا میں بھی مغلوب ہوں گے۔ اور آخرت میں جہنم
 کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ اللہ نے یاد دلایا کہ تم نے جنگ بدر میں اللہ کی
 نصرت کا نمونہ دیکھ لیا ہے۔ اس سے عبرت حاصل کرو۔ دنیا میں گمراہی عام طور
 پر عورتوں اور بیٹوں کی محبت، سونے چاندی کے جمع کردہ مال، عمدہ گھوڑے
 مویشی اور کھیتی باڑی کی جیسے پیدا ہوتی ہے۔ ان تمام چیزوں سے بہتر اللہ
 کی طرف سے ملنے والا اجر و ثواب ہے۔ جو ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔ مگر
 وہ متقیوں کے لیے ہے۔ ان نعمتوں میں پاکیزہ بیویاں اور سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ
 کی خوشنودی ہے۔ جو اہل جنت کو حاصل ہوگی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی صفات بیان کیں۔ کہ وہ ایمان
 کا اقرار کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے اپنی لغزشوں کی معافی مانگتے ہیں۔ روز
 سے پناہ چاہتے ہیں، صبر و استقلال کو اختیار کرتے ہیں اور سچائی پر طر
 جاتے ہیں، ہمیشہ اطاعت کا دامن تھامے رکھتے ہیں، اپنی نیک کمائی میں سے
 خرچ کرتے ہیں، محتاجوں کی اعانت کرتے ہیں اور سحری کے وقت استغفار

کہتے ہیں۔ یہ تمام باتیں بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے توحید کا مسئلہ بیان فرمایا کہ دین کی جڑ اور بنیاد یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے اور تمام اہل علم گواہی دیتے ہیں کہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اللہ تعالیٰ انصاف کے ساتھ قائم ہے۔ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ وہ عزیز اور حکیم ہے۔

سچا دین
صرف اسلام

اب اس آیت میں دین کی صداقت کا تذکرہ ہے۔ اِنَّ السِّدِّیْنَ
عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ مَعْتَقَ یعنی اللہ کے نزدیک پسندیدہ اور سچا دین صرف اسلام ہے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی آخر الزمان علیہ السلام تک تمام انبیاء کرام اسی دین کی دعوت دیتے رہے ہیں۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں اختلاف اگر کوئی ہے تو مشرکیتوں میں ہے، کیونکہ اُن میں فروعی احکام ہوتے ہیں۔ جو مختلف ادارہ میں مختلف ہو سکتے ہیں۔ لہذا یہود و نصاریٰ، مجوس یا مشرکین کا یہ دعوے کہ اُن کا دین سچا ہے، بالکل غلط دعویٰ ہے۔ یہ تو کذب بیانی اور خلاف واقعہ ہے۔ صداقت تو صرف دین اسلام میں ہے۔ اور اپنے دعویٰ میں سچا دہی ہوگا، جو دین اسلام کا پیروکار اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والا ہوگا۔

وہ اختلاف

اہل کتاب سے دو گروہ مراد ہیں۔ اولاً یہودی جو اپنے آپ کی نسبت تورات کی طرف کرتے تھے۔ کہ اُن کے پاس اللہ کی عظیم کتاب ہے۔ اور دوسرے عیسائی جو انجیل کے حامل ہونے کے دعویدار تھے۔ چنانچہ اگلی آیت کے مصداق دونوں گروہ یعنی یہود و نصاریٰ ہیں۔ تاہم چونکہ اس سورہ میں عموماً نصاریٰ کا ذکر ہے اس لیے وہ خاص طور پر اس آیت کے مخاطب ہیں۔ اب اگر ان کا دین سچا ہوتا ہے۔ تو اختلاف کی کوئی وجہ نہ تھی۔ مگر انہوں نے سچے دین اسلام سے اختلاف کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس اختلاف کی وجہ بھی بیان فرمادی وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اور نہیں اختلاف کیا اہل کتاب نے اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ مِمَّا كُنَّا

اس کے کہ ان کے پاس علم آ گیا۔ یعنی وہ بنی آخر الزمان علیہ السلام کے متعلق تمام علم یعنی ان کی تمام نشانیاں معلوم کرنے کے بعد بھی آپ کو نبی ماننے پر تیار نہ ہوئے۔ سورۃ بقرہ میں بیان ہو چکا ہے۔ "يَعْرِفُونَكَ كَمَا يَعْرِفُونَ ابْنَ آدَمَ" یہ لوگ حضور علیہ السلام کو اسی طرح پہچانتے تھے جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں۔ مگر پھر بھی ایمان نہیں لاتے تھے۔ اس سورۃ کی ابتدائی آیات میں نجران کے وفد کا ذکر ہو چکا ہے۔ وہ لوگ بھی جانتے تھے کہ نبی آخر الزمان حضور علیہ السلام ہی ہیں، جن کی پیش گوئیاں ان کی کتابوں میں موجود ہیں۔ مگر اس کے باوجود آپ پر ایمان لانے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ اس کی وجہ اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرمائی "بَعَثْنَا بَيْنَهُمْ وَحَاظُوا بِهَا فَعَمُوا" اس میں سرکشی کی وجہ سے تھا۔ یہود و نصاریٰ کو اس زمانے میں ایک قسم کا اقتدار اور تفوق حاصل تھا۔ اور نصاریٰ برسر اقتدار بھی تھے۔ وہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اگر وہ نبی آخر الزمان پر ایمان لے آئے تو پھر ان کی تابعداری کرنی پڑے گی۔ اور اس صورت میں ان کا اپنا اقتدار ختم ہو جائے گا۔ دینے کا رئیس المناذرتوں کی حد کی بنا پر ساری عمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتا رہا۔ دینے والے سلسلہ اپنا بادشاہ تسلیم کرنے کو تیار تھے مگر حضور علیہ السلام کی تشریف آوری سے اس کا سارا کھیل بے بگڑ گیا۔ اسی لیے فرمایا کہ یہ لوگ علم حاصل ہونے کے بعد بھی مخالفت پر اڑے رہے سرکشی کرتے ہوئے کبھی اپنے اقتدار کے رنلے کے لیے حالات اسلام کی وجہ سے انہیں جو شرف حاصل ہونے والا تھا، اس کا وہ اندازہ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ الغرض اہل کتاب نے سرکشی اور ضد کی بنا پر اسلام قبول نہ کیا۔

اسلام کا اصلی معنی اسونپ دینا ہے۔ جب کوئی شخص اپنے افعال و افعال میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کو قبول کر لیتا ہے۔ تو گویا وہ اسلام لے آتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمونہ ہمارے سامنے موجود ہے۔ جب ان کے رب نے ان سے کہا "اسلم" تو تم اسلام لے آؤ۔ تو عرض کیا۔ "اسلمت لرب العلمین"

اسلام کیا ہے

میں خنزیر قطعاً حرام ہے۔ تم خنزیر کو کھانے والے مسلمان کیسے ہو سکتے ہو۔ یہ ساری تفصیل امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں نقل کی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حجۃ اللہ الباقیہ میں لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد جتنے بھی نبی اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمائے، سب کے شرائع میں خنزیر حرام رہا ہے۔ لہذا یہ سور کا گوشت کھانے والے اور حضرت مریمؑ کی تصویروں کی پوجا کرنے والے اسلام کا دعویٰ کیسے کر سکتے ہیں۔ یہ لوگ تو اللہ کی صریح آیات کا انکار کر رہے ہیں۔ اور ان کے متعلق حکم یہ ہے وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ جِوَاللَّهِ كِىَ آيَاتِ کا انکار کرے گا۔ تو یاد رکھو۔ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ کہ بیشک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔ جب وہ مواخذہ کرتا ہے۔ تو پھر اس کی گرفت سے بچ کوئی نہیں سکتا۔

اطاعتِ دینی فرمایا ان تمام حقائق کے واضح ہوجانے کے باوجود فَإِنْ حَاجَبُوا اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑا کریں فَقُلْ تو آپ کہہ دیں أَسَلَمْتُ و جِہمی اللہ میں نے اپنے چہرے کو اللہ کے تابع کر لیا ہے، وَمَنْ اتَّبَعَنِي اور میرے پیروکاروں نے بھی۔ وجہ چہرے کو کہتے ہیں۔ اور یہ انسانی جسم کا سب سے معزز حصہ ہے۔ چہرے سے مراد ذات ہوتی ہے۔ مقصد یہ کہ میں نے ہمہ تن اور میرے پیروکاروں نے بھی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے تابع بنا لیا۔ غرض! اسلام یہ ہے۔ کہ اپنے آپ کو مکمل طور پر خدا کی اطاعت میں ڈے دیا جائے۔ گویا اسلام کے بنیادی اصول دو ہیں۔ پہلا اصول توحید کا ہے جیسا کہ گذشتہ درس میں آچکا ہے۔ شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ یہ توحید الہی کا اعلان ہے۔ اور دوسرا بنیادی اصول اسلام ہے یعنی اپنے آپ کو مکمل طور پر اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری میں ڈے دینا۔ یہ دونوں اصول اہل کتاب میں مفقود تھے۔ نہ وہ توحید کو مانتے تھے۔ اور نہ اسلام لاتے تھے۔ لہذا ان کا زبانی دعویٰ ناقابل قبول ٹھہرا۔ وہ لوگ اپنے آپ

کو حنیف یا ابراہیمی کہتے تھے جیسا کہ عرب اپنے آپ کو اسماعیلی کہتے تھے۔ جو کہ
سراسر غلط تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا دعویٰ باطل ہے۔ آگے
سورۃ ناس میں ذکر آئے گا کہ اصل حنیف تو حضور علیہ السلام اور آپ کے
پیروکار ہیں۔ یہ اہل کتاب تو اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں۔ دوسرے مقام
سورۃ یوسف میں فرمایا عَلٰی كَبِيْرَةٍ اَنَا وَمَنْ اَتَّبَعَنِيْ مِنْ اٰمِرٍ اَوْ مَرْءٍ
ماننے والے ہی صحیح بصیرت پر ہیں۔ یہ تمام انبیاء کی مشترک تعلیم ہے۔ اس میں
کسی قسم کا اشتباہ نہیں۔ وہ ہر بات واضح طور پر بیان کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ
حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا کہ خوب کان کھول کر سن لو تھمَّ
لَا يَكُنْ اَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ عُمَّةً پھر تھیلے کے معاملے میں کسی قسم کا شک و شبہ
نہ ہے۔ سورۃ ہود میں فرمایا فَاسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ وَمَنْ
تَابَ مَعَكَ اَبٍ بَطِيْخًا تَحٰكُ راستے پر چلیں اور آپ کے پیروکار
بھی۔ کیونکہ ہمیں اپنے مسلک، اعمال یا اخلاق میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہے۔
ہمیں دل سے یقین ہے کہ ہم ٹھیک راستے پر چل رہے ہیں۔ مومن کی یہی
شان ہے۔ برخلاف اس کے مشرک اور منافق اندھیرے میں بھٹوکریں کھینکا
ہماری لیے روشنی کا مینار قرآن پاک ہے جو کہ یَصٰ اٰنْسٌ لِلنَّاسِ
وَهُدًى وَرَحْمَةٌ ہے۔ یہ دلوں میں بصیرت پیدا کرتا ہے۔ زندگی کے
ہر موڑ پر ہدایت کا سامان مہیا کرتا ہے۔ لہذا اس کے ساتھ تعلق قائم کرنا ضروری
ہے اس کے علاوہ راہ ہدایت کھسی سے نہیں مل سکتی۔ اس کو مضبوطی سے
پکڑنے والا کبھی گمراہ نہیں ہوگا۔

ایمان کی
دعوت

فرمایا وَقُلْ لِلَّذِيْنَ اٰتَوْا الْكِتٰبَ وَالَّذِيْنَ ءَاَسَلَمْتُمْ
ان اہل کتاب اور ان پڑھوں سے کہ دیجئے۔ کیا تم اسلام لاتے ہو۔ دین توحید
قبول کرتے ہو، اطاعتِ خداوندی اختیار کرتے ہو۔ اہل کتاب سے مراد
یہود و نصاریٰ ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ کہ یہ پڑھے لکھے

لوگ تھے۔ متمم نہ تھے۔ دفتری نظام سے واقف تھے۔ حکومت کو نہ جانتے تھے۔ ان کے سکول تھے۔ جن میں تعلیم حاصل کرتے تھے اور ان کے پاس توہرات اور انجیل بھی تھی۔ اس لیے اہل کتاب کہلاتے تھے۔ ان کے علاوہ عرب کے باقی لوگ جو عام طور پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد تھے، وہ ان پڑھ تھے تعلیم و تربیت مفقود تھی، نوشت و خواند سے بے بہرہ تھے۔ تاریخی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نزول قرآن کے زمانے میں صرف چار فیصد لوگ پڑھے لکھے تھے باقی سب ان پڑھ تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے علاوہ ان امیوں کو بھی پیغام دیا کہ بتاؤ کیا تم اسلام لاتے ہو۔ فرمایا فَإِنْ أَسْلَمُوا اگر وہ اسلام لے آئیں فَقَدْ اهْتَدَوْا پس بیشک وہ ہدایت پا گئے۔ سورۃ بقرہ میں بھی اسی قسم کا بیان گزر چکا ہے۔ فَإِنْ أَسْلَمُوا بِمِثْلِ مَا آتَيْنَاهُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا اگر یہ بھی تمہاری طرح ایمان لے آئیں تو ہدایت پا جائیں گے۔ تم کو اللہ نے معیارِ حق بنا کر پیش کیا۔ عرض یہ کہ اگر اہل کتاب اور اُمّی صحابہ کرام حضرات ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، عبدالرحمنؓ بن عوفؓ، ابو عبیدہؓ، خالدؓ وغیرہم کی طرح اسلام لے آئیں تو ہدایت پا جائیں گے فَإِنْ تَوَلَّوْا اور اگر وہ روگردانی کریں۔ فَاتَّبَعْنَا عَلَيْكَ الْبَلْعُ تو آپ کے ذمے پہنچا دینا ہے۔ آپ اپنی ذمہ داری پوری کر دیں۔ وَاللَّهُ كَافٍ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ۔ باقی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حالات کو نگاہ میں رکھنے والا ہے وہ ان کے ایک ایک فعل سے واقف ہے کہ انہوں نے کس قسم کے گندے عقیدے بنا رکھے ہیں۔ اور کس قدر ضد، عناد اور تعصب کا شکار ہیں۔

تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

الِ عَمَلان ۳

درس ہفتم

آیت ۲۱ تا ۲۵

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ
النَّبِيَّ بَغْيٍ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ

بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُم بِذَابِ أَلِيمٍ ﴿۲۱﴾
أُولَئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا
وَالْآخِرَةِ وَمَأْتَهُم مِّن نَّصِيرِينَ ﴿۲۲﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى
الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَى
كِتَابِ اللَّهِ لِيُقِيمُوا بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّى فِرْقٍ
مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۲۳﴾ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ
قَالُوا لَنْ نَمَسَّنَا النَّارَ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ
وَعَرَّهْمُ فِي دِينِهِمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۲۴﴾
فَكَيْفَ إِذَا جُمِعْتُمْ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ فَف
وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا
يُظْلَمُونَ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: بیشک وہ لوگ جو کفر کرتے ہیں اللہ کی آیتوں کے ساتھ، اور قتل کرتے
ہیں اللہ کے نبیوں کو ناحق۔ اور قتل کرتے ہیں ان لوگوں کو جو حکم دیتے ہیں لوگوں
کو انصاف کرنے کا لوگوں میں سے۔ پس ایسے لوگوں کو خوشخبری سننا دیجئے خدا اے ایم
کی ﴿۲۱﴾ یہی لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے اور
ان کے لیے کوئی بھی مددگار نہیں ہوگا ﴿۲۲﴾ کیا نہیں دیکھا آپ نے ان

لوگوں کو جن کو کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا۔ ان لوگوں کو کتاب کی طرف بلا جاتا ہے۔ تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کرے۔ پھر ان میں سے ایک گروہ منہ پھیرتا ہے۔ اور وہ اعراض کرنے لگے ہوتے ہیں (۲۳) یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے کہا، ہر گز نہ چھوئے گی ہم کو دوزخ کی آگ جو چند دن گئے ہوں گے۔ اور دھوکا دیا ان کو ان کے دین کے بارے میں ان باتوں نے جو وہ افتراء کیا کرتے تھے (۲۴) پس کیے ہو گا ان کا حال جب ہم ان کو اکٹھا کریں گے اس دن میں کہ جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے۔ اور پورا پورا دیا جائیگا ہر ایک نفس کو جو اس نے کمایا۔ اور ان پر کسی قسم کا ظلم نہیں کیا جائے گا (۲۵)

رہائیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی مہٹ دھرمی کا ذکر کیا تھا۔

کہ اہل کتاب نے دین میں اختلاف

نہیں کیا مگر علم آجانے کے بعد محض سرکشی، حسد، عناد، اور بغض کی وجہ سے۔ انہوں نے دنیا کے جاہ و مال، ریاست اور اقتدار کی خاطر دین حق کو قبول نہ کیا نیز یہ بھی بیان ہوا۔ کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرے گا، وہ اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکتا۔ اس کے بچنے کی ایک ہی صورت ہے۔ کہ وہ اللہ کے سپے دین کو مان لے، صحیح عقیدہ اختیار کرے اور خدا تعالیٰ کا مطیع و فرمانبردار ہو جائے۔

ان آیات میں بھی اہل کتاب کا ہی ذکر ہے۔ فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ یُكْفِرُوْنَ

آیات انکار

بِاٰیٰتِ اللّٰهِ جَوٰلُکَ اللّٰهِ تَعَالٰی کِی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ ان کو تسلیم نہیں کرتے ان کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔ اب کفر کی کئی ایک قسمیں ہیں۔ کفر انکار سے بھی ہوتا ہے۔ شک اور تردید سے بھی کفر لازم آتا ہے اور ایک عملی کفر، اسی طرح اتفاق کا کفر ہے۔ مگر سب سے بڑا کفر اللہ کی آیات اور اس کے احکام کو تسلیم نہ کرنے کا نام ہے۔ احکام الہی کا منکر مکمل کافر ہو جاتا ہے۔ یہ کفر والی بیماری مشرکین مکہ کے بعد اہل کتاب میں بھی سرایت کر چکی تھی۔ تو اس

آیت میں اللہ تعالیٰ نے اُن کی اس بیماری کا ذکر فرمایا ہے۔

قل ناسخ

اہل کتاب کی دوسری خطرناک بیماری کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا
 وَفَقِمْ لَوْنِ الدِّينِ بَعْضِي حَقِّ وَهُوَ اللّٰهُ كَيْفَ نَبِيَّوْنَ كَوْنًا حَقِّ قَتْلِ
 کہہ دیتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے کے یہود و نصاریٰ کو یہ باور
 کہ آیا جا رہا ہے۔ کہ تکفیر آیات اللہ اور قتل انبیاء کی بیماری انہیں اپنے ابا و اجداد
 سے ورثے میں ملی ہے۔ جس طرح انہوں نے انبیاء کو ناسخ قتل کیا۔ حضور
 علیہ السلام کے زمانہ کے اہل کتاب بھی اسی روش پر چل رہے ہیں۔ حضرت
 ابو عبیدہ بن جراحؓ سے روایت ہے کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم
 سے دریافت کیا گیا کہ قیامت کے دن سب سے بڑا مجرم کون ہوگا۔ آپ
 علیہ السلام نے ارشاد فرمایا سب سے بڑا مجرم وہ ہوگا جس نے قتلِ نَبِيٍّ
 جس نے اللہ کے نبی کو قتل کیا اَوْ قَتَلَ نَبِيًّا يَّوْمَهُ بَرَّ اَوْ مَجْرُمٌ يَّوْمَهُ كَيْفَ نَبِيَّوْنَ
 کا نبی قتل کرے۔ نبی تو معصوم ہوتے ہیں۔ لوگوں کے خیر خواہ اور بھروسہ دہوتے
 ہیں۔ لہذا ایسی ہستی کو قتل کرنا بلاشبہ بہت بڑا جرم ہے۔ دوسری بات
 یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نبی کسی کو ناسخ قتل نہیں کرتا۔ اور جس کو نبی قتل کرے
 وہ یقیناً بہت بڑا مجرم ہوگا۔ اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ مگر ضحکہ نبی
 کا قاتل یا نبی کا مقتول دونوں بڑے مجرموں میں شمار ہوتے ہیں۔ قتلِ ناسخ اس
 قدر بُری چیز ہے۔

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نبی کریم
 نے صرف ایک دن میں اللہ کے ۴۳ نبیوں کو قتل کیا۔ وہ لوگوں کو اچھی آہٹاتے
 تھے اور ان سے روکتے تھے، مگر وہ مشغول ہو کر انبیاء کو قتل کر دیتے تھے۔
 انبیاء کے قتل کے بعد کچھ نیک لوگ آگے آئے۔ انہوں نے بھی امر بالمعروف
 اور نہی عن المنکر کا کام شروع کیا۔ لوگوں کو طعنِ ملامت کی کہ تم نے اللہ کے
 نبیوں کو قتل کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان بد سنجتوں نے اسی دن کچھلے پھیلے پر ایک سے بارہ

یا ایک سو ستر نیک لوگوں کو بھی قتل کر دیا۔ یہ اُن کا ایک دین کا کارنامہ تھا۔ اسی چیز کی طرف اللہ پاک نے اشارہ کیا کہ جو کفر کرتے ہیں۔ اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کرتے ہیں۔ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ اور اُن لوگوں کو بھی قتل کرتے ہیں۔ جو لوگوں کو انصاف کا حکم دیتے ہیں۔

قسط کا لفظ قرآن پاک میں متعدد مقامات پر آیا ہے۔ اور اس سے مراد عام طور پر انصاف لیا جاتا ہے۔ قُلْ أَمَرَ بِالْقِسْطِ تو کہہ دیجئے کہ میرے رب نے حکم کر دیا، انصاف کو سزا دینے میں فرمایا وَأْتِيهِم مِّنَ أَلْوَانٍ بِالْقِسْطِ وَلَا يَخْشَوْنَ وَالْمِثْرَانَ یعنی کسی کے تول میں خرابی نہ کہ وہ ناپ تول میں انصاف قائم کرو۔ انصاف کا قیام انسانیت کی بنیادی صفت ہے۔ پہلے آیت گذر چکی ہے قَالِيماً بِالْقِسْطِ خدا تعالیٰ خود بھی انصاف کرتا ہے۔ اور دوسرے کو بھی انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے بخاری شریف کی روایت میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا الَّتِي حَرَمْتُ ظُلماً عَلَىٰ نَفْسِي وَجَعَلْتُهَا بَيْنَكُمْ وَحَرَاماً یعنی اے نبی آدم! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام قرار دیا ہے۔ اور تمہارے درمیان بھی ظلم حرام ہے۔ فَلَا تَظْلِمُوا پس ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ کے اس واضح حکم کے باوجود اہل کتاب کا شیوہ یہ تھا۔ کہ وہ اللہ کے نبیوں کو بھی قتل کرتے تھے۔ اور ان لوگوں کو بھی قتل کرتے جو انصاف کا حکم دیتے اور بُرائی سے روکتے۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں خیبر کے یہودیوں نے آپ کے قتل کا قصد کیا۔ آپ کے کھلے میں زہر ملا دیا گیا۔ مدینہ طیبہ میں بھی بنو نضیر اور بنو قینقح کی بستی میں آپ کے خلاف سازش کی گئی کہ آپ کو دیوار کے نیچے کھڑا کر کے اوپر سے پھینک دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر آپ کو بذریعہ وحی دی اور آپ وہاں سے چلے گئے۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اہل کتاب کی یہ خصلت بیان فرمائی۔ کہ وہ اللہ

کے نبیوں اور حق و انصاف کے داعیان کو قتل کرتے ہیں۔

قسط اور عدل ہم معنی الفاظ ہیں، جو ظلم کے برعکس ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جگہ جگہ عدل کا حکم دیا ہے۔ "إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ" دوسری جگہ فرمایا "أَعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ" یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں عدل و احسان کا حکم دیتا ہے۔ اور یہ کہ عدل کرو جو کہ تقویٰ سے قریب تر ہے۔ عدل و قسط کا مفہوم بڑا وسیع ہے۔ اس میں عقیدہ بھی داخل ہے۔ یعنی ایمان اور توحید پر قائم رہو۔ عدل کا لفظ کفر اور شرک کے اُلٹ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے عقیدے کو پاک رکھو۔ آپس میں ایک دوسرے کی جان و مال عزت و آبرو کا خیال رکھو۔ یہ سب قسط میں داخل ہے۔

فرمایا انبیاء کے قاتلوں اور حق و انصاف کے دشمنوں کے متعلق

حکم یہ ہے۔ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے، یہاں پر خوشخبری کا لفظ تحکم کے طور پر آیا ہے مخصیہ ہے کہ ایسے لوگوں پر واضح کر دیجئے کہ تمہارا انجام دنیا میں بھی بڑا ہوگا۔ ایسے لوگ دنیا میں گھاس پھوس کی طرح کاٹ فیے جاتے ہیں۔ ظالم سمجھتا ہے کہ وہ نسلاً بعد نسل دنیا میں قائم رہے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ ان کو ہمیشہ کے لیے مٹا دیتا ہے۔ یہ نذیر کا واقعہ آپ کے سامنے ہے۔ وہ خاندان سادات کا مکمل خاتمہ چاہتا تھا۔ صرف ایک فرد بنیاد ہو جانے کی وجہ سے بچ گیا۔ ورنہ وہ بھی تلوار کی زد میں تھا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُس ایک فرد سے اہم حسینؑ کی نسل کو کس طرح چلایا۔ آج جگہ جگہ حسینی موجود ہیں برخلاف اس کے نذیر کے پندرہ بیٹے اور پانچ بیٹیاں تھیں۔ اہم ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ ان میں سے ایک بھی زندہ نہ رہا۔ آگے کوئی نسل نہ چل سکی۔ خود بائبل میں لکھا ہے کہ اہل بابل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ختم کرنا چاہتے

تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابراہیم! لوگ تجھے مٹانا چاہتے ہیں۔ مگر میں تیری اولاد کو ریت کے ذرات سے زیادہ پھیلاؤں گا۔ ظالم کچھ چاہتے ہیں مگر اللہ کی مشیت کچھ اور ہوتی ہے۔ اسی لیے فرمایا ظالموں کی سزا دردناک عذاب ہے۔ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ جَبَّطْتَ آعْمَالَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ان کے اعمال دنیا و آخرت ہر دو مقامات پر ضائع ہو گئے۔ دنیا میں کفر و شرک اور ظلم و عدوان کی بنا پر ان کی نیچی صنائع ہو گئی اور آخرت میں بھی کوئی ثمرہ نہیں ملے گا۔ وَمَا لَهُمْ مِّنْ ذُرِّيَةٍ ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ اللہ نے تہنید فرمائی کہ ایسے لوگ دنیا و آخرت میں بے یار و مددگار رہ جائیں گے۔

دعوت
الی الکتاب

اہل کتاب کو ان کی خرابیوں کی وجہ سے تہنید کرنے کے بعد ان کی ایک اور بڑی خصالت کا ذکر ہو رہا ہے۔ کہ جب انہیں برائیوں سے روک کر کتاب اللہ کی طرف دعوت دی جاتی ہے۔ تو وہ خود اپنی کتاب سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ اور اس کے احکام ماننے سے انکار کر دیتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ أَلَمْ نَسِّرْ إِلَى السَّبِيلِ أَوْ تَوَّأْنَا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا۔ جنہیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا ہے۔ يُدْعَوْنَ إِلَى كِتَابِ اللَّهِ انہیں اللہ کی کتاب کی طرف دعوت دی جاتی ہے۔ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ تاکہ وہ کتاب ان کے درمیان فیصلہ کرے، مگر وہ اس دعوت کو قبول کرنے کی بجائے تَوَّأْنَا فَرِيقًا مِّنْهُمْ ان میں سے ایک گروہ روگردانی کرتا ہے وَهُمْ مَعْرُضُونَ اور وہ اعراض کرنے والے ہوتے ہیں۔ اپنی ضد اور بہرٹ دھرم کی وجہ سے دعوت الی الکتاب کو مستبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ اگرچہ وہ لوگ مکمل تورات و انجیل کے حاملین ہونے کے دعویدار تھے۔ مگر یہاں پر نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ یعنی کتاب کا کچھ حصہ فرمایا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ ان بد بختوں کا پوری کتاب پر

ایمان ہی نہیں تھا، تو رات و انجیل کا کچھ حصہ تو انہوں نے خود ہی ضائع کر دیا۔ کچھ میں تحریرت کمرہ دی تھی اور لقمیہ کچھ حصہ موجود تھا اگر اس پر بھی ایمان لے آتے تو ہدایت پا جاتے۔ تو رات، انجیل میں حضور علیہ السلام کی آمد اور آپ کی بعض نشانیاں موجود تھیں۔ اگر وہ لوگ انہی پر ایمان لاکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا نبی مان لیتے تو کوئی جھگڑا باقی نہ رہتا۔ مگر وہ صد اور عدا کو جو سے ایمان محروم ہے انجیل کے متعلق خود پادریوں نے تسلیم کیا کہ اس میں تین ہزار غلطیاں ہیں۔ جو لوگوں نے شامل کر دی ہیں۔ اصل کتاب تو عبرانی یا سریانی زبان میں نازل ہوئی تھی مگر اب دنیا میں اصل نسخہ کہیں نہیں ملتا۔ اس کی بجائے اب بائبل میں چار انجیلیں موجود ہیں۔ ہر ایک میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ لیونجا کچھ کہتا ہے، مرقس کا مضمون کچھ اور ہے، ممتی کی اپنی الگ راگنی ہے اور لوقا کچھ اور بتاتا ہے ان کے علاوہ پانچویں انجیل برہنہ بنا س بھی ہے بلکہ مجموعی طور پر تو ایک سو بیس انجیلوں کی نشاندہی ملتی ہے۔ مگر ان کا اکثر حصہ ضائع ہو چکا ہے۔ کچھ تھوڑا بہت اصل حصہ موجود ہے جس کے متعلق فرمایا کہ اگر اس پر بھی ایمان لے آتے تو راہ راست کو پالیتے۔ کتاب اللہ سے مراد قرآن پاک بھی ہو سکتا ہے۔ اگر اس آخری آسمانی کتاب کو ہی تسلیم کر لیں تو سارا مسئلہ حل ہو جائے۔ مگر یہ بدبخت لوگ کسی چیز کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔

بعض مفسرین کہہ فرماتے ہیں کہ کتاب کے کچھ حصے سے مراد فہم القرآن فہم القرآن بھی ہو سکتا ہے۔ اگر یہ معنی لیا جائے تو مقصد یہ ہو گا کہ وہ لوگ جنہیں کتاب اللہ کا کچھ فہم عطا کیا گیا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہے۔ کہ کسی کو دین کی سمجھ عطا کرے۔ یہ بھی ایک عظیم نعمت ہے، حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے عام مسلمانوں کے علاوہ ہمیں کوئی خاص چیز عنایت نہیں کی۔ سوائے اس کے کہ سفر پر جاتے ہوئے چند احکام آپ نے لیے تھے۔ وہ تحریری صورت میں میری تلوار کی میان میں رکھے ہوئے ہیں

یہ چند مسائل ہیں جن میں دہیت کا مسئلہ اور قید لیوں کو چھڑانے سے متعلق چند احکام ہیں۔ فرمایا البتہ ایک چیز مجھے خاص طور پر دی گئی ہے۔ وَأَوْفَىٰ فَهْمًا یعنی قرآن کی سمجھ عطا کی گئی ہے۔ جو کہ ایک نعمتِ عظمیٰ ہے، اس کے علاوہ ہمیں اور کوئی خاص چیز نہیں دی گئی۔ اس مقام پر شیعہ حضرات کے اُن عقائد کی نفی ہوتی ہے۔ کہ حضرت علیؑ کو قرآن پاک کے دس پائے علیحدہ دیے گئے۔ یا کوئی راز کی بات بتلائی گئی جو باقی مسلمانوں کو معلوم نہیں یہ سب غلط ہے۔ یہ حال حاصل کلام یہ ہے۔ کہ اس آیت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ نے جن لوگوں کو کتاب کا فہم عطا کیا ہے۔ تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کریں، پھر ان میں سے ایک گروہ روگردانی کرتا ہے اور وہ اعراض کرنے والے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلافتِ ذری ہی ان کے نصیب میں ہے۔

فرمایا کتاب اللہ سے اعراض کی وجہ شفاعت سے متعلق ان کا باطل عقیدہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ نَّحْسَبَ السَّاعَةَ اِلَّا اَيَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ انہوں نے کہا کہ ہمیں دوزخ کی آگ

نہیں چھوئے گی۔ مگر چند دن کے لیے یہودیوں میں یہ باطل عقیدہ راسخ ہو چکا تھا۔ کہ وہ صرف اتنے ہی دن کے لیے دوزخ میں جائیں گے، جتنے دن اُن کے آباؤ اجداد نے چھڑے کی لپجہ کی تھی۔ اس کے بعد ہمارے بڑے ہمیں چھڑا لائیں گے۔ بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دوزخ کے کنارے پر کھڑے ہوں گے۔ اور جو بھی تھنے والا اس کی لپجہ ہوگا اُسے جہنم میں نہیں گمنے دیں گے۔ اُسے پختہ کربنت میں داخل کر دیں گے۔ یہ جبری شفاعت والا عقیدہ ہے۔ کہ ہمارے نبی ہمیں زبردستی خدا تعالیٰ کی گرفت سے چھڑالیں گے۔ یہ تو یہودیوں کا عقیدہ ہے۔ اور نصاریٰ کا باطل عقیدہ یہ ہے۔ کہ ہم جو چاہے کرتے پھر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہماری طرف سے صلیب پر

لٹک کر کفارہ ادا کر دیا ہے۔ ہمیں اب کوئی پروا نہیں۔ یہ تو عقل کے بھی خلاف ہے۔ کہ جرم کوئی کرے اور سزا کوئی دوسرا بھگتے۔ یہ تو ممکن ہی نہیں اصل بات یہ ہے کہ جو کوئی کر بیگا، وہی بھرے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین میں تو یہ قطعی واضح مسئلہ ہے کہ لَا تَزِدُ وَازِدَةً وِرْدًا خَيْرًا کسی ایک کا بار دوسرا نہیں اٹھائے گا۔ گنہگار اپنے گناہ کی سزا خود بھگتے گا۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی بھی ہے۔ لَا تَجْنِي عَلِيهِ وَلَا يَجْنِي عَلَيْكَ جس کا گناہ ہوگا اسی کی گمراہی پر پڑے گا۔ ایک کا گناہ دوسرے پر نہیں ڈالا جائے گا۔

افتراء
فی الدین

اہل کتاب کے باطل عقیدے اس بات کی غمازی کرتے ہیں۔
وَعَسَىٰ لَهُمْ فِي دِينِهِمْ مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ کہ ان کے
افتراء نے ان کے دین میں انہیں دھوکا دیا۔ افتراء سے مراد وہ باطل عقائد
ہیں جو انہوں نے خود بخود گھڑ لیے تھے۔ جیسے بنیت کا عقیدہ، مشرک کا
عقیدہ، جبری سفارش کا عقیدہ یا کفائے کا عقیدہ وغیرہ یہ سب افتراء میں
داخل ہیں۔ اسی طرح صرف چالیس روز تک روزِ حج میں رہ کر نکل آنے
کا عقیدہ بھی یہودیوں کا افتراء تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اسی افتراء نے
انہیں دھوکا میں رکھا اور وہ اپنی آخرت برباد کر بیٹھے۔

افتراء کی بیماری اب مسلمانوں میں بھی سرایت کر چکی ہے۔ اس زمانے
میں جس قدر بدعات ہیں سب افتراء میں داخل ہیں۔ قبر پرستی، چڑھانے
چڑھانا، عرس منانا، مرنے کا تیسرا، ساتواں اور چالیسواں گمراہ سب دین میں گھڑی
ہوئی باتیں ہیں۔ جن کی کوئی اصل نہیں۔ اسی طرح گیارہویں کا التزام، قرالی،
خواجہ فرید الدین کے دروازے سے ہر سال گزرتا کیا ہے؟ کیا اللہ اور اس
کے رسول نے ایسے کاموں کا حکم دیا ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہی تو افتراء فی الدین
ہے۔ مگر آج کا مسلمان انہیں کار ٹڈا ب سمجھ کر رہا ہے۔ بھائی اگر فرول

کہ ایصالِ ثواب مقصود ہے، تو سلفِ صالحین کا طریقہ اختیار کرو۔ دعا اور استغفار کرو۔ صدقہ و خیرات کرو، مانہ کہ بدعا ایجاد کرو۔

فرمایا فیکف إذا جمعناهم ليووم لا ريب فيه ایسے لوگوں کا اس دن کیا حال ہوگا، جب ہم انہیں قیامت کے دن اکٹھا کریں گے اور اس دن کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ وہ ضرور آئے گا وَوَفِيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ اُس دن ہر نفس کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا جو اُس نے کایا۔ ہر نیکی اور ہر برائی اسی دن سنائے آئے گی۔ دوسرے مقام پر فرمایا قَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهُ جِسْنٌ نَّظِيرُهُ اور جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اُسے دیکھ لے گا۔ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهُ اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی، وہ اُسے بھی پالیکھا۔ خدا کے علم میں ذرہ ذرہ محفوظ ہے۔ وہ مقرر دن پر سب کو پورا پورا بدلہ دیگا۔ فَهُمْ لَا يَظْلَمُونَ اس روز کسی پر ظلم و زیادتی نہیں ہوگی۔ اہل کتاب کو تبتیہ کی جا رہی ہے۔ کہ تمہارے باطل عقائد اور باطل اعمال کا ریکارڈ اللہ کے ہاں محفوظ ہے۔ اس کا بدلہ تمہیں بہر حال چکھنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ نکلنے کی کوئی کوشش کامیاب نہ ہو سکیگی۔ اور یہ تمہارے اپنے اعمال کا یہی نتیجہ ہوگا۔ تم پر ظلم تمہیں ہوگا۔

تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

درس ششم ۸

الِ عَمَّكَانَ ۳

آیت ۲۶ تا ۲۷

فَلِاللّٰهِمَّ مَلِكِ الْمَلِكِ نُؤْتِي الْمَلِكَ مَنْ تَشَاءُ
وَتَنْزِعُ الْمَلِكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ
وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۶﴾ تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُؤَلِّجُ
النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ
تُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ

حِسَابٍ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: اے پیغمبر! آپ اپنی دُنیا میں اس طرح کہیں، اے اللہ! جو بادشاہی
کا مالک ہے، تو جس کو چاہے ملک دیتا ہے۔ اور جس سے چاہے بادشاہی
چھین لیتا ہے۔ اور تو جس کو چاہے عزت دیتا ہے۔ اور جس کو چاہے ذلیل
کرنا ہے۔ تیرے ہاتھ میں خیر ہے۔ بیشک تو ہر چیز پر قدرت رکھنے
والا ہے ﴿۲۶﴾ تو داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے
دن کو رات میں۔ اور نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو
زندہ سے۔ اور تو روزی دیتا ہے جس کو چاہے بغیر حساب کے۔ ﴿۲۷﴾

آج کی آیات کے شان نزول کے متعلق مفسرین کہہ فرماتے ہیں - ربط آیات
کہ یہ آیات نجران کے وفد کے باطل زعم کے جواب میں نازل ہوئیں -
نجران کے عیسائی خوب جانتے تھے۔ کہ آپ وہی پیغمبر آخر الزماں ہیں -
جن کی آمد کی پیش گوئیاں اور جن کی نشانیاں ان کی کتابوں میں موجود ہیں۔ مگر
وہ محض اس لیے آپ پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں تھے۔ کہ شاہ روم

کی طرف سے ان کے جو وظیفے مقرر تھے، وہ چھین جاتے تھے۔ مدینہ کی طرف سفر کے دوران ان کے لاٹ پادری ابو حارثہ بن علقمہ نے تسلیم کیا تھا۔ کہ آپ ہی وہ نبی ہیں۔ جن کی بعثت کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کر رکھا ہے۔ اور پھر اسی اقرار کی بناء پر اُس کے بھائی کوز بن علقمہ میان کی دولت سے مشرف ہوئے تو مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ یہ آیات نصاریٰ کے اُس باطل زعم کا جواب ہیں جو انہیں حکومت، جاگیر یا وظیفہ مل رہا ہے۔ وہ ضائع ہو جائیگا۔ تو اللہ تعالیٰ نے بندے کی زبان سے یہ الفاظ کہلوائے کہ سلطنت، مال و دولت اور جاہ و جلال تو آنی جانی چیز ہے۔ ہر چیز کا مالک حقیقی تو اللہ وحدہ لا شریک ہے وہ جسے چاہے کسی مقام کی حکومت عارضی طور پر عطا کرے اور جس سے چاہے واپس لے لے، اس کے کام میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتا۔ کائنات کے پورے نظام کو چلانے والا وہ خود ہے۔ اور ہر ذی جان کا رزق بھی اسی کے قبضہ قدرت میں ہے وہ جسے چاہے وافر رزق عطا کرے۔ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان دعائیہ آیات میں اسمِ عظیم بھی موجود ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا وہ نام جس کے متعلق آتا ہے اِنْدَ عِیْ بِہٖ اَجَابَ وَاِذَا سُئِلَ بِہٖ اَعْطٰی یعنی جب اس اسمِ اعظم کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے تو وہ قبول کرتا ہے اور جب وہ نام لے کر مالک الملک سے کوئی سوال کیا جائے تو وہ پورا کرتا ہے۔ احادیث میں کسی ایک آیات کے متعلق آتا ہے۔ کہ ان میں اسمِ عظیم ہے ایسا ہی سورۃ آل عمران کی پہلی آیت "اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ" کے متعلق بھی بیان ہو چکا ہے۔ اس لحاظ سے آج کے درس کی دعا بھی بڑی مقبول دعا ہے۔

اِزْشَادِہٖ تَاۤبَہٗ فَاِنَّ اِسْمَکَ عَلَیۡہِمْ اَمْلٰکُ
اَلْمَلٰکِ اِنَّہٗ تُوۡجِبُ سُلْطٰنَہٗ کَاۡمَالِکَ حَقِیْقَیۡہِہٖ۔ کِیۡنُوۡکَ دُنِیَاکَ

ملوک تو عارضی مالک ہیں۔ ان کی ملکیت تو چند روزہ ہے۔ اصلی اور دائمی مالک تو
 وہی خداوند قدوس ہے۔ تیری یہ خاص صفت ہے کہ تُوَقِّی الْمَمْلَکَ
 مَنْ تَشَاءُ اَوْ تَسْلُطْنْتَ اور بادشاہی جس کو چاہے عطا کرتا ہے کیونکہ یہ صرف
 تیرے اختیار میں ہے۔ یہ بادشاہت تو اپنے خاص بندوں کے علاوہ آزمائش
 کے لیے بعض اوقات بڑے بڑے مجرموں اور نافرمانوں کو بھی مے دیتا ہے
 گذشتہ سورت میں مغزور کا واقعہ گنہ چکا ہے۔ جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام
 کے ساتھ جھگڑا کیا تھا۔ اُس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّ الشَّمْسَ
 اللّٰهُ الْمَمْلَکَ اللّٰہ نے اُس کو بہت بڑی سلطنت مے رکھی تھی۔ جس کی وجہ
 سے وہ شکر گزار بندہ بننے کی بجائے مغزور ہو گیا تھا۔ فرعون نے بھی یہی کہا
 تھا اَیْسَی مَمْلَکَ مِصْرَی حُکومت میری ہے۔ دیکھ لو۔ میرے حکم سے
 نہریں چل رہی ہیں۔ ڈیم بنے ہوئے ہیں۔ جن سے آبپاشی ہوتی ہے۔
 خزانے بھر پور ہیں۔ طاقتور فرج موجود ہے۔ میرے سوا اور کون ہے۔ مقصد
 یہ کہ بعض اوقات اللہ اپنے نافرمانوں کو بھی حکومت کی چابیاں مے دیتا
 ہے اور وہ محض آزمائش ہوتی ہے۔ پھر جب اُس کا وقت پورا ہو جاتا
 ہے۔ وَتَنْزِعُ الْمَمْلَکَ مِمَّنْ تَشَاءُ اور تو جس سے چاہے
 بادشاہی چھین لیتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے۔ کہ ایک وقت آیا جب اللہ تعالیٰ
 نے رومیوں اور ایرانیوں سے سلطنت چھین کر مسلمانوں کے حوالے کر دی۔
 اور یہ سب کچھ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہوا۔

غزوہ خندق ۵ھ میں واقع ہوا۔ کفار کے مدینہ پر حملہ آور ہونے کی
 خبر پہنچی۔ تو حضور علیہ السلام نے صحابہؓ کو مشورہ کے لیے طلب فرمایا چنانچہ
 فیصلہ ہوا۔ کہ مدینہ کے اندر رہ کر دفاع کیا جائے۔ شہر کی حفاظت
 کے لیے اس کے گرد خندق کھودنے کا فیصلہ ہوا۔ کسی میل لمبے خندق
 کو اپنے دس دس صحابہؓ کے حصہ میں چالیس چالیس گز کا ٹکڑا تقسیم کر دیا

پتھریلی زمین میں خندق کھودنا بڑے جان جو کھول کا کام تھا۔ گرمی کے موسم میں
 فاقہ زدہ صحابہؓ نے یہ کھٹن کام چھ دن میں مکمل کر لیا حضور علیہ السلام خود صحابہؓ کے
 ساتھ شریک کار ہے۔ دوران کھودائی ایک بڑی چٹان حاصل ہوگئی کہ جو صحابہؓ سے
 گوتی تھیں جتنی حضرت سلمانؓ کو آپ کی خدمت میں بھیجا گیا حضور صلی اللہ علیہ
 وسلم تشریف لائے۔ اللہ کا نام لے کر اپنے ہاتھ سے کدال مارا۔ آگ کے
 شعلے نکلے اور چٹان پارہ پارہ ہوگئی۔ آپ نے فرمایا اس روشنی میں اللہ نے
 مجھے ایران کے محلات دکھلائے ہیں۔ آپ نے دوسری دفعہ کدال مارا۔ پھر
 شعلے بلند ہوئے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا، اللہ نے مجھے رومیوں کے محلات
 بھی دکھائیے۔ تیسری دفعہ کدال مارا تو فرمایا، اللہ نے مجھے صنعا کے محلات دکھائے
 ہیں۔ اس کے بعد جبرائیل علیہ السلام نے آکر بشارت سنائی کہ یہ تمام مقامات
 بہت تھوڑے عرصے میں آپ کے زیر نگیں آجائیں گے۔ صحابہ کرام رضوان
 اللہ علیہم اجمعین بڑے خوش ہوئے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ
 علیہ وسلم کا کلام برحق ہے۔ مگر مدینہ کے منافقین نے تمسخر شروع کر دیا۔
 کہنے لگے مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ باہر رفع حاجت لے جانے سے عاجز آچکے
 ہیں مگر روم و شام کے محلات کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ مگر دنیا نے
 دیکھا ۱۸-۱۷ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے کچھ عرصہ بعد ہی
 شام، ایران اور صنعا وغیرہ زیر نگیں آگئے۔ مقصد یہ کہ وہ مالک الملک جس کو
 چاہتا ہے ملک عطا کرنا ہے۔ اور جس سے چاہتا ہے اچھین لیتا ہے۔
 عرب تو سارے کا سارا حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی
 اسلام میں داخل ہو چکا تھا۔ تاہم عرب، ترک اور افغان تو میں مجموعی طور پر اسلام
 میں داخل ہوئیں۔ بڑے عرصہ تک اسلام کی نعمت سے محروم رہے۔ مگر جب
 قریب آئے تو ایک دن میں چار لاکھ ترک مسلمان ہو گئے۔ افغان قوم حضرت
 عثمانؓ کے زمانے یا کچھ عرصہ بعد پوری کی پوری اسلام میں داخل ہوئی۔

حضرت نور شاہ صاحب کشمیری فرماتے ہیں۔ کہ عرب تو قومی طور پر اسلام میں داخل ہو چکے تھے، اس لیے دعا کا آغاز اس طرح ہو رہا ہے۔ کہ اے اللہ! تو جسے چاہے سلطنت عطا کرتا ہے۔ اور جس سے چاہے چھین لیتا ہے۔

علیہ السلام
کے لیے دعا

دعا اس انداز میں سکھائی گئی ہے۔ کہ اے اللہ! ان ظالموں سے حکومت چھین لے جو انسانیت کے دشمن ہیں اور جو دنیا میں نا انصافی کو ترقی دے رہے۔ مولا کریم! ہم اس وقت عدل و انصاف کے علمبردار ہیں اور اس نظام کو پوری دنیا میں رائج کرنا چاہتے ہیں۔ ہم ہی توحید خداوندی کے داعی ہیں۔ شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ کے پیروکار ہم ہیں اور اسلموں کے مصداق بھی ہم ہی ہیں۔ لہذا اب حکومت اور دنیا کی راہنمائی ہمارے سپرد کر دے۔ ہم فتناءً بِالنِّسْطِ پہ پورے اتریں گے۔ دنیا میں انصاف قائم کریں۔ شیخ حضور علیہ السلام دشمن سے جنگ کرتے وقت ایوں دعا کرتے۔

اللَّهُمَّ مُجِرِّمِي السَّحَابِ
وَمُنْزِلِ الْكِتَابِ وَهَازِمِ
الْأَحْزَابِ أَهْلِيهِمْ هُوَ
وَأَنْصِي نَاعِيَهُمْ
اے اللہ! توجو بادلوں کو چلانے والا ہے اور کتاب کو اتارنے والا ہے۔ اور جو باطل قوتوں کو شکست دینے والا ہے اب ان کو شکست دے اور ہمیں ان پر نصرت عطا فرما۔

مسلمانوں نے دنیا میں عدل و انصاف قائم کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں غلبہ عطا کیا حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے لے کر سچاس سال کے عرصہ میں آدھی دنیا پر مسلمانوں کو تسلط حاصل ہو چکا تھا۔ حالانکہ قوموں کی زندگی میں سچاس سال کے عرصہ کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ مسلمانوں کی یہ رواں دواں ترقی جنگ صحیفین پر آکر رک گئی جب حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان تنازعہ پیدا ہوا۔ اور صحیفین کے مقام پر کھیل بڑھائی

ہوئی۔ اسلام کی صداقت تو ہمیشہ قائم رہی۔ دین اپنے برہان اور حجت کے ساتھ تو ہمیشہ غالب رہا مگر پچاس سال کے قلیل عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے پورے کھیل طور پر بھی دنیا کے وسیع خطے پر غلبہ عطا کیا۔

اہم ابو بکر جصاص ممتونی ۳۷۰ھ قرآن پاک کے عظیم مفسر ہوئے ہیں انہوں نے احکام القرآن کے نام سے صرف فقہی مسائل کی حد تک قرآن پاک کی تفسیر پیش کی ہے۔ مولانا عبید اللہ سندھی فرمایا کرتے تھے کہ امام ابو بکر جصاص کی تفسیر اور حضرت شاہ ولی اللہ کی حجتہ اللہ الباقیہ ایسی کتب ہیں جہاں مثال گذشتہ بارہ صدیوں میں نہیں ملتی۔ حضرت شاہ صاحب نے اسلام کا فلسفہ اور نظام سمجھایا ہے۔ اور امام ابو بکر نے قرآن پاک کی بہت بڑی تفسیر لکھی ہے۔ آپ مسلک احنفی تھے۔ آپ دو واسطوں سے امام محمد کے شاگرد بنے ہیں اور تین واسطوں سے امام ابو حنیفہ سے منسلک قائم ہوتا ہے۔ امام ابو بکر جصاص نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ سعادت عطا کرنے کا وعدہ اللہ تعالیٰ انصاف قائم کرنے والوں کے ساتھ کیا ہے، کافر، مشرک، اور ظالم شخص امت کی راہنمائی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ کافر اس کا اہل نہیں اور فاسق اس کا پابند نہیں۔ ایسے لوگوں سے حق و انصاف کی بجائے لوگویت، شہنشاہیت، ڈکٹیٹر شپ اور ظلم و جور کی توقع ہی کی جا سکتی ہے۔ امت کی راہنمائی کے لیے ایماندار اور عادل لوگوں کی ضرورت ہے۔ شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے کہ ایران کے کسری وغیرہ اور ان کے حواری عام لوگوں سے میل اور گدھے کی طرح مشقت لیتے تھے اور انہیں اپنی فلاح و بہبود یا آخرت کے متعلق سوچنے کا موقع ہی نہ دیتے تھے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کی مشیت، اسی میں بھنی کہ اس نظام کو ختم کیا جائے اور نبی آخر الزمان کو مبعوث کیا جائے جو اسلام کا عادلانہ، توحید اور اطاعت پر مبنی نظام قائم کریں۔ چنانچہ جب تک مسلمان ان اصولوں پر قائم ہے، کوئی دوسری قوم ان کے مقابلے پر نہیں

آئی اور ساڑھے چھ سو سال تک مسلمان دنیا میں غالب رہے۔ پھر جب خود انہوں نے مجموعی طور پر اس نظام سے روگردانی کر لی۔ تو اسی حالت بگڑنا شروع ہو گئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دوسری قومیں ان کے مقابلہ میں کھڑی ہو گئیں۔

اے مالک الملک! حقیقی مالک تو ہی ہے۔ وَقَعْنَاهُ مِنْ
 نَشَاءٍ تَوَدَّ جَسَّهٖ چاہے عزت دیتا ہے۔ تو نے ہی اہل اسلام کو عزت
 بخشی۔ ایمان کی دولت دی۔ نبی کا راستہ دکھایا۔ پیغمبر علیہ السلام کے اتباع
 کی توفیق بخشی اور پھر ظاہری اقتدار بھی عنایت کیا۔ وَتَذَلُّوا مِنْ نَشَاءِ
 تَوْحِشٍ کو چاہے ذلیل کر دیتا ہے۔ یہ بھی تیری ہی صفت ہے، کفر، شرک
 نفاق، انفرمانی، بدعت، سب، ذلت کی چیزیں ہیں۔ جب اللہ کی طرف
 سے آزمائش آتی ہے تو لوگ سیدھے راستے سے بھٹک کر ذلیل و خوار
 ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ دعا کیا کہ تے تھے اللہمَّ
 اَنْقَلْتَا مِنْ ذُلِّ الْمَعْصِيَةِ الْمَعْصِيَةَ الطَّاعَةَ
 یعنی اے اللہ! ہمیں معصیت کی ذلت سے اٹھا کر اطاعت کی عزت
 میں پہنچا دے۔ بزرگان دین کا یہ بھی مقولہ ہے۔ مَنْ يَعِصِ اللَّهَ
 فَهُوَ السَّعِيدُ یعنی کیمنہ سفلہ کسی ذات یا خاندان سے نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر
 وہ شخص ذلیل ہے جو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے۔

فرمایا بَيْدَاءُ الْخَيْرِ مَوْلَا كَرِيمٍ! تیرے ہاتھ میں خیر ہے مفسرین
 کلام فرماتے۔ کہ جہاں خیر اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے۔ وہاں شر
 بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ کیونکہ وہ بھی اسی کی پیدا کردہ ہے۔ بلکہ یہاں
 پر صرف خیر کا ذکر کیا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کرو، شر کا یہاں
 ذکر نہیں۔ یہاں پر ایک اور مسئلہ بھی سمجھ لیا جائے۔ کہ جو چیز واقع میں شر
 نظر آتی ہے۔ وہ شر محض نہیں ہوتی۔ بلکہ شر اضافی
 ہوتی ہے کیونکہ شر میں کسی نہ کسی طریقے سے فائدہ بھی ہوتا ہے۔ لہذا خالق

ہوتے کے لحاظ سے دونوں چیزوں کا خالق وہی ہے۔ جیسے فرمایا جَعَلَ
 الظُّلُمَاتِ وَالنُّورَ یعنی اندھیرا اور روشنی اس نے پیدا فرمائے۔ مجرموں
 کا یہ عقیدہ کہ خیر اور شر کا خالق علیحدہ علیحدہ ہے، سراسر باطل ہے۔ یہ تو شذوہ
 ہے جو سراسر شرک ہے۔ فرمایا اِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ تو ہی ہر چیز پر
 قادر ہے۔ یہ تمام تغیرات اور تمام تقلبات تیرے ہی دست قدرت
 میں ہیں۔

دن اور رات

تَوَلَّجَ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ تو داخل کرتا ہے رات کو دن میں و تَوَلَّجَ
 النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں۔ یعنی شب روز
 کو چھوٹا بڑا کرتا ہے۔ کبھی رات بڑی ہوتی ہے اور دن چھوٹا ہوتا ہے۔
 اور کبھی دن لمبا ہوتا ہے اور رات مختصر ہوتی ہے۔ بمعمول کے تغیر و تبدل
 میں یہ مشاہدہ میں آتا رہتا ہے يُقَلِّبُ اللَّهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ رات اور
 دن کو پلٹتا دینا اسی ذات کا کام ہے۔ جب تک اس کو منظور ہے
 نیل و نهار کا یہ نظام چلتا ہے گا رات اور دن کی تشبیہ مناسب اور آسان
 سے بھی ہو سکتی ہے۔ مَصَابِيحُ عِنْدَ قَوْمٍ فَوَائِدٌ یعنی ایک قوم کے مصائب
 آلام دوسری قوم کے لیے عیش و راحت کا سامان بن جاتے ہیں۔ جیسے روم
 اور ایران کے کفار کی شکست مسلمانوں کے لیے خوشی کا مقام تھا۔

وَتَخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ اور نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے
 جس طرح گٹھلی سے اتنا بڑا درخت پیدا کر دینا۔ انڈہ مردہ ہے اس سے
 زندہ بچہ پیدا کر دینا۔ بے جان قطرہ آب سے زندہ انسان کو پیدا کر دینا اور
 کافر سے مومن کی تخلیق کرنا سب کچھ تیرے ہی اختیار میں ہے۔ و تَخْرِجُ
 الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ اور تو چاہے تو مردہ کو زندہ سے نکال دے۔ جیسے
 زندہ جانور سے مردہ انڈا پیدا ہونا یا بیکو کار بلکہ پچھلے جس عظیم الشان ہستی
 سے کافر اور نامہنجر اولاد کا پیدا ہونا ظاہر ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ بِاِیِّهِ تَغْيِرَاتُ اور

تصرفات سب تیرے ہی ہاتھ میں ہیں۔ تو ہی ہر چیز کا مالک ہے۔

وَتَرَدُّقَ مَنْزِلٍ كَشَاءِ بَغْيٍ حِسَابٍ تُوْرُوْزِي دِيَا
ہے جس کو چاہے بغیر حساب کے۔ بعض کو آسانی کے ساتھ رزق
پہنچاتا ہے۔ کہ انہیں کوئی مشقت نہیں اٹھانی پڑتی اور ملتی بھی اتنی زیادہ
ہے جو شمار سے باہر ہو۔ حضرت سلیمان علیہ السلام سے فرمایا "هَذَا عَطَاؤُنَا
فَأَمَّا مَنْ أَوَمَّ يُدَبِّرِ الْمَالِ بَغْيٍ حِسَابٍ" یہ سلطنت اور ہر چیز ہماری عطا
کمرہ ہے جس کو چاہو مے دو اور چاہو تو روک لو۔ یہ بغیر حساب کے ہے۔
آپ سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ کوئی مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ یہ ہماری
محبت سے ہے اور آپ کو اختیار بھی مے دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی
رعایت فرمائی۔ مگر دوسری جگہ یہ بھی فرمایا "لَمَنْ شَاءَ وَيَقْدِرْ
جسکی چاہے روزی تنگ کر مے۔ ساری دنیا کے ملوک چاہیں تو کسی کو
ایک دانہ گندم کا نہ مے۔ اسکی مصلحت کو اُس کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔
اسی لیے دعا کیے انداز میں فرمایا۔ اے مولا! تو جسے چاہے روزی عطا کرنا
ہے بغیر حساب کے یعنی بے حد و بے شمار۔

تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

الرِّعَاذُ ۳

درس نہم ۹

آیت ۲۸، ۲۹

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِينَ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ
 الْمُؤْمِنِينَ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ
 شَيْءٍ اِلَّا اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰةً ۙ وَيَذَرَكُمْ
 اللّٰهُ نَفْسًا ۙ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾ قُلْ اِنْ خِفْتُمْ
 مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تَبَدُّوْهُ يٰعٰلَمِ اللّٰهُ وَ
 يٰعٰلَمِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۙ وَاللّٰهُ عَلٰى
 كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا
 عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحَضَّرًا ۙ وَمَا عَمِلَتْ مِنْ
 سُوءٍ ۙ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ اَمَدًا ۙ لَيُعٰدَا
 وَيُحَذِّرُكُمْ اللّٰهُ نَفْسًا ۙ وَاللّٰهُ رَوِّفٌ ۙ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: پھر مومن کافروں کو دوست نہ بنائیں سوائے انہوں کے۔ اور جو شخص
 ایسا کرے گا۔ پس نہیں ہے وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی چیز میں بہتر یہ کہ تم
 ان کافروں سے بچاؤ اختیار کرو۔ اور ڈراتا ہے اللہ تعالیٰ تم کو اپنے آپ سے
 اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جاتا ہے ﴿۲۸﴾ اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ
 دیجئے اگر تم چھپاؤ اس چیز کو جو تمہارے سینوں میں ہے یا اس کو ظاہر کرو۔
 (مہر حال میں) اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے۔ اور وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور
 زمین میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ﴿۲۹﴾ جس دن
 حاضر پائے گا اپنے سامنے ہر ایک نفس جو کچھ اس نے عمل کیا ہے۔ نیکی سے

اور جو اُسے برائی کی ہے (اس کو بھی اپنے سامنے حاضر پائیگا پسند کرے گا
کماش اس کے اور بُرائی کے درمیان بہت دور کا فاصلہ ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ
تم کو ڈراتا ہے اپنے آپ سے۔ اور اللہ تعالیٰ شفقت کرنے والا

ہے بندوں کے ساتھ (۳۰)

ربط آیا

گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے دُعا کے رنگ میں فرمایا کہ تمام چیزوں
کا مالک اللہ ہی ہے۔ سلطنت کا قبضہ اور اختیار بھی اُسی کے پاس ہے۔ عزت
اور ذلت اسی کے اختیار میں ہے۔ قدرتِ کاملہ کا مالک بھی وہی ہے۔ وہ
جس کو چاہے مے مے اور جس سے چاہے جھین لے۔ اختیارات،
تصرفات اور تقلبات سب اُسی کے ہاتھ میں ہیں۔ ظاہر ہے کہ جن جماعت
کی دعوت یہ ہو، انسان کو اس کا ساتھ دینا چاہیے۔ اور اسی گمروہ میں شامل
رہنا چاہیے۔ اور وہ گمروہ ہے حضور خاتم النبیین علیہ السلام اور آپ کے
ملنسار والوں کا۔ یہ جماعت دینی بھی ہے اور سیاسی بھی۔ ان کا عقیدہ وہ
ہے جو بیان ہو چکا۔ اب جو لوگ اس عقیدے کے خلاف کوئی دوسرا
عقیدہ رکھتے ہیں۔ ان کی جماعت میں شامل ہونا کسی طرح روا نہیں۔

اب اللہ تعالیٰ اہل ایمان سے خطاب فرماتا ہے ہن لایَتَّخِذُوا

الصُّوفِیِّیْنَ الْكُفْرَیِّیْنَ اَوْلِیَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۗ مومن
لوگ مومنوں کے علاوہ کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں۔ کیونکہ کافروں کا پروردگار
قرآن پاک کے خلاف ہے۔ وہ لوگھ کو غالب دیکھنا چاہتے ہیں چنانچہ اللہ
نے ان کے ساتھ دوستی کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ان میں یہود، نصاریٰ
مشرک، منافق سب شامل ہیں۔ کسی کے ساتھ دوستی نہ جائز نہیں۔ اگر قیامت
ہو سکتی ہے تو صرف مسلمانوں کے ساتھ جن کا مرکزی عقیدہ اور لفظ نگاہ ایک
ہے، پروردگار اور منزل مقصود ایک ہے۔ اس لیے اہل ایمان کا فرض ہے
کہ وہ کافروں کی سجاوٹ مومنوں سے دوستی کریں۔ فرمایا وَصَلَّیْكَفَعَلْ ذٰلِكَ

جو کافروں سے دوستی کرے گا فلیکس من اللہ فی شئہ وہ اللہ کے سامنے
 کسی چیز میں نہیں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا دین اور مذہب
 ہرگز قابل اعتبار نہیں۔ ہاں ایک صورت میں رہا ہے۔ رَأٰنَ تَتَّقُوا
صَلٰتِہُمْ تَقَاتُوا تم کافروں سے بچاؤ تمہارا کہنے پر مجبور ہو جاؤ۔ ایسی صورت
 میں تم ظاہری طور پر ان سے دوستی کا اظہار کر سکتے ہو کیونکہ اضطراری حالت
 میں تو مردار بھی کھایا جاسکتا ہے۔ ایسی حالت میں اجازت ہے، اضطراری حالت
 کا مطلب یہ ہے کہ انسان بھوک میں مبتلا ہے۔ اور کوئی حلال چیز میسر نہیں۔ تو اس
 وقت مردار، خنزیر یا گوشت یا شراب وغیرہ جو کچھ میسر ہو، اس قدر استعمال
 کر سکتا ہے۔ جس سے جان بچ جائے۔ پیت بھرنے یا لطف اندوز ہونے
 کی اجازت نہیں۔ اسی طرح اگر کسی وقت کافروں کو غلبہ حاصل ہو اور ان کے
 شر سے بچنے کے لیے دوستی کا اظہار کر دیا جائے تو کوئی گرفت نہیں۔
وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَہٗ اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈرا رہتا
 کہیں اس کے احکام کی خلاف ورزی نہ کر بیٹھنا، ورنہ پھڑے جاؤ گے۔ کیونکہ
وَاللّٰهُ الْمَصِيۡرُ اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ وہ ایک ایک
 چیز کا حساب لے لے گا۔

حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ اپنی تفسیر میں رقمطراز ہیں۔ کہ دوستی
 کی تین اقسام ہیں۔ اول موالات جس میں دلی تعلق، لگاؤ اور محبت پائی جائے اور
 یہ اعلیٰ درجے کی دوستی ہے۔ دوسری قسم مدارات ہے۔ جس میں دلی تعلق
 تو نہیں ہوتا، تاہم فریقین، خوش اخلاقی سے پیش آتے ہیں۔ دوستی کی تیسری
 قسم مواسات ہے، جس کی اساس ہمدردی اور غمخواری پر ہوتی ہے۔ ایسی
 دوستی کے حامل دوست کو نفع پہنچانا چاہتے ہیں۔ اور کسی پر احسان کرنا
 پسند کرتے ہیں۔

دوستی کی
 تین قسم

شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ پہلی قسم یعنی موالات کسی بھی صورت میں کافر

سے روانہ نہیں۔ درلی نگاہ اور محبت نہ یہودیوں سے ہو سکتی ہے۔ نہ نظر نیوں سے، نہ مجوسیوں سے، نہ ہنود سے اور نہ ہی مشرکین سے۔ اگر کوئی مومن اس قسم کی دوستی غیر مسلم سے کریگا، تو اپنے دین کے زوال کا باعث بنے گا۔ حضور عالیہ السلام کا فرمان ہے کہ کوئی شخص جس کسی کے ساتھ دوستی دار رکھتا ہے وہ اسی کے دین کی طرف ڈھل جاتا ہے۔ لہذا اس ضمن میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔ جہاں تک مدارات یعنی خوش اخلاقی کا تعلق ہے۔ اس کی اجازت ہے بشرطیکہ ضرر سے بچنا مقصود ہو۔ غیر مسلموں کا غلبہ ہو تو ان کی ایذا سے بچنے کے لیے ظاہری طور پر خوش اخلاقی سے پیش آسکتے ہیں۔ اس میں خاص طور پر دیکھا جائے گا۔ کہ ناخوش اخلاقی کی وجہ سے ضرر پہنچنے کا خطرہ بدرجہ اتم موجود ہو، محض وہم کی بنا پر مدارات درست نہیں۔

یاد رہے کہ مدارات اور شیعوں کے تقیہ میں بڑا فرق ہے۔ ان کے نزدیک تسعة آخشا دین فی التقیة یعنی نور حصے دین تقیہ میں ہے۔ اور باقی ایک حصہ ظاہر ہے۔ وہ تو ہر حالت میں تقیہ کے قائل ہیں۔ وہ دین کو دوسروں کے سامنے چھپاتے ہیں۔ جو کہ غلط عقیدہ ہے۔ اور ایک قسم کا نفاق ہے۔

مدارات کی دوسری صورت یہ ہے۔ کہ کافر کے فائدے کے پیش نظر اس سے خوش اخلاقی سے پیش آئیں۔ مومن سمجھتا ہے۔ کہ اگر کافر کے ساتھ حسن سلوک اور خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا جائے، تو ہو سکتا ہے کہ وہ ایمان لے آئے مدارات کی یہ صورت بھی جائز ہے۔ شاہ عبدالعزیز کے پاس ایک برہمن آکر بیجا کرتا تھا۔ آپ طلباء کو پڑھاتے اور وہ بیٹھ کر سنتا رہتا۔ آپ اس کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آتے۔ جب آپ کا آخری وقت قریب آیا۔ تو شاہ اسحاق کو وصیت کی۔ کہ اس برہمن کا خیال رکھنا، اس کو ڈانٹ ڈپٹ نہ کرنا اور نہ اس کو درس سے نکالنا۔ آپ کی اس مدارات کا یہ اثر ہوا۔ کہ وہ

برہمن اپنی وفات سے تین دن قبل ایمان سے مشرف ہو گیا۔
دوستی کی تیسری قسم مواسات یعنی دوست کو نفع رسانی کی مثال اللہ تعالیٰ
نے سورۃ ممتحنہ میں بیان فرمائی ہے۔ اُن کافروں کو نفع پہنچانا رو ہے۔ جو
مسلمانوں کے تحت رہتے ہوں۔ جزیرہ ادا کرتے ہوں۔ خود امن وامان کی
زندگی بسر کرنا چاہیں۔ مسلمانوں کے ساتھ لڑائی پر آمادہ ہوں اور نہ ان مخالف
سازشوں میں ملوث ہوں۔ ایسے لوگوں کے ساتھ نیکی کرنا، احسان کرنا اور نفع
پہنچانا جائز ہے۔

کفارے
دوستی
یہ بات تو واضح ہے۔ کہ کافر کے ساتھ دلی دوستی کسی صورت میں نہیں
ہو سکتی۔ بلکہ کوئی کافر کسی مسلمان کا سر پرست بھی نہیں ہو سکتا۔ امام ابو بکر جصاصؒ
لکھتے ہیں۔ کہ اگر کوئی شخص اسلام ترک کرے کے کفر اختیار کرے۔ تو اس کا بچہ
اس کی سرپرستی سے خارج ہو کر مسلمان ماں کے تابع ہو جائے گا۔ اور مسلمان ہی
سمجھا جائے گا۔ باپ کو اس بچہ پر تصرف حاصل نہیں ہے گا۔ تاہم اگر کفار
نقصان پہنچانے کے لیے ہوں تو اپنے بچاؤ کی خاطر ان سے دوستی کا اظہار درست
ہے بشرطیکہ دل مطمئن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ نحل میں فرمایا کہ کافر کے ضرر
سے بچنے کے لیے کلمہ کھنجر بھی زبان پر لایا جاسکتا ہے۔ حضور علیہ السلام کے صحابی
حضرت عمارؓ نے ایسا کیا تھا۔ آپ نے فرمایا کوئی بات نہیں۔ دل تو ایمان سے
معمور ہے۔ فرمایا اگر کفار تنگ کریں تو زبان سے ایسا کلمہ کہ دیا کرو۔ اور اگر کوئی
شخص کفر کا کلمہ زبان پر لانے کی بجائے عزیمت اختیار کرے۔ تو اس کا مقام
بڑا اونچا ہے۔ حضرت خیرؓ سے کفار کلمہ کفر کہلانا چاہتے تھے۔ مگر انہوں
نے سولی پر لٹکنا پسند کر لیا مگر کلمہ کفر زبان پر نہیں لائے۔ یقیناً اُن کا درجہ
حضرت عمارؓ سے بڑھ کر ہے۔

امام ابو بکر جصاصؒ لکھتے ہیں۔ کہ میلہ کذاب نے دو مسلمانوں کو بچھڑا لیا۔ ایک
سے پوچھا التَّشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ كَيْتَمَ كَوَا هِي مَيْتَمَ هُوَ كَرَضَتْ

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اس شخص نے جواب دیا ہاں۔ پھر اس نے کہا اَتَشْهَدُ اَنِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ كَمَا تَمَّ يَرَبِّهِ كُوَاہِي يَتِيْتِيْ هُوَ كَمَنْ يَحْيٰ اللّٰهَ كَا رَسُوْلٍ هُوَ، تو اس نے کہا ہاں۔ لہذا میلہ کذاب نے اس شخص کو چھوڑ دیا۔ پھر وہ دو سرے آدمی کی طرف متوجہ ہوا۔ کہ کیا تم کو ابھی ییتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ تو اس نے جواب دیا، ہاں میں کو ابھی دیتا ہوں۔ پھر پوچھا کیا میرے متعلق بھی ایسی ہی شہادت ییتے ہو۔ تو وہ شخص کہنے لگا، میرے کان بہرے ہیں۔ میں تمہاری یہ بات نہیں سن سکتا۔ میلہ نے تین چار دفعہ اپنا سوال دہرایا، مگر ہر بار ایک ہی جواب پا کر اس کو قتل کہہ دیا۔ جب اس واقعہ کی اطلاع حضور علیہ السلام کے پاس پہنچی، تو آپ نے فرمایا۔ ایک شخص نے رخصت سے کام لیا۔ اور جان بچانے کے لیے ایسا کام کیا، جس کی اس کو اجازت تھی۔ دوسرے شخص نے عزیمت سے کام لیا۔ اس کو اللہ نے بلند مقام عطا کیا۔

فرمایا اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے۔ انسان کسی وقت مجبور ہو جاتا ہے۔ کہ اللہ اور اس شخص کے درمیان معاملہ ہے۔ اس میں قاضی یا مفتی کا کوئی دخل نہیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اگر کوئی شخص واقعی مجبور ہو گیا ہے تو وہ معذور سمجھا جائے گا۔ اگر محض بہانہ بنا رہا ہے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کمی گرفت بھی پڑھی سخت ہے۔ اس لیے انسان کو ڈرایا گیا ہے۔ کہ یہاں حیلہ بہانا نہیں چلے گا۔ تمہارا فیصلہ اس دنیا تک ہی محدود نہیں بلکہ وَاللّٰهُ الْمُبْدِيُّ اَس اللّٰهَ كِي طَرْفٍ هٰی لُوْطٌ كَمَرَجَانَا هٰی۔ قیامت کے دن وہاں ٹھیک ٹھیک فیصلہ ہوگا۔

فرمایا فَتَلَّ اَنْ تَخْفُوْا مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ اَپْ كَر مِیْجَبَ اَگَر تَمَّ جِیْپَا وُجُوْ كَچھ تہا کے دلوں میں ہے اَوْ تَبْدُوْہَ یَا تَمَّ اَس كُو ظاہر کرو كَعَلَمَ اللّٰهِ اللّٰهُ اللّٰهَ كُو جانتا ہے۔ وَيَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ اور اللّٰهَ كُو جانتا ہے

اللہ علیہ السلام

تو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ واللہ علیٰ کلّ شیءٍ قَدِیرٌ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ مقصد یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں خواہ وہ کائنات کے کسی کونے میں موجود ہو۔ حتیٰ کہ وہ ہر شخص کے دل میں چھپی ہوئی بات سے بھی واقف ہے۔ وہ جانتا ہے کہ منافق کون ہے جس کے دل اور زبان میں تضاد ہے۔ وہ اپنی منافقت سے دوسرے لوگوں کو تو دھوکا دے سکتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ تو اس کی نیت تک سے واقف ہے۔ وہ اپنی بدینتی اور بد عملی کی سزا ضرور بھیجتے گا۔

فَرِیَّا یَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَیْرٍ مُّحْضَرًا قیامت کا دن آنے والا ہے۔ جس روز ہر شخص دنیا میں کیے گئے ہر نیک عمل کو اپنے سامنے موجود پائے گا۔ قرآن پاک میں دوسرے مقام پر موجود ہے وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا ہر اچھا اور بُرا عمل حاضر ہو گا۔ لوگوں کے اعمال ان کے سامنے رکھ دیے جائیں گے۔ اور اس طرح وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ ہر جو کوئی برائی کا کام کیا ہو گا، وہ بھی سامنے آجائے گا۔ ہر شخص اپنے اعمال کو خود دیکھے گا۔ بڑے اعمال کو دیکھے گا۔ اس کے دل میں حسرت پیدا ہوگی کہ کاش کہ اُس نے یہ عمل نہ کیا ہوتا۔ تَوَدُّکُوْا اَنْ بَیْنَہُمْ وَبَیْنَکُمْ اَمَدًا اَبْعَدًا اس دن وہ پسند کرے گا۔ کاش کہ اس کی برائی اور اس کے درمیان لمبا چوڑا فاصلہ ہوتا۔ یعنی اس کی بد عملی اس کے قریب نہ ہوتی۔ مگر اُس وقت کی آرزو کوئی فائدہ نہ دیگی۔ اور اُسے برائی کی سزا مل کر ہے گی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے خبردار کیا۔ وَیَجِدُکُمْ فِی اللّٰہِ نَفْسًا اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے۔ اپنے اعمال کا محاسبہ اسی دنیا میں کر لو۔ تاکہ قیامت کے دن حسرت و نا امیدی کا منہ نہ دیکھنا پڑے۔ ہاں اللہ تعالیٰ بلا وجہ کسی

خیر و شر کا بدلہ

پر زبا دتی بھی نہیں کرتا۔ وَاللّٰهُ رَعُوْفٌ بِالْعٰبِدِ وہ تو اپنے بندوں کے ساتھ
 شفقت رکھتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان اپنے اندر ایمان
 کا نور پیدا کرے۔ اپنے مالک کی طرف رجوع کرے، اچھوٹے موٹے گناہوں سے
 توبہ کرے۔ اور اپنے اندر اطاعت کا جذبہ پیدا کرے۔ ایمان اور توحید خداوندی
 کی تصدیق کرے۔ اللہ تعالیٰ چھوٹی سے چھوٹی ٹینگی کو بھی قبول فرماتا ہے اور اس
 کا اجر عظیم عطا فرماتا ہے۔ بندہ خود قصور وار ہے۔ اللہ تعالیٰ تو نہایت ہی شفیق اور
 رحمدل ہے۔ وہ اپنے بندوں سے اچھا سلوک کرنا چاہتا ہے۔ اور اس
 کے لیے کوئی بڑی بشرط بھی پیش نہیں کرتا۔ انسان اپنی توجہ کا مرکز اللہ تعالیٰ
 کو بنائے تو اس کی رحمت کے دروازے دنیا اور آخرت دونوں جگہ کھل جائیں

تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

الْاِسْمَانِ ۳

درس دہم ۱۰

آیت ۳۱، ۳۲

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ

اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۳۱

قُلْ اطِيعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا

يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۳۲

ترجمہ: اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے، اگر تم اللہ سے محبت کہنا چاہتے ہو، تو میرا اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا۔ اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا ہے (۳۱) آپ کہہ دیجئے، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اگر تم اعراض کرو گے، تو بے شک اللہ تعالیٰ کفر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا (۳۲) گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفر کا رد فرمایا اور توحید پر ایمان لانے کی ترغیب دی۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا قانون بتلایا۔ اب ان آیات میں ایمان بالرسالت کا تذکرہ ہے۔ جس طرح اللہ کی وحدانیت پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اور اس سے انکار بمنزکہ کفر ہے۔ اسی طرح رسول کی رسالت پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ جس طرح اللہ کی اطاعت فرض ہے، اسی طرح رسول کی تابعداری بھی ضروری ہے۔

دوسری محبت نزولِ قرآن کے زمانے میں مشرکین عرب یہود اور نصاریٰ محبت الہی کا دعویٰ

کرتے تھے۔ جب مشرکین سے کہا جاتا کہ تم مشرک کیوں کہتے ہو، تو جواب دیتے

مَا تَعْبُدُوهُمْ اِلَّا لِیُقَسِّرُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰی ثُمَّ اِنْ مَّجُودُوْنَ كِی

عبادت محض اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کا قرب دلا دیں گے۔ یعنی تولا

کی پرستش تقرب الہی کے لیے ہے۔ اور جب یہی سوال نصاریٰ سے کیا جاتا کہ تم کیوں مشرک میں مبتلا ہو۔ تو وہ بھی محبت الہی کا دعویٰ کرتے اور کہتے کہ مسیح علیہ السلام اللہ کا بیٹا ہے اور اس کی پرستش اللہ کی محبت کے لیے ہے۔ نصاریٰ حضرت مریمؑ کو مادرِ خدا، یا خود خدا تسلیم کرتے، یا تین خدا مانتے تو ان کا ادعا جیسا کہ آگے آئے گا، اللہ کی محبت میں غلطان ہونا تھا۔ یہودی بھی کہتے تھے نَحْنُ ابْنَاءُ اللَّهِ وَ أَحِبَّاءُهُ ہم اللہ کی اولاد ہیں کیونکہ اس کے مقرب انبیاء کی اولاد ہیں۔ گویا وہ بھی اللہ کے محبوب ہونے کے دعویدار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے باطل دعویٰ کا رد فرمایا ہے اور اپنی محبت کا معیار مقرر فرمایا ہے۔ جو کوئی اس معیار پر پورا اترے گا، وہی حقیقی محبوب ہوگا، اس کے علاوہ کفر و شرک ہوگا۔ اس کے بعد اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ محبت رکھنے والے لوگوں کا ذکر کیا ہے۔ اور اس ضمن میں حضرت مسیح علیہ السلام، حضرت مریمؑ اور آل عمران کی مثال بیان فرمائی ہے مشرکین اور اہل کتاب کی تردید کی ہے۔ کیونکہ وہ معیار محبت پر پورے نہیں اترتے

ارشاد ہوتا ہے فَلْيَرْجِعْ بَيْتَكُمْ إِلَى اللَّهِ اور اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو اور اس کے دعویدار ہو، تو اس کا ایک ہی معیار ہے فَاتَّبِعُونِي میرا اتباع اختیار کر لو۔ گویا پہلی بات تو رسالت کے متعلق آگئی کہ اللہ کی محبت ہی کی اطاعت کے بغیر ممکن نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے مرضیات اور نامرضیات اپنی کی اطاعت کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتیں۔ لہذا رسالت پر ایمان لانا ضروری ٹھہرا۔ اللہ تعالیٰ پر اس لیے ایمان لانا ضروری ہے کہ وہ خالق ہے۔ مالک ہے اور معبود ہے اور رسول پر ایمان لانا اس لیے لازمی ہے کہ خدا تعالیٰ کی مرضیات اور نامرضیات اس کے واسطے سے معلوم ہوتی ہیں اور یہ چیزیں انسان محض اپنی عقل سے معلوم نہیں کر سکتا۔ رسول پر ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوگا جب تک

معیارِ محبت

اس کا اتباع نہیں ہوگا۔ اس کے بغیر محبت کا دعویٰ باطل محض ہے۔ لہذا جو کوئی رسول کا اتباع کرے گا۔ وہ اللہ کی محبت کو پالے گا، اور اللہ کا محبوب بن جائے گا۔

حُبِّ رَسُوْلِ جیسے کہ عرض کیا ہے یہود و نصاریٰ کا دعویٰ محبت باطل تھا، وہ تو کفر و شرک کے متحرک تھے۔ نبی علیہ السلام کا اتباع کہاں کرتے تھے۔ اسی لیے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا تَدْعُوْا مِنْ اَحَدِكُمْ حَتّٰی يَكُوْنَ هُوَ تَابِعًا لِمَا جِئْتُمْ بِهٖ تَمَّ مِنْ سَعْيِكُمْ كَوْنِيْ كَامِلًا لِّاِيْمَانِكُمْ ہو ہی نہیں سکتا جب تک وہ اس چیز کا اتباع نہ کرے جسے میں لایا ہوں۔ نیز یہ کہ تم میں سے کوئی اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی میرے ساتھ محبت تمام مخلوق سے زیادہ نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مطاع مطلق ہے اور رسول اللہ کی محبت تک پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ لہذا اس کا اتباع بھی ضروری ہے۔ اور اس کے ساتھ محبت بھی لازمی ہے۔ کسی ذات کے ساتھ محبت اس کے جمال، کمال اور احسان کی وجہ سے ہوتی ہے۔ مالک حقیقی اور محسن حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کا کمال بھی ہے اور جمال بھی ہے۔ اور مخلوق میں سب سے زیادہ محسن اللہ کا بنی ہے آپ نے فرمایا۔ میں نے کوئی چیز ایسی نہیں چھوڑی جو اللہ کی رضا کا ذریعہ اور حبت تک پہنچانے والی ہو کہ تم کو نہ بتلائی ہو۔ اور اسی طرح کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی جو خدا تعالیٰ کے غضب کا ذریعہ ہو کہ تم کو نہ بتلائی ہو۔ مقصد یہ کہ میں نے ہر اچھی اور بری چیز کی نشاندہی کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ خالق مالک اور محبوب حقیقی ہے۔ لہذا اہل ایمان کی سب سے زیادہ محبت اللہ کے ساتھ ہونی چاہیے۔ جیسا فرمایا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ اور مخلوق میں سے اللہ تعالیٰ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ اللہ کا بنی مومنوں کے ساتھ ان جانوں سے بھی زیادہ لگاؤ رکھتا ہے۔

یعنی مسلمانوں کا اپنا نفس ان کے لیے اتنا مفید اور خیر خواہ نہیں ہے جتنا اللہ کا رسول ہے۔ وہ ہمیشہ اہل ایمان کی بھلائی چاہتا ہے۔ لہذا اس پر ایمان لانا اور اس کا اتباع کرنا ضروری ہے۔

مشکوٰۃ شریف میں امام بیہقی کی روایت موجود ہے کہ ایک موقع پر حضور علیہ السلام وضو فرما رہے تھے کہ کچھ لوگ آپ کے مارستعل کو اپنے جسموں پر مل رہے تھے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو، تو انہوں نے جواب دیا۔ حَبَّبَ اللَّهُ وَرَسُولَهُ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کی بنا پر ایسے کرتے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ تمہاری محبت اس وقت ثابت ہوگی، جب زبان سے سچ بولو گے، امانت میں خیانت نہیں کرو گے اپنے پڑوسیوں کو تکلیف دینے والی کوئی بات نہیں کرو گے۔ ظاہر ہے کہ سچ بولنا بڑا مشکل کام ہے، امانت دار ہونا بھی بڑی بات ہے۔ پڑوسی کو ایذا سے محفوظ رکھنا بھی ایمان کی نشانی ہے تو جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا اتباع نہیں ہوگا محض زبانی محبت کا کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ غرضیکہ تعمیل ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اتباع رسول میں فرق نہ آنے پائے۔

بہر حال فرمایا اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ يُحِبُّكُمْ اللَّهُ وَرَسُولُهُ اللہ تم سے محبت کرے گا۔ اور اتباع رسول کی تعمیل اس وقت ہوگی۔ جب اس کو زندگی کے ہر شعبہ میں اختیار کیا جائیگا۔ صرف نماز پڑھنے سے اتباع کا حق ادا نہیں ہوگا۔ بلکہ تجارت، معاملات، اخلاق، لین دین، عبادات، سیاسیات، جہاد، جنگ، صلح، شادی، عقی، غرضیکہ معاشرہ میں پیش آنے والے ہر معاملہ میں اتباع رسول کو لازم پکڑا ہوگا۔ اب تو وقت یہاں تک آپہنچا ہے کہ عبادات بھی اپنی خواہش کے مطابق ہونے لگی ہیں۔ رسول کے طریقے کی کوئی پوز انہیں کی جاتی، چہ جائیکہ دیگر معاملات

میں سنت رسول کی پیروی کی جائے۔

ترمذی شریعت کی روایت میں آتا ہے۔ کہ ایک شخص حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا، حضور! میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: ذرا سوچ سمجھ کر بات کہہ دو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ اس شخص نے عرض کیا۔ حضور! میں خدا کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں۔ کہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو، تو فخر کو اپنی زندگی کا جزو بنا لو، کیونکہ میرے ساتھ محبت کرنے والوں کے پاس فقر اس قدر تیزی سے آتا ہے۔ کہ سیلاب بھی اپنے منہ کی طرف اتنی تیزی سے نہیں جاتا۔ غریب کیے حب رسول کا دعویٰ مال جمع نہیں کر سکتا۔ وہ ہمیشہ محتاج رہے گا۔ اگر کوئی شخص عیش و عشرت میں زندگی گزارتا ہے بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کرتا ہے۔ اور پھر محبت کا دعویٰ بھی کرتا ہے، تو وہ اپنے دعوے میں سچا نہیں کیونکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ معیار محبت کے خلاف ہے جس طرح اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والا کسی نہ کسی ابتلا میں ضرور مبتلا ہوگا۔ اسی طرح رسول کی محبت کا دعویٰ رکھتا ہوگا، مال و دولت اور محبت رسول متضاد چیزیں ہیں۔ محبت کا تقاضا تو یہ ہے کہ لوگ نوع انسان کے ساتھ بھروسہ اور اعتماد رکھیں۔ ان کی جائزہ حاجات کا خیال رکھیں، اگر ان چیزوں کی طرف دھیان دے گا تو اس کے پاس مال جمع نہیں ہو سکتا، لہذا فقیر ہوگا۔

الغرض! فرمایا کہ اتباع رسول کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مُحِبِّكُمْ اللَّهُ ثُمَّ اللَّهُ کے محبوب بن جاؤ گے اور پھر اللہ کی محبوبیت کا تقاضا یہ ہے۔ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وہ تمہاری غلطیاں، لغزشیں اور گناہ معاف فرمائے گا۔ گناہ کی معافی کا قانون اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بیان کر دیا ہے۔ کہ خالی گناہ تو استغفار سے ہی معاف ہو جائے گا۔ سچے دل سے توبہ کر لی تو اللہ نے معاف فرمادیا۔ اگر فراتص میں کوتاہی ہوئی ہے۔ تو پہلے ان کو ادا کرو۔ پھر اللہ سے معافی مانگو، اللہ معاف کر دے گا۔ نماز رہ گئی ہے

اللہ کی
محبوبیت

روزہ قضا ہو گیا۔ پہلے انہیں ادا کر لو۔ اور اگر حقوق العباد میں کوتاہی کی ہے کسی کا حق غصب کیا ہے۔ تکلیف پہنچائی ہے تو پہلے اس کا حق ادا کر لو یا اس سے معافی مانگ کر جان چھڑا لو۔ اگر اس دنیا میں حقوق العباد ادا نہیں کر سکے، تو پھر قیامت کے دن اس کے بدلے میں اپنی نیکیاں نماز، روزہ، خیرات وغیرہ حقدار کو دینا ہوں گی اور اگر نیکیاں ختم ہو گئیں، تو حقدار کے گناہ حق دہندہ کے سر پر ڈالے جائیں گے۔ جس کا نتیجہ جہنم کے سوا کچھ نہ ہو گا۔ لہذا حقوق العباد کا فیصلہ اسی دنیا میں کر جاؤ۔ اور اللہ سے معافی مانگ لو وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا اور بڑا مہربان ہے۔ یہ اس کی مہربانی ہے۔ کہ اپنے نبی کو بھیجا، کتاب نازل فرمائی، اور ہدایات کا سامان پیدا کیا۔ تاکہ انسان گنہگار سے بچ جائے۔ اور پھر جہنم سے بچ کر جنت میں داخل ہو جائے۔

انبیاء
عصمت

اس کے بعد فرمایا قُلْ اطِيعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ اَپ کمرے کے بعد فرمایا کہ اللہ کی تابعداری کرو، کیونکہ وہ خالق، مالک اور مجبور برحق ہے اس کی اطاعت فرض مطلق ہے۔ اور اس کے ساتھ رسول کی تابعداری کرو۔ کہ وہ خدا کی اطاعت تک پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ جب تک رسول کی اطاعت نہیں ہوگی۔ خدا کی اطاعت ممکن نہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے اسی آیت سے عصمت انبیاء کی دلیل پکڑ لی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت مطلقہ کا حکم دیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ رسول غلطی نہیں کرتا۔ اگر غلطی کا امکان ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ اطاعت مطلقہ کا حکم نہ دیتا۔ خود حضور علیہ السلام کا واقعہ آتا ہے۔ آپ نے کسی موقع پر مزار فرمایا۔ صحابہ نے عرض کیا۔ آپ اللہ کے رسول ہو کر مزار فرماتے ہیں۔ فرمایا ہاں مگر ایسی حالت میں بھی میری زبان سے کوئی باطل بات نہیں نکلتی بلکہ لَا اَقُوْلُ اِلَّا الْحَقَّ میں حق کے سوا کوئی بات نہیں کرتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار کے انداز میں فرمائی ہوئی ایک بات سے فقہار نے ایک تو مسئلہ نکالا ہے

لوگ قابل مواخذہ ہیں۔ چنانچہ فرمایا اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔
 پھر اگر یہ روگردانی کہیں، تو اللہ تعالیٰ کفر کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا
 کافر خواہ کفر باللہ کرنے والا ہو یا کفر ان نعمت کرنے والا ہو۔ محبوب خدا نہیں
 بن سکتا۔

إِلَىٰ عَمْرٍو ۳

آیت ۳۳ تا ۳۴

تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

درس یا درہم ۱۱

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ
عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۳۳﴾ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ وَاللَّهُ

سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ نے منتخب کیا آدم علیہ السلام کو، اور نوح علیہ السلام کو اور آل ابراہیم کو اور آل عمران کو جہانوں والوں پر ﴿۳۳﴾ یہ اولاد تھی بعض بعض سے اور اللہ تعالیٰ سُننے والا اور جاننے والا ہے ﴿۳۴﴾

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا معیار بیان فرمایا پھر حضور علیہ السلام کی محبت اور اس کے جواب میں آپ کے اتباع کو معیار قرار دیا۔ گویا اللہ تعالیٰ کی محبوبیت حاصل کرنے کے لیے حضور علیہ السلام کا اتباع اختیار کرنے کی ترغیب دلائی۔ اتباع رسول ہی دین اور مذہب کا بنیادی اصول ہے۔ سورہ بقرہ میں فرمے سخن یہود کی طرف تھا، اور سورہ آل عمران میں نصاریٰ کی اصلاح کا پہلو غالب ہے۔ گذشتہ سورہ میں یہودیوں کی چالیس خرابیوں کا تذکرہ کئے اللہ تعالیٰ نے انہیں تنبیہ فرمائی اور انہیں اصلاح کی طرف متوجہ کیا۔ اب اس سورہ میں نصاریٰ کی اصلاح مطلوب ہے۔ تاہم ابتدائے سورہ میں توحید کا مسئلہ سمجھایا گیا ہے۔ بہر حال نصاریٰ کا تذکرہ دوسرے آئیگا اور اس ضمن میں بہت سی باتیں آئیں جنہیں اہل ایمان کے لیے بھی بہت ہی نصیحت اور عبرت کی باتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بڑے عظیم اصول بیان فرمائے ہیں۔ آج کا درس آئندہ آنے والے مضامین کی تمہید سمجھ لیجئے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ سورہ آل عمران کا مرکزی موضوع نصاریٰ کی اصلاح ہے۔ نزول قرآن کے وقت ان میں دو قسم کی خرابیاں پائی

رابط آیات

ظلم و ستم کا دور

جاتی تھیں۔ پہلی خرابی تو ان کے دین میں تھی۔ یعنی عقیدہ مشرکانہ تھا۔ مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا، خود خدا یا تینوں میں سے تیسرا خدا کہتے تھے۔ اور دوسری خرابی ان کی سیاسی نوعیت کی تھی۔ اُس زمانے میں دنیا میں دو بڑی سلطنتیں تھیں۔ ایک ایرانی سلطنت تھی، جس کے فرمانروا مجوسی تھے۔ یہ آتش پرست تھے اور ہزاروں سال سے حکمران چلے آ رہے تھے۔ ہندوستان، پاکستان، افغانستان، روس، چین وغیرہ سب ایرانی سلطنت کسری کے تابع اور زیر اثر تھے اور انہیں ٹیکس ادا کرتے تھے۔ دوسری بڑی طاقت روما کی تھی جو سینکڑوں سال سے وہاں پر مسلط تھی۔ باقی تصف دنیا ان کے زیر نگیں تھی تمام دنیا ان دو حکومتوں کے رحم و کرم پر تھی۔ یہ جب اور جہاں چاہتے تھے اپنی مرضی کے مطابق انقلاب برپا کر دیتے تھے۔ ہر طرف ظلم و ستم کا دور دورہ تھا۔ کمزور ریاستوں کا کوئی پُرساں حال نہ تھا۔ بڑی طاقتیں جو چاہتیں کمر گزرتی تھیں۔ ان کے خواہ ظلم کی چکی میں پسے جا رہے تھے۔ معاشی طور پر نہایت پس ماندہ تھے ظاہر ہے۔ کہ جہاں عدل و انصاف کا فقدان ہوگا۔ وہاں ایسے حالات ہی رونما ہوں گے۔ علوم و خواص کی حالت خراب ہو جائیگی، رشوت خوری، چور بازاری عام ہوگی۔ ہر طرف جی لاکھی اُس کی بھینس والا معاملہ ہوگا۔ دنیا میں امن و امان اُس وقت تک قائم نہیں ہو سکتا جب تک عدل و انصاف کی حکمرانی نہ ہو۔ آج ساری دنیا دیکھ رہی ہے۔ کہ کمرہ ارض کے کسی خطے میں عدل و انصاف کا پرچم بلند نظر نہیں آتا۔ کہنے کو ہم ایشی دور میں داخل ہو چکے ہیں۔ ہر طرف مادی ترقی کا دور دورہ ہے۔ مگر کوئی کورنہ ایسا نہیں جہاں ظلم و ستم کا بازار گرم نہ ہو۔ ایک سے ایک بڑھ کر ظالم موجود ہے۔ کمزوروں کو کچلنا طاقتوروں کا مشغلہ بن چکا ہے۔ امریکہ اور روس کی کشمکش میں ویٹ نام کے دس لاکھ آدمی ہلاک ہوئے۔ یہ ظلم و ستم بیس سال تک جاری رہا۔ آخر وہ بھی تو انسان ہی تھے مگر انسانیت کی ٹھیکیداری بڑی طاقتیں انسانوں کے خون سے ہاتھ رنگتی ہیں مگر ان کے

دل کے کسی گوشہ میں جذبہ رحم موجود نہیں۔ انہیں اپنی سیاست اور اپنی بالادستی سے غرض ہے چاہے انسان کا جرم مولیٰ کی طرح کھٹے ہیں۔ گذشتہ چھ سال سے افغانستان میں کیا ہو رہا ہے۔ روسی فوجیں مجاہدین پر کس طرح بمباری کر رہی ہیں لاکھوں افغانی موت کے گھاٹ اتار دئے جا چکے ہیں۔ تیس ہتیس لاکھ ملک بدر ہو چکے ہیں۔ جن کی غالب اکثریت پاکستان میں پناہ گزین ہے۔ باقی ایران میں ہیں۔ دنیا کی سپر پاور ہونٹنی حیثیت سے کیا روس کا یہی فرض بنتا ہے۔ یہ سب ظلم و جور ہے جو بے گناہ لوگوں پر ڈھایا جا رہا ہے۔

اُدھر مصر اور فلسطین پر نگاہ ڈالیے۔ اسرائیل امریکہ کا پالتو زندہ ہے۔ جب چاہتا ہے فلسطینی مہاجرین پر چڑھ دوڑتا ہے۔ مسلمانوں کی ہزاروں لڑکیاں انہی جیل میں ہیں جن سے ظالمانہ سلوک ہو رہا ہے۔ صدر ایوب کے زمانے میں قبرصی مسلمانوں کا یہ حال ہوا کہ یونان کے عیسائیوں نے بیس ہزار ترکوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، ان کو وہاں سہنے کی اجازت نہیں دی جا رہی وہاں پر عیسائیوں کی اکثریت ہے۔ جو مسلمانوں کو کسی صورت زندہ دیکھنا نہیں چاہتے، فلپائن میں مقوڑے سے مسلمان ہیں۔ مگر ان کا عرصہ حیات بھی تنگ کیا جا رہا ہے۔ ان کو مور و عثمان یعنی ڈاکو اور قزاق کے نام سے پکارا جاتا ہے ان کا قصور صرف یہ ہے کہ وہ تعداد میں مقوڑے ہیں۔ اینٹ کا جو سب پتھر سے نہیں سے سکتے، ان کا کوئی جائز حق ان کو نہیں مل سکتا۔

غرض! قوموں کے بگاڑ کی یہ تمہید بیان ہو رہی ہے۔ کہ قوموں کی خرابی یا تو عقیدے میں ہوتی ہے یا سیاست میں۔ جب تک عدل و انصاف کا دور دورہ نہیں ہو گا مظلوم ظلم کی چکی میں پستے رہیں گے۔ اور جب تک عقیدہ درست نہیں ہو گا۔ لوگوں کی اصلاح ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے ابتداء کر کے حضرت نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام اور آل عمران کا ذکر فرمایا ہے۔ پھر مسیح ابن مریم علیہ السلام کا ذکر ہو گا۔ اور پھر

تمام اقوام کی اصلاح کے اصول بتائے جائیں گے۔

شرف انسانی
اور آدم علیہ السلام

ارشادِ باری تعالیٰ ہے، إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ بَيْشَكَ اللَّهُ تَعَالَىٰ مِنْ
پسند کیا منتخب کیا آدم علیہ السلام کو۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق تو بے شمار تھی ارض و سما،
چاند، سورج، ستارے، اشجار، حجر، فرشتے، جن سب اللہ کی مخلوق ہیں۔ مگر اس
کے علم محیط، حکمت بالغہ اور قدرتِ تامہ کے ساتھ جو مقام حضرت آدم علیہ السلام
اور آپ کے توسط سے نسل انسانی کو حاصل ہونے والا تھا، وہ کسی اور مخلوق
کے حصہ میں نہ تھا۔ انسان کی برتری اور فوقیت کے لیے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام
کو منتخب کیا۔ اور نظامِ خلافت آپ کے سپرد فرمایا۔ یہ کلامِ طائفہ کے سپر فریبی
نہیں کیا بلکہ نظرِ انتخاب آدم علیہ السلام پر پڑی۔ اللہ نے ان کو ایسی فضیلت اور
شرف عطا فرمایا۔ اور سب سے بڑی اعلیٰ صفتِ اصطفیٰ بالنبوۃ ہے۔ یعنی آپ
کو نبوت جیسے اعلیٰ منصب کے لیے منتخب فرمایا۔ انسانیت کے لیے سب
سے بلند مقامِ نبوت ہی ہو سکتا ہے۔ جو کہ اللہ نے آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد
کو عطا فرمایا۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ کہ سب سے پہلے نبی آدم علیہ السلام ہیں۔
اور سب سے آخر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ایک روایت کے مطابق کلمہ

بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار میں سے تین سو پندرہ رسول ہیں۔ باقی سب نبی ہیں۔
اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا آدم علیہ السلام کو وَنُوحًا اور نوح علیہ السلام

نوح علیہ السلام

کو۔ دنیا میں سب سے پہلے صاحبِ شریعت رسول نوح علیہ السلام ہیں۔ اور آپ ہی
کی قوم کو سب سے پہلے ہلاک کیا گیا۔ اس سے پہلے کوئی امت عذاب میں مبتلا نہیں
ہوئی۔ قیامت کے دن جب لوگ آپ کے پاس سفارش کے لیے جائیں گے
تو آپ کو ان الفاظ سے ساتھ پکاریں گے يَا نُوحُ اِنَّكَ اَوَّلُ الْمُرْسَلِ
اِلَى الْاَهْلِ الْمَرْتَضِ اے نوح علیہ السلام! آپ اللہ کے پہلے رسول ہیں۔
جنہیں شریعت مے کراہل زمین کی طرف بھیجا گیا۔ آپ ہماری سفارش کریں۔
آپ دیکھتے ہیں کہ ہماری حالت کیا ہے اَلَا تَلْهٰى اِلَى مَا كُنَّ فِيْهِ

کو دنیاوی سلطنت بھی عطا کی اور وہ وقت کے حکمران بھی ہوئے۔ اور پھر آخر میں اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر سلسلہ نبوت ہمیشہ کے لیے بند کیا۔ اسی لیے یہاں پر فرمایا کہ ہم نے آل ابراہیم علیہ السلام کو منتخب فرمایا۔

آل عمران

فرمایا وَالْعَمْرَأَةَ اور اللہ تعالیٰ نے آل عمران کو منتخب فرمایا۔ مفسرین کلام فرماتے۔ کہ عمران دوہیں۔ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے والد کا نام بھی عمران ابن یسھر تھا۔ یہ بھی مؤمن مرد تھے۔ جو فرعون کے زمانے میں ہوئے۔ تاہم یہاں پر جس عمران کا ذکر ہے۔ وہ حضرت مریم کے والد ہیں۔ آپ بھی نیک اور صالح آدمی تھے۔ نہایت عباد گزار اور سیکل مقدس کے امام تھے۔ بیت المقدس میں نماز پڑھاتے تھے۔ تاہم نبی نہیں تھے قرآن پاک کے اس مقام پر چونکہ حضرت مریم اور حضرت مسیح علیہ السلام کا ذکر ہے۔ اس لیے آل عمران سے مراد حضرت مریم کے والد ہیں۔ ان دونوں عمر لوں کے درمیان ایک روایت کے مطابق اٹھارہ سو سال کا وقفہ ہے۔ تاہم ایک ہزار سال سے بہر حال زیادہ ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے آل عمران کو بھی منتخب فرمایا عَلَى الْاٰلِ الْاَحْمٰرِ جہاں والوں پر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام آل ابراہیم اور آل عمران کو باقی لوگوں پر فضیلت اور برتری عطا فرمائی۔

نسل انسانی

اب عقیدے کی اصلاح کے لیے بات سے بات نکلے گی۔ فرمایا ذُرِّيَّةً اَبْعَضًا مِّنْ اَبْعَضٍ تمام انسان ایک دوسرے کی اولاد ہیں۔ جیسے نوح علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ نیز حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ، حضرت نوح کی اولاد میں سے ہیں۔ اور دونوں عمران حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ حضرت مریم، عمران کی بیٹی ہے۔ اور عیسیٰ علیہ السلام مریم کے بیٹے ہیں۔ چونکہ وہاں یہ

باپ نہیں ہے۔ لہذا سلسلہ نسب ماں کی طرف سے چلتا ہے۔ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام محمد عیسیٰ ابن ماریہ کو کمر بپکارا۔ اور امام بخاری فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن بھی آپ کو اسی نام سے مخاطب کیا جائے گا جب کہ باقی مخلوق کی نسبت باپ کی طرف کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: **ءَاَنْتَ قُلْتِ لِلنَّاسِ اتَّخَذُوْنِيْ وَوَالِدِيْ الْاَلِهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے علاوہ معبود بنا لو؟ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ سن کر عیسیٰ علیہ السلام کپکا اٹھیں گے اور اللہ جل جلالہ کے سامنے اپنی صفائی پیش کریں گے۔ صاحب روح المعانی اور دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پانچ سو سال تک کپکپی کی حالت میں رہیں گے۔ اس کے بعد ان کے حواس بجا ل ہوں گے تو وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے عرض کریں گے: **قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ بِيْ فَحَقِّيْ** اے اللہ! تیری ذات پاک ہے۔ میں وہ بات کیسے کہہ سکتا ہوں۔ جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہیں۔ العرض! اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ سب لوگ بعض اولاد ہیں بعض کی۔

بشریت انبیاء

اب یہیں سے تمام انبیاء علیہم السلام کی بشریت بھی ثابت ہوتی ہے۔ اور عیسا ئیت کی جڑ کھٹی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت مریم کے فرزند ہیں۔ اور آپ کا سلسلہ نسب حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ وہ اللہ کے بیٹے (نغوذ باللہ) کیسے ہوئے۔ سارے نبی انسان اور بشر تھے، بشر ہونا کوئی توہین کی بات نہیں ہے۔ اللہ نے فرمایا ہم نے بشر کو مٹی سے پیدا کیا۔ اور یہ سب ایک دو کسر کی اولاد ہیں۔ بشر سے مراد اللہ کہ وہ مخلوق ہے جس کی کھال نظر آتی ہے۔ یہ گندمی رنگ والا انسان مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے مٹی سے انسان کو بنایا۔ یہ تو عزت سوسمہ نام ہے۔ اہل بعثت مولو لویوں نے لوگوں کے ذہن خراب کر دیے ہیں

کہ بنی کو بشر تسلیم کرنے سے ان کی نفوذ یافتہ توہین ہو جاتی ہے۔ لہذا انبیاء کو نورِ
تسلیم کمر و پھر یہیں تک ختم نہیں کیا۔ بلکہ نُورٌ مِّنْ نُورِ اللّٰهِ کا عقیدہ بنایا۔
بنی کو اللہ کا جزو بنا کر عیسائیوں کے عقیدے کی تصدیق کمر دی۔ انہوں نے حضرت
علیہ علیہ السلام کو ابن اللہ کہا، انہوں نے نورٌ من نور اللہ کہ دیا۔ وَجَعَلُوا اللّٰهَ
مِنْ عِبَادِهِ جِزْءًا مِّنْهُ کے بندوں میں سے ہی اُس کا جزو بنا دیا۔ کتنی
لعو اور بہودہ بات ہے۔ یہ تو معاذ اللہ اللہ کی توہین اور اس کی بغاوت ہے
اور اپنی فکر کو فاسد کمرنا ہے۔ خود اللہ کے نیک بندوں کی توہین ہے فرمایا
وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو سنتا ہے اور جانتا ہے۔
آج کے درس کی ابتدائی آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے اصطفیٰ کا ذکر فرما
کر اس بات کی تمہید باندھ دی ہے، کہ ساری نسل انسانی حضرت آدم علیہ السلام
کی اولاد ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اُس اشرف المخلوق کو برگزیدگی عطا فرمائی ہے۔
اس کے بعد حضرت مریمؑ کی برگزیدگی کا ذکر آیا۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام کے
اصطفیٰ کا ذکر بھی جزوی طور پر یہ ہو گا۔

تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

الْ عَمَلْنَ ۳

درس دوازدهم ۱۲

آیت ۳۵ تا ۳۷

اِذْ قَالَتْ اٰمْرًاۤتُ عَمَلْنَ رَبِّ اِلٰی نَذَرْتُ لَكَ
 مَا فِی بَطْنِیۡ مُحَرَّرًاۢ فَتَقَبَّلَ مِنِّیۡ جَ اِنَّكَ اَنْتَ
 السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَهَا قَالَتْ
 رَبِّ اِلٰی وَضَعْتُ اُنْثٰی وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعْتُ
 وَ لَیْسَ الذَّكْرُ کَالْاُنْثٰی وَاِلٰی سَسِیْتَهَا مَرِیْمَ
 وَاِلٰی اَعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴿۳۶﴾
 فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبْوْلِ حَسَنٍ وَاَنْبَتَهَا نَبَاتًا
 حَسَنًا وَّكَفَّلَهَا زَكَرِیَّا ط کُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْهَا زَكَرِیَّا
 الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ لِمَرِیْمُ اِنِّیۡ
 لَکِ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَرِذِّقُ

مَنْ یَّشَاءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾

ترجمہ :- جب عمران کی بیوی نے کہا، اے پروردگار! میں نے تیرے لیے نذر
 مانی ہے۔ جو کچھ میرے پیٹ میں ہے آزاد کیا ہوا۔ پس قبول فرما مجھ سے بیشک
 تو ہی سننے والا اور جاننے والا ہے ﴿۳۵﴾ اور جب اس کو جتا تو کہنے لگی اے
 پروردگار! میں نے جاسے اس کو لڑکی۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ
 اُس نے جاسے۔ اور نہیں ہے لڑکا مثل لڑکی کے۔ اور بے شک میں نے
 اس کا نام مریم رکھا ہے۔ اور میں اس کو تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ اور اسکی

اولاد کو شیطان مردود سے (۳۶) کہیں قبول کیا اُس کو اس کے پروردگار نے اچھی طرح قبول کرتا۔ اور بڑھایا اُس کو اچھی طرح بڑھانا۔ اور کفیل بنایا اُس کا زکریا علیہ السلام کو۔ جب زکریا علیہ السلام اس کے پاس حجرے میں داخل ہوتے۔ تو اُس کے پاس روزی پاتے، تو انہوں نے کہا، اے مریم! یہ روزی تیرے پاس کہاں سے آئی، تو وہ کہتی، یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ روزی دیتا ہے جس کو چاہے بغیر حساب کے (۳۷)

زورجی عمران
کی نذر

جیسا کہ گذشتہ دروس میں بیان ہو چکا ہے۔ کہ اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کے غلط عقائد کی خاص طور پر تردید فرمائی ہے۔ آج کے درس میں حضرت مریمؑ کی ولادت سے مومنوع سخن کا آغاز کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ کہ اُس واقعہ کو اپنے ذہن میں لاؤ، اِذْ قَالَتْ اٰمْرَاتٌ عِمْرٰنَ جب عمران کی بیوی نے کہا رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَدَّرًا۔ اے مولا کریم! میں نے تیرے لیے یہ نذرمانی ہے، کہ جو کچھ میرے پیٹ میں ہے، وہ میں نے محض تیری عبادت کے لیے آزاد کر دیا، مفسرین کلام فرماتے ہیں مُحَدَّرًا یعنی آزاد کرنے سے مراد ہے مُخْلِصًا لِلْعِبَادَةِ یعنی ہونے والے بچے کو خالص اللہ کی عبادت کے لیے مختص کر دیا جائیگا۔ کسی دنیوی کام میں نہیں لگایا جائیگا۔ بعض دوسرے مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ آزاد کرنے کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ پہلا معنی اتو عام فہم ہے یعنی غلامی سے آزاد کر دینا۔ اور دوسرا معنی کسی معاملہ میں کتابت یا تحریر کر لینا ہے۔ جب کوئی چیز تحریر میں آجاتی ہے۔ تو معاملہ صاف ہو کر کسی ممکنہ فساد و اضطراب سے آزادی حاصل کر لیتا ہے۔

اس بات کا تذکرہ بھی پہلے ہو چکا ہے۔ کہ تاریخ میں دو ایسے اشخاص کا تذکرہ آتا ہے۔ جن کے نام عمران ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد کا نام بھی عمران ہے۔ اور حضرت امیرؑ کے والد بھی عمران ہیں۔ دونوں نیک

اور صالح آدمی تھے، مگر نبی نہیں تھے۔ اس مقام پر جس عمران کا تذکرہ ہے۔ وہ مریمؑ کے والد ہیں۔ امام بیضاویؒ اور دو سے مفسرین فرماتے ہیں کہ اُن کی بیوی کا نام حنہ بنت فاقوس تھا۔ وہ بھی صالحہ خاتون تھیں۔ بعد میں اُن کے نام پر گمربے بھی بنے۔ اُس علاقے میں ذمیرہ و خیرہ مشہور تھے۔ اسی طرح حضرت مریمؑ کے نام پر بھی گمربے اور عبادت خانے مشہور تھے۔ حنہ زوجہ عمران عمر سیدہ ہو گئیں مگر اولاد سے محروم تھیں۔ امام ابن کثیرؒ اور دو سے مفسرین بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ انہوں نے چڑیا کو دیکھا۔ کہ اپنی بچے کو دانہ کھلا رہی ہے یہ دیکھ کر اُن کے دل میں بھی اولاد کی خواہش پیدا ہوئی۔ تو اللہ تعالیٰ سے عجز و انکاری کے ساتھ دعا کی۔ جو اللہ نے قبول فرمائی۔ جب وہ اس کمرہ میں عاملہ ہو گئیں تو انہوں نے شکرانے کے طور پر یہ مننت مانی کہ وہ پیرا ہونے والے بچے کو اللہ کی عبادت کے لیے وقف کر دیں گی۔ اُنکی ذمہ خواہش یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ بیٹا عطا کرے، تو وہ اُسے اللہ کی راہ میں آزاد کر دیں گی۔ یہ نذر ماننے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کی فَتَقَبَّلْهُ مِنِّي رَبِّ اے اللہ! مجھ سے یہ نذر قبول کر لے۔ میں پیدا ہونے والے بیٹے کو تیری عبادت اور بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کر دوں گی۔ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ بیشک تو سننے والا ہے اور جاننے والا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ میں اس مکمل یقین کے ساتھ دعا کر رہی ہوں کہ تو میری التجا کو سن رہا ہے۔ اور میری اس نذر اور اس میں پائے جانے والے خلوص کو جانتا بھی ہے۔

امام ابو جبر جصاصؒ فرماتے ہیں کہ جو نذر عمران کی بیوی نے مانی تھی، ایسی نذر ہماری شریعت میں بھی جائز ہے۔ آج بھی کوئی شخص منّت ماننے کو میں اپنے بیٹے کو دین کی خدمت کے لیے وقف کر دوں گا۔ وہ علم دین یعنی قرآن، حدیث، فقہ و غیرہ سیکھے گا۔ اُسے کبھی دنیا کے کام میں نہیں لگاؤں گا۔

جائزہ اور
ناجائزہ نذر

تو ایسی نذر ماننا بالکل درست ہے۔ اور اس کا پورا کمرہ واجب ہو جاتا ہے البتہ اگر کوئی معصیت کی نذر مانے، کسی ناجائز کام کے لیے مننت مانے، تو اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہوتا۔ بلکہ ایسی نذر کو توڑ دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا مَن نَذَرَ أَنْ يَطَّيْعَ اللَّهَ جَسْ شَخْصًا مِنَ اللَّهِ كِي اطاعت کی نذر مانی تو اس کو وہ نذر پوری کرنے چاہیے۔ اور لازماً اللہ کی اطاعت کرنے چاہیے۔ برخلاف اس کے اگر کسی نے اللہ کی نافرمانی کرنے کی نذر مانی تو منہ مایا **فَلَا يَعْصِ اللَّهُ**۔ ایسے شخص کو نافرمانی نہیں کرنی چاہیے۔ بلکہ ایسی غلط نذر کو توڑ کر اس کا کفارہ ادا کر دینا چاہیے۔ **كَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ الْيَمِينِ** نذر توڑنے کا کفارہ قسم توڑنے کے برابر ہے۔ یعنی دس مساکین کو کھانا کھلانے یا انہیں کپڑے پہنانے یا تین دن کے متواتر روزے رکھنے۔

بہر حال کسی نیک کام کے لیے نذر ماننا بمنزلہ عبادت ہے اور درست ہے۔ کسی کو دین کی خدمت یا مسجد کی خدمت کے لیے وقف کیا جائے۔ یہ نذر صحیح ہے اور جائز ہے۔ البتہ کسی قبر کا مجاور بننے کی مننت درست نہیں۔ کیونکہ اس سے شرک و بدعت کی آبیاری ہوتی ہے۔ اور یہ معصیت کی نذر تصور ہوگی۔ اسی طرح قبروں پر عطر ڈالنا اور چڑھانے اور دہانے پر نذر دینا و پیش کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ بعض صورتوں میں یہ شرک کا ارتکاب ہوتا ہے۔ اور بعض صورتوں میں بدعت ہوتی ہے۔ لہذا درست نہیں۔ تاہم عمران کی بیوی نے جو نذر مانی تھی، اس سے بیت المقدس کی خدمت مقصود تھی۔ اس زمانے میں اس قسم کے کام کے لیے لڑکوں کو وقف کیا جاتا تھا۔ اس مقصد کے لیے لڑکیوں کو وقف کرنے کا رواج نہیں تھا۔ ان کی خواہش اور دعا تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ لڑکا عطا کرے تو وہ اسے اللہ کے گھر کی خدمت پر مامور کر دیں گی۔ امام ابو یوسف جصاص فرماتے ہیں کہ مجہول کی نذر بھی درست ہے۔ یعنی ابھی علم ہی نہیں کہ پیدا ہونے والا لڑکا ہے یا لڑکی۔ مگر یہ نذر صحیح

ہے۔ کہ جو بھی اللہ تعالیٰ اس خطا کو بیکار کر دیا جائے گا۔

حضرت مریم
کی ولادت

فَلَمَّا وَصَعَتْهَا جِبْ عَمْرَانِ كِي يَتِي نِي جِنَا، تَوَوَهُ لَطْرِكِي مَحْتِي - قَالَتْ

كُنْتِي لِي رِبِّي اِنِّي وَصَعْتُهَا اُنْشِي اِي يُوْرِدْ كَابِه اِيِي نِي تُو لَطْرِكِي

کو جنم دیا ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَصَعَتْ اور اللہ خوب جانتا ہے

جو کچھ اُس نے جتا ہے۔ کہنے کا مقصد یہ تھا کہ میں نے تو نذر مانی تھی کہ لڑکا

ہو گا۔ تو اُسے بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کر دوں گی۔ مگر لڑکی کو

ایسے کام کے لیے مقرر کرنا مناسب نہیں۔ وَلَيْسَ الذِّكْرُ كَالْاُنْثَى

اور لڑکا لڑکی کی طرح تو نہیں ہے۔ لڑکی وہ مشقت کا کام نہیں کر سکتی جو لڑکا

کر سکتا ہے۔ بہر حال لڑکی جنت کے بعد انہوں نے کہا۔ وَاِنِّي نَسَيْتُهَا

مگر دیکھو اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے۔ مریم کا معنی بعض نزدیک

عابدہ یعنی عبادت گزار ہے اور بعض کے نزدیک خادمہ ہے۔

امام ابو بکر جصاص اور دیگر مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ عمران حضرت مریم

کی پیدائش سے پہلے ہی فوت ہو چکے تھے۔ اور اُن کی بیوی ہی نومولود کی کفیل

اور سرپرست تھی۔ لہذا اچھی کا نام انہوں نے خود رکھا۔ جس سے ثابت ہوا۔ کہ

مال کو بھی بچے کا نام رکھنے کی اجازت ہے خصوصاً اُس وقت جب کہ باپ

موجود نہ ہو۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں۔ کہ بہتر یہ ہے۔ کہ بچے کی پیدائش کے دن

ہی اُس کا نام رکھ دیا جائے۔ تاہم ساتویں دن بال اناذنا بحقیقہ کمرنا اور نام رکھنا

بہتر ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بھائی کی ولادت ہوئی۔ اسی دن اُس

کو رکھا کہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

نومولود کو گڑھتی دی اور عبد اللہ نام بھی رکھا، خود حضور علیہ السلام کے ہاں ماریہ قبطیہ رضی

اللہ عنہا کے بطن سے رات کو بچہ پیدا ہوا۔ صبح آپ نے فرمایا کہ رات میرے ہاں

لڑکا تولد ہوا ہے۔ اور اس کا نام میں نے اپنے جدا مجد حضرت ابراہیم علیہ السلام

کے نام پر رکھا ہے۔ گویا بچے کا نام اُس کے باپ نے رکھا۔ مگر حضرت

مریمؑ کا نام ان کی والدہ نے رکھا۔ کیونکہ باپ موجود نہیں تھا۔ بعینہ منہ بن سے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے۔ کہ باپ کی عدم وجودگی میں تو ماں سر پرست بن سکتی ہے۔ مگر اس کی موجودگی میں نہیں بن سکتی۔

نام رکھنے کے ساتھ ہی فرمایا۔ وَإِنِّي أَعْبُدُهَا بِإِذْنِ اللَّهِ وَذَرَيْتَهَا صِغَرًا

الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ اے اللہ! میں اس بچی کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ تاکہ شیطان کسی قسم کی دخل اندازی نہ کئے حدیث شریفین میں آتا ہے۔ کہ شیطان نے ہر نو مولود کو چوکا لگایا سولے

حضرت مریمؑ اور عیسیٰ علیہ السلام کے، کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو محفوظ رکھا۔

أُحْبِبُّ وَالِدَهُ كَيْ دُعِيَ وَحْدَهُ ان کی خصوصیت تھی فَقَبَّلَهَا رَبُّهَا

بِقَبُولٍ حَسَنٍ پس قبول کیا اس کو اس کے رب نے اچھی طرح قبول کرنا

یعنی لڑکے کی بجائے لڑکی پیدا ہوئی، تو اسے ہی عبادت کے لیے قبول فرمایا

وَأَلْبَسْتَهَا ثِيَابًا حَسَنًا اور بڑھایا اس بچی کو اچھی طرح بڑھانا۔ اللہ تعالیٰ

نے ایسی نشوونما فرمائی۔ کہ حضرت مریمؑ عام معمول سے بہت جلدی بڑھی ہو گئی۔

اور آپ کی صحت بھی بہت اچھی تھی۔

وَكَلَّمَهَا اذکر کیا اس کی قرأت دو طرح سے آتی ہے یعنی كَلَّمَهَا

اور كَلَّمَهَا کا معنی ہے کفیل بن گیا یا ضامن بن گیا۔ گویا زکریا علیہ السلام

حضرت مریم کے کفیل بن گئے۔ اور كَلَّمَهَا کا معنی ہو گا کہ اللہ نے زکریا علیہ السلام

کو حضرت مریم کا کفیل بنا دیا۔ بہر حال دونوں طرح مقصد ایک ہی ہے۔ بچی کا

باپ موجود نہیں۔ مال اس کو لے کر میکمل مقدس میں آگئی۔ تو وہاں پہ موجود ہر

شخص نے خواہش ظاہر کی کہ اس بچی کو اپنی کفالت میں لے لے مگر اللہ تعالیٰ

کو حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت منظور تھی۔ آپ نیک اور صالح آدمی تھے

اور بیت المقدس کے امام بھی تھے۔ اُدھر آپ حضرت مریم کے کشتہ دار

بھی تھے۔ یعنی ان کے خالو تھے۔ آپ کے گھر میں جنہ کی بین البینا جنت

کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمتِ بالغہ اور قدرتِ نامہ سے انہیں روزی پہنچاتا تھا۔
 جو خرقِ عادتِ فعلِ انبیاءِ علیہم السلام کے ہاتھ پر ظاہر ہوا۔ وہ معجزہ ہوتا ہے
 اور جو اولیاء کے ہاتھ پر ظاہر ہوا، وہ کرامت ہوتی ہے۔ اہل سنت و الجماعت کا
 اس بات پر اتفاق ہے کہ اولیاء اللہ کی کرامت برحق ہے۔ اس سے انکار
 کی مجال نہیں۔ عقائد کی کتابوں میں نبی کے معجزے اور ولی کی کرامت کو عقیدے
 میں شامل کیا گیا ہے۔ البتہ کسی ولی اللہ کے ساتھ جھوٹا موٹا کرامت منسوب
 کرنا غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے ہاتھ پر بہت سی کرامت
 ظاہر فرمائیں۔ ان کا ذکر تاریخ کی کتابوں میں منقول ہے۔ بگمگشتی کا بارہ سال والا
 قصہ جھوٹا اور من گھڑت ہے بعض دیگر بزرگانِ دین کی طرف بھی لوگوں نے
 بہت سی جھوٹی باتیں منسوب کر دی ہیں، جو درست نہیں۔

بہر حال جب حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریمؑ کے پاس پہل دیکھے
 تو فرمایا قَالَ يَمَرْكُمُ اَنِي لَئِكَ هَذَا لَمَرِيْمٍ۔ یہ کہاں سے آگے
قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ تو انہوں نے جواب دیا۔ کہ یہ اللہ کی طرف
 سے آئے ہیں۔ یہ اسکی خاص عنایت تھی۔ تاکہ حضرت مریمؑ جلد از جلد سن بلوغت
 کو پہنچیں۔ اور آگے نبوت کا سلسلہ جاری ہو۔

مسند ابی یعلیٰ کے حوالے سے امام ابن کثیرؒ نے بیان کیا ہے۔ کہ
 ایک موقع پر حضور علیہ السلام کئی روز سے فاقے سے تھے۔ آپ اپنی بیٹی حضرت فاطمہؑ
 کے گھر تشریف لائے اور کھانے کے لیے طلب کیا۔ جواب ملا، اباجی! آج
 تو گھر میں کھانے کے لیے کوئی چیز نہیں ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 واپس تشریف لے آئے۔ اتفاق سے غھوڑی ہی دیکھ کر کسی پڑوسن نے دو
 چھوٹی چھوٹی روٹیاں اور گوشت کا ایک ٹکڑھا حضرت فاطمہؑ کو ہدیہ بھیجا۔ وہ
 کھانا آپ نے بچوں کو کھلانے کی بجائے حضور علیہ السلام کے لیے رکھ لیا
 اور آپ کو پیغام بھیجا۔ آپ تشریف لائے۔ حضرت فاطمہؑ نے کپڑے

کے نیچے رکھا ہوا کھانا نکال کر حضور کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضور نے فرمایا
 کہ ٹھوڑی دیر پہلے تو گھر میں کوئی کھانا نہ تھا۔ اب کہاں سے آگیا۔ تو حضرت
 فاطمہؓ نے وہی الفاظ کہے جو حضرت مریمؑ نے کہے تھے۔ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ
 کہ یہ اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کھانے میں اس قدر برکت
 ڈال دی کہ وہ مختصر سا کھانا حضور علیہ السلام نے خود تناول فرمایا۔ حضرات حسنینؑ اور
 اور حضرت علیؑ نے کھایا۔ آپ کی تمام ازواج مطہراتؑ نے کھایا۔ پھر بھی بچ گیا تو
 پڑوسیوں میں تقسیم کیا گیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ فاطمہ! تمہیں
 اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کا شبیہ بنایا ہے۔ انہوں نے بھی یہی کہا۔ کہ کھانا
 اللہ نے بھیجا ہے اور تو نے بھی یہی بات کی ہے۔ حقیقت یہ ہے۔
إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا
 ہے بغیر حساب کے رزق عطا کرتا ہے یہ اس کی خاص مہربانی ہے۔

إِلِ عَمَّكَان ۳

آیت ۳۸ تا ۴۱

تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

درس سیزدہم ۱۳

هَذَاكَ دَعَاكَ رَبِّيَا رَبُّهُ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ
 لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿۳۸﴾
 فَادَّتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي
 الْمِحْرَابِ لِأَنَّ اللَّهَ يَبْشُرُكَ بِبِحَيٍّ مُصَدِّقًا
 بِكَلِمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا
 مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۳۹﴾ قَالَ رَبِّ أَلَيْسَ لِي عِلْمٌ وَقَدْ
 بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَأَتِي عَاقِرٌ قَالَ كَذَلِكَ اللَّهُ يَفْعَلُ
 مَا يَشَاءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِي آيَةً ط قَالَ آيَتُكَ
 الْأَتَّكَلِمَ النَّاسَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا رَمَزًا وَادَّكُرُ
 رَبِّكَ كَثِيرًا وَسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ﴿۴۱﴾

۳۸

ترجمہ: اس موقع پر حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے پروردگار کے سامنے دُعا
 کی اور عرض کیا۔ اے میرے پروردگار! بخش دے مجھ کو اپنی طرف سے پاکیزہ اولاد
 بیشک تو دُعا کا سننے والا ہے ﴿۳۸﴾ پس زکریا علیہ السلام کو فرشتوں نے آواز
 دی۔ جب کہ وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے کمرے کے اندر۔ بیشک
 اللہ تعالیٰ تجھ کو سچا بیٹے کی خوش خبری دیتا ہے۔ جو تصدیق کرتے والا ہو گا
 اللہ کے کلمے کی۔ اور جو سردار ہو گا۔ اور جو خواہشات سے بھلے طور پر مٹنے والا
 ہو گا، اور نبی ہو گا۔ نیکوں میں سے ﴿۳۹﴾ حضرت زکریا علیہ السلام نے عرض
 کیا، اے پروردگار! کس طرح ہو گا میرے لیے لڑکا اور تحقیق پہنچ چکا ہے

مجھ کو بڑھایا، اور میری بیوی بھی بانجھ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اللہ اسی طرح کرتا ہے، جو چاہے (۹۰) عرض کیا، اے پروردگار! بنا دے میرے لیے نشانی، فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ تو لوگوں سے تین دن کلام نہیں کر سکے گا۔ مگر اٹا دے سے۔ اور یاد کر اپنے پروردگار کو کثرت کے ساتھ۔

اور تبیح کر پھلے پہر اور صبح کے وقت (۹۱)

عمران کی بیوی کا خیال تھا۔ کہ اس کے ہاں لڑکا ہوگا، تو وہ تے دین اور بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقت کمر دیگی۔ اور وہ بچہ دنیا کے اشغال سے بالکل آزاد ہوگا۔ اور ہمیشہ عبادت میں مصروف رہے گا۔ مگر جب وضع حمل ہوئی۔ تو لڑکی پیدا ہوئی۔ انہوں نے اس بات کا ذکر اپنے پروردگار سے کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے بیٹی کو ہی قبول فرمایا۔ اور اس کی نشوونما کے لیے بہتر سامان پیدا کر دیا۔ اس کے لیے غیر معمولی روزی کا بندوبست کیا۔ جب حضرت زکریا علیہ السلام اس بچی یعنی حضرت مریمؑ کے گھرے میں داخل ہوئے۔ تو وہاں انہوں نے موسم کے پھل دیکھے۔ عجیب کیفیت تھی۔ انہوں نے مریمؑ سے پوچھا کہ یہ پھل کہاں سے آئے ہیں۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ اللہ کی جانب سے۔ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے بغیر حساب کے روزی دیتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی اور حضرت مریم کی کرامت تھی۔

جب یہ واقعہ پیش آیا اس وقت حضرت زکریا علیہ السلام کی عمر تیس سال یا بعض روایات کے مطابق سو سال تھی۔ آپ کی کوئی اولاد نہ تھی، بیوی بھی عمر رسیدہ اور بانجھ تھی۔ مگر حضرت مریمؑ کے پاس بے موسم پھل دیکھ کر انہیں خیال پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ وہ بے موسم پھل عطا کر سکتا ہے تو موزوں عمر اور بیوی کی صلاحیت کے بغیر بھی اولاد عطا کر سکتا ہے اس کے لیے ایسا کرنا بالکل آسان ہے۔ چنانچہ ہی خیال حضرت زکریا علیہ السلام کا اپنے حق میں اولاد کی دعا کرنے کا سبب بن گیا۔ اور آپ نے دعا کیلئے

بیک اولاد کیلئے دعا

ہاتھ اٹھائیے۔ ہَتَّالِكَ دُعَاؤُكَ يَا رَبِّ ذَا اس موقہ پر حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی۔ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً عرض کیا مائے پروردگار! مجھے اپنی طرف سے پاکیزہ اولاد عطا کر۔

اُن ایام میں حضرت زکریا علیہ السلام سخت پریشان تھے۔ عمر رسیدہ ہو چکے تھے۔ بھائی بندوں سے خطرہ تھا۔ خاندان کے لوگ نالائق تھے۔ انہیں اپنے بعد تبلیغ و ہدایت کا کام جاری رکھنے والا کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ لہذا انہوں نے اپنے لیے نیک اولاد کی دعا کی۔ ہزرگان دین اسی سے یہ چیز اخذ کرتے ہیں۔ کہ سلسلہ رشد و ہدایت کو آگے چلانے کے لیے تمنا کرنا انبیاء علیہم السلام کا مشن ہونے کی بنا پر ان کی سنت پر عمل کرنا ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کا مفصل ذکر سورہ مریم میں آتا ہے۔ اِذْ نَادَى رَبَّهُ نِدًا خَفِيًّا "جب انہوں نے اپنے رب کو چپکے چپکے بکاہ اور عرض کیا۔ اے پروردگار! میری ہڈیاں تک گھل گئی ہیں اور سر بڑھاپے سے بھترک اٹھا ہے۔ میں تجھ سے دعا کر کے کبھی نامرد نہیں رہا۔ مجھے اپنے بعد بھائی بندوں کی برائیوں کا ڈر ہے۔ اور میری بیوی بانجھ ہے۔ تو اپنے فضل سے ایک وارث عطا کر دے جو میرا بھی وارث ہو اور آل یعقوب کا بھی وارث ہو اور اس کو ایک پسندیدہ انسان بنا۔

اس مقام پر اُن کی دعا کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ کہ انہوں نے کہا۔ کہ اے پروردگار! مجھے اپنی طرف سے پاکیزہ اولاد عطا فرما۔ هَبْ يَا هَبِّد سے مراد ہے۔ کسی کو کسی چیز کا بلا قیمت مالک بنا دینا۔ اس کا عام فہم معنی بخشنا یا عطا کرنا ہوتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اسی طرح عرض کیا۔ اور ساتھ یہ بھی کہا اِنَّكَ سَمِيعٌ الْغُيُوبِ بَشِيك تُو دُعَاؤُكَ سَمِعْتَهُ وَاللّٰهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ لَئِن لَّمْ يَكُنِ اللهُ غَفُورًا رَّحِيمًا "کہ تو ہر چھوٹے بڑے کی دعا کو سنتا ہے لہذا میری دعا کو بھی شرف قبولیت بخش اور اولاد عطا کر۔ جو پاکیزہ ہو

جس کے اخلاق، اعمال، عادات اور خصائل پاکیزہ ہوں۔ دوسرے مقام پر فرمایا کہ
 هَبِّي لِي مِنْ الصَّالِحِينَ یعنی نیکیوں میں سے عطا فرما۔ کیونکہ رشد و ہدایت کے مشن
 کو نیک اور پاکیزہ اولاد ہی آگے چلا سکتی ہے۔ چہرے اور ناک تو اکتا و ایل جان بن جاتی ہے
 اسی لیے تو شیخ سعدیؒ نے فرمایا کہ بری اور ناہموار اولاد جننے سے یہ بہتر ہے کہ

عورتیں سانپ کے بچے جنتی رہیں۔ سورۃ فرقان میں اللہ تعالیٰ نے منتہی لوگوں کی دعا
 کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ یوں دعا مانگتے ہیں رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا
 وَذُرِّيَّتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا اے ہمارے

پروردگار! ہم کو ایسی بیویاں اور ایسی اولاد عطا کر جو آنکھوں کی ٹھنڈک ہو۔ اور ہمیں
 مستقیموں کا امام اور پیشوا بنا دے۔ جو نیک اولاد اچھے اخلاق کی حامل ہو۔ نیک کام کرتی
 ہو۔ وہ بلا شبہ والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتی ہے۔ اور جو اولاد ناہنجار ہو،

کھیل تماشے میں مشغول ہے اور بُری عادات کا شکار ہو۔ وہ والدین کے لیے
 ذہنی کوفت کا سبب بنتے گی۔ اسی لیے زکریا علیہ السلام نے پاکیزہ اولاد کی دعا کی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کو شرف قبولیت بخشا۔ جس کا تذکرہ
 اس طرح بیان ہوا۔ فَتَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ بِسْمِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَوَفَرِ شَتْوَى نَسِ

آواز دی۔ کس وقت؟ وَهَوَّ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ جب
 کہ وہ کمرے میں نماز پڑھ رہے تھے۔ یہاں پر محراب سے مراد مسجد کا محراب نہیں

بلکہ کمرہ مراد ہے۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ تک بھی مساجد میں موجودہ محراب نہیں ہوا
 کہتے تھے، جہاں امام کھڑے ہو بلکہ یہ طریقہ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کے زمانے میں

راج ہوا۔ بہر حال فرشتوں نے آپ کو آواز دے کر کہا کہ تمہاری دعا قبول ہوگی ہے

إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِرَبِّهِ الَّذِي بَشَّرَكَ بِبَشِيرَةٍ نَبِيٍّ فِي سُوْرَةِ

مریم میں یہ بیان اس طرح ہے لِيُزَكِّيَ آتَانَا نَبِيًّا وَكَفَعَلْنَا اسْمَهُ يُحْيِي

ہم تمہیں سچے بیٹے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام بھی ہم نے خود سچے بخیر کیا ہے۔
 لَمْ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا اور یہ ایسا نام ہے۔ جو

سے پہلے کسی اور کا نام نہیں ہے۔

حضرت سید
کے مناقب

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے حضرت سید محمد علیہ السلام کے چند اوصاف بھی بیان فرمائے ہیں مُصَدِّقًا لِّكَلِمَةِ مَنَ اللّٰهِ وَنَ اللّٰهُ تَعَالٰی كَلِمَةٍ كَلِمَةٍ کی تصدیق کرنے والا ہوگا۔ کلمہ سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ کلمہ اللہ ان کا لقب ہے کیونکہ ان کی ولادت براہِ راست اللہ کے کلمے کی تاثیر سے ہوئی تھی۔ جبرائیل علیہ السلام نے حضرت مریمؑ کے گمہ بیان میں چھوٹا سا کلمہ کی تاثیر سے اللہ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ آپ کی پیدائش میں باپ کا توسط نہیں ہے۔ عام مخلوق کی پیدائش میں ماں اور باپ دونوں کا توسط ضروری ہے مگر یہاں یہ صرف ماں کا توسط ہے، باپ کا نہیں۔ لہذا آپ کلمہ اللہ ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اللہ کے نبی اور رسول ہونے کی تصدیق سب سے پہلے حضرت سید محمد علیہ السلام نے کی۔ اسی لیے فرمایا کہ سید محمد علیہ السلام جیسے بیٹے کی بشارت ہے۔ جو عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرنے والا ہوگا۔

فرمایا اس کے علاوہ سید محمد علیہ السلام وَسَيِّدًا سِرْدَارًا یعنی سردار ہوگا۔ سید اس شخصیت کو کہا جاتا ہے۔ جس کے حکم کی تعمیل ضروری ہو۔ حضرت سعد بن معاذؓ، بیماری کی حالت میں یہودیوں کا فیصلہ کرنے کے لیے حضور علیہ السلام کی مجلس میں آئے تو آپ نے انصار سے فرمایا قَوْمُوا إِلَى سَيِّدِكُمْ اپنے سردار کی طرف کھڑے ہو جاؤ۔ کیونکہ وہ بیمار ہیں، زخمی ہیں اور معذور ہیں۔ اٹھ کر انہیں گدھے سے اتار دو۔ گویا آپ نے حضرت سعد کو سید کے لفظ سے پکارا۔ خود حضور علیہ السلام نے حضرت حسنؓ کے متعلق فرمایا إِنَّ ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ میرا یہ بیٹا سردار ہوگا۔ اور خدا تعالیٰ کی بارگاہ سے امید ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرائے گا۔ اسی طرح نبی عامر کا ایک وفد حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو ان لوگوں سے کہا إِنَّكَ سَيِّدُنَا فذو طول علینا

آپ ہمارے سردار ہیں اور آپ ہم پر طاقت رکھتے ہیں۔ انہوں نے یہ بات تکلفاً کسی حضور علیہ السلام نے فرمایا حقیقت میں سیدہ تو اللہ سے ہے۔ دیکھو! شیطان تمہیں اپنی خواہشات میں نہ ڈالے۔ تکلف سے بات نہیں کرنی چاہیے۔ حضور علیہ السلام تو تمام نسل انسانی کے سردار ہیں۔ آپ نے فرمایا اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اَدَمَ وَلَا فَخْرَ میں نسل انسانی کا سردار ہوں، مگر اس پر فخر نہیں ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی دین ہے۔ اس کے باوجود نبی علیہ السلام کا بنی عامر کے لوگوں کو یہ فرمانا کہ حقیقت میں سیدہ اللہ سے ہے۔ اس وجہ سے تھا۔ کہ وہ لوگ تکلفاً سیدہ کہہ رہے تھے۔ اور ڈرتے تھے کہ سیدہ سیدہ کہہ کر شرک میں مبتلا نہ ہو جائیں اور اس طرح شیطان ان کو اپنی خواہشات کے پیچھے نہ چلا لے۔ اسی لیے ایک دوسری حدیث میں فرمایا لَا تَقُولُوا لِلْمَنْفِقِ سَيِّدًا یعنی منافق کو سیدہ کا لقب نہ دو۔ اگر منافق تمہارا سردار ہوگا۔ تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ کوئی منافق، فاسق، فاجر مسلمانوں کا سردار نہیں ہو سکتا۔ سیدہ ہونا چاہیے جو نیک میرت اور پاکیزہ اخلاق کا حامل ہو تاکہ اس کی اطاعت کی جاسکے۔

پھر فرمایا وَكَصَّوْا بِحَبْلِ نَبِيِّ حَصْرٍ یعنی خواہشات سے مکمل طور پر رکتے والا ہوگا۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد یہ ہے۔ کہ جس بیٹے کی بشارت دی جا رہی ہے۔ وہ عورت کے بالکل قریب نہیں جائیگا۔ چنانچہ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے زندگی بھر شادی نہیں کی۔ اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ حضور کا معنی یہ نہیں ہے کہ آپ شادی کے قابل نہ تھے۔ بلکہ بتلانا یہ مقصود ہے کہ آپ تمام تر مردانہ قوی کی موجودگی میں عبادت و ریاضت میں اس قدر متہمک ہتے تھے۔ کہ دنیوی خواہشات خاص طور پر عورت کی طرف ان کی توجہ ہی نہیں ہوتی تھی۔ آپ کی یہ شان ہے کہ ہر قسم کی خواہشات پر آپ کو مکمل کنٹرول حاصل تھا۔ لہذا آپ کا لقب حضور تھا۔ اس کے علاوہ یحییٰ علیہ السلام کی ایک صفت یہ بھی تھی۔ وَسَيِّدًا مِّنَ الصَّالِحِينَ آپ نیکو کاروں

تاکہ اس پر میں تیرا مزید شکر ادا کروں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی موت و حیات کا
 مشاہدہ کرنا چاہتے تھے۔ تو عرض کیا تھا۔ مولا کریم مجھے مشاہدہ کرانے کہ تو مردوں
 کو کیسے زندہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَوْ كَسَّ تَوَّصِنُ کیا تجھے اس بات
 کا یقین نہیں ہے۔ عرض کیا۔ یقین تو بیشک ہے وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنُّ قَلْبِي
 مگر میں اطمینان قلب کے لیے نظارہ کرنا چاہتا ہوں۔ کم و بیش یہی کیفیت
 حضرت زکریا علیہ السلام کی تھی۔ انہیں بیٹا ہونے کی بشارت تو مل گئی تھی۔ مگر
 وہ نشانی معلوم کرنا چاہتے تھے جس سے ان کو اطمینان قلب حاصل ہو جائے
 چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ قَالَ اَيْتٰكَ اَلَا تَكْلَمُ النَّاسُ ثَلٰثَةَ
اَيَّامٍ اَلَا رَمَزًا تمہاری نشانی یہ ہوگی۔ کہ تین دن اور تین رات تم کسی سے
 بات نہیں کر سکو گے۔ میں تمہاری زبان روک دوں گا۔ البتہ اللہ کا ذکر کرنے
 اور عبادت کرنے کے لیے زبان جاری رہے گی۔ بعض مفسرین نے اس
 آیت کا یہ مطلب لیا ہے۔ کہ تم خود روزہ رکھ لینا اور چپ کر جانا۔ یعنی چپ
 کا روزہ رکھ لینا۔ یہ درست نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ خود تمہاری زبان کو
 کلام کرنے سے روک دے گا۔ انجیل میں بھی اسی طرح آتا ہے۔ کہ تم تین دن
 تک کلام نہیں کر سکو گے فرمایا ان تین ایام کے دوران وَاذْكُرْ ذِكْرًا
كَبِيْرًا اپنے رب کا کثرت سے ذکر کرو۔ وَسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ
 اور صبح شام اپنے رب کی تسبیح بیان کرو۔ یہ اس بات کی نشانی ہوگی تمہاری
 بیوی کو استقرار حمل ہو چکا ہے۔ اور پھر قریبی زمانہ میں اللہ تعالیٰ بچہ عطا کرے گا۔

اَلْاَعْمٰلٰن۳

آیت ۴۲ تا ۴۳

تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

درس چہارم ۴۳

وَإِذْ قَالَتِ الْمَلِكَةُ لِمَرِيَمَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاكِ
 وَطَهَّرَكِ وَأَمْطَفَاكِ عَلَىٰ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ ﴿٤٢﴾
 لِمَرِيَمَ أَقْنِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ
 الرَّاكِعِينَ ﴿٤٣﴾ ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ
 وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ أَذِيقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ
 يَكْفُلُ مَرِيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ
 يَخْتَصِمُونَ ﴿٤٤﴾

ترجمہ: اور جب فرشتوں نے مریم سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ اے مریم! بیشک اللہ تعالیٰ نے تجھ کو منتخب کیا ہے۔ اور تجھ کو پاکیزہ بنایا ہے۔ اور تجھ کو بزرگی عطا فرمائی ہے۔ سب جہان والی عورتوں پر ﴿۴۲﴾ اے مریم! اپنے پروردگار کی اطاعت کرو۔ اور سجدہ کرو۔ اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو ﴿۴۳﴾ یہ غیب کی خبروں میں سے ہے۔ ہم اس کو آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ اور آپ ان کے پاس نہیں تھے جب کہ وہ اپنے قلموں کو ڈالتے تھے۔ کہ ان میں سے کون مریم کی کفالت کرے۔ اور آپ ان کے پاس نہیں تھے۔ جب کہ وہ آپس میں جھگڑتے تھے ﴿۴۴﴾

گذشتہ سے پیوستہ دروس میں حضرت مریمؑ کی ولادت کے متعلق ذکر تھا ربطاً آیات کہ کہیں طرح ان کی والدہ نے منت مانی۔ کہ ان کے ہاں لڑکا ہوگا، تو وہ اُسے خدمت دین کے لیے وقف کر دیں گی۔ مگر اللہ تعالیٰ کو ایسا ہی منظور تھا۔ کہ لڑکے کی بجائے انہوں نے حضرت مریمؑ کو جنا۔ پھر ان کی کفالت کا ذکر ہوا۔

کہ قرعہ حضرت زکریا علیہ السلام کے نام نکلا۔ انہوں نے اچھی طرح پرورش شروع کی۔ مگر حضرت مریمؑ کے گھرے میں بے موسم کے پھل دیکھ کر سخت حیران ہوئے۔ پوچھا اے مریم! یہ کہاں سے آئے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا **هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ** یہ اللہ کے ہاں سے آئے ہیں۔ اس پر حضرت زکریا علیہ السلام کو خیال پیدا ہوا۔ کہ جو مالک الملک بے موسم پھل حضرت مریم کو بھیج سکتا ہے۔ وہ اس بڑھاپے میں مجھے اولاد بھی عطا کر سکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے نہایت عاجزی سے اللہ تعالیٰ سے بیٹے کے لیے دعا کی۔ تو اللہ نے انہیں سچی بیٹی کی بشارت دی۔ اور فرشتوں نے ان کے پاکیزہ اوصاف بھی بیان کیے۔ آج کے درس میں روئے سخن پھر حضرت مریمؑ کی طرف ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے انتخاب اور ان کے مناقب کا بیان ہے۔ اور پھر آئندہ درس میں حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت، ان کے اوصاف اخلاق حمیدہ اور معجزات کا تذکرہ ہوگا۔

ارشاد ہوتا ہے۔ **وَلَاذَقَالَتِ الصَّلٰوۃُ یَا مَرْیَمُ عُرْجِب** فرشتوں نے کہا، اے مریم! یہ ظاہر ہے کہ حضرت مریمؑ نبی نہیں ہیں۔ بلکہ غیر نبی ہیں۔ تو یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا فرشتوں کا غیر انبیاء سے کلام جائز ہے۔ انبیاء کے پاس تو فرشتے ہمیشہ وحی لاتے رہے ہیں اور ان سے کلام کرتے ہیں۔ مگر غیر نبی سے فرشتوں کے کلام کی کیا حیثیت ہے اس سلسلے میں مفسرین کہہ فرماتے ہیں کہ فرشتوں کا غیر نبی سے کلام ممنوع نہیں ہے۔ البتہ وحی صرف نبیوں پر ہی نازل ہوتی ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے احکام اور شریعت ہوتی ہے۔ جسے آگے لوگوں تک پہنچانا مقصود ہوتا ہے اس لیے وحی صرف انبیاء تک محدود ہوتی ہے۔ البتہ فرشتوں کا عام لوگوں کے ساتھ کلام روا ہے

فرشتوں کا
غیر نبی سے
کلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نبی نہیں تھیں۔ مگر قرآن پاک میں ان

کے ساتھ فرشتوں کا کلام مذکور ہے۔ حضرت مریمؑ بھی بالاتفاق نبی نہیں ہیں۔
 کیونکہ قرآن پاک میں تصریح موجود ہے ”وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا
 رِجَالًا نُوْحِيَ إِلَيْهِمْ“ آج تک جتنے بھی نبی ہوئے ہیں۔ سب مرد تھے
 اللہ تعالیٰ نے نبوت کا منصب عورتوں کو عطا نہیں فرمایا۔ البتہ نبی کے بعد
 صدیقیت کا درجہ بعض عورتوں کو عطا فرمایا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں حضرت
 مریح علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم کے متعلق صریحاً موجود ہے ”أُمَّهُ صِدِّيقَةٌ“
 ان کی ماں صدیقہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے نیکی کے چار مراتب بیان فرمائے ہیں۔
 سب سے پہلے نبی، پھر صدیق، پھر شہید اور پھر صاحبین نبی کے بعد صدیق کا درجہ
 ہے۔ اور حضرت مریمؑ کے لیے یہ اعزاز قرآن پاک سے ثابت ہے۔ اسی
 طرح جب فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بشارت لے کر آئے
 تو حضرت سارہؑ بھی وہاں موجود تھیں۔ مریحؑ کو بھی فرشتوں نے حضرت
 عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی بشارت دی۔ حضرت عمران ابن حصینؑ حضور
 کے اونچے درجے کے صحابی ہیں۔ جن کا ذکر مسلم شریف میں موجود ہے۔ (اور
 قوت القلوب والے نے لکھا ہے کہ حضرت عمرانؑ تین سال تک صاحب
 فرائش رہے۔ آپ کو ناسور اور شدید قسم کا بولاسیر لاحق ہو گیا تھا)۔ بیماری کی حالت
 میں فرشتے آکر ان کو سلام کرتے تھے۔ انہوں نے علاج کے طور پر زخم پہ
 آگ سے داغ لگوا دیا۔ تو فرشتوں کا سلام موقوف ہو گیا۔ جب انہوں نے یہ
 طریقہ علاج ترک کر دیا۔ تو سلام پھر ہونے لگا۔ فرشتوں کا سلام کہنا بھی ان کا
 کلام کہنا ہی ہے۔ اور یہ بہت بڑی سعادت ہے۔ الغرض! فرشتوں کا
 غیر نبی سے کلام کہنا ثابت ہے جو کہ اعلیٰ درجے کی فضیلت ہے۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے ان مناقب کا تذکرہ فرمایا۔ جو فرشتوں نے حضرت مریمؑ کے مناقب
 مریمؑ سے بیان کیے۔ فرمایا ان اللہ اَصْطَفٰكَ بِشَيْءٍ اللہ تعالیٰ نے تجھ
 کو پسند فرمایا ہے یا منتخب فرمایا ہے یا برگزیدہ بنایا ہے۔ آپ کی پہلی

برگنیزدگی تو یہ تھی کہ آپ کی والدہ کی دُعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔ آپ کو عبادتِ الہی اور بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقت کیا گیا۔ چنانچہ بیت المقدس میں ہی آپ کی رہائش کا بندوبست ہوا۔ اور وہیں آپ بچپن میں مصروفِ عبادت رہیں۔ پھر فرمایا وَطَهَّرَكَ اور آپ کو پاکیزہ بنایا۔ پاک اور صاف بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کو روحانی اور جسمانی دونوں قسم کی طہارت عطا فرمائی۔ حضرت مولانا عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہلے دن سے ہی منتخب کر لیا تھا۔ آپ کو نیکی اور ایمان کے ساتھ پاک بنایا۔ کیونکہ انسان کو ایمان اور نیکی کے ساتھ طہارت حاصل ہوتی ہے، پھر اچھے اخلاق و عادات اور اچھے اعمال طہارت کا فریضہ ہیں۔ برظلاوت اس کے برے اعمال، برے اخلاق، کفر اور شرک نجاست اور گندگی کا سبب ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کو ان تمام بری خصلتوں سے پاک فرمایا۔ اس پر ہمہ تن عبادت میں مصروفیت مزید باطنی طہارت کی دلیل ہے۔ ہماری شریعت میں بھی ہر مومن مسلمان مرد اور عورت کے لیے طہارت ضروری ہے۔ یہ طہارت عقیدے اور اعمال یعنی ظاہر و باطن ہر طرح سے ہوتی چاہیے۔

فرمایا وَاصْطَفَاكِ عَلٰی نِسَاءِ الْعٰلَمِیْنَ فرشتوں نے حضرت مریمؑ کو یہ بھی خوشخبری سنائی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جہاں بھری عورتوں پر برگزیدگی عطا فرمائی ہے۔ پہلے اصطفا سے مراد بچپن کی فضیلت تھی۔ اب اس درجہ اصطفا سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بلا واسطہ باپ و والدہ بننے کا شرف ہے۔ دوسری عورتوں پر کہ بعینہ لیس بشر کے آپ کے بطن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر اور صاحب کتاب پیغمبر پیدا ہوئے۔ یہ امتیاز دنیا میں کسی اور عورت کو حاصل نہیں۔ حدیث شریعت میں آتا ہے کہ مردوں میں تو بہت سے کامیاب گزرے ہیں۔ سلسلے کے سلسلے انبیاء، اس کے بعد صدیق اور درویش، لوگ، مگر عورتوں میں صرف چند عورتیں کامیاب ہیں شمار ہوتی ہیں۔ ان میں مریم بنت عمران ہیں۔ حضرت علیہ السلام

کی زونہ مخزنہ حضرت خدیجہ بنت خویلد ہیں۔ فرعون کی بیوی آسیہ بنت مزاحم بھی مومنہ اور کالمین ہیں سے تھیں اس کے بعد حضرت فاطمہ سیدۃ النسا اہل الجنت ہیں۔ اور پھر حضرت عائشہؓ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے، جیسے ثنید کھانے کی دو سکر تمام کھانوں پر بعض روایات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمیشہ کا بھی ذکر آتا ہے۔ یہ سب عورتیں کالمین میں شامل تھیں۔

بشارت سنانے کے بعد فرشتوں نے حضرت مریمؑ کو بعض نصیحتیں بھی کیں۔ جس سے مراد اس رب العلمین کا شکر ادا کرنا ہے جس نے انہیں اس قدر برتری عطا فرمائی۔ چنانچہ فرمایا يَا مَرْيَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ اے مریم! اپنے رب کی عبادت کرو۔ قرآن پاک میں قنوت کا لفظ جہاں بھی مذکور ہے، اس سے مراد اطاعت اور فرمانبرداری ہے۔ اللہ نے اپنے پیارے بندوں کی صفات بیان فرماتے ہوئے فرمایا وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے مرد اور اطاعت کرنے والی عورتیں۔ دوسری جگہ فرمایا وَقَوِّمُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ اللہ کے سامنے اطاعت کے جذبے کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔ اسی سورۃ میں تیجھے گنزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے متقین کی فہرست میں جن لوگوں کو شامل کیا ہے۔ ان میں صابریین۔ صادقین کے بعد قَانِتِينَ یعنی اطاعت گزار بھی شامل ہیں۔ الغرض! فرشتوں نے حضرت مریمؑ کو اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ کے لیے اطاعت و فرمانبرداری کی وصیت کی۔

اس کے بعد فرمایا وَاسْمِعِي وَأَنْصِتِي وَأِذْكُرِي مَعَ السَّاجِدِينَ اور سجدہ کرو اور رکوع کرو، رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔ یہاں پر سجدہ کا ذکر پہلے ہے اور رکوع کا بعد میں ہے۔ اس کی توجیہ مفسرین کو اہم خصوصاً امام بیضاویؒ یوں فرماتے ہیں کہ جن دو چیزوں کو حرفت و کے ساتھ اکٹھا بیان کر دیا جاتا ہے۔ ان میں ترتیب ملحوظ نہیں رکھی جاتی ہے۔ اس لیے سجدے اور رکوع کے آگے تیجھے آجانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تاہم نماز پڑھتے وقت پہلے رکوع

حضرت مریمؑ
کو نصیحت

ہی کیا جائے گا۔ اور اسی طریقے پر عمل کیا جائیگا۔ جو حضور علیہ السلام کا طریقہ ہے۔ امام
بریضاویؒ یہ بھی فرماتے ہیں۔ کہ واکسٹ مسجد مدنی سے مراد مکمل امانت پڑھنا ہے۔
چونکہ سجدہ نماز کا ایک اہم رکن ہے۔ اس لیے صرف اس کا ذکر کر کے مراد
نماز لیا گیا ہے۔ بعض اوقات صرف تسبیح کہ مراد پوری نماز لینی جاتی ہے۔
بہر حال امام صاحب فرماتے ہیں۔ کہ سجدہ سے مراد یہاں پر نماز ہے۔ اور رکوع
سے مراد خشوع و خضوع ہے۔ گویا عاجزی کہ وہ عاجزی کرنے والوں کے ساتھ
آپ کے مطابق پورے جملے کا مفہوم یہ ہو گا۔ کہ نماز نہایت خشوع و خضوع اور
عاجزی کے ساتھ ادا کر دو۔

بعض فرماتے ہیں۔ کہ یہودیوں میں یہ طریقہ رائج تھا۔ کہ سجدہ پہلے کرتے
تھے اور رکوع بعد میں اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں پر یہی ترتیب ملحوظ رکھی
بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ یہودی سجدہ تو اہتمام کے ساتھ کرتے
تھے۔ مگر رکوع کی چیزاں پورا نہیں کرتے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے
خاص طور پر ہدایت کی کہ رکوع کہو۔ رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔ اس میں
کو تاہی نہ کہو۔ آج کے دور میں بعض لوگ رکوع کا خیال نہیں کرتے۔ سجدہ کے
لیے پیشانی تو زمین پر رکھ دیتے ہیں۔ مگر رکوع پوری طرح ادا نہیں کرتے،
نہ بیٹھ کر پوری طرح ہموار کرتے ہیں۔ اور نہ رکوع سے سیدھا کھڑا ہوتے
ہیں۔ بلکہ جلدی ہی سجدہ میں چلے جاتے ہیں۔ اس لیے رکوع کی خاص طور پر
تفہیم کی گئی ہے۔ بعض فرماتے ہیں۔ کہ اس سے مراد یہ ہے کہ نماز باجماعت
ادا کر دو۔ نماز میں سجدہ اعلیٰ درجے کی تعظیم ہے اور رکوع اونے درجے
کی ہے۔ سجدہ کا مرتبہ زیادہ بلند ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔
اقرب ما یكون العبد من ربه وهو ساجد
بندہ سجدے کی حالت میں اپنے رب سے قریب تر ہوتا ہے۔ اس
لیے سجدہ کی فضیلت کے پیش نظر اس کا ذکر پہلے کیا گیا ہے۔

حضرت مریمؑ کے تذکرہ کے بعد اب حضور خاتم المرسلین کی نبوت کی صداقت کا بیان ہے۔ اس کے بعد اگلے درس میں حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت کی خوشخبری کا بیان ہوگا۔ تاہم درمیان میں حضور علیہ السلام کے تذکرہ کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ آپ کی نبوت سے متعلق بعض شکوک و شبہات میں مبتلا تھے۔ جن کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ یہ واقعہ جو ہم نے بیان کیا ہے، غیب کی خبروں میں سے ہے۔ ذُو حَيْبِ الْمَيْمَنَةِ جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ یعنی آپ کو اس واقعہ کا نہ علم تھا۔ اور نہ آپ جانتے تھے۔ اور آپ غیب دان بھی نہیں ہیں۔ کیونکہ علم غیب خاصہ خداوندی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی غیب نہیں جانتا۔ اور جب حضرت مریمؑ کا یہ واقعہ پیش آیا۔ وَمَا كُنْتَ كَذِيهَةً آپ ان کے پاس بھی تھیں تھے۔ جو اس واقعہ کو ذاتی طور پر مانتے ہوں۔ اور یہ اس وقت کی بات ہے۔ إِذْ يُنْفِثُونَ أَفْئِدَتَهُمْ جب کہ وہ لوگ اپنی قلیں ڈال رہے تھے۔ یعنی اس بات میں قرعہ اندازی کر رہے تھے کہ أَيُّهُمْ كَذِبٌ۔ حضرت مریمؑ کی کفالت کون کرے۔ یہ اس وقت ہوا۔ جب ان کی والدہ نے بتایا کہ انہوں نے نذرمانی مٹی۔ کہ اللہ تعالیٰ بچہ عطا کرے گا۔ تو وہ اُسے بیت المقدس کی خدمت اور اللہ کی عبادت کے لیے وقف کر دیں گی۔ چونکہ عمران فوت ہو چکے ہیں۔ اس لیے بیت المقدس کے سارے نذرمانے حضرت مریمؑ کی کفالت اپنے ذمے لینے کی خواہش ظاہر کی۔ وہ سمجھتے تھے۔ کہ یہ بڑی بابرکت بچی ہے۔ جسے اس کی ماں نے خدمت دین کے لیے وقف کر رکھا ہے، جب ان لوگوں کے درمیان کفالت کے مسئلہ پر جھگڑا پیدا ہوا۔ تو انہوں نے اس کا فیصلہ بذریعہ قرعہ اندازی کرنے پر اتفاق کر لیا۔ قرعہ اندازی کا یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ کہ ہر خواہش مند نے اپنی اپنی وہ قلیں نہر میں ڈال دیں جن سے وہ نورات نکھڑا کرتے تھے۔ حضرت مریمؑ کے خالو حضرت زکریا علیہ السلام بھی قرعہ ڈالنے

الوں میں شامل تھے۔ چنانچہ جب قلمیں پانی کے بہاؤ کی طرف ڈالی گئیں تو سب کے قلم بہاؤ کی طرف بہ نکلے۔ سولے حضرت زکریا علیہ السلام کے قلم کے، جو بہاؤ کی الٹی طرف چل پڑا۔ چنانچہ قرعہ کا فیصلہ آپ کے حق میں ہو گیا۔ اور اس طرح حضرت مریمؑ ان کی کفالت میں چلی گئیں۔

ہماری شریعت میں بھی قرعہ اندازی ایسے حقوق کے سلسلے میں جائز ہے۔ جو دوفریقوں کی اپنی رائے کے سپرد ہوں۔ اگر شریعت نے خود حقوق متعین کر دیے ہیں۔ تو پھر قرعہ اندازی درست نہ ہوگی۔ مثلاً کوئی جائداد بعض آدمیوں کے درمیان مشترک ہے۔ وہ اس بات پر قرعہ اندازی نہیں کر سکتے۔ کہ جس کے نام کا قرعہ ہوگا۔ وہ ساری جائداد لے لیگا۔ یہ تو قمار یا سود کی قسم ہے۔ اس طرح ایک دوسرے کی حق تلفی ہوتی ہے۔ ہاں ایسے معاملات میں قرعہ اندازی اس طور پر جائز ہے کہ کوئی جائداد برابر برابر تقسیم کے بعد شمالی جنوبی یا شرقی غربی حصے کا معاملہ ہو۔ کہ دونوں حصوں میں سے کون سا حصہ ایک حصہ دار لیگا۔ اور کونسا دوسرا حصہ دار وصول کرے گا۔ اسمیں رہنا اصول یہ ہے۔ کہ قرعہ اندازی ان امور میں جائز ہے جن میں بغیر قرعہ اندازی کے بھی معاملہ کا فیصلہ ہو سکے۔ جیسے کوئی معتبر آدمی یا حاکم وقت متنازعہ حصص کو تقسیم کرے۔

قرعہ اندازی کی بعض مثالیں حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں بھی ملتی ہیں۔ فتح خیبر کے بعد یہودی اناج جمع کرتے تھے۔ تو حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اس کو دو برابر ڈھیروں میں تقسیم کر کے ان کو اختیار دیتے تھے۔ کہ جو نسا چاہو اٹھ لو، خود حضور علیہ السلام سفر پر جاتے وقت اپنی ازواج مطہرات میں قرعہ ڈال لیتے تھے۔ کہ کسے ساتھ لے جائیں۔ اگرچہ حضور علیہ السلام کو عام اجازت تھی کہ جس زوجہ مطہرہ کو چاہیں اپنی رفاقت میں ساتھ لے جائیں۔ مگر آپؐ الٹی تابعت قلوب کے لیے قرعہ ڈال لیتے تھے۔ چنانچہ بعض اوقات آپ کے ساتھ حضرت عائشہؓ ہوتی تھیں، بعض دفعہ حفصہؓ رفیقہ سفر ہوتیں اور بعض اوقات

کوئی دوسری بیوی۔ تو بہر حال ایسے جائزہ امور میں قرعہ اندازی روا ہے جن میں اس کے بغیر بھی فیصلہ ہو سکے۔

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر نسب میں کوئی تنازعہ پیش آجائے تو قرعہ اندازی نہیں ہو سکتی۔ مثلاً تو مولود کے متعلق فیصلہ مطلوب ہو کہ یہ کس کا بچہ ہے تو اس کا فیصلہ قرعہ اندازی سے نہیں ہو سکتا۔ حضرت یونس علیہ السلام بھی جب کشتی میں سفر کر رہے تھے۔ تو وہاں بھی قرعہ ڈالا گیا۔ اگرچہ انہوں نے خود ہی قرار کیا۔ کہ غلطی واقعی مجھ ہی سے ہوئی ہے۔ اس کے باوجود قرعہ ڈالا گیا۔ تو پھلنے والوں میں وہی ثابت ہوئے۔

پیغمبر اور
علم غیب

وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ وَأَرْبَابٌ مَّا مَلَائِكَةٌ مَّوَدَّعِينَ وَهُمْ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ
انے ذمے لینا چاہتا تھا۔ جب جھگڑا بڑھنے لگا تو فیصلہ قرعہ اندازی کے فیصلے ہوا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ آپ کو یہ باتیں وحی کے ذریعے بتائی جا رہی ہیں۔ آپ بنفسہ وہاں موجود نہ تھے۔ اور نہ آپ عالم الغیب ہیں علم غیب تو خاصہ خداوندی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّورِ اے نبی کریم! آپ اس وقت کوہ طور کے کنارے پر نہیں کھڑے تھے۔ جب وہ واقعہ پیش آیا۔ بلکہ یہ باتیں ہم نے آپ کو وحی کے ذریعے بتائی ہیں۔ آپ نے کسی سے تعلیم حاصل نہیں کی۔ نہ آپ نے کتابیں پڑھی، نہ آپ خود وہاں موجود تھے، نہ عالم الغیب ہیں۔ اس کے باوجود بے شمار تجزیات کا علم آپ کو وحی کے ذریعے دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہے اور جتنا چاہے علم عطا کرتا ہے اور پھر انبیاء علیہم السلام کو زیادہ علم عطا کرتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے امرت تک پہنچانا ہوتا ہے۔ آخر میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب نبیوں سے زیادہ علم عطا کیا۔ مگر یہ علم غیب نہیں بلکہ غیب کی خبریں ہیں جو بذریعہ وحی معلوم ہوئیں۔

تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

الْعَمَلَانِ ۳

درس پانزدہم ۱۵

آیت ۲۵ تا ۲۸

إِذْ قَالَتِ الْمَلِكَةُ لِمَرِيَمَ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ
 بِكَلِمَةٍ مِنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ
 مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ
 الْمُقَرَّبِينَ ﴿۲۵﴾ وَيَكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ
 وَكَهْلًا وَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۲۶﴾ قَالَتْ رَبِّ أَنَّى
 يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَمَسَّ سِنِي بُشْرًا قَالَ
 كَذَلِكَ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا
 فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۲۷﴾ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ
 وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: اس واقعہ کو سامنے لائے، جب فرشتوں نے مریم سے کہا، بیشک اللہ تعالیٰ تجھ کو خوشخبری دیتا ہے ایک کلمے کی اس کی طرف سے، جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا۔ وہ وجاہت والا ہوگا دنیا میں اور آخرت میں اور مقربین میں سے ہوگا ﴿۲۵﴾ اور وہ کلام کہنیکا لوگوں کے ساتھ گوارے میں اور ادریہ عمر میں اور نیکو کاروں میں سے ہوگا ﴿۲۶﴾ مریم نے عرض کیا، اے پروردگار کہاں سے ہوگا میرے لیے لڑکا حالانکہ نہیں ہاتھ لگایا مجھے کسی آدمی نے اس نے فرمایا، اسی طرح اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے جو چاہے۔ جب وہ کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو پھر وہ اُسے کہتا ہے ہو جا، پس وہ بات ہو جاتی ہے ﴿۲۷﴾ اور سکھائے گا اُس کو کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل ﴿۲۸﴾

گذشتہ درس میں حضرت مریم کے کچھ مناقب بیان ہوئے تھے۔ کہ

لطایا

اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم پیغمبر کی پیدائش کے لیے ان کا انتخاب کیا۔ اور اس
 دشمن میں انہیں تمام جہان والی عورتوں پر فضیلت بخشی۔ اس کے علاوہ انہیں
 ظاہری اور باطنی ہر لحاظ سے پاکیزہ بنایا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور
 اس کی عبادت کو نیکی نصیحت کی گئی۔ اور پھر یہ اصول بھی بیان کر دیا کہ جو واقعات
 بیان کیے جا رہے ہیں۔ وہ عیب کی خبروں میں سے ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ
 بذریعہ وحی انبیا علیہم السلام تک پہنچاتے ہیں۔ اس بات کی وضاحت کی گئی کہ
 حضرت مریم کی کفالت کے متعلق جب قرعہ اندازی ہو رہی تھی تو اسے پیغمبر
 آخر الزمان علیہ السلام آپ وہاں موجود نہیں تھے۔ نہ آپ عیب دان ہیں۔ بلکہ
 آپ تک یہ خبریں پہنچانے کا ہمارا اپنا انتظام ہے۔ اب آج کے درس میں حضرت
 عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق خوشخبری اور آپ کے بعض معجزات کا
 تذکرہ ہے۔ اس کے علاوہ مریم کے اس استعجاب کا بیان ہے۔ جو
 انہیں بیٹے کی پیدائش کی خوشخبری پہنچا۔

ت ۴
 حضرت مریم
 کو بشارت

پہلے بیان ہو چکا ہے۔ کہ حضرت مریم کی پرورش اللہ تعالیٰ نے خاص
 طریقہ سے فرمائی اور وہ جلدی جلدی بڑھی ہوئے لیگیں۔ پھر جب وہ سن بلوغت
 کے پہنچ گئیں تو فرشتوں نے آکر آپ کو بشارت دی۔ ارشاد ہوتا ہے۔ اِذْ
 قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ اَسْ وَاَقْعُوْهُ صِيَانَ فِيْٓ اَوْۤآءِ ۙ حَبِّ فَرٰشَتُوْنَ ۗ لَآ اَكْرَه
 مَرْيَمُ ۙ سَا كَمَا يَلْمُ زَيْمُوْا ۙ اِنَّ اللّٰهَ يَكْتُمُ سِرُّكَ ۗ بے شک
 اللہ تعالیٰ تمہیں بشارت دیتا ہے۔ بِكَلِمٰتٍ مِّنْهُ ۙ اٰنِیْ طَرَف
 سے ایک کلمہ کی۔ بشارت اس خبر کو کہا جاتا ہے۔ جس میں خوشی ہو۔ خبر سن
 کر سرور حاصل ہو۔ جیسے سورۃ بقرہ میں مَکْرُوْۤا ۙ كَزُوْۤا ۙ وَكَبٰۤیْرٍ ۙ الَّذِیْنَ
 اٰمَنُوْا ۙ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اَنَّ لَهُمْ جَنٰتٍ ۙ جُوْا ۙ اٰیٰمٰن
 لائے اور اچھے اعمال کیے، ان کو جنت کی بشارت ملے ویسے۔ ظاہر
 ہے۔ کہ یہ نہایت ہی خوشی کی بات ہے کہ کسی کے لیے جنت مقدر کہ

دئی جائے تاہم بعض اوقات بشارت سے مراد محض خبر بھی ہوتا ہے۔ جیسے
 کہ بار کے متعلق فرمایا "قَبَسْتَنِي هُمْ بَعْدَ ذَابِ اَيْسِهٖ اَنْهِيں دروزناک
 عذاب کی خبر دے دو۔ تاہم یہاں پر بشارت سے مراد اچھی اور خوش کن خبر ہے
 کہ اے مریم! اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی طرف سے ایک کلمے کی خوشخبری دیتا ہے
 اس مقام پر کلمہ کا لفظ حضرت مسیح علیہ السلام پر بولا گیا ہے۔ آپ کو اللہ کا کلمہ
 اس خصوصیت کی بنا پر کہا گیا ہے۔ جو آپ کی ذات میں بن باپ کے پیدائش
 کی وجہ سے ہے۔ قرآن میں بعض دوسری چیزوں کی نسبت بھی خصوصی طور پر
 اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے۔ جیسے سورۃ شمس میں نَاقَةَ اللّٰهِ یعنی اللہ کی
 اونٹنی کا ذکر آیا ہے۔ اونٹنیاں اور تمام چیزیں تو سب کی سب اللہ ہی کی ہیں۔
 مگر صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو خاص طور پر

پر اللہ کی اونٹنی اس لیے کہا گیا ہے

کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کی پیدائش خاص طریقہ سے کی تھی۔ یہ اونٹنی کسی ماں
 کے پیٹ کی بجائے چٹان سے نکالی گئی تھی۔ اس لیے اس کو اللہ کی اونٹنی کہا گیا
 اسی طرح خانہ کعبہ کو بیت اللہ شریف یعنی اللہ کا گھر کہا گیا ہے۔ حالانکہ
 تمام مساجد اللہ ہی کے گھر ہیں۔ اس کے علاوہ کائنات کی ہر چیز اسی کی پیدا کردہ
 ہے لہذا اسی کی ہے۔ مگر بیت اللہ کو بیت اللہ اس لیے کہا گیا ہے۔ کہ
 وہاں پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی تجلیات ہر وقت نازل ہوتی رہتی ہیں۔ عام مساجد میں
 بھی اللہ تعالیٰ کی خصوصی مہربانی ہوتی ہے۔ اس لیے وہ بھی اللہ کے گھر ہیں۔
 تو ہر حال فرشتوں نے حضرت مریم کو اللہ کے کلمے کی بشارت یعنی خوشخبری دی۔
 امام ابو بکر جصاص فرماتے ہیں۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمہ اللہ کہنے
 کی ایک وجہ تو یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بغیر باپ کے توسط کے
 پیدا کیا۔ گویا آپ اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کے حکم سے پیدا ہوئے۔ اس
 لقب کی دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ پہلی کتابوں میں مسیح علیہ السلام کے متعلق

کلمہ اللہ
 کی توضیح

پیش گوئی موجود تھی۔ کہ آپ اپنے مقررہ دور میں اکبر ہدایت کا ذریعہ بنیں گے۔ تو یہ وہی کلمۃ اللہ

ہیں۔ جن کا ذکر پہلی کتابوں میں موجود ہے۔ کلمۃ اللہ کی تیسری توضیح یوں بیان کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو کَلِمَاتٍ رَاسَاتٍ یعنی اللہ کے کلمے کہا ہے۔ اور یہ لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل فرمایا ہے۔ اسی طرح چونکہ حضرت مسیح علیہ السلام کو بھی مخلوق کے لیے ذریعہ ہدایت بنایا، لہذا ان کا نام بھی کلمۃ اللہ رکھ دیا۔

فرمایا اے مریم! اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے کلمے کی خوشخبری دیتا ہے۔ اِسْمُہُ الْمَسِيحِ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ
 مریمؑ
 کہ نام فرماتے ہیں۔ کہ لفظ مسیح عبرانی اور سریانی زبان کے اشتقاق سے آیا ہے اور اس کا معنی مبارک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پیدائش کے بعد پہلے ہی دن آپ کی زبان سے کہلوایا تھا۔ کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اللہ نے مجھے کتاب دی ہے اور بتی بنایا ہے۔ "وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ" (سورۃ مریم میں جہاں بھی ہوں، مجھے برکت والا بنایا ہے۔ لہذا آپ کا لقب مسیح قرار دیا گیا۔ اس کے علاوہ آپ کا لقب یسوع بھی ہے جو یثوع سے آیا ہے اور اس کا معنی سردار یا سید ہے۔

عربی زبان میں مسیح کا معنی ایساح ہے۔ دجال کے ساتھ مسیح کا لفظ بھی انہی معانی میں آیا ہے۔ مسیح دجال یعنی سیاحت کرنے والا دجال کہتے ہیں کہ دجال چالیس دن میں پوری دنیا کے گرد گھوم جائیگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی مسیح اس لیے کہتے ہیں۔ کہ آپ بھی سیاحت کرتے تھے۔ اپنے زندگی بھر رہنے کے لیے اپنا گھر نہیں بنایا بلکہ ہمیشہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے تھے۔ مسیح کا اطلاق مسیح پر بھی ہوتا ہے۔ جس کا معنی ہاتھ پھیرنا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام مادر زاد اندھوں اور کورھیلوں

کو ہاتھ لگاتے تو اللہ تعالیٰ شفا عطا کر دیتا۔ یہ ذمہ آگے معجزات میں آئے گا۔
 دجال کے ساتھ لفظ مسیح، مسموح کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے۔ جو کہ مفعول
 کا صیغہ ہے۔ هَمْسُوحُ الْعَيْنِ اُس شخص کو کہتے ہیں جس کی ایک ہی
 آنکھ ہو یعنی مٹائی ہوئی آنکھ والا۔ دجال کی دائیں آنکھ بالکل مٹی ہوئی ہوگی اور انگوڑ
 کے پھٹے ہوئے دانے کی مانند ہوگی۔ اس کی بائیں آنکھ میں بھی عیب ہوگا۔ اس لیے
 اس کو مسموح کہا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مسموح بگڑی ہوئی فطرت والے کو
 بھی کہتے ہیں۔ دجال مسموح الفطرت یعنی بگڑی ہوئی فطرت والا ہوگا۔

عیسائیوں کا
 باطل عقیدہ

عیسیٰ ابن مریمؑ کہہ کہ اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کے اُس باطل عقیدہ کی تردید فرمائی
 ہے۔ جس کے مطابق وہ عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا یا تین خداؤں میں سے تیسرا
 کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں پر واضح کر دیا ہے۔ کہ عیسیٰ ابن مریمؑ ہے جس
 کو اللہ نے ایک عورت کے لطن سے پیدا فرمایا۔ جو شخص کسی عورت کے
 پیٹ سے پیدا ہو۔ وہ الہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ تو خود مخلوق ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام
 اللہ کے بندے، اس کے نبی اور برگزیدہ انسان ہیں۔ "لَقَدْ كَرَّمْنَا
 يُوسُفَٰٓ ذُو شَانَ خَدَاوَدَىٰ هُوَ۔ یہ صفت کسی مخلوق میں کیسے ثابت کی جا
 سکتی ہے۔ بلکہ ایسا عقیدہ رکھنا اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینا ہے۔
 سورۃ مریم میں موجود ہے۔ کہ یہ اتنا بڑا کلمہ ہے کہ تکاد اَلَسَّطَهَلَاثُ
 يَتَقَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًا
 قریب ہے کہ آسمان بھٹ جائیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ پڑ پڑ رہنے
 ہو جائیں۔ اس بات پر کہ "أَنْ دَعَوُا لِلرَّحْمٰنِ وَلَاؤُهُ خَدَاوَعَالِ
 کے لیے بیٹے کو پکار رہے ہیں۔ یہ اس قدر باطل عقیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ
 کا بیٹا ثابت کرنا۔ یہ تو اُس کی تنزیہ کے ہی خلاف ہے۔

قرآن پاک میں حضرت مسیح علیہ السلام کا لقب عیسیٰ ابن مریمؑ کی مقامات
 پر آیا ہے۔ آخرت میں بھی آپ کو اسی لقب سے پکارا جائے۔ جب

مخاطب کی منزل آئے گی، تو اللہ تعالیٰ آپ کو اسی نام سے مخاطب کریں گے۔
سورۃ مادہ میں آتا ہے وَ لَوْ قَالَ اللَّهُ يُعِيسِي ابْنَ مَرْكَبَةٍ اَنْتَ
قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخَذُونِي فَاُمِّيَ الرَّهْمَانِ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَمَا تَمُنُّ
لوگوں سے کہا تھا۔ کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا معبود بنا لو۔ تفسیر
روح المعانی میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ علیہ علیہ السلام کو اس طرح خطاب
فرمائیں گے، تو آپ پر ہمیشہ طاری ہو جائیگی اور آپ پانچ سو سال تک
چمکیا تے رہیں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان کو حوصلہ دیگا۔ تو عرض کریں گے
قَالَ سُبْحَانَكَ اے اللہ! تیری ذات پاک ہے۔ میں ایسی بات
کیسے کہ سکتا ہوں۔ جس کا مجھے حق ہی نہیں پہنچتا۔ تو تو دلوں کی باتوں کو بھی
جانتا ہے، مخفی ارادوں تک سے واقف ہے۔ اگر میں نے ایسی بات کی
سے تو تجھ سے تو پوشیدہ نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا، وہ ایسا دن
ہوگا، کہ اُس دن سچوں کو اُن کی سچائی فائدہ دے گی۔ یہ سب سورۃ مادہ میں
آ رہا ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں۔ کہ قیامت کے دن ہر شخص کو باپ کی
نسبت سے پکارا جائے گا۔ مگر علیہ السلام کو ماں کے نام سے پکارا
جائے گا۔ یعنی عیسیٰ ابن مریم۔ کیونکہ آپ کے لیے باپ کا توسط نہیں ہے
اسی طرح سورۃ مریم میں جہاں سچا علیہ السلام کا ذکر آتا ہے۔ وہاں بُولَدِيَّ
بُولَدِيَّ کے الفاظ آتے ہیں۔ جس کا مطلب ہے والدین یعنی
ماں اور باپ دونوں کے ساتھ سچی اور احسان کرنے والا۔ مگر جہاں
عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔ وہاں فرمایا سُبْحَانَ بُولَدِيَّ الَّذِي
مجھ کو میری ماں کے ساتھ سچی اور احسان کرنے والا بنایا ہے۔ اس طرح
گویا اللہ تعالیٰ نے عیساؤں کے اُس عقیدے کے کارڈ فرمایا ہے جس کے
مطابق وہ عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا یا تین خداؤں میں سے تیسرا خدا مانتے ہیں
یہودی حضرت مسیح علیہ السلام کی حد درجہ تحقیر کرتے تھے۔ انہوں نے

آپ کی والدہ پر حرام کاری کا الزام لگا کر اُن کو بدکار عورت تک کہا۔ اور علیہ علیہ السلام کو تلمیذی پتھر کہ دیا۔ حتیٰ کہ آپ کو سزائے موت دلانے کے لیے عدالت میں لے گئے اور راستے میں جاتے ہوئے العیاذ باللہ آپ کے چہرے پر پھتو کا یہ بد بخت لوگ بگڑھی ہوئی ذہنیت کے حامل ہیں۔ انہوں نے مسیح علیہ السلام کی بڑی توہین کی۔ حتیٰ کہ انہیں سولی پر لٹکانے کے لیے تیار ہو گئے۔ انہوں نے تو ایسا کرنا ہی نہیں کوئی کسر نہ اٹھا چھوڑی مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے آپ کو اپنی طرف اٹھا کر یہودیوں کے مذموم ارادے سے آپ کو بچالیا۔ انجیل میں موجود ہے کہ یہودیوں کے عالم بڑے بد بخت تھے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اُن کو سانپ کے بچوں سے تشبیہ دی ہے۔ آپ نے فرمایا، تم کیسے بد بخت لوگ ہو، جو لوگوں کو گھراسی میں ڈالتے ہو۔ اور ہدایت کی بات کو سنتے ہی نہیں۔ یہودی حضرت مسیح علیہ السلام کو دجال بھی کہتے تھے۔ کہ یہ لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ اُن کے عقیدے بگاڑنا ہے۔ مرد و بچہ سب کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ اسی بنا پر وہ آپ کے دشمن بن گئے اور پھر آپ کے قتل کے درپے ہوئے۔ حدیث شریفین میں آتا ہے۔ کہ قیامت کے قریب جب دجال ظاہر ہوگا۔ تو اُس کو مسیح سمجھتے ہوئے اُس کے پیچھے لگ جائیں گے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اصضمان کے ستر ہزار (۷۰۰۰۰) بچنے پہنچے ہوئے یہودی دجال کے پیچھے پیچھے جائیں گے۔

آیت کے اگلے حصے میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی اس دشمنی کا پردہ چاک کیا ہے۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام کے بعض اوصاف بیان فرمائے ہیں کہ فرشتوں نے جن مسیح عیسیٰ ابن مریم کی بشارت حضرت مریم کو دی وہ وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ دُنِیَا اور آخرت میں وجاہت والا ہوگا۔ یعنی عزت اور مرتبہ والا ہوگا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہودیوں کی تمام تر دشمنی اور ہرزہ سمرانی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے

حضرت مسیح کے مناقب

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الزامات سے بری قرار دیا۔ اور ان ناپاک لوگوں کی سازش کو کامیاب نہیں ہونے دیا۔ جس کو اللہ تعالیٰ عزت کا اعلیٰ مقام عطا کرے اُسے کون ذلیل کر سکتا ہے۔ آپ تو دونوں جہانوں میں صاحبِ عزت ہیں۔ ان کی عزت کرنے والے کہہ وڑوں اور اربوں لوگ موجود ہیں۔ عیسائیوں کا اگتہ چہرہ عقیدہ مشرکانہ ہے۔ مگر وہ آپ کی عزت

تو کرتے ہیں۔ دنیا میں مسلمانوں کی آبادی ایک ارب کے گنا بھگ ہے یہ سب حضرت مسیح علیہ السلام کو سچا نبی تسلیم کرتے ہیں۔ جس کی دس آدمی عزت کرنے والے ہوں، اُس کا حوصلہ بلند ہو جاتا ہے۔ مگر یہاں تو اربوں کی تعداد میں مسیح علیہ السلام کو سچا رسول ماننے والے موجود ہیں۔ لہذا آپ عزت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی لوگوں نے طرح طرح کے الزام لگائے ان کی طرف غلط باتیں منسوب کیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں غلط الزامات سے بری قرار دیا۔ **سَأَاهُ اللَّهُ مِمَّا فَا تَلُوْا، تِزِيْهِ يَحْيٰى فَرِيْمَا يَوَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَحِيْثُهَا** وہ اللہ کے نزدیک بڑی عزت والے تھے۔ یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بھی **وَحِيْثُهَا** کا لفظ استعمال کیا۔ کہ آپ بڑے عزت والے اور بڑے وقار والے تھے۔ یہودیوں کی الزام تراشیاں جو اس محض تھیں اللہ تعالیٰ نے دنیا میں آپ کو نبوت کے مقام پر سرفراز فرمایا۔ اور آخرت میں آپ اپنے صحیح ماننے والوں کی شفاعت کریں گے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا عزت اور وجاہت ہو سکتی ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام دنیا اور آخرت میں وجاہت والے ہوں گے۔

مقررین
ابھی

وَمِنَ الْمُتَّقِيْنَ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے مقررین میں سے ہوں گے۔ انہیں خدا تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوگا، جو بہت بڑا امر ہے۔ ہر صاحبِ ایمان اپنے مالک کا تقرب حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ عبادت ریاضت، قربانی، صدقہ خیرات سب اس واسطے سے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ

راضی ہو کر اپنا تقرب عطا کرے۔ تو اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو مقربین میں سے بنایا۔ بعض فرماتے ہیں کہ مقرب وہ ہے جو نہایت اونچے درجے کے کام کرتا ہو، اور اس میں غایت درجے کا خلوص پایا جائے۔ اذْ قَسَبَا فَسْكَانًا میں یہی بات ہے۔ وہ بھائیوں نے قربانی کی۔ جس قربانی میں زیادہ خلوص اور صلاحیت تھی، اللہ نے اسے قبول کر لیا۔ اور جو بڑھتا، اس کی قربانی قبول نہ کی۔ شیخ ابوطالب مہجیؒ اپنی تصوف کی مشہور و معروف کتاب قوت القلوب میں فرماتے ہیں مقرب وہ ہوتے ہیں جن کی نگاہ ازل کے فیصلے پر پڑھتی ہے۔ وہ ہمیشہ اس فکر میں رہتے ہیں کہ پتہ نہیں ہمارا حساب کیا ہوگا۔ بزرگان دین کی نگاہ ازل کے اس فیصلے پر ہوتی ہے، جب اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح کو دھڑکیوں میں بند کر کے فرمایا تھا ہذہ للجنة ولا ابالی فہذہ للنار ولا ابالی یعنی اس مہٹی والے لوگ جنت میں جائیں گے اور مجھے کچھ پروا نہیں اور یہ لوگ دوزخی ہیں، مجھے کچھ پروا نہیں۔ اللہ کے مقربین کو ہمیشہ یہ فکر لگی رہتی ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ الایمان بین الخوف والرجا ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے جب کسی شخص کا آخری وقت آتا ہے موت کا فرشتہ اس کے قریب آجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کرتا ہے کہ لے مولا کریم! یہ شخص اہل ایمان میں سے ہے یا اہل نار میں سے مجھے حکم دے کہ میں اس کی روح کو ایمان کے ساتھ قبض کروں یا کفر کے ساتھ، تو اللہ کے بندے اپنے آخری وقت کو یاد کر کے فکر مند رہتے ہیں کہ اللہ العالمین ہمیں معلوم نہیں کہ ہمارا خاتمہ کیسے ہوگا۔ یا اللہ! ہمیں ایمان کی موت عطا کرنا۔ غرضیکہ مقربین الہی وہ لوگ ہیں جن کی نگاہ ہمیشہ اپنے مالک کی طرف لگی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بھی فرمایا کہ آپ مقربین میں سے ہوں گے۔

حضرت مسیح علیہ السلام کے بعض اوصاف بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ

نے آپ کے بعض معجزات کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے **وَمَا كَلَّمَ**
الْمَنَاسِ فِي الْمَهْدِ وَكَلَّمَآبَ لَوُكُلٍ سَعَةَ كَلَامٍ كَمِيں گے گوارے
 میں (یا گود میں) اور اوصیر عمر میں۔ یہ بشارت تھی جو فرشتوں نے حضرت مریمؑ
 کو دی۔ اور پھر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔ تو یہ بشارت حرف
 بحرف پوری ہوئی۔ سورۃ مریم میں موجود ہے۔ کہ پیدائش کے پہلے ہی دن
 حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے باتیں کیں۔ جب حضرت مریمؑ نومولود نچے حضرت
 عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھا کر قوم کے پاس آئیں تو قوم نے سخت غصے کا اظہار کیا۔ اور
 کہا، اے ہارون کی بہن! تیرے والدین تو ایسے نہیں تھے، تو یہ بچہ کہاں سے لے
 آئی۔ تو حضرت مریمؑ نے بچے کی طرف اشارہ کیا۔ لوگوں نے کہا، گوارے یا گود میں
 پڑا بچہ ہمارے ساتھ کیسے بات کرتے گا۔ اس وقت عیسیٰ علیہ السلام نے بول کر
 کہا **اِنَّ اَبِي عِيسَى الَّذِي فِي الْمَهْدِ كَابْنِ عَمَلٍ هُوَ**۔ مجھے کتاب عطا کی گئی ہے اور نبی بنایا
 گیا ہوں۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ بعض
 دیگر بچوں نے بھی کم سنی میں کلام کیا ہے۔ حضرت جبریلؑ ایک نیک آدمی تھے
 ان پر تممت لگائی گئی۔ کہ وہ زنا کے مرتکب ہوئے ہیں۔ ایک فاحشہ عورت
 نے اپنے نومولود بچے کی نسبت ان کی طرف کی۔ لوگ آپ کو گھسیٹ کر
 عبادت خانے سے باہر لے آئے۔ آپ کو مارا پٹیا اور عبادت خانہ تباہ کر
 دیا۔ اِس اللہ کے بندے نے زندگی کی

آخری نماز پڑھی۔ اور پھر اس بچے کے پیٹ پر انگلی رکھ کر کہا کہ خدا کے حکم سے
 بتاؤ، تمہارا باپ کون ہے۔ اللہ نے اس بچے کو قوت گویائی دی اور اس
 نے بول کر کہا۔ کہ میرا باپ فلاں چرواہا ہے۔ یہ سن کر لوگ سخت پشیمان ہوئے
 کہ انہوں نے ایک نیک آدمی کو ناحق تکلیف دی ہے۔ کہنے لگے اگہ چاہو
 تو تمہارا عبادت خانہ، سونے اور چاندی سے تعمیر کر دیں۔ حضرت جبریلؑ نے

فرمایا۔ مجھے سوتے چاندی کے محل کی ضرورت نہیں۔ میرا مجھو نپڑاویا ہی مٹی سے بنا دو جیسے پہلے تھا۔ (بخاری مسلم)

قرآن پاک میں موجود ہے **وَشَهِدَ شَاهِدًا مِّنْ أَهْلِهَا** جب زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام پر ہمت لگائی، تو ایک چھوٹے بچے نے ہی آپ کی بہیت کی گواہی دی تھی۔ فرعون کی بیٹی کو کھنچی کرنے والی عورت مومنہ تھی۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور موسیٰ علیہ السلام کی رسالت پر ایمان تھا۔ جب کھنچی اس کے ہاتھ سے نیچے گر پڑی تو اس نے **بِسْمِ اللّٰهِ** کہہ کر دوبارہ اٹھائی۔ اس پر فرعون کی بیٹی بگڑ گئی۔ فرعون کو پتہ چلا کہ یہ لوگ میرے علاوہ کسی اور خدا کو بھی مانتے ہیں۔ تو اُسے تائبے کا ایک بہت بڑا گھڑا تیار کر لیا۔ اور پھر اس کو گرم کر کے خاندان کے سب افراد کو اس کے پیٹ میں ڈال دیا۔ چھوٹے بچے کی ماں اپنے بچے کو جلتا ہوا دیکھ کر سخت پریشان ہوئی۔ مگر اُس بچے کو اللہ نے قوت گویائی عطا فرمائی۔ اُس نے بول کر کہا، ماں! گھبراؤ نہیں۔ جس چیز کو تم آگ سمجھ رہی ہو، وہ تو باغ و بہار ہے۔ اؤ تم بھی اس آگ میں کود جاؤ تم حق پر ہو۔

قرآن پاک میں اصحاب الاخذود کا واقعہ بھی اسی نوعیت کا ہے۔ یہاں حضور علیہ السلام کی بعثت سے شتر حال قبل پیش آیا ہے۔ یمن کے بادشاہ ذونواس نے اہل ایمان کی سرکوبی کے لیے بڑے بڑے گڑھے کھدوائے ان میں خوب آگ جلائی اور پھر ہزاروں ایمان والوں کو اس آگ میں زندہ جلا دیا۔ سلم شریف کی روایت میں آتا ہے۔ کہ ایک ایماندار عورت لانی گئی جس کی گود میں بچہ بھی تھا۔ آگ کے شعلے دیکھ کر عورت کو ترس پیدا ہوا، تو اللہ تعالیٰ نے اُس کے بچے کو قوت گویائی دی اور وہ کہنے لگا **يَا اِحْمٰی اَصْبِرْ** یہی **اِنَّكَ عَلٰی الْحَقِّ** یعنی اے ماں! صبر کرنا، بلاشبہ تم حق پر ہو۔

بخاری شریف اور بعض دیگر احادیث میں ایک اور بچے کا واقعہ بھی آتا

ہے۔ ایک عورت اپنے بچے کو دودھ پلا رہی تھی۔ پاس سے کچھ لوگ گزئے، جو ایک عورت پر چوری اور بدکاری کا الزام لگا کر اُسے پٹیتے جا رہے تھے مگر وہ زبان سے یہی کہہ رہی تھی۔ حَسْبِيَ اللَّهُ۔ دودھ پلانے والی عورت نے اس محتوب عورت کی حالت نہ دیکھ کر اپنے بچے کے متعلق کہا، خدا تجھے ایسا نہ بنائے۔ بچہ فوراً دودھ چھوڑ کر بولا اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مُثْلَهَا لَعَلَّ اللَّهَ يَجْعَلِيهَا يَابِسًا۔ حقوڑی دیر بعد ایک بڑا مفرد اور سرکش آدمی گھوڑے پر سوار گزرا۔ ماں اُس سوار کی شان و شوکت دیکھ کر کہنے لگی۔ اے اللہ! میرے بچے کو بھی ایسا ہی بنائے۔ بچہ دودھ چھوڑ کر پھر بولا، یا اللہ! مجھے ایسا نہ بنانا، بہر حال تاریخ میں بعض دیکھ بچوں کے حالات بھی ملتے ہیں جنہوں نے کم سنی میں اسی طرح کلام کیا، جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیدائش کے پہلے ہی دن کلام کر کے اپنی ماں کی بہریت کی۔

حکیمانہ
کلام

بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں، کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن اور کھولت میں کلام کرنے سے مراد حکیمانہ کلام ہے۔ عمر کے دونوں حصوں میں آپ کا کلام حکمت سے لبریز ہو گا۔ چنانچہ بعض آثار میں آتا ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام بارہ سال کی عمر میں تبلیغ کرتے تھے۔ اور ایسی حکیمانہ باتیں کرتے تھے، کہ بڑے بڑے فلاسفر اور دانائے حیران رہ جاتے تھے۔ تفسیر بنیضاوی اور تفسیر روح المعانی میں حضرت سعید ابن مسیب اور حضرت زید بن اسلم جو تابعین میں سے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ مسیح علیہ السلام کو ۳۳ سال کی عمر میں آسمان پر اٹھایا گیا۔ آپ دو ستر آسمان پر ہیں۔ معراج والی حدیث میں موجود ہے۔ کہ دو ستر آسمان پر حضور علیہ السلام کی ملاقات حضرت سحبی علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام سے ہوئی۔ اور دوسری طرف یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ کہ سن کھولت چالیس سال کے بعد ہوتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام چالیس سال تک تو دنیا میں ٹھہرے ہی نہیں۔ پھر کھولت میں کلام کرنے سے کیا

مراد ہے۔ اسی لیے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کا بچپن میں کلام کرنا تو مکمل ہو گیا مگر آپ کا کولت یعنی ادھیڑ عمر میں کلام کرنا ابھی باقی ہے۔ اسکی تکمیل اس وقت ہوگی جب قرب قیامت میں آپ دوبارہ زمین پر آئیں گے، تو اس عمر میں بھی حکیمانہ کلام کریں گے۔ ایک نکتہ سے زیادہ احادیث موجود ہیں جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ آنے کا ذکر ہے۔ بخاری مسلم اور دیگر کتب میں یہ بھی ہے۔ کہ جب دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے، تو حکومت کریں گے۔ دنیا میں عدل و انصاف قائم کریں گے۔ چالیس سال یا کم و بیش کا عرصہ دنیا میں کھڑے رہیں گے۔ بعض روایات میں سات سال کا ذکر بھی ہے۔ اس عرصے میں آپ نکاح کریں گے، اولاد ہوگی۔ اور پھر طبعی وفات بھی ہوگی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے ساتھ ہی دفن ہوں گے ترمذی تشریف میں یہ حدیث موجود ہے جو درجہ حسن کی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعض معجزات کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا وَمِنَ الصَّالِحِينَ، یعنی عیسیٰ علیہ السلام صاحبین میں سے ہوں گے۔ صالح کا معنی نیکو کار ہے۔ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ صالح اس شخص کو کہتے ہیں۔ جو نیکی کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے حقوق ادا کرتا ہو۔ اور کسی کا حق ضائع نہ کرتا ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں یہ خوبی بدرجہ اتم موجود تھی۔ آپ اللہ کے اولوالعزم پیغمبر اور صاحب کتاب رسول ہیں۔ لہذا فرشتوں نے حضرت مریمؑ کو بشارت دیتے ہوئے یہ بھی کہا۔ کہ جس کلمۃ اللہ کی بشارت دی جا رہی ہے۔ وہ نیکو کاروں میں سے ہوگا۔ گذشتہ آیت کے آخر میں ذکر تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام مقررین میں سے ہوں گے اس آیت کے آخر میں فرمایا کہ وہ صاحبین میں سے ہوں گے۔

جب حضرت مریمؑ نے فرشتوں کی زبان سے بیٹے کی پیدائش کی بشارت سنی تو بہ مقتضائے بشریت گھبرائیں۔ بات ہی ایسی تھی۔ وہ ایک

ت حضرت مریمؑ کی پریشانی

عابدہ وزاہدہ دو شیرہ لڑکی ہے، نکاح ہوا نہیں، تو بچہ کیسے پیدا ہوگا۔ کیا نکاح ہوگا۔
 اگر نہیں ہوگا۔ تو بچہ کیسے۔ حضرت مریمؑ کو طرح طرح کے خیالات آنے لگے۔
 آخر پریشان ہو کر کہنے لگیں قَالَتْ رَبِّ اَلْبِسْ كَوْنِي وَكَلْبِي پروردگار!
 میرے ہاں بچہ کیسے ہوگا وَكَهَيْسَ سَكَنِي کبھی مجھے تو کسی آدمی نے ہاتھ
 نہیں لگایا۔ عادت اللہ تو یہ ہے۔ کہ مرد و زن کے ملاپ سے بچہ پیدا ہوتا ہے
 مگر نہ تو میرا نکاح ہوا ہے۔ نہ کسی ناجائز طریقے سے مرد کی قربت حاصل ہوئی
 ہے۔ تو بچہ کیسے پیدا ہوگا۔ فرشتوں نے جواب دیا قَالَ كَذَلِكَ اَللّٰهُ يَخْلُقُ
مَا يَشَاءُ اسی طرح اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے، جو چاہے۔ اس سے پہلے
 جب بیچی علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق بشارت کا ذکر آیا تھا۔ تو وہ وہاں فرمایا
كَذَلِكَ اَللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ یعنی اللہ تعالیٰ اسی طرح کرتا
 جس طرح چاہے۔ مگر یہاں یہ يَفْعَلُ کی بجائے يَخْلُقُ کا لفظ استعمال
 کیا ہے۔ فرق یہ ہے۔ کہ وہاں پہ لڑھے میاں بیوی سے بچہ پیدا کرنے کا مقصود
 تھا۔ جو کہ عام عادت کے خلاف ہے۔ مگر ممکن ہے۔ پچھلے دنوں اخبارات
 میں آیا کہ ہندوستان کے کسی علاقے میں سو سال کی عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوا
 اگرچہ یہ عام طور پر دشوار ہے مگر ناممکن نہیں۔ کیونکہ میاں بیوی دونوں موجود ہیں
 اگرچہ لڑھے ہو چکے ہیں۔ مگر علیہ السلام کی بشارت میں يَخْلُقُ کا لفظ
 اس لیے استعمال کیا۔ کہ یہاں پر باپ بھی موجود نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے
 بچہ پیدا ہوا۔ آگے آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ذکر بھی آرہا ہے۔ وہاں نہ ماں ہے
 نہ باپ ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے کلمہ کن کے ساتھ آدم علیہ السلام کی تخلیق
فَرَدَى - اِذْ قَضَىٰ اَمْرًا فَاِنَّهَا يَقُوْلُ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ جب
 وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو کہتا ہو جاتا تو وہ ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی
 کام کے کرنے کے لیے اسباب کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ اس کا حکم
 ہی کافی ہوتا ہے۔

فرمایا جس مسیح علیہ السلام کی بشارت دی جا رہی ہے۔ اس کی ایک صفت یہ بھی ہوگی۔ وَقِيلَ لِمَنْ أَكْتَبَ وَالْحِكْمَةَ اور اللہ تعالیٰ اُسے یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو کتاب اور حکمت سکھائیگا۔ ہم مفسرین کرام کتاب سے مراد کھننا لیتے ہیں اور حکمت سے واناہی۔ مگر بہت سے دور رس مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ کتاب سے مراد قرآن اور حکمت سے مراد سنت ہے۔ مسلم شریف میں امام ابن ابی ذئب کی روایت میں ہے کہ جب مسیح علیہ السلام دنیا میں دوبارہ نازل ہوں گے۔ تو وہ کتاب و سنت کے مطابق فیصلے کر سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو قرآن و سنت کا علم بھی بلا واسطہ دیں گے۔ آپ کسی استاذ سے نہ تفسیر پڑھیں گے اور نہ سنت سیکھیں گے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ یہ چیزیں خود سکھائیگا۔

وَالْتَوْرَةَ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو تورات کا علم بھی دیا۔ تورات کا معنی قانون ہے اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ فرعون کی غلامی سے نجات پانے کے بعد آپ کی امت نے درخواست کی کہ ہم غلامی کے قانون سے آزاد ہو چکے ہیں۔ اس لیے اب ہمارا اپنا قانون ہونا چاہیے، تو اس فرمائش کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے تورات نازل فرمائی۔

وَالْإِنْجِيلَ اور عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل کا علم بھی دیا گیا۔ انجیل کا لفظی معنی بشارت ہے۔ اور یہ کتاب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی اور آپ کو اس بات کا پابند بنایا کہ تم جہاں بھی جاؤ لوگوں کو خوشخبری سناؤ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِيهِمْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدٌ (سورہ صف) یعنی میں تم کو خوشخبری سنانے والا ہوں کہ میرے بعد ایک رسول آئے گا جس کا نام احمد ہوگا۔ سریانی زبان میں یہ نام قارقلیط ہے جو کہ اب عیسائیوں نے انجیل سے حذف کر دیا ہے۔ ان دونوں

الفاظ کا معنی ایک ہی ہے یعنی ستوہ جہاں تعزیریت والا نبی۔ وہ ایزوالا ہے اور اس کی شرعیعت اب تک رائج رہیگی۔ اس کے بعد کوئی نیاقانون اور شرعیعت نہیں آئیگی۔ اس لیے اس کا نام ہی انجیل رکھا۔ اس میں اخلاق حکمت اور نصیحت کی باتیں ہیں۔

تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

ال عمران ۳

درس شانزدهم ۱۶

آیت ۴۹ تا ۵۰

وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ
 بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ إِنِّي أَخْلَقْتُ لَكُمْ مِنَ الطِّينِ
 كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا
 بِإِذْنِ اللَّهِ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُجِي
 الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ وَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ
 وَمَا تَدْخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ
 لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿٤٩﴾ وَ
 مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ
 وَإِلْهًا لَّكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ
 بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۝٥٠

ترجمہ: پے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو نبی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گا (اور وہ
 ان سے کہے گا) بیشک میں لایا ہوں تمہارے پاس نشانی تمہارے رب کی طرف
 سے۔ (اور وہ یہ ہے) کہ میں بنا تا ہوں تمہارے سامنے گارے سے پرندے
 کی شکل کی طرح۔ پس میں پھونک مارتا ہوں اس میں، پس وہ ہوتا ہے اڑنے
 والا، اللہ کے حکم سے۔ اور میں اچھا کر دیتا ہوں ماورزاد اندھے کو اور برص
 والے کو۔ اور میں زندہ کرتا ہوں مردوں کو۔

کے حکم سے۔ اور میں بتلاتا ہوں تم کو جو تم کھاتے ہو اور جو تم ذبیحہ بنا کر رکھتے ہو، اپنے گھروں میں بیشک البتہ اس میں نشانی ہے تمہارے لیے، اگر تم ایماندار ہو (۶۹) اور میں تصدیق کرتے والا ہوں اس کی جو مجھ سے پہلے ہے تو رات۔ اور میں اس واسطے آیا ہوں کہ میں حلال کردوں تمہارے لیے بعض چیزیں جو تم پر حرام قرار دی گئی ہیں اور میں لایا ہوں تمہارے پاس نشانیاں تمہارے رب کی طرف سے۔ پس اللہ سے ڈرو۔ اور میری بات مانو (۷۰)

گذشتہ درس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق بشارت کا ذکر تھا۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے فرشتوں نے حضرت مریمؑ کو خوشخبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ جو کلمہ تجھ کو عطا کرے گا، اس کا نام مسیح ابن مریمؑ ہوگا۔ بڑی عزت والا اور دنیا و آخرت میں مقربین میں سے ہوگا۔ نیز یہ کہ وہ گود میں اور اوٹھیر عمر میں کلام کرے گا۔ اور نیچو کاروں میں سے ہوگا۔ حضرت مریمؑ نے تعجب کا اظہار کیا۔ کہ اس کے ہاں سچہ کیسے ہوگا جب کہ نہ اس نے نکاح کیا ہے۔ اور نہ وہ کسی لغزش کا شکار ہوئی ہے۔ بلکہ کسی مرد نے اس کو چھوا تک نہیں تو اللہ کی جانب سے ارشاد ہوا۔ کہ اس کے لیے بغیر باپ کے سچہ عطا کر دینا کچھ مشکل نہیں۔ وہ جو چاہے کس پاتا ہے۔ صرف اس کے حکم کی ضرورت ہوتی ہے کام ہو جاتا ہے۔ اس کے حکم کی تعمیل کے لیے اسباب و علل کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔ پھر یہ بھی فرمایا۔ کہ اس پیدا ہونے والے بچے کو اللہ تعالیٰ برہ رات کتاب و حکمت کی تعلیم دیگا۔ اور اُسے تو رات اور انجیل بھی سکھائیگا۔

رسول
نبی اسرائیل

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔ کہ جس کلمہ اللہ کی بشارت دی گئی ہے۔ اس کی حیثیت یہ ہوگی وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ اللہ تعالیٰ اُسے بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گا۔ نبوت اور رسالت اللہ تعالیٰ کے اعلیٰ ترین منصب ہیں جسے عطا ہو جائیں۔ یہ منصب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حصے میں بھی رکھ دیا کہ وہ رسول ہونگے۔ مگر

بنی اسرائیل کی طرف۔ آپ کی نبوت و رسالت تمام اقوام عالم کے لیے نہیں بلکہ صرف قوم بنی اسرائیل کے لیے ہے۔ یہ تو انجیل میں بھی موجود ہے۔ کہ ایک عورت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی۔ اور عرض کیا، حضرت! میں آپ سے فیض حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ آپ نے دریافت کیا، تو کس قبیلہ سے تعلق رکھتی ہے عرض کیا کنعان قبیلہ سے متعلق ہوں حضرت مسیح علیہ السلام نے اس عورت کی راہنمائی کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا، میں تو بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیسڑوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ اُس عورت نے بڑا اصرار کیا مگر آپ نے اس کی بات نہ مانی۔ جب وہ عورت چلی گئی تو آپ کے شاگردوں نے عرض کیا۔ کہ آپ نے اُس عورت کو کیسے محروم رکھا، فرمایا، میں تو بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیسڑوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ اس کے علاوہ یہ بھی آتا ہے کہ آپ نے فرمایا، کیا میں انسانوں کی غذا کتوں کے آگے ڈال دوں، انجیل میں موجود ہے۔ کہ اُس عورت نے پھر عرض کیا۔ کہ کتے بھی اللہ کی مخلوق ہیں۔ اور انہیں بھی فیاض لوگوں کی میز سے گھرے ہوئے ٹکڑے مل جاتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا، اے عورت! تیرا ایمان بڑا مضبوط ہے۔ الغرض عیسیٰ علیہ السلام نے صاف کہہ دیا کہ میں صرف بنی اسرائیل کی اصلاح کیلئے مبعوث ہوا ہوں۔ اسی لیے آجکل کے عیسائیوں کی دعوتِ عامہ غلط ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کے رسول ہیں۔

البتہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت تمام اقوام عالم کے لیے ہے۔ قرآن پاک میں موجود ہے۔ وَمَا آدَسَلْتُكَ اِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ كِبْرِيَاً وَنَذِيرًا ہم نے آپ کو تمام بنی نوع انسان کیلئے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ سورۃ اعراف میں اللہ تعالیٰ نے خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے کہلویا قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اِرْحَبْ دَسُوْا اللّٰهَ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا آپ کو دین کر اے دنیا جہان کے

کے لوگو! میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ آپ نے خود بھی فرمایا
 بُعِثْتُ إِلَى الْأَسْوَدِ وَالْأَحْمَرِ اللَّهُمَّ لِي فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ مِنْ نَبِيِّنَا
 رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ غرضیکہ آپ علیہ السلام کی نبوت عامہ ہے اور امت عام
 بنی نوع انسان کے علاوہ جن وغیرہ بھی اس میں شامل ہیں۔ حضور علیہ السلام سے
 قبل آپ کے جدا جدا حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی تمام اقوام کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے۔ ایسی
 تصریح قرآن پاک میں موجود ہے۔ "رَبِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَی
 فرمایا۔ میں تمہیں ساری دنیا کا امام بنانے والا ہوں۔"

فرمایا جس عظیم المرتبت رسول کی پیش گوئی کی جا رہی ہے۔ وہ آکر کے گا۔

الْحَقُّ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ
 تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں۔ نشانی سے مراد وہ معجزات
 ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء کو عطا کئے۔ حدیث
 شریف میں آتا ہے۔ کوئی نبی ایسا نہیں ہوا، جس کو اللہ تعالیٰ نے کوئی نہ کوئی
 نشانی نہ عطا کی ہو۔ معجزے عام بھی ہوتے ہیں اور خاص بھی۔ مادی بھی اور روحانی
 بھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، اللہ نے جو خاص معجزہ مجھے عطا فرمایا ہے۔
 وہ قرآن کریم ہے۔ اس لیے مجھے امید ہے۔ کہ قیامت کے دن میرے
 ماننے والے سب سے زیادہ ہوں گے۔ میرا یہ معجزہ دائمی ہے۔ اور ہمیشہ لوگوں
 کے درمیان موجود رہے گا۔ لوگ اس کو پڑھیں گے، اس پر ایمان لائیں گے۔
 ہدایت اختیار کریں گے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں میں شمار ہوں
 گے، یہ آپ کا زندہ معجزہ ہے۔ باقی معجزات وقتی نوعیت کے تھے، جو اپنے
 اپنے وقت تک ہی قائم رہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے معجزات لوگوں کے سامنے
 پیش کیے۔ سب سے پہلے معجزے کے متعلق فرمایا اِنِّیْ اَخْلَقْتُ
 لَكُمْ مِنَ الطِّیْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَانْفُخْ فِيْهِ

معجزات
 انبیاء

مصنوعی
 پتھر

میں تمہارے سامنے مٹی سے ایک پرندے کی شکل بناتا ہوں۔ پھر اس میں پھونک مارا ہوں۔ فیکوْنُ طَيْرًا يَا ذَنْ اللّٰهِ پس وہ اللہ کے حکم سے اڑنے لگتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ خاص معجزہ تھا۔ آپ مٹی کا پرندہ بناتے اس میں پھونک مارتے تو وہ پھر سے اڑ جاتا۔ اب ہماری شریعت میں کسی جاندار کی تصویر یا مجسمہ بنانا جائز نہیں ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا لَعْنُ اللّٰهِ الْمُصَوِّرِيْنَ تصویر کشی کرنے والوں پر خدا کی لعنت ہے۔ وہ اس کی رحمت سے دور ہیں۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا جس گھر میں تصویر اور کتا ہو، وہاں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ بہر حال عیسیٰ علیہ السلام نے تصویر سازی معجزہ کے طور پر کی۔

فرمایا میرا دوسرا معجزہ یہ ہے وَأَجْرِيْ اَنْ كَمَلَهُ وَالْاَبْسَاصُ بِسِ مَادِر زلزلہ اندھوں اور برص یا کوڑھ کے مریضوں کو اچھا کرنا ہوں۔ برص پھلہری یا جزام یہ بھی بولا جاتا ہے۔ یہ لاعلاج بیماریاں ہیں۔ یونانیوں کے زمانے سے لے کر آج تک حکما نے ان بیماریوں پر قابو پانے کی بڑی کوشش کی ہے مگر پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکے۔ جزام ایسی خطرناک بیماری ہے کہ اس کے مریض کے ہاتھ پاؤں کی انگلیاں اور ناک وغیرہ گل جاتے ہیں اور پھلہری کے داغ بھی جب پیدا ہو جائیں تو رفع نہیں ہوتے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بطور معجزہ ان مہلک بیماریوں کا علاج کرتے تھے۔ اُس زمانے میں طبابت کا بڑا چرچا تھا۔ بقراط اور جالینوس جیسے بڑے بڑے حکیم اسی زمانہ کے قریب گزرے ہیں۔ ایک سے ایک بڑا طبیب تھا۔ مگر مذکورہ بیماریاں لاعلاج تھیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے علاج کا دعویٰ کیا۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں میڈیکل سائنس نے بہت زیادہ ترقی کی ہے۔ خاص طور پر سرجری میں بڑی مہارت حاصل کی ہے۔ مگر پھر بھی لاتعداد کیس ایسے ہیں کہ بیماری کی سمجھ ہی نہیں آتی، علاج تو بعد کی بات ہے۔ بہر حال

شفائے
بیماران

یہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا کہ لا علاج بیماریوں کا علاج کرتے تھے۔

دراصل معجزہ کا مطلب ہی عاجزہ کر دینے والی نشانی ہے۔ یعنی ایسی چیز جس کا عام لوگ جواب پیش کرنے سے عاجزہ آجائیں۔ خود قرآن پاک نے اپنے آپ کو بطور معجزہ پیش کرتے ہوئے چیلنج کیا "إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّمَّنْ لَشَدِيدَةٍ أَلَمْ تَهْتَدُوا لَكُمْ فِي الْبُرْجَانِ الْبَاقِي" قرآن پاک کے کلام الہی ہونے میں کوئی شک ہے۔ تو اس جیسی ایک سورۃ ہی بنا کر لاؤ۔ مگر فصاحت و بلاغت کا کوئی ماہر اس چیلنج کو قبول نہ کر سکا۔ بلکہ سب عاجز آ گئے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں طبابت کا بڑا پیر چاہتا۔ مگر مذکورہ بیماریوں کے سامنے سب عاجز تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزہ سے زندگی سے مایوس مریضوں کو شفا ملنے لگی۔

احیائے موتی

اس سے بھی بڑھ کر آپ نے تیسرے معجزے کا اعلان کیا "وَإِذَا مَوْتَىٰ رِأَيْدُنَ اللّٰهِ فِي مَرْدُوٰلٍ كُوْزِنْدَه كَمَه تَاهُوٰلِ، اللّٰہ کے حکم سے۔ مفسرین کہہ رہے ہیں چار ایسے مردوں کا ذکر کیا ہے۔ جنہیں عیسیٰ علیہ السلام نے اللّٰہ کے حکم سے زندہ کیا۔ پہلا واقعہ آپ کے عازر نامی دوست کا تھا۔ جس کا گھر آپ سے کئی دن کی مسافت پر تھا، وہ سخت بیمار ہوا، تو اس کی بہن نے آکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اس کی حالت زار بیان کی۔ آپ دو تین دن کا سفر طے کر کے اس کے گاؤں پہنچے، تو دوست فوت ہو چکا تھا، اور اسے دفن کیا جا چکا تھا۔ آپ نے اس کی قبر پر جا کر کہا "رِأَيْدُنَ اللّٰهِ اللّٰہ کے حکم سے کھڑے ہو جاؤ۔ تو وہ مردہ زندہ ہو گیا۔ اچانک موتی کا دوسرا واقعہ ایک عورت کا بیٹا تھا۔ اُس عورت نے آپ کی بڑی منت سماجت کی۔ تو آپ نے اس کو زندہ کر دیا۔ اسی طرح ایک چچی والے کی مردہ بیٹی کو زندہ کیا۔ چوتھا واقعہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کا ہے۔ آپ نے اس کی قبر پر جا کر کہا "رِأَيْدُنَ اللّٰهِ" کہ تو گھبرائے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گئے

ان کا ادھا مسر سفید ہو چکا تھا۔ کہنے لگے، کیا قیامت برپا ہو گئی ہے۔ آپ نے
 نفی میں جواب دیا۔ اُس زمانے میں لوگوں کے بال سفید نہیں ہوتے تھے۔ یہ تو
 حضرت ابراہیم علیہ السلام سے سفید ہونا شروع ہوئے۔ گویا دنیا بکثیت مجموعی
 اُس وقت تک جوان تھی۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے بڑھاپا
 آنا شروع ہوا۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سام سے پوچھا تمہارے بال کیسے
 سفید ہو گئے۔ تو انہوں نے کہا، بزرخ میں دہشت کی وجہ سے۔ حضرت
 عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا، کیا دوبارہ اُسی حالت میں جانا پسند کرتے ہو انہوں
 نے کہا ہاں، بشرطیکہ مجھ پر سحرات موت کی تلخی دوبارہ وارد نہ ہو۔ چنانچہ وہ
 دوبارہ اُسی حالت پر چلے گئے۔ باقی تین مردوں کے متعلق مفسرین کہہ ام
 فرماتے ہیں، کہ انہوں نے کافی عرصہ دوبارہ زندگی گزار دی، بلکہ بعض کے ہاں
 اولاد بھی پیدا ہوئی۔ وہ پھر اپنے اپنے وقت میں ختم ہو گئے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ
 نے احیائے موتی کا معجزہ بھی مسیح علیہ السلام کو عطا فرمایا۔

خودک
 کی خبر

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس معجزے کا بھی تذکرہ کیا وَ اَنْبَاكَ مَوْتًا
بِمَا تَاكُلُوْنَ میں تم کو تیلانا ہوں جو کچھ تم گھر سے کھا کر آتے ہو مَاتَا تَاخْرُوْنَ
فِيْ بَيْوْتِكُمْ اور جو کچھ تم گھر میں ذخیرہ کر کے رکھتے ہو۔ کسی مجلس میں لوگ
 بیٹھے ہوتے تو عیسیٰ علیہ السلام بتاتے کہ فلاں شخص اپنے گھر سے یہ چیز کھا کر آیا ہے
 اور فلاں چیز اس کے گھر میں باقی رکھی ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ نے معجزہ عطا کیا تھا، اس کے
 علاوہ باقی چیزوں کی آپ خبر نہیں دیتے تھے فِيْ دَالِكِ لَا يَتَذَكَّرُ اَنْ كُنْتُمْ مَّوْمِنِيْنَ
 اس میں تمہارے لیے نشانیاں ہیں اگر تم یقین رکھتے ہو، یقین دہانی کے لیے اس قسم کے
 الفاظ قرآن پاک میں متعدد بار آئے ہیں کسی نبی کے ہاتھ پر کوئی خارق عادت فعل سرزد
 ہو تو معجزہ کہلاتا ہے۔ اور کسی ولی کے ہاتھ پر ہو تو کرامت کہلاتی ہے۔ تاہم
 یہ سب کچھ باذن اللہ یعنی اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔ کسی انسان، نبی، ولی کا
 اپنا اختیار نہیں ہوتا۔

معجزات
کا انکار

موجودہ زمانے کے بعض منکرین معجزات نے ایسی آیات کی عجیب و غریب تاویل کی ہیں۔ انہوں نے اس آیت میں مذکورہ پرندوں سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری لیے ہیں، جنہیں آپ نے تیزی سے جانے کا حکم دیا تھا۔ انہوں نے مادر زاد انڈھوں سے جاہل لوگ مراد لیے ہیں۔ ایسی طرح وہ کوڑھی سے گندے اور غلیظ لوگ مراد لیتے ہیں۔ پرویز جیسے منکرین نے کمال اٹلے معنی لئے ہیں۔ حالانکہ قرآن پاک میں معجزات کا صریح تذکرہ موجود ہے مثلاً پتھروں سے پانی نکالنا اور وطنی کا چٹان سے پیدا ہونا، عکسہ پد تیرنا وغیرہ۔ اس کے علاوہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے کئی ایک معجزات کا ذکر صریح الفاظ میں موجود ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے جلائی جانے والی آگ کا معجزہ بڑا واضح ہے۔ یہ تمام معجزات اہل ایمان کے ایمان کا حصہ ہیں اور ان سے انکار کی مجال نہیں۔ مگر کتنے ہی دہریے، نیچری، قادیانی، لاہوری، سر سید احمد خاں اور پرویز وغیرہم گمراہ لوگ ہیں۔ جو صریح معجزات کی یہودہ تاویل کرتے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ہی یقین نہیں کہ وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ ان منکرین نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بغیر باپ کے پیدائش کا بھی انکار کر دیا ہے۔ یہ کھڑکی باتیں ہیں۔ مومن کی شان یہ ہے۔

آمنا و صدقاً کہ کوئی چیز انسانی شعور میں نہ بھی آئے، تو اس پر ایمان لانا چاہیے۔ انکار نہیں کرنا چاہیے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ ہم ہر چیز کو عقل سے بھی سمجھ سکتے ہیں۔ اعلیٰ دماغ والے لوگ معجزات کی حقیقت سے آگاہ ہو سکتے ہیں مگر عام لوگوں کے سامنے ایسی چیزوں کا اظہار مناسب نہیں ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا وَمَصَدَّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيِّهِ مِنَ التَّوْرَةِ میں اپنے سے پہلے نازل ہونے والی کتاب تو رات کی تصدیق کرنے والا ہوں۔ مہربانی اپنے سے پہلی کتاب کی تصدیق کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جس نبی سے چاہیں کسی پہلے نازل شدہ حکم کو منسوخ کر دیں۔ اللہ تعالیٰ

نے حضرت مسیح علیہ السلام سے کہلوا یا کہ میں تو رات کا مصدق ہوں، اس کا
مخرف نہیں ہوں۔

فرمایا مجھے یہ فرض بھی سونپا گیا ہے۔ وَلَا حِلَّ لَكُمْ بِعَضِّ
الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ تَا کہ میں تمہارے لیے بعض وہ چیزیں حلال کر دوں
جو تم پر حرام کر دی گئی تھیں۔ مثال کے طور پر یہ بنی اسرائیل پر پھیلی، چھری اور بعض
دوسری چیزیں حرام تھیں۔ ان اشیاء کو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام
کے ذریعے حلال قرار دیا۔ یہ بات قابل وضاحت ہے کہ حلت و حرمت
کی نسبت جب نبی کی طرف ہوتی ہے۔ تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے۔ کہ نبی
حلت و حرمت کو ظاہر کرنے والا ہوتا ہے۔ وگرنہ کسی چیز کی حلت و حرمت
اللہ تعالیٰ کی صفات خاصہ میں سے ہے۔ نبی اپنی مرضی سے کسی چیز کو حلال
یا حرام قرار نہیں دیتا۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کے پاس اس بات
کا قطعی علم آ گیا ہے۔ کہ فلاں چیز حلال ہے یا حرام ہے۔ عیسائیوں نے اسی
مقام پر غلطی کی۔ جب یہ منصب انہوں نے اپنے پادریوں کو سونپ دیا تو اللہ
تعالیٰ نے اُسے شرک قرار دیا اَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ یہی تو ہے۔ کہ حلال و حرام
کے اختیارات اپنے پیر پادری یا مولویوں کے سپرد کر دیے جائیں۔ تو نبی کا
حلال و حرام ٹھہرانا دراصل اللہ کے احکام کا اعلان ہوتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا وَجِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّنْ
رَّبِّكُمْ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح نشانیاں لے
کہہ کیا ہوں۔ اس لیے میں تمہیں تعلیم دیتا ہوں فَاتَّقُوا اللّٰهَ اللہ سے ڈر جاؤ
وَاطِيعُونَ اور میری بات مانو، کیونکہ میں خدا کا رسول ہوں۔ اور اسی کا
حکم تم کو سناتا ہوں۔

اگلی آیت میں تمام اقوام اور ادیان کا بنیادی عقیدہ بیان کیا گیا ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

إِلِ عِمْرَانَ ۳

درس ہفتم ۱۷

آیت ۵۱ تا ۵۴

إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ
 مُسْتَقِيمٌ ﴿۵۱﴾ فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَى مِنْهُمُ
 الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ ط قَالَ
 الْحَوَارِيُّونَ حٰنَ أَنْصَارُ اللَّهِ ؕ آمَنَّا بِاللَّهِ وَأَشْهَدُ
 بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿۵۲﴾ رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا
 الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴿۵۳﴾ وَمَكَرُوا
 وَمَكَرَ اللَّهُ ط وَاللَّهُ خَيْرٌ الْمَكْرِينَ ﴿۵۴﴾

الْحَوَارِيُّونَ

ترجمہ :- بیشک اللہ تعالیٰ میرا پروردگار ہے اور تمہارا پروردگار ہے۔ پس اسی کی عبادت کرو۔ یہی سیدھی راہ ہے۔ ﴿۵۱﴾ پھر جب عیسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کی طرف سے کفر محسوس کیا، تو کہا کون میری مدد کرنے والا ہے، اللہ کی راہ میں حواریوں نے کہا ہم ہیں۔ اللہ کے مددگار۔ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں، اور تو بھی گواہ بن جا کہ بیشک ہم فرماؤ نبی کریم نے لائے ہیں ﴿۵۲﴾ حواریوں نے کہا ہاں ہمارے پروردگار! ہم ایمان لائے ہیں اس چیز پر جس کو تو نے نازل کیا ہے اور ہم نے رسول کی تابعداری کی ہے۔ پس لکھ لے ہم کو گواہی عینے والوں میں ﴿۵۳﴾ اور ان لوگوں نے مخفی تدبیر کی اور

اللہ نے بھی مخفی تدبیر کی، اور اللہ سب سے بہتر (پوشیدہ) تدبیر کرنے والا ہے ﴿۵۴﴾

گذشتہ درس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعض معجزات کا تذکرہ تھا جن کے متعلق آپ نے اپنے مخاطبین سے کہا کہ میں تمہارے پاس تمہارے بنیادی عقیدہ

رب کی طرف سے نشانیاں لے کر آیا ہوں، اس لیے میرا تم سے مطالبہ ہے۔
اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ قرآن پاک شاہد ہے۔ کہ جن انبیاء کا ذکر قرآن
میں موجود ہے۔ ان سب نے اپنی اپنی قوم سے یہی کہا کہ اے لوگو! اللہ سے ڈرو
اور میری اطاعت کرو۔ حضرت صالح، حضرت ہود، حضرت شعیب اور حضرت
لوط علیہم السلام کے واقعات سے یہی پتہ چلتا ہے۔ یہ بنیادی عقیدہ تخلیق آدم
سے لے کر ہر دور میں ہر امت میں پایا گیا ہے۔ اور انبیاء اسی عقیدے کی
تعلیم دیتے آئے ہیں۔ یہاں پر بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے اسی عقیدے
کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ بِيْتَا رَبِّكُمْ
اللہ ہی ہے۔ وہی خالق ہے، وہی مالک ہے اس لیے هَآءِجِدُوْهُ
عبادت بھی اسی کی کرو۔ یہ عقیدہ دین کی اساس ہے اور تمام انبیاء کی بنیادی
تعلیم ہی ہے۔ اسی سے عیسائیوں کے باطل عقیدہ کا بھی رتہ ہوتا ہے۔
جو عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا یا خود خدا مانتے ہیں، میرا اور تمہارا سب کا رب
تو ایک وحدہ لا شریک ہے۔ تم خواہ مخواہ مجھ میں ربوبیت کی صفت مانتے ہو۔
یہاں پر دو باتیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمائی ہیں۔ پہلی بات ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ
رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ امام بیضاوی فرماتے ہیں۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام اس بیان کے فریضے
سنجھنا یہ چاہتے ہیں۔ کہ دیکھو بھائی! ہم سب مخلوق ہیں۔ میرا اور تمہارا سب کا
رب ایک ہی ہے ہماری سب کی منزل بھی ایک ہی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی
ربوبیت اور الوہیت پر ایمان لانا۔ اور یاد رکھو! جب تک کسی شخص کا اعتقاد
برحق نہ ہو، اس کی قوت عقلی اور علمی کامل نہیں ہو سکتی۔ لہذا اس قوت کو کامل
بنانے کے لیے اعتقاد کی سچائی اور اس کی پختگی ضروری ہے۔ اور پھر اعتقاد
برحق کی آخری منزل اللہ تعالیٰ کی الوہیت پر کامل ایمان لانا ہے اگر عقیدے
میں شرک شامل ہو گیا، تو عقیدہ فاسد ہو جائیگا اور قوت علمیہ ضائع ہو جائے گی۔
اور انسان کو مطلوبہ کمال کبھی حاصل نہیں ہو سکے گا۔

اعتقاد
اور عمل

اہم صاحب فرماتے ہیں کہ اس آیت کرمیہ میں دوسری بات فاعبدو ہے۔ اور یہ چیز قوتِ عملیہ کی تکمیل کے لیے ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت کرے اس کے اوسر و لہر ہی پر عمل کرے۔ اس طرح اس کی قوتِ عملی بھی کمال کو پہنچ جائے گی۔ پھر جب قوتِ علمی اور قوتِ عملی دونوں اپنے معیار کو پہنچ جائیں گی تو فرمایا هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ یہی وہ سیدھا راستہ ہے جس کی طلب ہر مسلمان ہر نماز میں کرتا ہے اور کہتا ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ یہی وہ راستہ ہے جس کی تعلیم تمام انبیاء کرام دیتے آئے ہیں۔ هَذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ یہ اساسی اعتقاد ہے جس کو چھوڑ کر یہودی گمراہ ہو گئے۔ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ و برباد کر دیا۔ یہ خلافت اس کے عیسائیوں نے اللہ کے بندے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الہمیت کے درجے تک پہنچایا۔ وہ بھی صراطِ مستقیم سے بھٹک گئے۔ اور ناکام ہوئے۔ جب تک یہ اساسی عقیدہ درست نہیں ہوگا کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔

فرمایا قَلَمًا أَحْسَنَ عَيْسَىٰ مِنْهُمْ انکفد جب عیسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کی طرف سے کفر محسوس کیا۔ یہ لوگ آپ کے سخت مخالف تھے۔ آپ کو طرح طرح سے تکالیف پہنچاتے تھے۔ جب ان کی عداوت حد سے بڑھ گئی تو آپ نے فرمایا قَالَ هَٰذَا نَصَارٌ يَحْرَمُونَ اللہ کون ہے جو میری مدد کرے اللہ کی راہ میں بعض فرماتے ہیں کہ چونکہ یہودیوں نے عیسیٰ کی بات نہ مانی، اس لیے آپ نے غیر تہی اسلحہ کے لوگوں سے خطاب کیا۔ کہ مطلقاً میری مدد کرنے والا کون ہے۔ اس موقع پر قَالَ الْحَوَارِيُّونَ حواریوں نے کہا يَا عِيسَىٰ اللَّهُ هُمُ اللَّهُ ہم اللہ کے مددگار ہیں۔

حواری وہ مخلص لوگ ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے۔ جو سفیدی کو کہتے ہیں یعنی وہ چیز جو خالص ہو۔ یہ لوگ بھی چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کے

ساتھ مخلص تھے، اس لیے ان کو حواری کہا گیا ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ لوگ دھوبی تھے اور کپڑے دھویا کرتے تھے۔ ان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گنہ نہ ہوا، تو پوچھا کیا کرتے ہو، عرض کیا ہم کپڑوں کو میل کچیل سے صاف کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم کپڑوں کو صاف کرتے ہو، آؤ! میں تمہیں لوگوں کی صفائی کا راز بتاؤں۔ وہ لوگ آپ کے معتقد ہو گئے۔ اور آپ کی مدد کرنے لگے۔ یہ بات جتنی ظہور پر نہیں کہی جا سکتی کہ وہ بنی اسرائیل سے تھے یا غیر بنی اسرائیل سے۔ تاہم زیادہ قریب قیاس یہی ہے کہ یہ لوگ بنی اسرائیل میں سے تھے۔ اور تعداد میں بائیس تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام انہیں مختلف مقامات پر تبلیغ کے لیے بھیجتے اور یہ اللہ کا پیغام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منشاء کے مطابق لوگوں تک پہنچاتے۔ بہر حال حواری مخلص دوست پر بولا جاتا ہے۔ اور حواری معنی سفید اس لیے کہ ان کے دل پاک اور سفید تھے۔ توحید سے لبریز تھے اور ہر قسم کی کدورت سے پاک تھے۔

سیدنا شریفین میں آتا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا لَکُلِّ سَبِيٍّ حَوَارِيٍّ بِرَبِّيْ مَا كُوْنِيْ مَخْلَصٌ دَوَسْتُ اَوْ سَاخَتْ اَوْ اُكْرِهَتْ اَوْ اُجْرَتْ۔ اور میرا حواری زبیرؓ ہے، جو آپ کے پھوپھی زاد اور مشرکہ و مشرکین سے تھے، بڑے با در تجاہد تھے اللہ تعالیٰ نے اتنا صلہ اور قوت ایمان دی تھی کہ جنگ یرموک میں لاکھوں مشرکوں کی صفوں میں تنہا گھس گئے۔ بخاری شریفین کی روایت میں آتا ہے کہ حضرت زبیرؓ نے اپنے بیٹے عروہ سے کہا، میرے جسم میں ایک انچ جگہ بھی ایسی نہیں جہاں تیرا تلوار کا زخم نہ آیا ہو۔ ایک دفعہ نیزہ آپ کے کندھے سے پار ہو گیا تھا۔ زخم پوری طرح بھرا نہیں تھا۔ بلکہ کندھے میں سوراخ بن گیا تھا۔ عروہ اس میں ہاتھ ڈال کر کھینلا کرتے تھے۔ بہر حال حضور علیہ السلام نے حضرت زبیرؓ کو اپنا حواری بتایا۔ الغرض جواریوں نے کہا کہ ہم اللہ کے مددگار ہیں، یعنی ہم اللہ کے فریب کے مددگار ہیں کیونکہ خود اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اَنْ تَنْصُرُوْا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ

جو اللہ کے دین کی مدد کرتا ہے، اللہ اس کی مدد کرتا ہے۔ اللہ کو اپنی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ تو عننی ہے اور وہ خود ہر ایک کا مددگار ہے۔ اللہ کی مدد سے ملو اللہ کے دین، اسکی کتاب، اس کے نبی، اسکی شریعت اور عقیدہ حق کی مدد ہے، اللہ کے دین کی اشاعت کے لیے تن من دھن کی بازی لگانا ہی اللہ کی مدد ہے۔

حارلوں نے اپنے اس دعوے کی تائید میں کہ ہم اللہ کے مددگار ہیں، یہ بھی کہا اَمَّا بِاللّٰهِ ہم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لائے وَاشْهَدُ بِاَنَّ مُسْلِمُوْنَ آپ بھی گواہ بن جائیں کہ ہم خدا تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنے والے ہیں۔ اس طرح حارلوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے ایمان کا گواہ بنا لیا۔

حارلوں
کی دُعا

عیسیٰ علیہ السلام کے حارلوں نے اللہ رب العزت کے حضور دُعا بھی کی۔ رَبَّنَا اَمَّا بِمَا اتَّخَذَتْ اَے ہمارے پروردگار! بیشک ہم ایمان لائے ہیں۔ اس چیز کے ساتھ جو تو نے نازل کی ہے یعنی کتاب وَاتَّبِعْنَا الرَّسُوْلَ اور ہم نے رسول (عیسیٰ علیہ السلام) کی پیروی کی ہے فَاکْتَبْنَا مَعَ الشَّهِدِيْنَ لَٰكِنَّا هِمَّ لِقَوْمٍ مُّسِيْئِيْنَ وَالْوَالِيْنَ يَنْظُرُوْنَ ۗ لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ اَنَّكَ تَنْزِلُ عَلَيْنَا لَآ اَخَذْنَا مِنْكَ لَهْفًا وَاَنْتَ عَلِيمٌ بِالْمُؤْمِنِيْنَ۔ گو یا کتاب سنت کے ساتھ اپنا تعلق محکم کرنے کے بعد اللہ کے ہاں اپنے ایمان کی جسطوری کر رہے ہیں۔ تاکہ قیامت کے دن اپنے ایمان کا پورا پورا بدلہ پاسکیں۔ یہ ہے وہ نقشہ جو قرآن پاک نے حارلوں کا کھینچا ہے۔ البتہ انجیل میں ان حارلوں کا بالکل معکوس نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ اس سے تو حارلوں کا ایمان بھی ثابت نہیں ہوتا۔ یہ حارلوں کا قصور نہیں، بلکہ ان یہودیوں کی تحریف کا نتیجہ ہے، جن کے ہاتھ میں تورات اور انجیل رہی۔ یہ دونوں کتابیں تحریفات سے پر ہیں۔ خود عیسائی پادروں کا بیان ہے کہ انجیل میں تین ہزار غلطیاں موجود ہیں۔ تحریف شدہ تورات میں انبیاء سے بڑی غلط باتیں منسوب کی گئی ہیں، حتیٰ کہ کفر و شرک اور بے حیائی

تک اُن سے منسوب ہے فِي رَفِوَانِ الْكَلْبِ عَنْ مَوَاضِعِهِ
 یہ لوگ بائبل کے ہر ایڈیشن میں کوئی نہ کوئی تبدیلی کرتے رہے ہیں۔ اس طرح انہوں
 نے خدا کی کتابوں میں رد و بدل کر دیا ہے۔ خود ان کی اپنی ذہنیت بگاڑ چکی ہے
 معتمد اور سازشی ذہن رکھتے ہیں اور ہمیشہ بنی نوع انسان کی برائی کی تدبیریں سوچنے
 والے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں۔ کہ تمام لوگ اُن کے دائم فریب میں پھنس جائیں۔
 اور پھر وہ انہیں جس طرح چاہیں گمراہ کرتے رہیں۔ یہ کلمہ سبخت ایسی ایسی سبکیں
 یہودیوں تیار کرتے ہیں۔ جن کے نتائج سینکڑوں بلکہ ہزاروں سال بعد سامنے آئیں۔
 شام و فلسطین کے یہودی شاہ روم کی عمل داری میں تھے تاہم انہیں متعام طور
 پر کچھ آزادی بھی حاصل تھی بالکل ایسے ہی جیسے کسی وفاق میں صوبوں کو صوبائی معاملات
 میں سے خود مختاری ہوتی ہے۔ علیہ السلام ان بدبختوں کی برائیوں کی نشاندہی
 کرتے تھے، جس کی وجہ سے یہ اُن کے مخالف تھے، آپ کو گالیاں دیتے، پتھر
 مارتے، آپ کے خلاف غلط پراپیگنڈا کرتے، اُن کے خلاف سازشیں کرتے بغرض
 آپ کی ایذا رسانی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے کہ یہ شخص تورات
 کا انکار کر کے دین کو بگاڑ رہا ہے۔ آپ پر محمد ہونے کا الزام لگایا گیا اور آپ کے
 لیے سزائے موت کا مطالبہ کیا گیا۔ بہر حال انہوں نے ایک متعجب تدبیر کی۔ کہ علیہ
 کو عدالت میں پیش کر کے آپ کو سزائے موت دلائیں۔ اس ضمن میں آپ
 کو ایک مکان میں بند کر دیا گیا، تاکہ آپ اُن کی گرفت سے بچل نہ سکیں۔ آپ کے
 خلاف اسی سازش کا تذکرہ کرتے ہوئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَا كَفَرَ
 اور امتوں نے خفیہ تدبیر کی۔ بعض اوقات لفظ مکہ سے غلط فہمی ہوتی ہے۔
 اردو اور پنجابی میں مکہ سے مراد فریب اور دھوکا ہے۔ جب کہ عربی زبان میں
 یہ لفظ خفیہ تدبیر کے لیے بولا جاتا ہے۔ بہر حال یہودیوں نے خفیہ تدبیر کی، کہ
 کسی طرح حضرت علیہ السلام کو قتل کر دیا جائے۔ اور اُدھر اللہ تعالیٰ آپ کی
 حفاظت کرنا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسی منہ کے متعلق فرمایا وَمَا كَفَرَ

اور اللہ نے بھی ختمیہ تدبیر کی۔ وہ اپنے بندے کو یہودیوں کے ناپاک ہاتھوں سے محفوظ کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس طرح آسمانوں پر اٹھالیا اُس کا ذکر آگے آئیگا۔ فرمایا وَاللّٰهُ خَيْرٌ اَلْمُكْرِمِيْنَ اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔ یہ مشہور مقولہ ہے۔ کہ جو اپنے بھائی کے لیے کتواں کھودتا ہے۔ (چاہے کندہ راجاہ درپیش) وہ خود اُسی میں گمراہ ہے۔ جو کسی کے لیے بُری تدبیر کرتا ہے، وہ خود اُس کا شکار ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر کامیاب ہوئی۔ اللہ نے انیس دہاں سے صحیح سلامت نکال لیا۔ اور یہودی اپنی سازش میں کامیاب نہ ہو سکے۔ آگے آپ کے آسمان پر اٹھائے جانے کی تفصیلات آئیں گی۔

تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

الْاَعْمُرَانِ ۳

آیت ۵۷ تا ۵۸

درس ہفتدہم ۱۸

اذْ قَالَ اللَّهُ يٰعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ سُبِّحْتَ مِنَ الْمَكْفُرِينَ ۝۵۷
 وَمَنْ مَّجَّاهِدٌ مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ وَجَاعِلُ الَّذِينَ
 اتَّبَعُوا فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ
 ثُمَّ إِلَىٰ مَرْجِعِكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا
 كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝۵۸ فَاَمَّا الَّذِينَ
 كَفَرُوا فَأَعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي
 الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَمَالَهُمْ مِّن تَصْرِيحٍ ۝۵۹
 اَمَّا الَّذِينَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيهِمْ
 اٰجورَهُمْ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۶۰

ترجمہ: اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے عیسیٰ! بیشک میں تجھ کو قبض کرنے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور پاک کرنے والا ہوں، ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا۔ اور میں بنانے والا ہوں تیرا اتباع کرنے والوں کو اور پر ان لوگوں کے جنہوں نے کفر کیا قیامت کے قریب تک، پھر میری طرف ہی تم سب کا لوٹ کر آنا ہوگا۔ پھر میں فیصلہ کروں گا تمہارے درمیان ان باتوں میں جن میں تم اختلاف کرتے تھے ۝۵۸ پس بہر حال وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، پس میں ان کو سزا دوں گا۔ سخت سزا دینا دنیا اور آخرت میں، اور ان کا کوئی بھی مددگار نہیں ہوگا ۝۵۹ اور وہ لوگ جو ایمان لائے۔ اور جنہوں نے اچھے کام کیے۔ پس وہ اللہ تعالیٰ، پورا پورا دے گا

ان کو ان کا بدلہ اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ﴿۵۷﴾
 گذشتہ درس میں ان سازشوں کا ذکر تھا، جو یہودیوں نے حضرت عیسیٰ
 علیہ السلام کو نقصان پہنچانے کے لیے کیں۔ انہوں نے آپ کو قتل کروانے
 کے لیے بادشاہ وقت کے کان بھرنے کہ یہ شخص تو رات کو بدلنا چاہتا ہے
 یہ لوگوں کو بے دین بنا دیکر ان کے سزا ملنی چاہیے۔ اسپر اللہ تعالیٰ نے فرمایا
 کہ انہوں نے بھی محضی تدبیریں کیں اور اللہ نے بھی تدبیر کی۔ اور اللہ ہی سب سے
 بہتر تدبیر کرنے والے ہیں وہ یہودیوں کی سازش کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے
 بلکہ خود اپنی نشانہ کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حفاظت کریں گے۔

امام ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔ کہ یہودیوں کی سازش کے تحت فَبَعَثَ فِي
 طَلَبِهِ أَنْ يَأْتِيَهُ وَيَصْلُبَهُ وَيَكْفُرُ بِهِ بِأَدْنَىٰ مَا دِيَاكَ
 عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کر کے لایا جائے۔ انہیں سولی پر لٹکایا جائے۔ اور
 انہیں عبرتناک سزا دی جائے تاکہ آئندہ کوئی اس قسم کی جرأت نہ کر سکے۔ اس
 کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اذْ قَالَ اللَّهُ لِيَعِيسَىٰ وَهُوَ وَاقِعٌ قَابِلٌ ذِكْرُهُ
 جب اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا اِنِّي مَتَوَقِّئُكَ مِنْ شَيْءٍ كُو
 قبض کرنے والا ہوں۔

عربی لغت میں تَوَقَّيْتُ وَتَوَقَّيْتُ كَمَا حَسِبْتَ اِسْتَوَقَّيْتُ اِسْتَوَقَّيْتُ اِسْتَوَقَّيْتُ
 یعنی کسی چیز کا مکمل طور پر وصول کر لینا ہے۔ کسی چیز کو قبض کر لینا مراد ہوتا ہے
 چنانچہ شیخ الحداد اس آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں "جب وقت اللہ تعالیٰ نے
 کہا اے عیسیٰ علیہ السلام! میں نے لوں گا تجھ کو اور اٹھائوں گا تجھ کو اپنی طرف
 جو کہ بالکل صحیح ترجمہ ہے۔ البتہ مجازی طور پر اس کا اطلاق موت اور نیند پر بھی
 ہوتا ہے جیسے فرمایا اللَّهُ يَتَوَقَّيْتُ الْاِنْفُسَ حَيِّنَ مَوْتِهَا اللہ تعالیٰ
 موت کے وقت نفسوں کو قبض کر لیتا ہے۔ وَاللَّيْلِ كَفَرْتُمْ
 فی ممتا مہا اور جو نیند کے وقت نہیں مرتی اس کو چھوڑ دیتا ہے۔ گویا تَوَقَّيْتُ

کا لفظ نیند کے لیے بھی استعمال ہو گیا۔ وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ بِاللَّيْلِ وَاللَّيْلَةُ رَاتٌ كَمَا تَهَارَى رُوحُونَ كَمَا تَقْبِضُ كَمَا لَيْتَابٌ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهْبِ كَارٍ أَوَّلُ اللَّهُ جَانِتَابٌ بِهٖ جَوْهَرٌ دَرِّينٌ مِّنْ كَامٍ كَرْتَهٗ بِهٖ۔ اس طرح توفیٰ کے کے تین معنی ہو گئے۔ اصل معنی وصول کرنا اور مجازی معنی اموت اور نیند ہو گیا۔ تو بعض اس کا مجازی معنی کرتے ہیں۔ اور پھر اس سے یہ اخذ کرتے

ہیں۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بالفرض اگر توفیٰ کا معنی اموت بھی لیا جائے۔ تو پھر مَتَوَفَّيْكَ وَرَافِعَاتِ اِنِّیْ مِّنْ تَقْدِیْمِ تَاخِیْرٍ مَا تَمَّی بَطِیْجِی۔ یعنی عمل کے لحاظ سے رَافِعَاتِ اِنِّیْ پہلے ہو گا اور مَتَوَفَّيْكَ کا عمل بعد میں۔ اس طرح معنی یہ ہو گا۔ کہ اے عیسیٰ علیہ السلام میں (اس وقت) تجھ کو اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور پھر (اپنے وقت پر) موت دینے والا ہوں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ توفیٰ کا معنی اموت کرتے ہیں۔ مگر ان سے یہ روایت بھی صحیحاً منقول ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اَکْمَرُ یَحْمَدُ عِیْسٰی یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو موت نہیں آئی۔ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنی طرف اٹھایا ہے۔ آپ قیامت کے قریب دوبارہ نزول کریں گے۔ اور زمین کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دیں گے۔ جیسے وہ اس سے پہلے ظلم اور نا انصافی سے پُر ہو گی! البودلؤذ شریف کی روایت میں یہ بھی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ نزول کے بعد چالیس سال تک زمین پر حکومت کریں گے بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ نکاح بھی کریں گے۔ بچے پیدا ہوں گے۔ پھر آپ کی وفات کا ذکر بھی ہے۔ ترمذی شریف کی روایت میں ہے۔ کہ جب عیسیٰ علیہ السلام وفات پائیں گے تو میرے پاس ہی دفن ہوں گے۔ چنانچہ حجرہ مبارک میں چوتھی قبر کی جگہ اب بھی موجود ہے۔ اس وقت دلائل یہ تین قبریں ہیں یعنی حضور علیہ السلام حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ۔ چوتھی قبر عیسیٰ علیہ السلام کی بنے گی۔ ان احادیث کے علاوہ اگلی سورۃ ناس میں "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" کے

صرتک الفاظ موجود ہیں، جس کا معنی یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے وفات نہیں پائی بلکہ اللہ نے آپ کو اپنی طرف اٹھالیا۔ اور وہ دوبارہ نازل ہوں گے۔

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں۔ کہ حیات مسیح علیہ السلام کے بارے میں روایات اس کثرت سے ہیں۔ کہ وہ تو اترے گا درجہ رکھتی ہیں۔ تو اترے چار قسم کا ہوتا ہے یعنی لفظی، معنوی، طبقہ اور قوارہ۔ اور یہ چاروں درجات ان احادیث میں پائے جاتے ہیں۔ جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ نزول کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔ غرضیکہ تو اترنے کے راوی اتنی کثرت سے ہوتے ہیں۔ کہ آدمی کی عقل تصور نہیں کرتی کہ اتنے آدمی جھوٹ بول سکتے ہیں۔

ابن حزم ظاہریؒ لکھتے ہیں لَمَ يَشُدُّ فِي كَهْنِهِ اِنْشَانٌ يَعْنِي اَبٌ كُوْدُو اَدْمِي مَعْنِي اَيْسِي نَبِيْسٌ مَلِيْسٌ كَغِي، جنہیں ایسے شخص کے کفر میں شک ہو، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور آپ کے دوبارہ نزول پر یقین نہ رکھتا ہو۔ یعنی پوری امت کے علمائے دین میں سے کوئی بھی اس معاملہ میں متردد نہیں ہے۔

اس مسئلہ کا ایک دوسرا طریقہ سے تجزیہ بھی ضروری ہے۔ کہ ایک منظر کے لیے فرض کر لیا جائے کہ متوفی کا معنی موت دینا ہے۔ تو پھر گذشتہ آیت کی تخریب لازم آئے گی۔ گذشتہ آیت میں گنہگار چکا ہے۔ کہ مخالفوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے کی تدبیر کی۔ اور اُدھر اللہ تعالیٰ نے انہیں سچانے کی تدبیر کی۔ اگر مخالفین آپ کی جان لینے میں کامیاب ہو گئے تو پھر وَاللّٰهُ خَيْرٌ الْمَلِكِيْنَ کا کیا معنی نکلا۔ اس سے مراد تو یہ ہے کہ اللہ کی تدبیر کامیاب ہوئی۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کو سچا لیا گیا۔ اور اگر ان کو موت ہی ملے دی گئی، تو پھر اللہ تعالیٰ اور مخالفوں کی تدبیر ایک ہی ہوئی اور یہ بات قطعاً درست نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تدبیر کی کامیابی کا اعلان کیا ہے، جو حیات مسیح پر قطعی دلیل ہے۔

قادیانیوں کی
غلط تاویل

توفی کے لفظ سے قادیانیوں نے بڑا غلط مفہوم لیا ہے۔ وہ اس کا معنی
موت کرتے ہیں۔ اور پھر اس دعویٰ کی دلیل میں سورۃ مائدہ کی یہ آیت بھی پیش
کرتے ہیں "فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَعْيُنُهُمْ
اللَّهُ تَعَالَى سَمِعَتْهُمِ كُلًّا" اے مولا کریم، جب تو نے مجھے فوت کر دیا۔

موت مے دی، تو تو ہی اُن پر ننگہ ان تھا۔ مرزائی پھر اس سے یہ دلیل پھرتے
ہیں کہ چونکہ علی علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں، اس لیے اُن کے دوبارہ نازل
ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ قرآن پاک
کی بہت سی آیات کے علاوہ حضور علیہ السلام کی احادیث بکثرت موجود ہیں،
جن میں مسیح علیہ السلام کے دوبارہ نازل ہونے کا ذکر ہے، تو کہتے ہیں کہ ان
احادیث کی رو سے دوبارہ آنے والے مسیح ابن مریم نہیں ہوگا بلکہ منیل مسیح
یعنی اس کے مشابہ ہوگا۔ اور وہ مرزا غلام احمد قادیانی ہے جس کے متعلق
روایات میں آتا ہے کہ وہ دنیا میں ہدایت کا سامان پیدا کرے گا۔ لہذا مسیح موجود
آچکا ہے۔ اب کسی مسیح کا انتظار نہیں ہے۔ یہ ہے وہ بنیادی مسئلہ جس
پر قادیانی گزشتہ تقریباً سو سال سے جھگڑا کر رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے
کہ اُن کا یہ دعویٰ صریحاً کھڑے ہے۔

مسئلہ ختم نبوت

علمائے امت نے اس مسئلہ میں قادیانیوں کا ہر طرح سے رد کیا ہے
بڑے بڑے مناظرے ہوئے اور کتابیں لکھی گئی ہیں۔ مولانا سید انور شاہ عثمانی
جو بیس سال تک مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث رہے ہیں انہوں
نے ختم نبوت پر فارسی زبان میں بہت عمدہ کتاب لکھی ہے۔ آپ کا مسلم
چونکہ زیادہ عمیق تھا اس لیے کتاب ذرا مشکل ہے، مگر قادیانیوں کا بڑے
اچھے طریقے سے رد کیا ہے۔ اس کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ ذرا محنت
کر کے پڑھنے والے اس کتاب سے خوب فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ آپ نے
حباب مسیح پر بھی عربی میں دو کتابیں لکھی ہیں اور ان میں مسئلہ کی پوری تحقیق

کے ساتھ وضاحت کی ہے۔ مفتی محمد شفیعؒ نے اپنی کتاب میں مسیح علیہ السلام کے دوبارہ نزدول کے متعلق ایک سوادِ ثبوت کا ذکر کیا ہے۔ جو نواز نے ذکر کر رہی کی ہیں۔ عربی زبان میں یہ نہایت عمدہ کتاب ہے۔ جو دمشق میں طبع ہوئی۔

موجودہ زمانے کے علمائے کرام میں سے مولانا ابوالحسن علی ندوی نے عربی زبان میں القادیانیا لکھی ہے۔ جس سے مشرق وسطیٰ میں اس مسئلہ کو سمجھنے میں بڑی مدد ملی ہے۔ اس کے علاوہ بھی مختلف اوقات میں علمائے امت نے چھوٹی بڑی بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ جن میں قادیانیت کا رد کیا گیا ہے۔

حق باطل

اس وقت مسیح علیہ السلام کے متعلق دنیا میں تین مذاہب پائے جاتے ہیں یہود، نصاریٰ اور اہل حق، یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا گیا۔ آگے سورۃ نسا میں اس کا مفصل ذکر آیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے تردید کی کہ عیسیٰ علیہ السلام کو نہ قتل کیا گیا اور نہ سولی دی گئی۔ لہذا یہودیوں کا عقیدہ باطل ٹھہرا۔ نصاریٰ کا عقیدہ یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام کو سولی پر چڑھا دیا گیا اور وہ سات گھنٹے تک مردہ رہا۔ اس کے بعد زندہ ہو کر آسمان پر چلے گئے۔ یہ بھی باطل عقیدہ ہے۔ تیسرا عقیدہ اہل حق کا ہے، ”وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ“ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو نہ قتل کرنے میں کامیاب ہو سکے اور نہ سولی دینے میں کامیاب ہوئے۔ اور نہ ہی ان کی طبعی موت واقع ہوئی ”بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ“ بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں صحیح سلامت یا عزت اپنی طرف اٹھایا۔ تو اس آیت میں بھی یہی بات ہے ”مَنْ مَاتَ مَاتَ فِيكُمْ“ میں سمجھے اپنے وقت پر فوت کروں گا۔ سردست میں سمجھ کر ”رَفَعْنَا رُوحَكَ“ اپنی طرف اٹھانے والا ہوں یہ بشارت اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی زندگی میں ہی سنائی جس کا تذکرہ حضور علیہ السلام سے کیا جا رہا ہے۔

اس کے بعد فرمایا ”وَصَطَّحْتُكَ“ عیسیٰ علیہ السلام، اب میں تجھ کو پاک کرنے والا ہوں ”مَنْ الَّذِينَ كَفَرُوا“ ان لوگوں سے جنہوں نے

کفر کیا۔ یعنی کافروں کے ناپاک ہاتھ سچے تک نہیں پہنچ پائیں گے۔ چنانچہ روایا میں آتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے والے آئے۔ آپ کے ساتھی، اُدھر اُدھر بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ آپ جس مکان میں محصور تھے۔ دشمنوں نے ایک شخص کو اس مکان کے اندر بھیجا تاکہ وہ آپ کو گرفتار کر کے مکہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے عیسیٰ علیہ السلام کو اس مکان کے روشندان کے راستے اٹھوایا۔ اور جو آدمی پکڑنے گیا تھا اُس پر مسیح علیہ السلام کی شبیہ ڈال دی وہ شخص کافی دیر تک تلاش کرنے کے بعد جب خود باہر نکلا تو لوگوں نے اُسے ہی مسیح سمجھ لیا اور پکڑ کر لے گئے۔ اُس نے بڑا شور مچایا کہ وہ مسیح نہیں ہے مگر اس کی بات کون سُننا تھا۔ وَلٰكِنْ شَبَّهَ لَهُمْ ذٰكَ كَايِهِي مُطَلَبُ هِيَ كَمَا اَنَّ پَرَشَبَهُ اُذَالَ دِيَا كِيَا اور وہ اپنے ہی آدمی کو مسیح سمجھ بیٹھے اور اُسے سولی پر چڑھا دیا۔

عیسیٰ علیہ السلام کی ذاتی حفاظت کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ بشارت بھی سنائی۔ وَجَاعِلُ الْكَافِرِينَ اتَّبِعُوا فَوْقَ الْكَافِرِينَ كَفَرُوا اَلْكَافِرِينَ الْقَلِيمَةَ اور میں تیرے متبعین کو قیامت تک کے لیے کفار کے اوپر بنانے والا ہوں۔ یعنی غالب کرنے والا ہوں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو وعدہ فرمایا کہ تیرا اتباع کرنے والوں کو قریب قیامت تک کفار پر غالب رکھوں گا۔ اب غور فرمائیے کہ اتباع کرنے والے کون ہیں اور کفر کرنے والے کون۔ عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین میں دو گروہ واضح ہیں۔ پہلا درجہ آپ کے ابتدائی دور کے حواریوں کا ہے۔ جو آپ پر ایمان لائے اور آپ کو خدا کا سچا نبی تسلیم کیا۔ موجودہ مسلمان بھی اسی گروہ میں شامل ہیں۔ کیونکہ یہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام بلکہ تمام انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ کامل متبعین ہیں۔ البتہ متبعین کا دوسرا گروہ نصاریٰ کا ہے۔ جو اگرچہ کامل متبعین نہیں ہیں۔ مگر وہ عزت تو کرتے ہیں۔ تو بہر حال اللہ کا وعدہ یہ ہے کہ

ان دو گروہوں کو قیامت کے قریب تک غالب رکھوں گا۔ تاریخ شاہد ہے کہ دنیا میں آج تک مسلمان یا عیسائی ہی غالب ہے ہیں ان لوگوں پر جنہوں نے کفر کیا۔ اور آپ کا کفر کرنے والے یہودی ہیں۔ جنہوں نے آپ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت سے عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے ناپاک ہاتھوں سے بچالیا۔ اب سے کچھ عرصہ پہلے تک یہودی مغلوب ہی ہے ہیں۔ پوری دنیا میں ان کا کوئی وطن ہی نہیں تھا اور کوئی حکومت نہیں تھی۔

اب قریبی زمانہ میں یہودیوں کی حکومت بھی قائم ہو گئی ہے۔ اور انہوں نے اسرائیل کے نام پر اپنا متحدہ وطن حاصل کر لیا ہے کیا اب اللہ تعالیٰ کا وعدہ غلط ہو گیا ہے؟ نہیں، بلکہ اللہ کا وعدہ قائم ہے۔ یہودیوں کی موجودہ حکومت کوئی مستقل حکومت نہیں ہے۔ بلکہ یہ ملک دنیا کی سپر پاورز امریکہ، روس، فرانس اور برطانیہ کی مشترکہ چھاؤنی ہے۔ روس کے علاوہ باقی تینوں طاقتیں عیسائی ہیں۔ جب کہ روس بگڑا ہوا یہودی اور عیسائی ہے، دہریہ اور کفر ہے اگر اسرائیل کو ان عالمی طاقتوں کی پشت پناہی حاصل نہ ہو تو یہ ایک دن بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ ان کو امن اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ یا تو خدا پر ایمان لے آئیں یا دوسری قوموں کے ماتحت ہو کر رہیں۔ اس زمانے میں یہ لوگ غیر اقوام کی ماتحتی میں ہیں اور اَلَّا يَجْبَلِ مِنَ النَّاسِ کے مطابق غیروں کی سرپرستی میں گزارہ کر رہے ہیں۔ حقیقت میں ان کی اپنی ذاتی حیثیت صفر کے برابر ہے جب بھی اختیار کی حمایت سے محروم ہوں گے، مسیح علیہ السلام کے متبعین کے مغلوب ہی ہوں گے۔

الغرض! فرمایا، میں تیرا اتباع کرنے والے لوگوں کو تیرے ساتھ کفر کرنے والے لوگوں پر غالب بنانے والا ہوں۔ اور یہ سلسلہ قیامت کے قریب تک اسی طرح ہے گا۔ ثُمَّ اِلَّا مَرَّ بِكُمْ پھر قیامت کے بعد تم سب کو میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہو گا۔ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ

وَمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَفُونَ پھر میں تمہارے درمیان ان چیزوں
میں فیصلہ کمروں کا جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔

فرمایا فَمَا الَّذِينَ كَفَرُوا پس بہر حال وہ لوگ جنہوں نے
کفر کیا فَنَاعَذِبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

پس ان کو دنیا اور آخرت میں سخت عذاب دوں گا۔ ایسے لوگ دنیا میں بھی
طرح طرح کے مصائب میں مبتلا ہو کر ذلیل و خوار ہوں گے اور آخرت کا عذاب

تو قطعی ہے وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ اور ان کا کوئی مددگار بھی نہیں
ہوگا۔ جو مشکل وقت میں ان کو عذاب الہی سے بچا سکے۔

أَمِنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے اعمال انجام
دیے فَيَوْمَ يَقُولُ أَحْوَرُهُمْ أَن كُورًا کپورا پورا بدلتے گئے گا۔ وَاللَّهُ

لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ اور اللہ تعالیٰ ظلم و زیادتی کرنے والوں کو پسند
نہیں کرتا۔ ایسی قوم اور ایسا شخص سزا کا مستحق ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی گرفت میں ضرور

آئے گا۔ دیکھ لیجئے وَتَىٰ كَاللَّذِينَ نَجَّوْا مِنَ قَوْمِ ثَمُودَ اور معنی وہی ہے اخذ
الشئى واقفیا، کسی چیز کو مکمل طور پر لے لینا۔ اس لفظ کا لغوی معنی موت

نہیں ہے۔ بلکہ موت پر یہ مجازاً بولا جاتا ہے۔

إِلِ عِمْرَانَ ۳

آیت ۵۸ تا ۶۰

تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

درس نوزدہم ۱۹

ذٰلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۸﴾
 اِنَّ مَثَلَ عِيسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقْنٰهُ
 مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَتْ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۵۹﴾ الْحَقُّ
 مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۶۰﴾

- ترجمہ: یہ بات ہم آپ پر تلاوت کرتے ہیں، یہ آیتیں ہیں اور محکم بیان (۵۸)
 بیشک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ کے نزدیک ایسی ہے جیسی آدم علیہ السلام کی مثال
 اس کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا، پھر اس نے فرمایا ہو جا، پس وہ ہو گیا (۵۹)
 حق وہ ہے جو تیرے پروردگار کی طرف سے ہے پس آپ شک کر نیوالوں
 میں نہ ہوں (۶۰)

گذشتہ درس میں عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر زندہ اٹھانے جانے کا ذکر ہو۔ رفیع علیہ السلام
 چکا ہے۔ اس درس میں اس موضوع پر بعض دلائل ہوں گے اور واقعہ رفیع کی مزید پر دلائل
 تفصیلات پیش کی جائیں گی۔ چنانچہ محترمین کرام فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام
 کے اٹھانے جانے کا واقعہ بعید از قیاس نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ پر جو
 معجزات ظاہر فرمائے، وہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے
 ساتھ غیر معمولی سلوک کر رہا ہے۔ پہلے گذر چکا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام مٹی سے پزندے
 کی شکل بنتے، پھر اس میں پھونک مارتے تو وہ اللہ کے حکم سے زندہ پرندہ بن
 کھڑا جاتا۔ آپ کا دوسرا معجزہ یہ تھا کہ آپ لا علاج بیماریوں کا علاج کرتے۔
 جن امراض سے دنیا بھر کے اطباء عاجز آچکے تھے، عیسیٰ علیہ السلام ہاتھ لگاتے
 تو اللہ تعالیٰ شفا دے دیتا۔ اسی طرح آپ کا آسمان کی طرف اٹھانے جانا بھی عین

ممکن ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش میں نوحہ جبرائیل علیہ السلام کا اثر تھا۔ اللہ کے حکم سے
 جبرائیل علیہ السلام نے حضرت مریمؑ کے گھر بیان میں چھوٹا نکا تھا۔ تو اس کے اثر
 سے حضرت عیسیٰ کی پیدائش ہوئی گو با آپ کو فرشتوں کے ساتھ کامل مناسبت
 ہے۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ جبرائیل علیہ السلام جن کا لقب روح القدس ہے
 وہ ہمیشہ آپ کے ساتھ رہتے تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **وَإِذْ نَادَىٰ
 سُبْحَانَ الْقُدُّسِ** یعنی ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کی روح القدس سے تائید فرمائی
 آپ کی اس غیر معمولی حیثیت کی بنا پر آپ کے ارتجاع پر حیرت کا اظہار کسی
 طور مناسب نہیں۔ اس معاملہ میں شک کرنے والے لوگ نہ تو حجرات کو تسلیم
 کرتے ہیں اور نہ انہیں اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق ہونے پر یقین ہے۔ ایسے
 لوگ دہریے، پرویزی یا پنچری تو ہو سکتے ہیں۔ کوئی مومن اس شبہ میں مبتلا نہیں ہو سکتا۔
 مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھانے جانے اور دوبارہ
 نزول کا سلف میں سے کسی نے انکار نہیں کیا۔ حضرت قادہؒ جو تابعین میں سے
 ہیں، فرماتے ہیں **فَطَارَ عَلَى الصَّلَاةِ فَهُوَ مَعَهُم** عیسیٰ علیہ السلام فرشتوں
 کے ساتھ اڑتے ہوئے گئے اور فرشتوں کے ساتھ اڑنے میں کسی کو تعجب
 نہیں ہوتا۔ فرشتے آسمانوں میں اڑتے ہیں، عرش الہی کے گرد چکر لگاتے ہیں اور
 ایسا کرنے میں انہیں کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔ امام بغویؒ فرماتے ہیں کہ عیسیٰ
 علیہ السلام میں چاروں صفات پائی جاتی ہیں، یعنی انبیا، ملکیا، سماویا اور ارضیا۔ آپ
 انسان ہیں۔ آپ میں ملکی صفات بھی پائی جاتی ہیں۔ آپ سماوی بھی ہیں اور ارضی
 بھی ہیں۔ فرشتے کے روح چھوڑنے کی بنا پر آپ سماوی ہیں اور والدہ کی نسبت
 سے ارضی ہیں۔ لہذا آپ کے آسمان پر چلے جانے پر کسی کو تعجب نہیں ہونا چاہیے۔
 حضرت قادہؒ کے علاوہ مفسر قرآن حضرت ضحاکؒ، حضرت مجاہدؒ، حضرت
 عکرمہؒ، سعید ابن جبیرؒ، سعید ابن مسیبؒ، حضرت حسن بصریؒ، محمد ابن سیرینؒ یہ
 سب تابعین میں سے ہیں اور بڑے پائے کے لوگ ہیں۔ یہ سب رفع منسوخ

محکم بیان بھی ہے۔ بیان کا معنی 'STATEMENT' یعنی مسیح علیہ السلام کے متعلق وضاحت ہے۔ اور حکیم سے مراد مضبوط اور مستحکم ہے۔ اس سے مراد حکمت والا بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک سلیم الفطرت انسان جو حواس ظاہرہ اور باطنہ کو صحیح طریقے سے استعمال کرتا ہے، وہ یقیناً یہی اعتقاد رکھے گا کہ مریمؑ اور مسیح علیہ السلام اللہ نہیں بلکہ انسان ہیں۔ یاد رہے کہ حواس ظاہرہ سے مراد آنکھ، کان، ناک اور لمس وغیرہ ہیں۔ اور حواس باطنہ میں وہم، خیال، فکر اور حس مشترک وغیرہ آتے ہیں۔

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص نظام کے ساتھ پیدا فرمایا ہے۔ اور یہ اللہ کی خاص مخلوق ہے۔ باقی ہر چیز عام مخلوق ہے۔ مخلوق خاص ہو یا عام یہ اللہ کی بنائی ہوئی ہے۔ اور مصنوع کسلائی ہے اللہ تعالیٰ اس کا بنانے والا یعنی صانع ہے۔ قرآن پاک میں اس کے یہ باریع کا لفظ آیا ہے۔ فاطر اور خالق کے الفاظ بھی آتے ہیں۔ صانع کا لفظ حدیث شریف میں آیا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ خَاقِكُمْ كُلِّ صَانِعٍ وَّصَانِعَتِهٖ اللّٰهُ تَعَالٰی نے ہر صانع یعنی کاریگر اور اسی صنعت کو پیدا کیا ہے۔ اب دیکھئے جس طرح باقی اشیاء مصنوعہ ہیں، اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام بھی مصنوعہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کا صانع ہے۔ اور ہر صاحبِ عقل سلیم جانتا ہے کہ ہر مصنوعہ چیز خواہ وہ مشینری ہو، برتن ہو، کپڑا وغیرہ ہو، اپنے صانع کی دلیل، علامت اور نشانی ہوتی ہے۔ اور اگر کسی مصنوعہ کو ہی صانع بنا دیا جائے تو اعتقاد باطل ہو جائے گا۔ یہی بات اللہ تعالیٰ نے یہاں پر لفظ آیت سے سمجھائی ہے کہ ذرا غور کرو مسیح علیہ السلام مصنوعہ ہیں، صانع نہیں ہیں اُن کو اللہ یا خدا کا بیٹا یا تیسرا خدا بنانا باطل عقیدہ ہے۔ اس طرح تو ساری حکمت ہی باطل ہو جائے گی۔ یہ عقل انسانی اور فطرت سلیمہ کے خلاف ہے کائنات میں پائی جانے والی تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کی کاریگری اور صنعت کی نشانیاں ہیں

صانع اور
مصنوع

نہ فی کُلِّ شَيْءٍ لَّهٗ اٰیۃٌ تَدُلُّ عَلٰی اٰلِهٖٓ فَالْحٰکِمُ
 جو یقیناً بتاتی ہے کہ اس کا پیدا کرنا تو بالاجہلے واحد ہے، شیخ سعدی نے بھی کہا ہے ۔
 ہر گیا ہے کہ از زمین روید و عدۃ لا شریک لہ گوید
 جو بھی گھاس زمین سے پیدا ہوتی ہے۔ وہ زبان حال سے وعدۃ لا شریک
 کہتی ہے ہر ہر پتہ اور ہر ہر ذرہ اپنے صانع یعنی خالق کی وحدانیت کا اقرار
 کرتا ہے۔ ہر چیز خود بخود معرض وجود میں نہیں آگئی۔ بلکہ اس کو ظاہر کر نیوالی
 کوئی ہستی موجود ہے۔ مولانا رومی نے یہ بات ایک مثال کے ذریعے سمجھائی
 ہے۔ فرماتے ہیں ۔

بیچ چیزے خود بخود چیزے نہ شد

بیچ آہن خود بخود تیغے نہ شد

کوئی چیز خود بخود نہیں بن جاتی جس طرح کوئی لوہا خود بخود تلوار کی شکل اختیار
 نہیں کرتا۔ بلکہ اس کا کوئی صانع ہوتا ہے۔ مقصد یہ کہ ہر مصنوع کا کوئی صانع ہوتا
 ہے۔ اور ہر مصنوع اپنے صانع کی نشانی ہوتی ہے۔ اسی طرح مسیح علیہ السلام بھی
 اپنے پیدا کرنے والے اللہ کی نشانی ہیں۔ وہ خود الہ نہیں ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھانے جانے کے متعلق مفسرین
 روایت بیان کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے بادل کو مقرر کیا۔ وہ
 بادل قریب آیا تو آپ اس میں داخل ہو گئے۔ جب بادل آپ کو لیکر اوپر اٹھا،
 تو آپ کی والدہ قریب ہی تھیں، انہوں نے آپ کو بچھڑایا اور چلانے لگیں
 مگر آپ نے فرمایا کہ اب ہمارے اکٹھے ہونے کا وقت ختم ہو چکا ہے۔
 اِنَّ الْقِيَامَةَ تَجْمَعُنَا اب قِيَامَتِ هِيَ كَوْهَمِ كَعَطْفِ هَوْلِ كَغِ
 جلالین میں یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ واقعہ لیلۃ القدر کی رات
 پیش آیا۔ اُس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر ۳۳ سال تھی۔ آپ کی والدہ
 محترمہ صدیقہ مریمؑ آپ کے اٹھانے جانے کے بعد چھ سال زندہ رہیں،

رفع کی
 مزید تفصیل

پھر وفات پائیں۔

نزولِ مسیح

بخاری اور مسلم شریف کی روایت میں ہے یہ نازل بقرب القیامة
 مسیح علیہ السلام قیامت کے قریبی زمانہ میں زمین پر نازل ہوں گے۔ یہ حکم
 بشیعة نبینا ہمارے نبی کی شریعت کے مطابق حکم جاری کریں گے
 کیونکہ ان کی اپنی شریعت کا دور ختم ہو چکا ہے۔ وہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ
 وسلم کے نائب، امی اور قابل جبریل کی حیثیت سے زمین پر آئیں گے، قرآن و سنت
 کے مطابق فیصلے کریں گے۔ اور جیسا کہ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے۔
 دجال اور خنزیر کو قتل کریں گے۔ صلیب کو توڑیں گے اور جزیرے کو موقوف
 کریں گے۔ مسلم شریعت کی ایک اور روایت کے مطابق آپ سات سال تک
 زمین پر پھریں گے۔ ابو داؤد کی ایک روایت کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام کی
 زمین پر پھرنے کی کل مدت چالیس سال ہے۔ آپ ۳۳ سال عمر گزار چکے ہیں۔ اور باقی
 سات سال دوبارہ نزول پر گزاریں گے۔ ایک اور روایت میں یہ بھی آتا ہے۔
 کہ نزول ثانی پر سبت رोज ويؤخذ لکہ آپ نکاح کریں گے اور اولاد ہوگی۔ ابن
 ابی شیبہ اور مسلم کی روایت میں آتا ہے۔ کہ جب تک عیسیٰ علیہ السلام زمین پر
 دوبارہ نازل نہیں ہوں گے لَا تَقُومُ السَّاعَةُ قیامت برپا نہیں ہوگی۔
 آپ اتریں گے اس حالت میں کہ حکماً فیصلہ کرنے والے ہوں گے مقسطاً
 انصاف قائم کرنے والے ہوں گے اور اصماً عادل امام بن کر آئیں گے۔
 خلافت بھی آپ کے ہاتھ میں ہوگی اور آپ عادل خلیفہ ہوں گے۔ فِيهِمْ كَسِي
الصَّلِيبِ آپ صلیب کو توڑیں گے اب صلیب کا نشان عیسائیوں کے باطل عقیدہ کی نشانی ہے۔
اِنَّ ان کا ایمان ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اس صلیب پر لٹک کر لوگوں کا کفار بن
 گئے۔ اسی لیے وہ اس کی پوجا کرنے لگے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا
 کہ صلیب بت ہے اور شرک کی نشانی ہے۔ گلے میں بٹکا کر اور گر بجے میں رکھ
 کر اس کی تعظیم کی جاتی ہے، جو اس کی پرستش کے مترادف ہے۔ حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام
 لے مسلم شریعت کے مطابق

کو نہ سولی پر چڑھایا گیا، اور نہ وہ ہلاک ہوئے۔
 خنزیر کو قتل کرنے کا مطلب یہ ہے۔ کہ آپ عیسائیوں کو ذلیل کریں گے
 کیونکہ جب رومی بادشاہ نے عیسائیت قبول کی تو اُس زمانے میں انہوں نے
 خنزیر کو حلال قرار دیا۔ ورنہ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام
 کے بعد تمام شریعتوں میں خنزیر حرام رہا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کفار
 سے جزیہ وصول کرنے کی مدت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول تک ہے۔ چنانچہ
 آپ کے دوبارہ نزول پر یہ مدت ختم ہو جائے گی اور آپ جزیہ کو موقوف
 کر دیں گے۔ عیسیٰ علیہ السلام اسلام کے سوا کوئی دین قبول نہیں کریں گے، لہذا
 یا تو سب لوگ مسلمان ہو جائیں گے یا تہ تیغ ہو جائیں گے۔ صحیحین میں آتا ہے
 کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بدترین دشمن یہودیوں کو کہیں پناہ نہیں ملے گی۔ جس پتھر
 یا درخت کے پیچھے چھپنا چاہیں گے، وہ پتھر یا درخت خود بول کر کے گا کہ
 اے مسلمان! دیکھ میرے پیچھے یہودی چھپا ہوا ہے۔ مسیح علیہ السلام کے دوبارہ
 نزول کے زمانے میں مال و دولت کی اس قدر فراوانی ہوگی کہ کوئی شخص صدقہ
 نصیحت قبول نہیں کرے گا۔ ابو داؤد کی ایک روایت میں آتا ہے کہ لَئِن لَّمْ يَأْتِ
 مَرْيَمُ عَذَابَ الْمَتَابِ الْيَضْرَأُ شَيْئًا وَهَشَقُ آبِ دَشَقِ مَشْرِقِ جَانِبِ
 مَقْدِسِ مَنَارِے پڑتیں گے۔ وہ سفید مینار بیت المقدس میں ہے جو دمشق
 سے بجانب مشرق ہے۔

علامت
قیامت

حضور نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا قیامت سے پہلے دس بڑی نشانیاں
 ظاہر ہوں گی، ان میں سے ایک مسیح علیہ السلام کا نزول بھی ہے۔ اس کے
 علاوہ دجال کا خروج، یا حوج کا خروج، سورج کا مغرب کی جانب سے
 طلوع، لوگوں کا زمین میں دھنسا جانا، آگ کا نکلنا اور دابۃ الارض وغیرہ
 بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ کی روایت میں آتا ہے کہ حضور
 علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اِنَّ عِيسَى لَمَّا يَمُتُ یعنی عیسیٰ علیہ السلام

یہ تو ہودی اور عیسائی سب تسلیم کرتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بغیر ماں باپ کے مٹی سے پیدا کیا۔ بائبل اور قرآن دونوں کتابوں میں یہ آیات موجود ہیں۔ لہذا اگر تم آدم علیہ السلام کو ماں باپ کے وسیلہ کے بغیر مانتے ہو ہو تو عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے کیوں تسلیم نہیں کرتے۔ گویا اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے ایک عجیب و غریب چیز پر قیاس کر کے مسیح علیہ السلام کی پیدائش کا مسئلہ سمجھایا ہے۔ تو فرمایا بیشک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ کے نزدیک ایسی ہے جیسے آدم علیہ السلام کی مثال خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ اَسَ اللہ نے مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نَفَخَ فِيهِ الرُّوحَ اس میں جان ڈالی۔ قرآن پاک میں شک مٹی اور گارے کا ذکر بھی آتا ہے گارے میں جب خمیر پیدا ہوتا ہے تو وہ گل مٹ جاتا ہے۔ یہ وہ عنصر (ELEMENT) ہے جس سے آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی۔ اسے قرآن پاک میں صَمَلَمَالٍ اور حَمَلٌ مَسْنُونٍ بھی کہا گیا ہے۔ اور پھر یہ بھی ذکر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا فرما کر اپنے دست قدرت سے اس میں روح ڈالی۔ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ پھر اسے کہا ہو جاؤ، تو وہ کامل انسان ہو گیا۔ آدم علیہ السلام کامل انسان تھے۔ عقلمند ایسے کہ نبی سے زیادہ کوئی شخص عقلمند، ذہین اور دانا نہیں ہو سکتا۔ ڈارون کا نظریہ بالکل باطل ہے جس میں وہ کہتا ہے کہ اولین انسان کی تخلیق بطور بندر ہوئی، پھر آہستہ آہستہ ترقی کر کے انسان بن گیا۔ یہ بالکل غلط بات ہے۔ حضور نے فرمایا بَدِئًا مَكَلَّمًا آدم علیہ السلام نبی مکلم تھے۔ نبی ہمیشہ کامل انسان ہوتا ہے۔ آدم علیہ السلام سب سے پہلے انسان اور نبی تھے۔ اور بالکل مکمل انسان تھے۔ سمجھنا یہ مطلوب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ بغیر ماں باپ کے مٹی سے انسان کی تخلیق کر لیتا ہے۔ تو عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا فرمادینا کون سی شکل بات ہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ لہذا عیسیٰ علیہ السلام عبد اللہ یعنی اللہ کے بندے ہیں، وہ خود اللہ نہیں ہیں۔ فرمایا اَحْسَنُ مِنْ سَرَابِثٍ اَحْسَنُ وہ ہے جو تیرے پروردگار کی طرف سے

وَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُصْتَرِينَ پس آپ شک کرنے والوں میں نہ ہوں
 یہ خطاب حضور علیہ السلام کو ہو رہا ہے۔ مگر بات سب کو سمجھانی جا رہی ہے
 کہ کسی مومن کو اس بات میں شک و شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ مسیح علیہ السلام
 اللہ کے بندے ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے آپ کو مریم جیسی کنواری عورت کے
 لطن سے پیدا فرمایا، وہ الہ نہیں ہیں۔ اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے
 باوجود اگر یہ لوگ جھگڑا کریں گے، تو پھر آگے مباہلہ کا چیلنج بھی آ رہا ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

اَلْاَعْمَالُ ۳

درس بستم ۲

آیت ۶۱ تا ۶۳

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ
 الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ آبَاءَنَا وَآبَاءَكُمْ وَ
 نِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ فَتَمَّ
 نَبْتَهُلٌ فَجَعَلَ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكٰذِبِينَ ﴿٦١﴾
 إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ
 وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٦٢﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا
 فَإِنَّ اللَّهَ عَلَيْهِ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٦٣﴾

۶۱ تا ۶۳

ترجمہ: پس جو شخص اس بارے میں آپ سے جھگڑا کرے بعد اس کے کہ آپ
 کے پاس علم آچکا ہے۔ پس کہ دیجئے، آؤ، بلائیں ہم اپنی اولادوں کو، تم اپنی اولادوں
 کو، ہم اپنی عورتوں کو، تم اپنی عورتوں کو۔ ہم اپنی جانوں کو، تم اپنی جانوں کو۔ پھر ہم
 النجا کہیں اور گمراہ گھڑائیں۔ پھر ہم سب اللہ کی لعنت کریں ان لوگوں پر جو جھوٹے ہیں ﴿۶۱﴾
 بیشک یہی بات صحیح اور سچا بیان ہے۔ اور نہیں ہے کوئی عبادت کے لائق سوائے
 اللہ کے۔ اور بیشک البتہ اللہ زبردست اور حکمت والا ہے ﴿۶۲﴾ پس اگر یہ
 لوگ قبول نہ کریں، تو بیشک اللہ خوب جانتا ہے مفسدوں کو ﴿۶۳﴾

گذشتہ درس میں یہ بیان ہو چکا ہے۔ کہ مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے
 اور رسول ہیں۔ وہ نہ تو خدا کے بیٹے ہیں اور نہ خود خدا ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو
 فضیلت عطا فرمائی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بات ایک واضح مثال کے
 ذریعے سمجھائی۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا ناممکنات میں سے
 نہیں ہے۔ آپ کی مثال حضرت آدم علیہ السلام کی مثال جیسی ہے۔ جسے

اللہ نے بغیر ماں اور باپ کے پیدا فرمایا۔ اگر آدم علیہ السلام الوہیت کے درجے کو نہیں پہنچے، تو عیسیٰ علیہ السلام اللہ کیسے بن گئے۔

نجران کے عیسائی وفد کا تذکرہ ابتدائے سورۃ سبی ہو رہا ہے جب حضور علیہ السلام کے ساتھ عیسائیوں کی بحث نے طول پھڑپھڑا اور جھگڑا بڑھ گیا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر وفد نجران کو مباہلہ کی دعوت دی۔ ارشاد فرمایا فَمَنْ حَاكَمَكَ فَيَكُفِّرْ

مِنْ قَبْلِكَ مَا جَاءَكَ لَوْ أَنَّ الْعَالَمَ لَم يُعْرِضْ لَكَ فِيهِ فَمَنْ حَاكَمَكَ فَيَكُفِّرْ
 جھگڑا کرے، بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم آچکا ہے فَقُلْ لَوْ أَنَّ
 پس آپ اُن سے کہیں آؤ، بَدَعُ آبَتْنَا وَآبَتَائِكُمْ هُمْ اپنی
 اولادوں کو بلا تے ہیں، تم اپنی اولادوں کو بلاؤ۔ وَأَبْنَاؤُنَا وَابْنَاؤُكُمْ
 ہم اپنی عورتوں کو بلا تے ہیں، تم اپنی عورتوں کو بلاؤ۔ وَأَنفُسُنَا وَأَنفُسَكُمْ
 ہم خود آتے ہیں تم بھی خود آؤ۔ ثُمَّ نَبْتَهِلْكُمْ سَبًّا كَمَا كُنْتُمْ
 اور التجا کریں۔ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ پھر جھوٹوں پر
 اللہ کی لعنت کرے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مباہلہ کرنے کا ایک طریقہ بتایا ہے۔ کہ اگر واضح دلائل شینے کے باوجود یہ لوگ حقیقت کو تسلیم کرنے سے انکاری ہیں تو پھر آپ انہیں چیلنج کریں کہ آؤ تم خود بھی آ جاؤ اور اپنے گھر والوں کو بھی میدان میں لے آؤ۔ پھر ہم سب مل کر اللہ کے سامنے نہایت عاجزی اور انکاری کے ساتھ دعا کریں۔ کہ مولا کریم! جو فریق جھوٹا ہے۔ اس پر تیری لعنت ہو۔ ایسا کر وہ تیرے عذاب میں گرفتار ہو۔ جب حضور علیہ السلام نے نصاریٰ کو یہ دعوت دی۔ تو کہنے لگے، ہم آپس میں مشورہ کرنے کے بعد جواب دیں گے۔ اس واقعہ کی تفصیل امام بیضاویؒ یوں بیان فرماتے ہیں لَمَّا دَعُوا إِلَى الْمَبَاهِلَةِ
فَالْوَا تَنْظُرُ جِيبَ انْهِيَ مَبَاهِلَةَ كِي دَعْوَتِ دِي كِي تَوَكْنِي لِي، هَمْ بَشِيرَةٌ
 کرتے ہیں۔ فَلَمَّا تَخَالَفُوا جب وہ علیحدگی میں ملے۔ تو ان میں سے جو

زیادہ سمجھدار اور صاحب رائے تھا وہ کہنے لگا وَاللّٰهِ لَقَدْ عَرَفْتُمْ نَبُوْتَهُ
 خدائی قسم تم اس شخص کی نبوت کو پہچان چکے ہو۔ وَلَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْفَصْلِ
 فِيْ اَمْرِ مَّسَاجِدِكُمْ اور تمہارے صاحب یعنی علیؑ علیہ السلام کے
 متعلق اس نے فیصلہ کن بات کی ہے۔ کہ علیؑ علیہ السلام خدا کے بندے
 اور اس کے رسول ہیں۔ وہ اللہ پر گمراہ نہیں ہیں۔ اور میں کہتا ہوں وَاللّٰهِ مَا بَاطِلٌ
 قَوْمٌ سِوَا الْاَهْلِ كُوْخِ خَدَا كِی قسم جس قوم نے بھی کسی نبی سے مباہلہ کیا، وہ قوم
 ہلاک ہوگئی۔ فَاِنَّ اَبِيْتُمْ وَاَلْوَالِدَاتِ الَّذِيْنَ اُنْتَبِهْنَ مِنْكُمْ اور اگر تم اس رسول
 برحق کا انکار کرتے ہو۔ اور اپنے ہی دین پر قائم رہنا چاہتے ہو۔ فَوَادِعُ الرَّجُلِ
 تو اس شخص کے ساتھ مزاحمت کر لو، مصالحت کر لو۔ اور یہاں سے واپس چلے جاؤ
 چنانچہ وہ لوگ مشورہ کے لیے باہر چلے گئے۔ حضور علیہ السلام خود بھی گھر
 تشریف لے گئے۔ اور پھر اس حالت میں باہر آئے کہ حضرت حسینؑ کی
 گود میں تھے۔ وَاخَذَ بِيَدِ الْحُسَيْنِ اور آپ نے حضرت حسنؑ کا ہاتھ پکڑا
 ہوا تھا۔ حضرت فاطمہؑ آپ کے پیچھے پیچھے آرہی تھیں۔ اور حضرت علیؑ
 اُن سے پیچھے تھے۔ آپ اُن سے فرماتے تھے اِذَا اَنَا دَعَوْتُ فَاَمْسُوْا
 جب میں مباہلے کے لیے دُعا کروں، تو تم آئیں کہنا۔ گویا آپ مباہلہ کے لیے
 بالکل تیار ہو کر تشریف لے آئے۔ جب علیؑ یوں نے آپ کو اس حالت میں
 دیکھا تو ان کا لاٹ پادری اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا لِمَ عَشِيَ النَّصَارِيُّ
 اے نصاریٰ کے گمراہ! اَلَيْسَ لَكَ اَرْمِيٌّ وُجُوْهُهَا يَسِيْرٌ اے چہرے دیکھ رہا ہوں
 لَوْ سَا لُوْا اللّٰهَ اَنْ يُزِيْلَ جَبَلًا مِنْ مَّكَاتِهِ لَازَالَ اگر
 یہ اللہ تعالیٰ سے سوال کریں کہ یہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے، تو وہ ضرور ہٹا
 دے گا۔ لہذا تمہاری خیریت اسی بات میں ہے فَلَا تَبَاھِلُوْا
 کہ تم مباہلہ نہ کرو، ورنہ تم تباہ و برباد ہو جاؤ گے۔

مباہلہ سے
 فرار

چنانچہ علیؑ یوں کے وفد نے مباہلے کا چیلنج قبول نہ کیا۔ اور ان شرائط پر

صالح نامہ کر لیا۔ کہ وہ مسلمانوں کے ماتحت رہ کر چلے گا اور کہتے رہیں گے۔ تاہم اپنے مذہب اور اپنی رسومات پر قائم رہیں گے۔ اس معاہدے کے تحت سحران کے عیسائیوں نے سالانہ ٹیکس کے طور پر دو ہزار جوڑے کپڑے جو محلہ یا بعض روایات کے مطابق حمراہ قسم کے طے پائے۔ ان میں سے ایک ہزار سوٹ صفر کے مہینہ میں اور ایک ہزار رجب کے مہینہ میں واجب الادا قرار پائے۔ اس کے علاوہ تینس زرینیں، تینسٹل گھوڑے، تینس اونٹ اور لڑائی میں استعمال ہونے والے ہر قسم کے تیس تیس ہتھیار مجملہ تلوار، نیزہ وغیرہ بھی بطور جزیہ ادا کرنے کا معاہدہ ہوا۔

صالح نامہ طے پا جانے کے بعد نصاریٰ نے کہا کہ ان کے ہمراہ کوئی دیانتدار عامل بھیج دیا جائے، جو ایک ٹوٹیکس کی اشیاء وصول کرے اور دو سکر ہمارے درمیان پیدا ہونے والے تنازعات کا تصفیہ کرے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ ہاں! میں تمہاری طرف ایک نہایت ہی امانتدار آدمی بھیجوں گا چنانچہ آپ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ کو اس کام پر مامور فرمایا، اور فرمایا لے گئے اُمّتِ امینؓ ہر امت میں کوئی خاص امانتدار ہوتا ہے۔ اور میری امت کا سب سے بڑا امانتدار ابو عبیدہؓ ہے۔

بخاری اور ترمذی تشریف میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت منقول ہے۔ کہ ایک دفعہ ابو جہل نے اعلان کیا، کہ اگر کہ میں نے محمدؐ کو کعبے کے پاس نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو ان کی گھر دن روند ڈالوں گا۔

لَا يَطْلُبُنَّ عَلَيَّ عِنْفًا۔ جب حضور علیہ السلام کو یہ خبر پہنچی، تو فرمایا کہ اگر یہ بد بخت ایسی حرکت کرے گا، تو فرشتے اُس کو پھیلے گے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ اُس کو اس قبیح حرکت کی طاقت نہیں دے گا۔ آپ نے مزید فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں یہودیوں کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ لوگ زندگی میں بڑے حدیص ہیں۔ ان کا پختہ ایمان ہے۔

کہ جنت صرف انہی کے لیے ہے، کوئی دوسرا شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا تو پھر یہ لوگ موت کی تمنا کیوں نہیں کرتے، حضور نے فرمایا۔ اگر یہ موت کی تمنا کرتے تو فرما کر جاتے۔ اور اپنا ٹھکانا دوزخ میں دیکھ لینے۔ قرآن پاک کا دعویٰ اس قدر سچا ہے۔ کہ یہودیوں نے کبھی موت کی تمنا نہیں کی۔ نیز فرمایا کہ اگر نجران کے عیسائی مباہلہ پر آمادہ ہو جاتے، تو جب واپس لوٹتے نہ ان کا مال باقی رہتا نہ اہل۔ ہر چیز فنا ہو جاتی۔ ایک دوسری روایت میں جسے امام بیضاوی نے نقل کیا ہے۔ یہ الفاظ آتے ہیں۔ لَمَسْبُحًا فَرَدَّةً وَخَتَا رَبِّكَ اللَّهُ تَعَالَى اُنْ كِي تَكْمَلِي سَخ كَر كے بند اور سور بنا دیتا۔ اللہ تعالیٰ وادی نجران پر آگ برساتا اور ساری وادی آگ سے بھڑک اٹھتی، پوری وادی میں پرندوں اور درختوں تک کوئی چیز باقی نہ رہتی بغیر مباہلہ کے لوٹ جانے سے وہ لوگ اس وبال سے بچ گئے۔

پہلے بیان ہو چکا ہے۔ کہ مباہلہ کے لیے حضور علیہ السلام اپنے اہل خانہ میں سے بیٹی فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ اور علیؑ کو لے کر نیکے شہیدہ حضرت اس ایک روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے اہل بیت یہی افراد ہیں۔ ان کے علاوہ اور کوئی اہل بیت میں شامل نہیں ہے۔ حالانکہ اہل بیت میں انواع و اقسام بھی شامل ہیں۔ مگر سب کو اس موقع پر لانا ضروری نہیں تھا۔ یہ تو دعائے کا مقام تھا، آپ چند افراد کو لے کر فوراً نکل آئے۔ تاہم مذکورہ روایت میں واقعہ کی پوری تفصیل موجود نہیں ہے۔

ابن عساکر بہت بڑے مؤرخ گزرتے رہیں۔ جنہوں نے بڑی مستند تاریخ لکھی ہے۔ وہ امام جعفر صادقؑ سے اور وہ اپنے والد امام محمد باقرؑ سے روایت بیان کرتے ہیں۔ کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مباہلہ کے لیے تشریف لائے تو ان کے ساتھ حضرات ابو بکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، عثمانؓ، علی المرتضیٰؓ اور ان سب کی اولاد بھی تھی۔ یہ روایت امام جلال الدین سیوطیؒ نے درمنثور میں اسی طرح بیان کی ہے۔ اور یہی روایت تفسیر روح المعانی میں بھی موجود

ہے۔ تاہم پہلی مذکورہ روایت میں باقی تین حضرات اور ان کی اولاد کا ذکر نہیں ہے
دونوں روایات کو جمع کرنے سے پوری صورت حال سامنے آجاتی ہے۔

شیعہ حضرات تو حقائق کو اس حد تک مسخ کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ
حضرت فاطمہ کے علاوہ حضور علیہ السلام کی کسی دوسری بیٹی کو تسلیم ہی نہیں کرتے
حالانکہ آپ کی تین صاحبزادیاں حضرت فاطمہ کے علاوہ تھیں جو واقعہ مباہلہ سے
قبل فوت ہو چکی تھیں۔ حضرت زینب ۳۰ھ میں فوت ہوئیں۔ آپ غزوہ بدر
کے لیے تشریف لے گئے تو زینب مدینہ میں فوت ہو گئیں۔ آپ ان کے جنازے
میں بھی شریک نہیں ہوئے۔ بدر سے واپس آکر ان کی قبر پر جا کر دعا کی۔ اس کے
بعد ام کلثوم کا حضرت عثمان غنی سے نکاح ہوا، مگر کچھ عرصہ بعد وہ بھی وفات
پاگئیں۔ پھر آپ کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینب ۸ھ میں فوت
ہوئیں، اس کا ذکر احادیث میں موجود ہے۔ واقعہ مباہلہ ۹ھ یا ۱۰ھ میں
پیش آیا، جب کہ آپ کی تین صاحبزادیاں ۷ھ تک فوت ہو چکی تھیں۔ مگر
نہایت افسوس کا مقام ہے۔ کہ شیعہ سوائے حضرت فاطمہ کے آپ کی کسی اور
صاحبزادی کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔

ان حضرات کا معتبر مصنف ملاحقہ مجلسی اپنی کتاب حیات القلوب میں
لکھتا ہے کہ جب حضور علیہ السلام مباہلے کے لیے نکلے تو عبا جبرین اور انصار سب
آپ کے ساتھ تھے۔ قرآن پاک نے ازواج مطہرات کو صریحاً اہل بیت فرمایا
ہے خود حضور علیہ السلام نے ایک

موقع پر ازواج کو اہل بیت میں شریک کیا تھا لہذا
شیعوں کا عقیدہ باطل ہے۔

یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود تو
مباہلہ فرمایا، کیا یہ آپ کے بعد بھی ہو سکتا ہے؟ اس بارے میں علماء کا اختلاف
ہے۔ ہمارے بزرگوں میں سے محقق فرماتے ہیں کہ مباہلہ اب بھی جائز ہے۔ مگر

مباہلہ کی
مشروعیت

بعض فرماتے ہیں۔ کہ مباہلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ مخصوص تھا۔ اگر آپ کے بعد کوئی دوسرا شخص مباہلہ کرے گا، تو اس کے وہ نتائج برآمد نہیں ہو سکتے جو حضور علیہ السلام کے اپنے زمانے میں ہوتے، تاہم اس کے جواز کی گنجائش موجود ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں، کہ جب نصاریٰ حضور علیہ السلام کے مقابلہ پر آئے تو ان کے سمجھاروں نے کہا، اے گمراہ نصاریٰ! تم خوب سمجھ چکے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی مرسل ہیں اور انہوں نے مسیح علیہ السلام کے متعلق بڑی واضح اور فیصلہ کن بات کہی ہے۔ تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے بنو اسماعیل میں آخری نبی بھیجے گا وعدہ کر رکھا ہے۔ لہذا کچھ بعید نہیں کہ یہ وہی نبی ہوں جن کی بشارت ہم سنتے چلے آئے ہیں۔ یاد رکھو! نبی کے ساتھ مباہلہ کسی قوم کے حق میں ایسے کے سوا کیا نکل سکتا ہے کہ ایسی قوم کا کوئی چھوٹا بڑا عذاب الہی سے نہ بچ سکے۔ اور پھر پیغمبر کی لعنت کا اثر نسلوں تک پہنچے۔ لہذا بہتر یہی ہے کہ ہم ان سے صلح کر کے اپنی لبتوں کو لوٹ جائیں۔ ہم سائے عرب سے لڑائی مول نہیں لے سکتے آخر آپ کی خدمت میں پہنچے۔ آپ حسین، حسین، فاطمہؑ اور علیؑ کو ساتھ لیے باہر تشریف لائے تھے۔ یہ نورانی صورتیں دیکھ کر عیسائیوں کے لارٹ پادری نے کہا، میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں جن کی دُعا پاڑوں کو بھی اُن کی جگہ سے سر کا سکتی ہے۔ تم ان سے مباہلہ کر کے اپنی ہلاکت کو دعوت نہ دو۔ ورنہ زمین پر ایک بھی نصرانی باقی نہیں رہے گا۔ چنانچہ بھرتوں نے مقابلہ ترک کر دیا۔ جزیرہ دینا قبول کیا اور صلح کر کے واپس چلے گئے۔

مولانا عثمانیؒ لکھتے ہیں۔ کہ قرآن پاک نے یہ نہیں بتایا کہ مباہلہ حضور علیہ السلام کے بعد بھی کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ کہ مباہلے کا اثر آپ کے بعد بھی وہی ہونا چاہیے جو آپ کی موجودگی میں ہونے والا تھا۔ البتہ بعض سلف اور بعض فقہائے حنفیہ کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ مباہلے کی مشروعیت اب بھی باقی ہے۔

مگر یہ صرف اتنی معاملات میں ہو سکتا ہے، جن کا قطعی ثبوت موجود ہو۔ اب مباہلے میں عمر توں اور بچوں کو شریک کرنا بھی ضروری نہیں۔ اور اس قسم کا عذاب آنا بھی لازمی نہیں جیسا کہ حضور علیہ السلام کے ساتھ مباہلہ پر آنا۔ تاہم اس وقت مباہلہ اتمام حجت اور سبوت و مباہلہ کو ختم کرنے کی ایک صورت ہے۔

مولانا عثمانی یہ بھی فرماتے ہیں۔ کہ میرے خیال میں مباہلہ ایک عام کا ذب کے ساتھ نہیں بلکہ کا ذب معاند (عناد کوہ نیوالا) کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا اَنْ يُبَاہِلَ مَنْ عَاتَدَ الْحَقَّ فِيْ اَمْرِ عَيْسَى بَعْدَ ظُهُوْرِ الْبَيَانَ کہ آپ ایسے شخص کے ساتھ مباہلہ کریں جو عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق حق کے ساتھ عناد رکھتا ہے۔ جب کہ دلائل و براہین کے ساتھ بات بالکل واضح ہو چکی ہے۔ اور تمام قرآن سے ثابت ہو گیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے پیدا کیے ہوئے اس کے بندے ہیں، وہ خود اللہ نہیں ہیں، بہر حال مباہلہ اب بھی جائز ہے مگر اس قسم کے عطفوں معاملات میں۔ بعض لوگ معمولی مسائل مثلاً فاتحہ خلت امام یا آمین وغیرہ میں مباہلہ پر تیار ہو جاتے ہیں یہ درست نہیں ہے

فرمایا اِنَّ هٰذَا اَلْحَقُّ الْقَصُّ الْحَقُّ بے شک البتہ یہ بیان ہے سچا ہے سچ علیہ السلام کے متعلق جو واقعات بیان ہوئے ہیں، یہ بالکل صحیح ہیں۔ قصص قصہ کی جمع ہے اور قصہ واقعہ کو کہتے ہیں۔ قصص کی قصص بیان کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ اس مقام میں قصص مصدقہ معنی بیان کرنا ہے قصص کا اصل معنی نقش قدم کو تلاش کرنا ہے، خاص و غلط کو معنی کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی واقعات کہتے ہیں چلتا ہے الغرض فرمایا کہ سچ علیہ السلام کے متعلق یہ دعویٰ کہ وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، بالکل صحیح بیان ہے

وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اللہ یعنی مستحق عبادت نہیں ہے وہ نافع اور ضار ہے، خالق، قیوم، قادر مطلق اور علیم کل ہے۔ وہ جو چاہے کرے وہ انہی اہل بیبری قائم و دائم ہے۔ وہی بڑی بنانے والا ہے۔ وہی مشکل کشا اور حجت روا

ہے۔ سب اُسی کے محتاج ہیں۔ آگے سورۃ مادہ اور بعض دوسری صورتوں میں بھی عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں تفصیل سے موجود ہے کہ وہ خود بھی محتاج ہیں۔ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ بیشک خدا تعالیٰ ہی غالب اور کمال قوت رکھنے والا حکیم ہے۔ وہ اپنی حکمت سے چاہے کسی کو بغیر باپ کے یا ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا فرمائے۔ وہ کمال حکمت کا مالک ہے۔

فرمایا فَاِنْ تَوَلَّوْا اَكْرِمُ لَكُمْ۔ حق واضح ہو جانے کے بعد بھی خدا کی وحدانیت کو تسلیم نہ کریں۔ اور اسی طرح عقائد کرتے رہیں، تو آپ فرما مَسِيْحٌ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۭ بِالْمُفْسِدِيْنَ اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔ اور زمین میں سب سے بڑا فساد شرک ہے۔ کیونکہ امن کا قیام ایمان، توحید، اطاعت اور نیکی سے ہی ممکن ہے۔ کفر، شرک اور برائیوں سے بلامنی، فساد، بدعتقاد ہی، ذہنی پستی اور طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ لہذا خوب اچھی طرح سمجھ لو، کہ فساد ہی اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہیں۔ فساد کی خاطر کفر و شرک کا ارتکاب کرنے والے اُس کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔ اللہ تعالیٰ اُن کو ضرور سزا دیگا۔

آل عمران ۳
آیت ۶۴

تِلْكَ الرُّسُلُ
درس بست یکا

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ
بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ
بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا
مِّنْ دُونِ اللَّهِ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا
مُسْلِمُونَ ﴿۶۴﴾

ترجمہ :- اے پیغمبر! آپ کہ دیجئے، اے اہل کتاب! او ایک کلمے کی طرف ہوتے اور ہمارے اور ہمارے درمیان برابر (مسلم) ہے۔ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ اور کسی چیز کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور نہ بنائیں ہم میں سے بعض بعض کو رب اللہ کے سوا۔ پس اگر یہ لوگ اعراض کریں (قبول نہ کریں) تو (اے مسلمانو!) تم ان سے کہ دو، تم گواہ رہو، بیشک ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری کرنے والے ہیں ﴿۶۴﴾

رہط آیات جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ سورۃ بقرہ میں روئے سخن زیادہ تر یہودیوں کی طرف تھا۔ اور اس سورۃ آل عمران میں زیادہ تر عیسائیوں کے عقائد باطلہ کی تردید ہے۔ اس سورۃ میں تقریباً ۸۳ آیات بحران کے عیسائیوں کے متعلق نازل ہوئی ہیں جو حضور علیہ السلام سے سبقت مباحثہ کرنے کے لیے مدینہ طیبہ آئے تھے۔ بلکہ جو آپ نے مبالغہ کا چیلنج پیش کیا، تو انہوں نے قبول نہ کیا۔ بلکہ حزیبہ ادا کرنے پر رضامند ہو کر صلح کر لی۔ اور واپس چلے گئے۔ اہل کتاب کے ان دونوں گروہوں کے عقائد باطلہ کی بیخ کنی کی گئی ہے۔ اور دلائل کے ساتھ ان کا رد کیا گیا ہے آج کی آیت میں یہود و نصاریٰ دونوں کو مخاطب کر کے عقیدہ توحید کی دعوت دی گئی ہے۔ جو کہ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔

میں لکھتے ہیں لَا وَثْنَا وَلَا صَلِيْبًا وَلَا صَنْمًا وَلَا طَاعُوْتًا وَلَا نَارًا وَلَا
 سَيْفًا یعنی آؤ ہم اس بات پر متفق ہو جائیں کہ ہم اللہ کے ساتھ نہوت کو شریک
 بنائیں گے، نہ صلیب کو، نہ طاغوت کو، نہ آگ کو اور نہ کسی اور چیز کو۔ طاغوت
 کے متعلق قرآن پاک کی تعلیم موجود ہے وَالْحَبْتَنِي وَالطَّاغُوْتُ طَاغُوْتٌ سِ
 يْجُو. شاہ عبدالقادر نے طاغوت کا معنی ”ہٹ دنگا“ کیا ہے۔ یعنی وہ شخص جو کسی کے
 بنانے سے نہیں بلکہ خود ہی خود دھری بن جائے۔ اور یشطان کی خصلت ہے
 بلکہ ساری باطل طاقتیں اسی قبیل سے ہیں۔

مقصد یہ کہ اہل کتاب کو دعوت دی گئی ہے کہ آؤ ہم سب مل کر اپنی
 عبادت اللہ ہی کے لیے مخصوص کر دیں۔ چنانچہ ہر مومن، ہر نماز کی ہر رکعت
 میں اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ اے مولا کریم! اَيُّاكَ نَعْبُدُ ہم تجھے ہی
 عبادت کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں۔ لَا نَعْبُدُ عِيْثُوْنًا ہم تیرے سوا
 کسی کی عبادت نہیں کرتے۔ تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ مگر
 عیسائیوں نے اقنوم ثلاثہ کا عقیدہ گھڑ لیا یعنی باپ، بیٹا اور روح القدس
 تین مل کر ایک خدا بنتے ہیں۔ پھر تینوں الگ الگ بھی خدا ہیں۔ عجیب مغرب ہے
 بالکل مشرکانہ عقیدہ۔ نہ تو تین خدا ہیں اور نہ تینوں ایک ہیں۔ یہ سب بناوٹی
 عقیدے ہیں۔ یہ باتیں پولس نے عیسائیوں کے عقیدے میں داخل کیں۔ انجیل
 کی تعلیم کے بالکل خلاف ہے۔ نہ کوئی خدا کا اوتار ہے اور نہ کوئی اس کا مظهر
 ہے۔ یہ تو ہتوڈ کا عقیدہ ہے۔ عیسائیوں کا عقیدہ بھی اُن کے ساتھ ملتا جلتا ہے۔
 کہ خدا کسی انسان کے روپ میں آکر ظاہر ہوتا ہے۔ اس طرح وہ شخص اوتار یا
 مظهر خدا کہلاتا ہے۔ کہیں مریم پرستی ہو رہی ہے۔ حضرت مریم کی تصویروں
 کو گھر گرجوں میں رکھ کر اُن کی تعظیم کی جاتی ہے۔ اُن کو مادرِ خدا کہتے ہیں۔ اُن کے
 نام کی نذر و نیاز دیتے ہیں۔ سیح پرستی کے علاوہ موجودہ عیسائیوں میں پاپائیت
 بھی پائی جاتی ہے۔ وہ اپنے بڑے راہنماؤں کو الٰہیت کے درجے پر پہنچا

میتے ہیں مسلمانوں میں اولیاء پرستی بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ شہدائے پرستی اور پیر پرستی مسلمانوں میں عام پائی جاتی ہے۔ ان کی ایسی تعظیم کرتے ہیں جیسی خدا کی کھرنی چاہیے۔ ان کی بات کو خدا اور رسول کی بات سے مقدم سمجھتے ہیں۔ ان کے سامنے سجدے کرتے ہیں۔ اور ان کا تقرب حاصل کرنے کے لیے مذرونیاز میتے ہیں۔

قبر پرستی کی بیماری یہود و نصاریٰ میں بھی اور اب مسلمانوں میں بھی عام ہے۔ حکومت خود اس معاملے میں پیش پیش ہے۔ چادریں چڑھائی جا رہی ہیں۔ قبروں کی بے جا تعظیم ہو رہی ہے۔ یہ سب شرکیہ رسوم اور امر اور نہی ہے بھائی! قبروں پر جا کر وہ کام کرو، جو شریعت سے ثابت ہے اور جن کا حکم دیا گیا ہے۔ وہاں جا کر فاتحہ پڑھو، اور فوت شدگان کے لیے دعا کرو، حضور علیہ السلام نے خود اپنے متعلق فرمایا اللہُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِي وَوَسْتًا يُقْبَدُ لِي اللہ! میری قبر کو صنم یا بت نہ بنا کر لوگ اس کی پوجا کرنے لگیں۔ اس زمانے میں قبر پرستی کی بہت ہی صورتیں رائج ہیں۔ یہ عرس کیا ہے۔ شرک و بدعت کے ارتکاب کا ایک طریقہ ہے۔ قبر کو پختہ بنا کر جائزہ نہیں بلکہ حرام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا تَجْصَّصُوا قَبْرِيں پر چونا نہ لگاؤ۔ مگر اب چپس ہو رہے ہیں۔ گنبد بنائے جاتے ہیں۔ نقش و نگار ہوتا ہے۔ اللہ کے بندوایہ اینٹ، مساکسی غریب کو دے دو، اُس کے سر چھپانے کے لیے چھوٹے پٹری بن جائے اور تمہیں ثواب بھی حاصل ہو۔ کسی محتاج کی دعائیں لو، قبروں پر چراغاں کرنے، بلب لگانے اور پنکھے نصب کرنے سے کیا حاصل۔ یہ تو سرسکا قبر پرستی ہے۔ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری بہت بڑے ولی اللہ ہوتے ہیں۔ آپ کا لقب سلطان الہند ہے۔ تقریباً نوے لاکھ انسانوں کو آپ کی وساطت سے ایمان کی دولت نصیب ہوئی، اسی طرح سید خواجہ علی ہجویری اپنے پیر و مرشد حضرت فتلی کے حکم سے لاہور تشریف لائے اور تبلیغ کا کام کیا۔ جب آپ کو لاہور آنے

کا حکم ہوا، تو عرض کیا۔ حضرت! وہاں تو سید میرا حسین زنجانی تبلیغ دین میں مصروف ہیں میں وہاں جا کر کیا کروں گا۔ فرمایا، جاؤ میرے حکم کی تعمیل کرو۔ چنانچہ آپ لاہور تشریف لے آئے۔ جیب آپ شہر میں داخل ہوئے تو ایک جنازہ نظر پڑا، دریافت کیا تو معلوم ہوا۔ کہ سید میرا حسین زنجانی کا جنازہ جا رہا ہے، غرضیکہ خواجہ اعجازی نے ہندوستان میں دین کی بہت بڑی خدمت کی۔ ان کے متعلق شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔ کہ جو کوئی شخص ان کی قبر پر یا سالار سعود غازی کی قبر پر اس غرض سے جاتا ہے کہ ان سے کوئی حاجت طلب کرے، وہ قتل اور زمانے سے زیادہ سنگین جرم کا مرتکب ہوتا ہے۔ اسی طرح لاہور میں حضرت علی ہجویری بہت بڑے عالم اور بزرگ تھے۔ ان کی بلند درجات کے لیے دعا کرتا تو جائز ہے بلکہ فوری اور کبھی کی مراد پوری کرتا اور حاجت روائی کرتا تو صرف شانِ خداوندی ہے۔ یہ ان بزرگوں کی شان نہیں ہے۔ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ان کے طریقے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان کے واسطے سے ہمارا خاتمہ باخیر ہو۔ جنت میں ان کی معیت نصیب ہو۔ ایصالِ ثواب کرنا ہے۔ تو اپنے گھر پر ہی مساکین کو کھانا کھلا دو کپڑے پہنا دو۔ دیگر ضروریات مہیا کر دو اور دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کا اجر خواجہ حسین الدین چشتی کو یا خواجہ سعود سالار غازی کو یا حضرت علی ہجویری کی روح مبارک کو پہنچائے۔ ان کے درجات بلند کرے۔ یہ سب کچھ اپنے مقام پر بھی ہو سکتا ہے وہاں چل کر جانے کی کیا ضرورت ہے۔

حکام پرستی اور ملوک پرستی بھی شکیبائیں شامل ہے اور شرک ہی کی قسم ہے۔ جاپانی شیتو ازم یعنی ملوک پرستی میں مبتلا تھے۔ وہ لوگ اپنے بادشاہ کو اللہ کا درجہ دیتے تھے۔ بادشاہ کو کلی اختیار تھے، جو چاہے کرے، اُس پر کوئی قدر سخن نہ تھی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ کہہ دیجئے کہ مسلمہ بات یہ ہے کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ نہ کسی کو حاضر و ناظر مانیں، نہ مختار کل،

شرک کی
لعنت

تہ علیم کل، نہ مشکل کشا اور حاجت روا۔ کسی کو پیر دستگیر اور غوث اعظم بھی تسلیم نہ کریں
یہ سب مشرک یہ باتیں ہیں۔ صرف خدا تعالیٰ کے لیے لائق ہیں۔ مافوق الاسباب حاجت روائی
اور مشکل کشائی صرف خدا کی ذات ہی کہہ سکتی ہے۔ جگہ جگہ یا علی اور باغوث کجا ہوا ہے
یہ سب مشرک کی نشانیاں اور غلط عقیدے کا اظہار ہے۔ پیروں کے سامنے رکوع
اور سجدہ کیا جاتا ہے۔ بلکہ قبل اس پر بھی سجدے ہوتے ہیں۔ یہ تو انجیل نے بھی منع
کیا ہے۔ و لول یہ آیت موجود ہے۔ خداوند کو سجدہ کہہ اور صرف اسی کی عبادت
کہہ مگر عیسائی اس کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ مسیح علیہ السلام کو ابن اللہ یا
اللہ مانتے ہیں۔ مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ وہی
معاملہ کرتے ہیں۔ جو خدا تعالیٰ کے ساتھ ہونا چاہیے۔

آگے فرمایا، وَلَا يَتَّخِذْ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَمِنْ
سے بعض بعض کو اللہ کے سوا رب نہ بنالیں۔ کسی کو رب بنانا بھی کفر اور مشرک
میں داخل ہے۔ لَا رَبَّ سِوَاهُ خدا کے سوا کوئی رب نہیں۔ ہم بار بار پڑھتے ہیں
الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ پھر یہ بھی کہتے ہیں۔ وَقِيلَ أَنْعَوْذْ
بِكَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ هَ مَلِكِ النَّاسِ مطلب یہ کہ رلو بریت کا مالک، پڑھنا
کرنے والا کسی چیز کو درجہ کمال تک پہنچانے والا اور تمام اسباب مہیا کرنے والا

بزرگان دین کے کلام میں پیر دستگیر اور غوث اعظم وغیرہ الفاظ بعض مقامات پر استعمال کیے
گئے ہیں۔ لیکن انہوں نے اس سے ہرگز وہ معانی مراد نہیں لیے جو اہل مشرک مراد لیتے ہیں۔
بلکہ غوث سے مراد ایسی مقبول کار آمد مستجاب الدعوات ہستی جنہی دعاؤں اور برکات سے اللہ تعالیٰ
لوگوں کو فیض پہنچاتا ہے اور یہ لوگوں کا تڑکیر کرتے ہیں اور روحانی فیض پہنچاتے ہیں۔ اور لوگوں
کی طرح طرح کی مشکلات اور ضروریات کی گمراہ کشائی ان حضرات کی تعلیم و تربیت، تلقین
و تکریم، تصفیہ، دعاؤں اور توجہات وغیرہ کی جس سے ہوتی رہتی ہے۔ - ۱۲

صرف اور صرف خدا تعالیٰ ہی ہے۔ لہذا اُس کے سوا کسی کو رب نہ بنائیں۔
 شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں۔ کہ توحید کے دو درجے تو مشرک
 بھی مانتے ہیں یعنی واجب الوجود اور خالق۔ وہ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ خدا کی ذات
 واجب الوجود ہے اور وہی ہر چیز کا خالق ہے۔ مگر خرابی تیسرے اور چوتھے درجے
 میں جا کر پیدا ہوتی ہے۔ تیسرے درجے تدبیر کا ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ ہی تدبیر ہے۔ وہی ہر
 چیز کی تدبیر کرتا ہے۔ مگر مشرک لوگ یہاں آ کر پھسل جاتے ہیں۔ نجومی ستاروں کو
 بھی تدبیر کنندہ سمجھتے ہیں۔ عیسائی اسکی نسبت مسیح علیہ السلام کی طرف کرتے ہیں
 یہودی عزیر علیہ السلام کی طرف اور باقی مشرک کسی اور طرف۔ اور اس طرح مشرک
 میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ توحید کا چوتھا درجہ عبادت ہے۔ اس کا طلب
 یہ ہے کہ پورے خلوص کے ساتھ انتہائی درجے کی تعظیم صرف خدا کی ہی ہو سکتی ہے
 کوئی دوسری ہستی مستحق عبادت نہیں ہے۔ مگر حال یہ ہے۔ کہ لوگ مالی اور
 جانی ہر قسم کی عبادتیں خدا کے علاوہ دوسروں کے سامنے انجام دیتے ہیں۔ اور
 اس طرح شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ نے اپنے پیروں میں امام
 جعفر صادقؑ سے عرض کیا۔ اے رسول اللہ کے فرزند! یہ فرمائیں۔ کیا اللہ تعالیٰ
 نے اپنی ربوبیت بھی کسی کے سپرد کی ہوئی ہے انہوں نے کہا، معاذ اللہ اللہ
 نے اپنی ربوبیت کسی کے سپرد نہیں کی۔ ربوبیت کے کام وہ خود انجام دیتا ہے
 لوگوں کی حاجات پوری کرنے کا اُس نے کسی کو اختیار نہیں دیا۔ ابن جریر فرماتے
 ہیں کہ گناہ کے کام میں کسی کی اطاعت کرنا اور غیر اللہ کے آگے سجدہ کرنا بھی بعض کو
 بعض کا رب بنا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے شاگرد حضرت عکرمہؓ کا قول ہے۔ کہ بنیادی
 طور پر آدیاناً مِنْ دُونِ اللہِ تحلیل و تحریم کے بائے ہیں ہے۔ اس کا
 پتہ خود حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک کے ایک واقعہ سے چلتا ہے۔ حاتم طائی

کی سخاوت ضرب المثل بن چکی ہے۔ امام ابن قیم نے اپنی کتاب "مغز الشریعہ" میں تذکرہ کیا ہے۔ کہ حاتم کی سخاوت کو شہرت ایسے ہی حاصل نہیں ہوگی، اس شخص نے انیس سو مرتبہ اپنا گھربار، مال و متاع گنا دیا تھا۔ عیسیٰ مذہب رکھتا تھا اور اسی پر اسی موت واقع ہوئی، اس کا بیٹا عدی بن حاتم بھی عیسیٰ تھا اور اہل بار میں اسلام کا سخت مخالف تھا۔ مگر کسی نیک آدمی کے مشورہ سے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوا۔ اس کی بہن کو بھی ایمان کی دولت نصیب ہوئی۔ عدی خود بیان کرتے ہیں کہ جب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، تو اس وقت **فِي عُنُقِي صَلْبِيَّتٌ مِّنْ ذَهَبٍ مِّمْرِی** گردن میں سونے کی صلیب لٹک رہی تھی۔ آنحضرت علیہ السلام نے دیکھتے ہی فرمایا **الْقِ عِنْدَكَ هَذَا الْوَشْنُ لَاسِ بَتٍ** کو اپنی گردن سے اتار پھینک۔ گویا آپ نے صلیب کو وٹن کہا۔ صنم اور وٹن میں فرق یہ ہے کہ جو بت گھڑا ہوا ہوتا ہے۔ وہ صنم کہلاتا ہے۔ اور جو ان گھڑا ہو، اُسے وٹن کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے صلیب کو وٹن فرمایا۔ نیز حضور علیہ السلام نے یہ بھی تلاوت فرمایا **لَا تُخْذُوا أَحْبَارَهُمْ وَذَهَبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ إِنَّ هَؤُلَاءِ هُمُ الَّذِينَ هُمْ** اپنے مولویوں اور درویشوں کو رب بنا لیا ہے۔ حضرت عدی کہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا حضرت! **مَا كُنْتُمْ لَدَهُمْ** ہم ان کی عبادت تو نہیں کرتے تھے۔ رب تو جب بنا تے جب ان کی عبادت کرتے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا **الْيَسْنَ أَنَّهُمْ كَالْوَالِدِ يُكُونُ لَهُمْ مَا حَرَّمَ اللَّهُ** کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ اہل کتاب کے مولوی اللہ کی حرام کردہ اشیاء کو حلال قرار دیتے تھے اور وہ لوگ اسے حلال ہی سمجھتے تھے۔ نیز یہ کہ جس چیز کو اللہ نے حلال فرمایا وہ درویش اُس چیز کو حرام قرار دیتے تھے، اور وہ لوگ اسے حرام ہی سمجھتے تھے۔ حضرت عدی نے عرض کیا، حضور! ایسا تو ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ یہی تو رب بنا رہے۔ کیونکہ حلال، حرام ان کے اختیار میں نہیں تھا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں۔ کہ کسی چیز کو حلال یا حرام مٹھرانا اللہ تعالیٰ کی صفاتِ مخصوصہ میں سے ہے۔ البتہ جب اس کی نسبت نبی کی طرف ہوتی ہے تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے۔ کہ کسی چیز کی علت یا حرمت کی قطعی علامت ہے۔ بنی خود حلال و حرام نہیں کرتا۔ بلکہ اُسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان کرتا ہے۔ جس چیز کو مجتہد حلال یا حرام مٹھرتے ہیں، اُس کا مطلب یہ ہوتا ہے۔ کہ انہوں نے یہ فیصلہ قرآن و سنت کی روشنی میں دیا ہے۔ انہیں خود ایسا کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ جس چیز کا نبی کو اختیار نہیں، مجتہد کو کیسے ہو سکتا ہے۔ شیخہ حضرت اپنے ائمہ کے متعلق یہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ یسعون مایشاءون و یحرمون مایشاءون یعنی ان کے امام معصوم ہیں وہ جس چیز کو چاہیں حلال قرار دیں اور جس کو چاہیں حرام کہہ دیں یہ مکمل حقیقت ہے کہ معصوم صرف نبی کی ذات ہے۔ یہ گارنٹی صرف اُسے حاصل ہے۔ کہ اُس سے گناہ کبیرہ نہیں ہونے دیا جائے گا۔ لہذا شیعوں کا عقیدہ اس معاملے میں درست نہیں ہے۔

حضرت علیہ السلام نے مختلف ممالک کے فرمانرواؤں کو بذریعہ خطوط و مکتوبات اسلام کی دعوت دی۔ ان خطوط میں ایک خط قیصر شاہ روم کے نام بھی تھا۔ یہ دعوت نامہ آپ نے کھمہ میں جمہ ابن غلیفہ کلبی کے ہاتھ گورنر شام کی معرفت بھیجا تھا اس خط کے الفاظ یہ ہیں۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہ مِنْ مُحَمَّدٍ الرَّسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰی ہَذٰلِ عَظِیْمِ التَّوْحٰدِ سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی یہ خط اللہ کے رسول محمد علیہ السلام کی طرف سے رومیوں کے بادشاہ ہرقل جو عظیم ہے رومیوں کا بھی طرف ہے۔ سلامتی ہو اُس پر جس نے ہدایت کی تابعداری کی ابا بعد فَاسَلِمُوْا تَسَلِمُوْا سَلَامٌ لَّہٗ اَوْ سَلَامٌ یَّجَاؤُکُمْ۔ وَاسَلِمُوْا یُوْتِکُمُ اللّٰهُ اَجْرًا کَثِیْرًا تَنْبِیْنِ اِسْلَامِہٖ سَبُوْلَہٗ لُوْا اللّٰہَ دُوْبًا جَدِیْدًا۔ عِیَاشِیَّتِہٖ کے بعد اگر ایمان لے آؤ گے تو عیاشیت کا اجر بھی ملے گا اور اسلام لانے کا

اجر بھی یعنی دوہرا اجر ملے گا۔ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ اور اگر تم روگردانی کرو گے فَإِنَّ
عَلَيْكُمْ اِنَّہم الیٰہِ لَیْسِیْنَ تو تمام رعیت کا گناہ بھی تم پر ہوگا۔ کیونکہ تمہاری وجہ
 سے سب لوگ ایمان سے محروم رہ جائیں گے۔ اس کے بعد یہ آیت لکھی جو آج
 کے درس میں آئی ہے۔ يَا اَهْلَ الْكِتَابِ تَقَالُوبًا كَلِمَةً
سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا تَعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهِ
شَيْئًا وَلَا تَتَّخِذَ بَعْضُنَا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَمَنْ
تَوَلَّوْا فَقَوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ

حضور نبی کریم ﷺ صبح کی نماز کی سنتوں میں پہلی رکعت
 میں پہلے پائے کی یہ آیت تلاوت فرماتے تھے۔ قَوْلًا اٰمَنًا
بِاللّٰهِ وَمَا اُنزِلَ اِلَيْنَا وَمَا اُنزِلَ اِلٰى اٰبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ
وَاٰدَمَ وَاٰدَمَ وَاٰدَمَ وَاٰدَمَ وَاٰدَمَ وَاٰدَمَ
اُولٰٓئِكَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ
اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَہُمْ مُسْلِمُوْنَ اور دوسری رکعت میں آج کی آیت
يَا اَهْلَ الْكِتَابِ تلاوت فرماتے بعض اوقات آپ پہلی رکعت میں سورۃ کافرون
 اور دوسری رکعت میں سورۃ اخلاص بھی تلاوت فرماتے۔ یہ آیات اور سورتیں عقیدہ
 توحید اور تردید شرک پر مشتمل ہیں۔ اس لیے بڑی اہم ہیں۔ ان میں اسلام کی بنیادی باتیں
 اور اسکی دعوت ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

الْإِعْمَارُ ۳

درس بست ۲۲

آیت ۶۵ تا ۶۸

يَا هَلْ أَلِيبُ لِمَ تَحَاجُّونَ فِي إِبْرَاهِيمَ وَمَا
 أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ إِلَّا مِنْ بَعْدِهِ أَفَلَا
 تَعْقِلُونَ ﴿٦٥﴾ مَا أَنْتُمْ هَؤُلَاءِ حَاجِبْتُمْ فِي مَا
 لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُمْ
 بِهِ عِلْمٌ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٦﴾
 مَا كَانَ إِبْرَاهِيمَ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ
 كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٦٧﴾
 إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَ
 هَذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٨﴾

ترجمہ: اے اہل کتاب! تم کیوں جھگڑا کرتے ہو: ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں
 حالانکہ ہمیں نازل کی گئی تواریخ اور انجیل مگر ان کے بعد کیا تم عقل نہیں رکھتے ﴿۶۵﴾
 سنو اے لوگو! جھگڑا کیا تم نے اس چیز میں جس کا تمہیں علم تھا۔ اب کیوں جھگڑا کرتے
 ہو اس چیز میں جس کے بارے میں تمہیں علم نہیں ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم
 نہیں جانتے ﴿۶۶﴾ ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی مگر وہ حنیف
 (سب طرف سے ہٹ کر ایک طرف نکلنے والے) اور مسلمان (اللہ کے فرمانبردار)
 تھے اور وہ مشرک کرنے والوں میں نہیں تھے ﴿۶۷﴾ بیشک لوگوں میں سے
 ابراہیم علیہ السلام کے زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کا اتباع کیا اور
 یہ نبی اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا ولی (کارسا)

رہنمائی

گذشتہ درس میں اہل کتاب کو اُس کلمہ توحید کی دعوت دی گئی تھی، جو تمام انبیاء علیہم السلام، تمام کتب اور تمام شرائع کا تعلق علیہ مسئلہ ہے۔ یعنی خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے، اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا جائے۔ اور ہم ایک دوسرے کو رب نہ بنائیں جس طرح یہود و نصاریٰ نے اپنے اجداد اور بہن کو رب بنالیا۔ اور رب بنانے سے مراد یہ ہے کہ جس چیز کو مولوی اور درویش حلال قرار دے دیں اُسے حلال سمجھ لیا جائے اور جسے حرام کہیں اس کو حرام ہی سمجھ لیں۔ گذشتہ درس میں اس بات کی وضاحت کر دی گئی تھی کہ تحلیل و تحریم اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہے۔ اس کے سوا کسی کو حلال یا حرام قرار دینے کا اختیار نہیں ہے۔ جب نبی کسی چیز کو حلال یا حرام کہتا ہے۔ تو اس کو قطعی سمجھ لینا چاہیے۔ کیونکہ نبی وہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان کرتا ہے۔ آج کے درس میں بھی خطاب اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ دونوں سے ہے۔ اور ان کے آپس کے اُس جھگڑے کے متعلق ہے، جو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق کرتے تھے۔

حضرت حسن بصریؒ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ شامیوں نے جب بصران کے عیسائی حضور علیہ السلام کے ساتھ بحث و مناظرہ کرنے کے لیے مدینے آئے، تو مدینے کے یہودی بھی جمع ہو گئے۔ عیسائیوں کا لاٹ پادری بھی وفد میں شامل تھا، اور یہودیوں کے علماء بھی اکٹھے ہو گئے اور یہ دونوں گروہ آپس میں جھگڑنے لگے۔ یہودی کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمارے طریقے پر تھے۔ مگر نصاریٰ یہ بات تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے۔ ان کا دعویٰ تھا۔ ابراہیم علیہ السلام عیسائیوں کے طریقے پر تھے۔ مگر دوسرا گروہ ماننے کے لیے تیار نہ تھا۔ گویا دونوں گروہ اپنی نسبت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کرتے تھے۔ یہ معاملہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں بھی پیش ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرما کر یہود و نصاریٰ دونوں گروہوں کی تردید فرمائی۔ کہ دونوں فریق ابراہیم علیہ السلام

کے طریقے سے ہٹ چکے ہیں۔ لہذا ان کی خالی نسبت کا کچھ فائدہ نہیں۔

ارشاد ہوتا ہے يَا هٰٓهَلْ الْكِتٰبِ لے يهودیوں اور عیسائیوں! لِقٰتِحٰٓ جَوْدٍ
فِيْ اٰبِلْ هِيْ سَمْرَ تَم ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو۔ یہودیوں
 کا دعویٰ ہے۔ کہ ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے۔ حالانکہ آپ کو یہودیت سے کیا
 تعلق۔ یہودیت تو تورات کو مسخ کرنے سے پیدا ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے جس تورات
 کو نازل فرمایا یہودیوں نے اس میں تحریف کی۔ اس میں قطع برید کرنے کے بعد
 کچھ چیزیں اپنی طرف سے ملائیں اور بعض اصلی احکام چھوڑ دیے۔ اس طرح تورات
 اپنی اصل حالت میں باقی نہ رہی۔ گویا یہودیت موسیٰ علیہ السلام کے بگڑنے ہوئے
 دین کا نام ہے۔

اسی طرح عیسائیت انجیل کو بگاڑنے سے پیدا ہوئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام
 کی زندگی میں آپ کے حواری تورات کو مانتے تھے اور آپ کے دین کی تبلیغ
 بھی کہتے تھے۔ مگر جب آپ کو آسمان کی طرف اٹھایا گیا، تو انجیل میں ردوبدل
 شروع ہو گیا۔ روم کے مشرک بادشاہ نے عیسائیت قبول کر لی۔ اس کے ساتھ
 اُس کی رعایا بھی اسی دین میں شامل ہو گئی پھر انہوں نے بہت سی مشرکانہ رسوم
 عیسائیت میں داخل کر دیں۔ عقائد بھی بدل دیے۔ پوسس کی تعلیم کے ذریعے
 ابنیت کا عقیدہ وضع کیا گیا۔ یعنی مسیح علیہ السلام خدا کا بیٹا ہے۔ اسی طرح تین
 خداؤں کا عقیدہ ایجاد ہوا۔ غلط عقاید اور مشرکانہ رسوم نے اصل مذہب کو باقی نہ رہنے
 دیا اور اس طرح عیسائیت یا نصرانیت معرض وجود میں آئی۔ عیسائیوں کے مولوں
 اور پادریوں نے انجیل کی تعلیمات کو بگاڑ دیا۔ خنزیر کو حلال قرار دینے کا مسئلہ
 قسطنطین کے زمانے میں پیدا ہوا۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ جب رومیوں کا
 بادشاہ قسطنطین عیسائی ہو گیا تو خنزیر کو حلال قرار دے کر کھانا شروع کر دیا گیا
 حالانکہ شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد آنے
 والے تمام انبیاء نے خنزیر کو حرام قرار دیا۔ اور یہ سب کچھ عیسیٰ علیہ السلام کے بہت

بعد کی بات ہے۔ الغرض! عیسائیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بچڑے ہوئے
دین کا نام ہے۔

ہم آج کے ملک میں بھی دین کے ساتھ کم و بیش ایسا ہی ہوا ہے۔ آج کی بیشتر
رسوم ہندوؤں سے ماخوذ ہیں۔ خصوصاً موت کی رسوم منجھ تیسرا، سا تو ال، ادسواں،
چالیسواں، بڑھی وغیرہ ہندوانہ رسمیں ہیں۔ آریاؤں کی آمد کے بعد برصغیر میں ہندو مذہب
اختیار کر لیا گیا۔ اور ان کی رسوم صدیوں تک اس ملک میں جاری رہیں۔ پھر جب
اسلام آیا تو یہی رسوم اسلام میں داخل ہو گئیں۔ شاہی بیاہ کے سلسلہ میں گانا، سہرا، باجا
غیرہ سب ہندوؤں کی رسمیں ہیں۔ یہ چیزیں اسلام کے ساتھ عرب سے نہیں آئیں۔
بلکہ یہاں پر دین میں داخل کملی گئیں۔ شب معراج اور دیگر مواقع پر چرائی کی بیماری
جھوسوں کے راستے سے آئی کیونکہ وہ آگ کو مقدس مانتے تھے۔ ہندو بھی اپنی
دیوالی اور دسہرے کے موقع پر چرائی کرتے تھے۔ مسلمانوں میں بھی جاری ہو گیا
الغرض! جس طرح عیسائیوں اور یہودیوں نے غلط عقیدے اور رسوم اپنے دین
میں داخل کئے، صلی دین کو بگاڑ دیا۔ اسی طرح مسلمان بھی اس کام میں ان سے
پیچھے نہیں ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات کا نزول حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک
ہزار سال بعد ہوا۔ اور انجیل کے نزول کے وقت تو دو ہزار سال سے بھی زیادہ عرصہ
گزر چکا تھا۔ تو ابراہیم علیہ السلام پر ہزاروں سال بعد پیدا ہونے والی ہیودیت یا نصریت
کیسے چپاں کی جا سکتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے اہل کتاب! تم
ابراہیم علیہ السلام کے متعلق کیوں جھگڑتے ہو حالانکہ وَمَا آخِرَتِ التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ
الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ تورات اور انجیل تو ابراہیم علیہ السلام کے
ہزاروں سال بعد نازل ہوئیں۔ تو جو کتابیں ان کے بعد نازل ہوئیں تم ان کی نسبت
ان کتابوں کی طرف کیسے کرتے ہو، عقل کی بات کرو۔ پھر تنبیہ کے طور پر فرمایا
مَا آتَيْنَاهُمْ لَعْنَةً حَاجِبَةً فِيمَا كَانُوا بِهٖ عَلٰمًا

تم نے اس چیز میں تو جھگڑا کیا جس کا تمہیں کچھ علم تھا۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق تو تمہیں کچھ تھوڑا بہت علم تھا۔ کہ ان پر نازل شدہ کتابیں کسی نہ کسی شکل میں تمہارے پاس موجود تھیں۔ لہذا ان کے متعلق تمہارا اختلاف رائے کسی حد تک قبول کیا جاسکتا ہے۔ فَلِمَ تَحَاجُّوْنَ فِیْمَا لَیْسَ

لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ مگر تم اس چیز کے متعلق کیوں جھگڑا کرتے ہو۔ جس کا تمہیں سرے سے علم ہی نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کوئی صحیح صحیفہ تمہارے پاس نہیں۔ ان کی کسی تعلیم پر تمہارا عمل نہیں۔ لہذا ان کی طرف غلط باتیں کیوں منسوب کرتے ہو۔ کہ وہ یہودی تھے یا نصرانی تھے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ
وَانتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اس بارے میں اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اور تم نہیں جانتے۔

فرمایا مَا كَانَ اِبْرٰهٖمُ کَیْفُوْدِیًّا وَلَا نَصْرَانِیًّا ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی وَلٰکِنْ کَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِماً بلکہ وہ تو حنیف اور مسلمان تھے۔ حنیف اس کو کہتے ہیں۔ جو سب طرف سے ہٹ کر ایک طرف لگ جائے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اسی بات کی تعلیم دی حَنِیْفًا ۗ لِلّٰهِ اللہ کیلئے حنیف بن جاؤ۔ ہر طرف سے کٹ کر صرف اسی کی اطاعت میں آ جاؤ اور مشرک نہ بنو۔ چنانچہ ابراہیم (علیہ السلام) تو حنیف ہیں، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے عرض کیا اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهَیْ لِلَّذِیْ فَطَرَنَا السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا ۗ وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ میں نے ہر طرف سے منہ موڑ کر اپنا رشتہ اس اللہ جل جلالہ سے جوڑ لیا ہے۔ جو آسمان و زمین کا خالق ہے۔ اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ حنیف سے مراد وہ شخص ہے جو ابراہیم کو ماننے والا ہے۔ فارسی تفسیر فتح الرحمن کے حاشیے پر لکھا ہے کہ حنیف وہ شخص ہے۔ جو کعبے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا ہے۔ جو بیت اللہ کا حج کرتا ہے۔ جو ختنہ کرتا ہے، جو شعائر اللہ کی تعظیم کرتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی وحدانیت

کو تسلیم کرتا ہے۔ یہ سب حنیف کی علامتیں ہیں، تو کوئی مشرک آدمی حنیف کیسے ہو سکتا ہے۔ بمشکر اور حنیف تو متضاد صفات ہیں۔

فرمایا ابراہیم علیہ السلام حنیف بھی تھے اور مسلمان بھی۔ واصل حنیف اور مسلمان ہونا ایک ہی چیز ہے۔ اسلام کا معنی اطاعت اور فرمانبرداری ہے جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا اَسْلِمُوا فرما نہ لو کہ ہو جاؤ اسلام قبول کر لو۔ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا ہاں مولا کریم! میں نے تیری فرمانبرداری قبول کر لی۔ میرا تو مقصد حیات ہی تیری اطاعت ہے۔ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ جو کہتے ہیں۔ کہ ابراہیم علیہ السلام یہودی یا نصرانی تھے۔ یہ اپنی نسبت غلط طور پر ابراہیم علیہ السلام کی طرف کرتے ہیں۔ وَمَا كَانَ مِنْ الْمُشْرِكِينَ ابراہیم علیہ السلام مشرکوں میں سے نہیں تھے۔

بزرگوں کی
طرف نسبت

بزرگوں کی طرف خالی نسبت کی وہ مسلمانوں میں کبھی پائی جاتی ہے۔ اپنے آپ کو سلفی کہلانے والے کیا واقعی اسلاف کے طریقے پر چل رہے ہیں۔ محض دعویٰ ہے، کام اُٹھتے ہیں۔ اسی طرح آج کل حنیفوں کی اکثریت امام ابو حنیفہ کے عقیدے سے بالکل مختلف عقیدہ رکھتی ہے۔ قادری اپنی نسبت شیخ عبدالقادر جیلانی کی طرف کرتے ہیں مگر ان کا معاملہ آپ کے ساتھ ایسا ہی ہے جیسے یہود و نصاریٰ کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ شیخ جیلانی کا عقیدہ پاک تھا، ان کا عمل پاکیزہ تھا، اعلیٰ درجے کی روحانیت کے مالک تھے مگر ان کی طرف نسبت رکھنے والے مشرک و بدعت کے ترکیب ہو رہے ہیں۔ یہی حال نقشبندیوں اور چشتیوں کا ہے۔ آج کل چشتی لگانے بجانے والے کو سمجھا جاتا ہے۔ کیا خواجہ معین الدین اجمیری کی یہی تعلیم تھی۔ خواجہ فرید الدین شکر گنج کا دروازہ سال کے بعد کھولو۔ لاکھ دو لاکھ آدمی اس میں سے گزر گئے تو چشتی اور جنتی ہو گئے۔ العیاذ باللہ۔ یہ بزرگ اعلیٰ درجے کی روحانیت کے مالک تھے۔ بچے تو حید پرست اور متبع سنت تھے۔ حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ چشتیوں کی طرف

یہ منسوب کرنا کہ وہ گانے بجانے کے قائل تھے، بالکل غلط ہے۔ اس برصغیر میں جس قدر اہل سنت و جماعت میں پایا گیا ہے، کسی اور مسلک میں نہیں ملتا۔ اسی میلے میں حضرت علی ہجویریؒ کا عرس منایا جا رہا ہے۔ مزار کو عرق گلاب سے غسل دیا جاتا ہے۔ حکومت کے نمائندے چادریں چڑھاتے ہیں۔ اب ان مزاروں پر گنبد بن گئے ہیں۔ چپس لگ گئے ہیں، عرس ہوتے ہیں۔ یہ سب کچھ کیا ہے۔

چوں کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانان
 اوقات میں آنے کا مقصد تو یہ تھا کہ لوگوں کی اصلاح کی جائے۔ شرک و بدعات سے منع کیا جائے۔ مگر اب خود مسلمان ہی یہ کام انجام دے رہے ہیں۔ ان کو اس بُرائی سے کون روکے گا۔ یہاں تو آمدنی سے مغرض ہے۔ چڑھاوے کی آمدنی کھانے پینے اور ملازموں کی تنخواہوں پر خرچ ہوتی ہے۔ جو شخص اپنی نسبت حضرت علی ہجویریؒ کی طرف کرتا ہے اور پھر شرک و بدعت کا ارتکاب بھی کرتا ہے۔ وہ خود بھی جھوٹا ہے اور اس کی نسبت بھی غلط ہے۔

خواجہ گیسو درازؒ گلبگر دکن میں رہنے والے بڑے اعلیٰ پایہ کے بزرگ تھے ان کی کلم و ہمیش سوکتا ہیں۔ ان میں قرآن پاک کی تفسیر بھی ہے۔ تصوف پر کتابیں ہیں۔ یہ محنت و تہذیب بھی ہیں۔ ان کتابوں میں شرک کی واضح تردید موجود ہے کہتے ہیں کہ آپ کے پاس ایک جوگی کوئی عمل بتانے کے لیے آیا۔ مگر ہزار سنت کے باوجود اپنے وہ عمل نہیں کیا۔ فرمایا مجھے تہلے عمل کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہمارے پاس اللہ کا قرب دلانے والے عمل موجود ہیں۔ ہم سونا بنانے کا عمل سیکھ کر کیا کریں گے آپ متوکل علی اللہ اور معلم تھے، خواجہ بختیار کاکیؒ عبادت و ریاضت کے شیدائی تھے۔ دو رکعت میں پورا قرآن کریم اور چار پارے تلاوت فرماتے تھے۔ خواجہ بختیار کاکیؒ کا مجاہدہ تھا کہ بیس برس تک زمین پر پشت لگا کر نہیں سوئے۔ نیند کا غلبہ ہوا تو بیٹھے بیٹھے ہی آرام کر لیا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا حال دیکھو۔ اُن اگے ماننے والوں نے عرس منانے پر ہی اکتفا کر لیا ہے۔ اور سمجھتے ہیں کہ وہ دنیا میں مجددیت کو ترقی دے رہے ہیں۔ یہ سب غلط نسبتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہودیت یا نصرانیت کی محض ابراہیم علیہ السلام کی طرف نسبت کچھ فائدہ نہیں دیگی۔ ان تمام بزرگوں کی طرف نسبت اسی وقت مفید ہو سکتی ہے۔ جب اُن کا عقیدہ اور عمل بھی اپنایا جائے۔ آج کل تو محض مزار بنانا لینا، اس پر عمارت بنا کر قوالی کرالینا اور عرس منانا لینا ہی کافی سمجھ لیا گیا ہے۔ عقیدے اور عمل کو کون جانچتا ہے۔ یہاں گوجر النوالہ میں ایک پاگل یا فاجر العقل کا مزار بنا دیا گیا ہے۔ کسی نے نہیں روکا کہ کیا کر رہے ہو۔ اتنے متدن شہر میں اُس دیوانے کی قبر پر چڑھا دے چڑھنے لگے ہیں۔ وہ سپارہ مخبون تھا یا مجذوب تھا، بہر حال غیر مکلف تھا۔ اُس کو خدا کا ولی بنا کر پوجا پاٹ شروع کر دی۔ کیا ایمان اور توحید اسی چیز کا نام ہے؟

حضرت ابراہیم
کے متبعین

فَرَمَا يٰۤاٰدُرَكْحُوْا اِنَّ اَوْلٰٓئِكَ السَّاسِ بِاٰبِٔرَٔهِمِ لَكَذِبِيْنَ
اَتَّبَعُوْهُۥۙ بِشَاكٍ اِبْرٰهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَے زيادہ قریب وہ لوگ ہیں جنہوں نے
اُن کے دور میں اُن کا صحیح اتباع کیا۔ ایسے ہی لوگوں کی نسبت آپ کے ساتھ
درست ہے۔ اُن کے علاوہ وَهٰذَ النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
یہ خاتم النبیین اور آپ پر ایمان لانے والے جو درحقیقت ابراہیم علیہ السلام کے
متبع ہیں، یہ بھی اُن سے مناسبت رکھتے ہیں۔ ان کو یہ حق پہنچتا ہے کہ اپنی نسبت
ابراہیم علیہ السلام کی طرف کریں۔ یہود و نصاریٰ کو یہ حق قطعاً نہیں پہنچتا۔ فرمایا
وَاللّٰهُ وَاَوْلٰٓئِكَ الْمُؤْمِنِيْنَ اللّٰهُ هِيْ مَوْمِنُوْنَ كَا كَارَسَاۡزِہٖ۔ ولی کا معنی
رفیق، سرپرست، دوست اور کارساز ہے۔ جو کوئی اللہ پر ایمان لائے پھر وہ
اُس کا کارساز بن جاتا ہے۔ پھر اُسے کسی دوسرے دروازے پر جانے کی ضرورت
باقی نہیں رہتی۔

تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

درس سبت و سہ ۲۳

الْاِعْمَانِ ۳

آیت ۶۹ تا ۷۱

وَدَّتْ طَائِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يُضِلُّوكُمْ
 وَمَا يُضِلُّونَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿۶۹﴾
 يَا اَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ
 تَشْهَدُونَ ﴿۷۰﴾ يَا اَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ
 بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۷۱﴾

۸
۱۵

ترجمہ :- اہل کتاب میں سے ایک گروہ پھیل رہا ہے کہ وہ تم کو گمراہ کریں اور وہ
 نہیں گمراہ کرتے مگر اپنی جانوں کو، اور وہ نہیں سمجھتے ﴿۶۹﴾ اے اہل کتاب! تم
 اللہ کی آیتوں کے ساتھ کیوں کفر کرتے ہو۔ اور تم گواہ ہو ﴿۷۰﴾ اے اہل کتاب!
 کیوں ملاتے ہو تم حق کو باطل کے ساتھ۔ اور تم حق کو چھپاتے ہو، اور تم جانتے ہو ﴿۷۱﴾
 گزشتہ درس میں تذکرہ ہو چکا ہے کہ یہود و نصاریٰ کا آپس میں جھگڑا یہ تھا
 کہ یہود کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے اور نصاریٰ کہتے تھے کہ
 حضرت ابراہیم علیہ السلام نصرانی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں گروہوں کی تردید
 فرمائی۔ اور فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے بلکہ وہ تو حنیف
 اور مسلمان تھے۔ یہودیت اور نصرا نیت نام کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ بلکہ یہ

دورات اور انجیل کی گھڑی ہوئی شکل کا نام ہے۔ اہل کتاب نے تو رات و نخل میں تحریرت
 کر کے اصل دین کو بگاڑ دیا۔ کفر اور شرک دونوں گروہوں میں قدر مشترک ہے۔

دوسری طرف مشرکین بھی اپنا تعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جوڑنے کا دعویٰ
 کرتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے مختلف مقامات پر اُن کے دعوے
 کی بھی تردید فرمائی ہے۔ نیز یہ بھی واضح فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ نسبت
 وہ لوگ رکھتے ہیں۔ جنہوں نے آپ کے دور میں آپ کا اتباع کیا۔ اور اس دور

میں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا۔ اور جو حقیقی معنوں میں اسلام میں داخل ہوئے
 اب اہل کتاب کے بیٹوں اور اولاد کی گھڑی کا ذکر نہ ہو رہا ہے۔ یہ لوگ جھٹک

اہل کتاب
 کا

کہ ایسے دور نکل گئے ہیں اور ان کے دل ضلالت میں اس قدر سخت ہو چکے ہیں
 کہ اب یہ کفر کے امام بنے ہوئے ہیں۔ یعنی جو شخص ایمان قبول کر کے صحیح

راستے پر چلتا ہے۔ یہ لوگ اُسے گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں چنانچہ
 اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَذُرَّتْ طَائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ الْكِتَابِ

کا ایک گروہ آرزو کرتا ہے۔ كُوْنُوْصِيْبُوْنَ كُمْ كَمَا كُوْنُوْصِيْبُوْنَ كُمْ كَمَا كُوْنُوْصِيْبُوْنَ كُمْ
 گمراہ کریں۔ گزشتہ چودہ سو سال کے عرصہ میں اہل کتاب یہی کچھ کرتے آئے

ہیں۔ کہ کسی طرح مسلمانوں کو اُن کے دین سے متنفر کر دیں۔ دوسرے مقام پر
 فرمایا کہ یہ لوگ خواہش کرتے ہیں۔ کہ تم گمراہ ہو کر ان کے ساتھ برابر ہو جاؤ۔

فَتَكُوْنُوْنَ مِثْلَهُمْ سَوَاءً ۗ اَلَا تَتَذَكَّرْنَ ۗ اِنَّ يَوْمَئِذٍ الْمُجْرِمُوْنَ
 ہیں۔ کہ عیسائیوں نے ہمیشہ یہ کوشش کی ہے۔ کہ کسی طرح مسلمانوں کو اُن کے

مرکز بننے سے ہٹا دیا جائے۔ تاکہ وہ بھی گمراہ ہو کر اُن ہی کے ساتھ آئیں۔ اگرچہ
 اُن کو جبری کامیابی ہوئی ہے۔ مگر مجموعی طور پر وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں

ہو سکے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں وعدہ کر رکھا ہے۔ کہ سچا دین ہمیشہ
 قائم رہے گا۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب مسلمان قرآن پاک کی تعلیمات

پر عمل پیرا رہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے تک مسلمان اپنے دین پر بالکل متفق

ہے اور ایک نقطہ پر قائم ہے۔ آپ کے زمانے میں یہودی سازشیں کھنسنے لگی۔ عیہ اللہ ان سبامینی یہودی تھا، جو کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ مگر مسلمانوں میں فرقہ بندی کی وہاں پیدا کر دی۔ شبیہ اسی کو مانتے ہیں۔

نصاری بھی مسلمانوں کے ساتھ برابر ٹکرنے لے رہے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا وَرُومٌ دَوَاتِ الْقُسْرُونِ یعنی رومی عیسائی قرن ہا قرن تک قائم رہیں گے حتیٰ کہ مسیح ابن مریم نازل ہو جائیں۔ کبھی عیسائیوں کو غلبہ ہو گا۔ اور کبھی مسلمانوں کو۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان صلیبی جنگیں صدیوں جاری رہیں۔ گذشتہ دو سو سال میں بھی عیسائیت کا ہڑاعروج رہا ہے۔ اس عرصہ میں برطانیہ دنیا کی سب سے بڑی طاقت تسلیم کی جاتی تھی اور برطانیہ کو برطانیہ عظمیٰ کہا جاتا تھا۔ یہ سب عیسائی ہی تھے۔ آج اگرچہ امریکہ بڑی طاقت ہے۔ مگر یہ تو کل کا بچہ ہے۔ یہ بھی برطانیہ سے جھگے ہوئے انگریز ہیں جنہوں نے نیا براعظم دریافت کیا۔ اور پھر وہیں آباد ہو گئے۔ تاہم مسلمانوں کو کمزور کرنے والے برطانوی عیسائی ہی تھے۔ جن کی سازش کافی حد تک کامیاب ہوئی۔

مستشرقین
کی سازش

امیر شکیب ارسلان شام کے باشندے تھے اور وہاں کے جاگیر دار تھے جنگ عظیم میں سلطنت ترکیہ کے ہسپتالوں کے انسپراج تھے۔ آپ انگریزوں کے خلاف جہاد میں بالفعل شریک ہوئے۔ جب انگریزوں نے ان کے علاقوں پر قبضہ کیا تو ان کی جاگیریں بھی ضبط کر لیں۔ آپ میں سال تک یورپ میں بھی مقیم رہے ہیں۔ جنگ عظیم کے بعد ایک امریکی نے مسلمانوں کی حالت زار پر انگریزی زبان میں کتاب لکھی۔ اس کا عربی ترجمہ کسی مصری عالم نے کیا۔ یہ کتاب امیر شکیب کے پاس پہنچی تو انہوں نے اس کا مقدمہ لکھا۔ اصل کتاب ایک جلد میں ہے۔ مگر اس کا مقدمہ تین جلدوں پر پھیل گیا۔ امیر شکیب نے دیکھا۔ کہ اس کتاب میں جہاں مسلمانوں کے متعلق بعض صحیح باتیں لکھی گئی ہیں۔ وہاں کچھ غلط چیزیں بھی

شامل ہو گئی ہیں۔ اس لیے آپ کو اتنا لمبا مقدمہ لکھنا پڑا۔ آپ نے پورے عالم اسلام کی سیاسی، اقتصادی، تمدنی حالت پر سیر حاصلِ بخت کی۔ اور تمام ممالک اسلامیہ کی مردم شماری بھی پیش کی۔ پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے درمیان عرصہ میں یہ بڑی اہم کتاب تصور کی جاتی تھی۔ مجموعی حالات کے لحاظ سے عالم اسلام پر اس سے بہتر اور کوئی کتاب نہ تھی۔ آپ نے ایک مقام پر لکھا ہے۔ کہ یورپ کے یہودی اور عیسائیوں نے گذشتہ زمانے میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کم و بیش چھوٹی بڑی چھ لاکھ کتابیں لکھی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کتابوں میں ان لوگوں نے مسلمانوں اور ان کے پیغمبر اکظم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کس قدر طوفان مٹھایا ہو گا۔

مشرقی علوم کے ماہر انگریز اور یورپین لوگ مشرق کھلاتے ہیں۔ یہ لوگ اسلام کے ہمدردین کمر اسلامی علوم کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اور پھر اسے بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جنرل ایوب کے زمانے میں فضل الرحمن اسی قبیل سے تھا۔ وہ بھی مستشرقین کا شاگرد وہی تھا جس نے کہا تھا۔ کہ قرآن پاک کا کچھ حصہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور کچھ حصہ میں حضور علیہ السلام کے اقوال بھی ہیں۔ اس نے بظاہر خدمت اسلام کے جذبہ سے کتاب لکھی مگر اس میں اس قسم کا طوفان باندھا۔ پاکستان میں اس کے خلاف شور برپا ہوا تو فضل الرحمن کو اس کے حوالے سے ہٹا دیا گیا۔ یہ اور اس قسم کے دوسرے لوگ مسلمانوں کو دین سے بظن کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ یہود و نصاریٰ اور مستشرقین کا مشترکہ نصب العین ہے ان کی خواہش اور کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی طرح مسلمان اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور قرآن پاک سے متنفر ہو جائیں۔ یہ لوگ ایسے ایسے اعتراضات اٹھاتے ہیں۔ کہ بعض لوگ ٹنک میں پڑ جاتے ہیں۔ ان کے حملہ سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ کہ مسلمان اپنے سرکزی عقیدہ اور قرآن کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط رکھیں۔ اگر مسلمان ان دو چیزوں کا دامن چھوڑے۔ بیٹھے تو پھر گمراہی کے سوا کچھ حاصل نہ ہو گا۔

آپ دیکھ رہے ہیں۔ کہ مخالفین اسلام کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ پورے عالم اسلام میں کہیں بھی مسلمان اپنے دین پر قائم نہیں رہ سکے ان کے عقیدے بگڑ چکے ہیں اور نظریات فاسد ہو گئے ہیں۔ آج کی دنیا میں مسلمانوں نے بھی اپنی نظریات کو اپنا لیا ہے، جو غیر مسلمانوں نے اختیار کر رکھے ہیں۔ آج کے اکثر نام نہاد اعلیٰ تعلیم یافتہ فاسد خیالات کا شکار ہیں۔ انگریزی تعلیم کے پروردہ ہونے کی بنا پر قرآن پاک کی تعلیمات کو توڑ مٹوڑ کر پیش کرتے ہیں۔

آج کھیل تماشے، سریانی، فحاشی اور ایسی ہی دیگر قباحت کو فن کا نام دے دیا گیا ہے۔ اور پھر دعویٰ یہ ہے کہ اسلام ان کی مخالفت نہیں کرتا۔ گانا بجانا، راک رنگ، فلم اور ڈرامہ فن ہے اور اس میں حصہ لینے والے فوکار ہیں۔ یہ لوگ اپنے نام نہاد فن کے ذریعے ملک کی بہت بڑی بے خدمت اکڑ رہے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ عوام الناس کو سستی تفریح مہیا کرتے ہیں۔ جگہ جگہ فن کے مظاہرے ہوتے ہیں۔ بلکہ غیر ممالک کے طائفوں سے تبادلہ ہوتا ہے، اور اس طرح دنیا بھر کی قباحتیں تبادلہ میں ملتی رہتی ہیں۔ اب یہ چیزیں ہر گھر میں اس کثرت سے جاری ہیں کہ ان کی قباحت کا احساس تک باقی نہیں رہا۔ یہ سب یہود و نصاریٰ کا اثر ہے۔

تصویر سازی کا فن بھی عیسائیوں کا ایجاد کردہ ہے۔ اور اب مسلمانوں کی زندگی کا بھی لازمی حصہ ہے، حالانکہ اسلام میں تصویر کشی بالکل حرام ہے۔ لکن اللہ المصوّرین تصویر بنانے والوں پر اللہ کی لعنت اور پھینکار ہے آج دنیا کے کسی ملک میں بھی مسلمان اسلام پر مکمل طور پر کار بند نہیں ہیں۔ اہل کتاب نے انہیں شوک شہات میں مبتلا کر دیا ہے۔ ان کے عقیدے بگاڑ دیے ہیں اور نظریات فاسد کر دیے ہیں سب فحش چیزیں ہیں۔ "قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَمُرُّ بِالْفَحْشَآءِ" اللہ تعالیٰ تو تمہیں بے حیائی اور فواحش کا حکم نہیں دیتا۔ مگر آج اپنی فحش چیزوں کو فن کا نام دیکر جائز قرار دے دیا گیا ہے۔ ان تمام لغویات

فن اور
فحاشی

کا علاج قرآن و سنت پر استقامت میں ہے۔ مگر اس دور میں دنیا بھر کے مسلمان
یہودیت اور نصاریت کا شکار ہیں۔

مشنری
اداروں
کا جال

دنیا بھر میں پھیلے ہوئے عیسائیوں کے مشنری ادارے بھی مسلمانوں کو ان
کے دین سے گمراہ کرنے کا "فریضہ" ادا کر رہے ہیں۔ مگر جسے، اسکول، ہسپتال سب
گمراہی کے اڈے ہیں۔ ہسپتالوں میں مریضوں کو انجیل کا سبق پڑھایا جاتا ہے جب
مریض تندرست ہو کر باہر نکلتا ہے۔ تو ادا عیسائی ہو چکا ہوتا ہے۔ یہی حال مشنری
اسکولوں کا ہے۔ جہاں بائبل کی تعلیم لازمی ہے۔ ان مشنری اداروں کو چلانے والے
امریکہ، کینیڈا، برطانیہ اور جرمنی کے عیسائی ہیں۔ انہوں نے بشرتی ممالک پر یغیر کی
ہوتی ہے تاکہ مسلمان اپنے اسلام سے بیگانہ ہو کر ان کے مشن کو اپنالیں۔ آج کی
دنیا میں عالمی خبریں تمام کی تمام یہود و نصاری کے توسط سے آتی ہیں اور وہ انہیں
اپنی مرضی کے مطابق توڑ مڑ کر اخبارات میں پیش کرتے ہیں۔ تاکہ مسلمانوں کے
خلاف یہود و نصاری کو تقویت حاصل ہو۔ پوری دنیا میں کوئی مسلمان خبر ایجنسی
نہیں جو ان تک صحیح خبریں پہنچانے۔ لوگ غلط مطبوعہ خبریں پڑھ کر یقین کر لیتے ہیں
حالانکہ ان میں بیشتر من گھڑت ہوتی ہیں، ان کا مقصد محض یہ ہے کہ تمہیں اپنے
اصل نظریات سے متنفر کر کے باطل نظریات کی طرف راغب کریں تاکہ قرآن
کے ساتھ تمہارا تعلق منقطع کر دیں۔

فرمایا حقیقت یہ ہے کہ اگر مسلمان اپنے مرکزی عقیدہ اور قرآن پر قائم رہیں
گے تو وَمَا يُضِلُّونَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ گمراہ کر سکیں گے مگر اپنی ہی
جانوں کو۔ ان کی پھیلائی ہوئی گمراہی کا وبال انہیں پڑے گا بشرطیکہ مسلمان اپنے
صحیح عقیدہ پر قائم رہیں۔ آگے قیامت کا محاسبہ آئیوالات ہے۔ ان کو معلوم ہو
جائے گا کہ گمراہی پھیلانے کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ وَمَا يَشْعُرُونَ وہ اس
وقت نہیں سمجھتے۔

مشنری

اللہ تعالیٰ نے فرمایا يَا هَلْ أَكْتَبَ لِمَنْ تَكْفُرُونَ

بِآيَاتِ اللَّهِ اے اہل کتاب! اللہ کی آیتوں کے ساتھ کیوں کفر کرتے ہو۔ یعنی اُن کو کیوں جھٹلاتے ہو۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا سچا نبی کیوں نہیں مانتے۔ قرآن پاک کے احکام پر عمل کیوں نہیں کرتے۔ وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ حالانکہ تم گواہ ہو۔ یعنی تم جانتے ہو کہ قرآن پاک اللہ کی سچی کتاب ہے۔ اور اس کے لانے والے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے نبی ہیں، جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ بنی اسماعیل میں سے تمہارے جیسا نبی برپا کروں گا، اور اُس کے منہ میں اپنا کلام ڈالوں گا۔ قرآن پاک وہی کلام ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہی نبی ہیں كَيْسِرْفُونَ كَمَا كَيْسِرْفُونَ أَبْنَاءَهُمْ جنہیں تم اسی طرح جانتے پہچانتے ہو جس طرح اسی اولاد کو پہچانتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ اعراف میں فرمایا ہے يٰٓجِدُونَ مَا كُتِبَ عَلَيْهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ الشُّكُوفَ وَالْإِنجِيلَ اہل کتاب حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے متعلق تورات و انجیل میں لکھا ہوا پالتے ہیں۔ مگر اپنی ضد، عناد، حسد اور ذہنی فساد کی وجہ سے اُن پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں۔

اللہ مالک الملک نے فرمایا يٰٓأَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ اے اہل کتاب! حق کو باطل کے ساتھ کیوں ملاتے ہو۔ اللہ کی نازل کردہ کتابوں میں تحریریت کے مرتکب کیوں ہوتے ہو اُس کے احکام کو کیوں بدلتے ہو۔ جب تم سے کہا جاتا ہے۔ کہ تمہاری کتابوں میں نبی آخر الزمان کی کیا علامتیں ہیں تو اصل علامات کی بجائے غلط غلط علامتیں بتاتے ہو۔ وَتَكْفُرُونَ بِالْحَقِّ اور تم حق بات کو چھپا جاتے ہو۔ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ حالانکہ تم اچھی طرح جانتے ہو۔ یہود و نصاریٰ کو حق و باطل کے امتیاز میں کوئی شبہ نہیں مگر یہ لوگ دانستہ کرتان حق اور کذب بیانی کرتے ہیں۔ مشرکین تو لاعلمی اور اشتباہ کی وجہ سے گمراہی میں پھنسے ہوئے

تھے۔ ان کے پاس کوئی کتاب نہیں تھی، مگر تم جان بوجھ کر گمراہی میں پڑے ہوئے
 ہو تمہارا کوئی علاج ممکن نہیں، جب یہ لوگ مکے میں آتے تو مشرکین ان سے
 دریافت کرتے کہ ہمارا مذہب اچھا ہے یا مسلمانوں کا تو کہتے تمہارا دین صحیح ہے
 اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا کہ یہ جان بوجھ کر ایسا کرتے ہیں تاکہ مسلمانوں
 کے خلاف نفرت پیدا ہو۔ یہ اہل کتاب ہیں۔ انبیاء کی تاریخ سے واقف ہیں
 مگر اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے مسلمانوں کو ذلیل کرنے کی کوشش کرتے
 ہیں۔ اس وقت ساری دنیا میں یہود و نصاریٰ کی سازش پھیلی ہوئی ہے۔ مگر
 بہت محتوڑے مسلمان اس سازش کو پہچانتے ہیں۔ اور اپنے دین پر قائم ہیں۔
 ورنہ اکثر بیت ان کے جال میں پھنس چکی ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ ترقی یافتہ لوگ ہیں
 جو کچھ کہتے ہیں، درست کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حق و باطل کی پہچان کی توفیق
 عطا فرمائے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

اِلْ عَمْرٰنُ ۳

درس بست و چہارم ۲۴

آیت ۲ تا ۴۲

وَقَالَتْ طَّائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكَتِبِ آمَنُوا بِالَّذِي
 أَنْزَلَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجَّهَ النَّهَارِ وَكَفَرُوا
 آخِرَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۴۲﴾ وَلَا تَوَمَّنْوْا ۙ الْآلَانَ
 تَبِعَ دِينَكُمْ ۙ قُلْ إِنَّ الْهُدَىٰ هُدَىٰ اللَّهِ
 أَنْ يُؤْتَىٰ أَحَدٌ مِّثْلَ مَا أُوتِيْتُمْ أَوْ يُحَاجُّكُمْ
 عِنْدَ رَبِّكُمْ ۙ قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ
 مَنْ يَشَاءُ ۙ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۴۳﴾ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ
 مَنْ يَشَاءُ ۙ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے کہا کہ ایمان لاؤ اس چیز پر جو
 نازل کی گئی ہے ان لوگوں پر جو ایمان لاتے ہیں، دن کے پہلے حصے میں اور کفر کو
 اس کے ساتھ دن کے آخری حصے میں، شاید یہ لوگ پھر جائیں ﴿۴۲﴾ اور تم نہ تصدیق
 کرو و مگر اسی جو تمہارے دین کی پیروی کرتا ہے۔ آپ کہہ دیجئے بیشک ہر ایت تو
 اللہ کی ہر ایت ہے۔ تصدیق نہ کرو اس وجہ سے کہ دیا جائے کوئی مثل اس کے جو
 تم دیے گئے ہو۔ یا وہ جھگڑا کریں تمہارے ساتھ تمہارے لب کے پاس، آپ کہ
 دیجئے، بیشک فضیلت اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہے دیتا ہے۔ اور
 اللہ تعالیٰ بڑی رحمت والا اور سب کچھ جانتے والا ہے ﴿۴۳﴾ وہ خاص کرتا
 ہے اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے ﴿۴۴﴾

ربط آیا

کے برے خصائل کا تذکرہ ہے۔ ان آیات کا مصداق مدینے کے اردگرد بسنے والے یہودی خاص طور پر ہیں۔ اب تک اہل کتاب کی دینی خیانت کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ آج کا درس بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔ تاہم آئندہ آنے والے درس سے اہل کتاب کی دنیوی خیانت کا بیان ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ دینی طور پر بھی خائن ہیں اور دنیوی طور پر بھی ایسے ہی ہیں۔ گزشتہ سے پیوستہ درس میں یہ بیان ہوا تھا کہ اہل کتاب کی خواہش اور کوشش یہ ہے کہ کسی طرح مسلمانوں کو ان کے دین سے پھیر دیں۔ اس سلسلہ میں وہ ہر حربہ اختیار کرنے پر کمر بستہ رہتے ہیں آج کے درس میں ان کی ایک تدبیر کا تذکرہ ہے۔ اور وہ یہ کہ ان میں سے کچھ لوگ صبح کے وقت ایمان لے آئیں۔ اور شام کو انکار کر دیں۔ تاکہ اس طریقہ سے ان لوگوں کو دین سے بظن کمرہ سکیں جو پہلے ہی ایمان لاپکے ہیں۔

یہودیوں کی تدبیر

سورۃ بقرہ میں تحویل قبلہ کا ذکر ہو چکا ہے۔ جب وہ آیات نازل ہوئیں

قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ اُولَئِكَ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ لُبٌّ فِي الشَّيْءِ

بیت المقدس کی بجائے بیت اللہ کو مقرر کر لیا، تو مدینے کے یہودی بہت سخ پا ہوئے۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا۔ کہ کسی طرح اسلام کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے سامنے بند بانڈھا جائے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے یہ تدبیر بنائی کہ ان میں سے کچھ لوگ دن کے پہلے حصے میں اوپر سے نزل سے اسلام قبول کر لیں اور آخری حصے میں اسلام سے باہر آجائیں۔ اس طرح کمزور ایمان یا ناقص لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ کہ اگر اسلام سچا مذہب ہوتا تو یہ پڑھے لکھے یہودی اسے قبول کر کے منحرف کیوں ہو جاتے ہیں۔ اس طرح اسلام میں نئے آنے والے رُک جائیں گے۔ اور جو ایمان لاپکے ہیں، ان کے ایمان متزلزل ہو جائیں گے۔

یہودی کی اسی تدبیر کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے

وَقَالَتْ طَّائِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِمْنًا بِالَّذِي اُنزِلَ

عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجَدَ اللَّهُ مَا رَأَى فِي كِتَابِ اللَّهِ مِنْهُ مِنْهُ مِنْهُ
 کہ ایمان لاؤ اُس چیز پر جو اہل ایمان پر اناری گئی ہے، دین کے پہلے حصے میں۔
 ظاہر ہے کہ نازل ہونے والی چیز قرآن پاک ہے۔ مقصد یہ کہ صبح کے وقت مسلمان
 ہو جاؤ۔ وجہ چہرے کو بھی کہتے ہیں۔ اور دین کے ابتدائی حصے کو بھی ماس
 کا ثبوت ایک عرب شاعر کے کلام سے ملتا ہے جو کہتا ہے۔ مَنْ كَانَ
 مَسْمُورًا بِمَقْرَمَةٍ مَالِكٍ فَلَمَّاتِ نِسْوَتًا بِوَجْهِهِ نَهَارًا۔
 جو مالک کے مرنے پر خوش ہیں۔ انہیں دین کے ابتدائی حصے میں آکر دیکھنا
 چاہیے۔ کہ ہمارے عورتیں مالک پر کس قدر نوحہ کر رہی ہیں اور وہ کس قدر غمگین ہیں
 لہذا انہیں اس خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ لوگ مالک کی موت پر خوش
 ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ وجہ انہار سے دین کا پہلا حصہ مراد لیا ہے۔

غرض! فرمایا کہ دین کے پہلے حصے میں ایمان لے آؤ، وَاكْفُرُوا
 اٰخِرَةً اور دین کی آخری حصے میں انکار کرو۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا۔ كَعَلَّاهُمْ
 كَيْ جَعَلُوا شاید اہل ایمان اپنے ایمان سے پھر جائیں۔ یہ خیال کریں کہ اسلام
 میں ضرور کوئی نقص ہے۔ جو یہ اہل علم ایمان لاکر پھر واپس اپنے دین پر چلے
 گئے ہیں۔ اس طرح یہ لوگ اسلام سے متنفر ہو جائیں گے۔

تصدیق حق سے انکار انکار کر رہے تھے۔ حالانکہ یہ وہی رسول ہیں۔ جن کی بشارت عیسیٰ علیہ السلام
 نے دی، بلکہ سارے انبیاء نے دی۔ اور قرآن پاک وہی کتاب ہے۔ جو اللہ
 کی آخری اور برحق کتاب ہے۔ مگر یہ لوگ مگر ہی کے پیشوا بنے ہوئے ہیں۔
 اور لوگوں کو صحیح دین سے پھیرنا چاہتے ہیں۔ اپنی حکمت عملی کو بروئے کار
 لاتے ہوئے کہتے ہیں وَلَا تَقْتُلُوا اَنْفُسَكُمْ تَبِعَ وَيُنَاكِحُوا
 اور نہ تصدیق کرنا، مگر اس کی جو تمہارے دین کا تابع ہو۔ یعنی صرف اپنے دین
 کو ہی سچا ماننا، کہیں مسلمانوں کے دین کی تصدیق نہ کر بیٹھنا۔ مقصد یہ کہ جب

عارضی طور پر دن کے اول حصہ میں بظاہر ایمان بھی لے آؤ، تو تصدیق صرف اسی چیز کی کرنا جو تمہارے دین میں شامل ہے۔ کسی دوسری بات کی تصدیق نہ کرنا، کیونکہ سچا دین صرف تمہارا ہی ہے۔ اور اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرہ میں اُن کا یہ قول نقل فرمایا ہے۔ وَقَالُوا لَنْ نَبْدُخَلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَن كَانَ هُودًا اَوْ نَصْرًا یعنی جنت کا داخلہ صرف یہودیوں اور نصرانیوں کے لیے مخصوص ہے۔ کوئی دوسرا شخص جنت میں نہیں جاسکتا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے پیغمبر! صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اِنَّ اِلَهًا هٰدِيًّ مَلِيًّ اِنَّ مَلِيًّ اِنَّ مَلِيًّ سے کہ دیں، ہدایت تو وہی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے۔ کسی پارٹی کا باطل پر پختہ ہونا حق کی دلیل نہیں بن سکتا۔ ہدایت یافتہ وہ ہے جو ہدایت من جانب اللہ پر عمل کرتا ہے۔ یہودیت اللہ کی جانب سے نہیں ہے۔ یہ اصل دین کی مسخ شدہ صورت ہے اور اس میں کفر اور شرک کی امیزش ہے۔ اگر صحیح ہدایت کی تلاش ہے، تو وہ ہدایت ایسی ہے۔ جو اللہ کے نبیوں پر نازل ہوئی۔ اور جس کی آخری کڑی قرآن پاک ہے اَنْ كَيْفَ تَاْتِي مَثَلًا مَّا اَوْ تَبْتَدُوْا یہ کہ کسی دوسرے کو بھی ایسی ہی چیز دی گئی ہے جو تم کو دی گئی ہے۔ مفسرین کہہ فرماتے ہیں۔ کہ آیت کے اس حصے کا تعلق گذشتہ حصہ وَلَا تَوَهَّمُوْا اِلٰهًا لَّصَنَ بَتِّعَ دِيْنِكُمْ کے ساتھ ہے۔ یعنی یہودی اپنے ہی دینی بھائی بندوں کو کہہ رہے ہیں۔ کہ اپنے سوا کسی دوسرے کی تصدیق نہ کرنا، کیونکہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کسی دوسرے کو بھی ویسی ہی فضیلت یا برتری یا کتاب دے دی جائے جیسی تم کو دی گئی ہے تمہارا دین ہی برتر اور افضل ہے۔ لہذا اسی پر قائم رہنا۔ اور اختیار کی عدم تصدیق کی دوسری حکمت یہ ہے۔ کہ اَوْ يَخْتَلِفُوْا عِنْدَ سَبْكَرٍ يَّوْمَ تمہارے ساتھ تمہارے رب کے پاس جھگڑا کریں۔ اس کے درمطلب ہو سکتے ہیں۔ کہ اگر تم نے اہل ایمان کی تصدیق کر دی تو پھر بحث و مباحثہ میں تم پر غالب

آجائیں گے اور یہ یہودیت کی ناکامی کا باعث ہوگا۔ اور دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اگر تم نے ان کی تصدیق کر دی تو وہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تمہارے خلاف حجت قائم کریں گے کہ مولا کریم! ان لوگوں نے سچے دین کی تصدیق کرنے کے باوجود تیرے آخری نبی اور تیری آخری کتاب قرآن پاک کو تسلیم نہ کیا۔ اس طرح اہل اسلام قیامت کے دن اللہ کے حضور بھی تم پر غالب آجائیں گے، لہذا سلامتی اسی بات میں ہے۔ کہ صرف اسی کی تصدیق کرو جو تمہارے دین کا منبع ہے، اس کے علاوہ کسی دوسرے کی تصدیق مت کرو۔

نبی اسرائیل
کی عارضی
فضیلت

نبی اسرائیل کا دعویٰ تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو باقی تمام اقوام پر فضیلت بخشی ہے۔ قرآن پاک میں بھی آتا ہے۔ اے بنی اسرائیل! میری نصیحتوں کو یاد کرو، جو میں نے تم کو دیں۔ وَإِنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ اور میں نے تم کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی۔ مگر یہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور کی بات ہے جب اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمایا۔ اُس وقت بنی اسرائیل ہی اللہ کے نزدیک برتر تھے۔ چنانچہ انہیں فرعون سے نجات دلائی اور انہیں طرح طرح کی نعمتیں عطا کیں۔ پھر جب انہوں نے اپنے دین کو بگاڑ لیا۔ تعصب، حسد، ضد اور عناد کا شکار ہو گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ذلیل و خوار کر دیا۔ ان کی فضیلت اور برتری ختم ہو گئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ فرمان کہ نبوت ہمیشہ ان کے خاندان میں رہیگی۔ اس کا مطلب یہ تھا۔ کہ ایک خاص مدت تک نبوت ان کے خاندان میں رہیگی، نہ کہ قیامت تک، مگر یہودوں نے اپنی نبوت، حکومت اور برتری کو دائمی خیال کر لیا۔ حالانکہ جب وہ احکام الہی سے روگردان ہو گئے، تو نہ ان کے پاس حکومت رہی اور نہ برتری۔ بلکہ نبوت بھی اللہ تعالیٰ نے بنی اسماعیل کی طرف منتقل کر دی اور آخری نبی کے طور پر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ لہذا بنی آخر الزماں کی بعثت کے بعد فضیلت اور برتری بھی آخری امت کو منتقل ہو گئی۔ قرآن نے

بِنَا دِيَا جَعَلْنَا كَوْمًا مِّنْكُمْ سَطْرًا ۗ تَمَّ لَهُمْ كَوْمًا فَادِلًا ۗ وَفَضْلًا مِّنْ بِنَا يُزِيْرِي
 بھي فرمایا كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ تَمَّ سَبْ اَمْتُوْنَ سے بہترین امت ہو۔
 گویا آخری امت کو اللہ تعالیٰ نے تمام سابقہ اہم پر برتری عطا کر دی۔ اسی لیے حضور
 علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت کے روز سب کے پہلے میری امت کا فیصلہ ہوگا اور
 جنت میں بھی سب کے پہلے یہ آخری امت ہی جائے گی۔ لہذا اہل کتاب کی دائمی
 برتری کا دعویٰ باطل ہے۔

تمام فضائل
 کا مالک
 اللہ ہے

فَرِيَا قَتْلَ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ
 کہ دیں کہ فضل تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہی اس کا مالک ہے۔ یَقْتُلِيْهِ
 مَنْ يَّشَاءُ ۗ وَهٖ جِسْمٌ كُوْجَا بِنَا ۗ اَفَضْلًا عَطَا كَمَا دِيَا ۗ جِبْ بِنَا
 بنی اسرائیل اس کے احکام پر عمل پیرا ہے، اللہ نے ان کو فضیلت عطا کی۔
 پھر جب ان کی صلاحیت ختم ہوگئی، تو اللہ نے فضیلت والی نعمت بھی ان
 سے واپس لے لی۔ اور دوسری امت کو دے دی۔ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ
 اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ وہ ہر امت کی
 صلاحیت کو جانتا ہے اور پھر اس کے مطابق اس کے ساتھ سلوک کرتا ہے۔
 مسلمانوں کے متعلق حضور علیہ السلام کا اشارہ تھا۔ کہ میری امت کے عروج کا زمانہ
 نصف دن سے کم کا نہیں ہوگا۔ اور نصف دن پانچ سو سال کا ہوتا ہے۔
 چنانچہ تقریباً چھ سو سال تک دنیا میں مسلمانوں کو مکمل عروج حاصل رہا۔ پھر جو
 بول ان کی صلاحیت ختم ہوتی گئی، اقتدار بھی ان سے چھینا گیا۔ اب گذشتہ
 آٹھ سو سال سے پستی میں جا رہے ہیں۔ اور دوسری اقوام مادی لحاظ سے
 ترقی پ رہیں۔ یہی حال بنی اسرائیل کے ساتھ ہوا۔ جب تک صلاحیت موجود رہی
 برتری حاصل رہی، جب صلاحیت ختم ہوگئی، تو فضیلت بھی چھین گئی۔

فَرِيَا فِضْلِيْٓتِ كَا مَالِكٍ وَهٖ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِيْٓ مَنْ يَّشَاءُ ۗ
 وہ جسے چاہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کرتا ہے۔ اپنے اپنے وقت

پد اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خاص کیا۔
 اور پھر آخری دور میں اپنے آخری پیغمبر اور آخری امت کو اپنی رحمت کے ساتھ
 خاص کیا۔ ان کو فضیلت اور برتری عطا فرمائی۔ کیونکہ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ
 اللہ تعالیٰ عظیم فضل و رحمت کا مالک ہے۔ اس کی رحمت تو ہر آن موجود ہے مگر
 انسان عدم صلاحیت کی بنا پر اس سے محروم ہو جاتا ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

الرِّعْمَانُ ۳

درس بہت و بیخ ۲۵

آیت ۴۵، ۴۶

وَمَنْ أَهْلَ الْكِتَابِ مَنْ إِنْ تَأْمَنَهُ بِقِنطَارٍ
يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ ۚ وَمَنْهُمْ مَنْ إِنْ تَأْمَنَهُ بِدِينَارٍ
لَا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ فَإِذَا ذَكَرَكَ
بِأَنفُسِهِمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّينَ سَبِيلٌ ۗ
وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۴۵﴾
بَلَىٰ مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ وَاتَّقَىٰ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿۴۶﴾

ترجمہ: یہ اور اہل کتاب میں سے بعض ایسے ہیں کہ اگر آپ ان کے پاس ایک قنطار
امانت رکھیں۔ تو وہ اس کو تمہاری طرف لوٹائے گا۔ اور ان میں سے بعض ایسے ہیں
کہ اگر آپ ان کے پاس ایک دینار امانت رکھیں، تو اُسے آپ کی طرف واپس
نہیں کرے گا، جب تک کہ آپ اُس پر قائم نہ رہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ وہ کہتے ہیں
کہ ہم نے اُوپر اُمی لوگوں کے حق میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور یہ لوگ اللہ پر جھوٹ
کہتے ہیں۔ اور وہ جانتے ہیں ﴿۴۵﴾ کیوں نہیں۔ جو شخص اپنے عہد کو پورا کرے گا
اور ڈرتا ہے گا۔ پس بیشک اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے۔ ڈرنے والے اور تقویٰ

اختیار کرنے والوں کو ﴿۴۶﴾

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی دینی حیانت کا ربط آیات
ذکر فرمایا تھا کہ اہل اسلام کو گمراہ کرنے کے لیے کیسی کیسی تدبیریں اختیار کرتے
ہیں۔ اس کے علاوہ تبلیغ کا ذکر کرتا تھا۔ کہ یہ لوگ حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کر
دیتے ہیں اور حق کو چھپاتے ہیں۔ یہ بھی بیان ہو چکا ہے۔ کہ اہل کتاب باطل

غزوہ میں مبتلا تھے۔ باقی لوگوں پر اپنے آپ کو برتر سمجھتے تھے۔ بعض اور حد میں مبتلا تھے۔ اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان کی مالی خیانت کا ذکر کیا ہے کہ وہ دنیا کے مال و دولت کے سلسلے میں کس قدر خائن ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَمِنَ أَهْلِ الْكِتَابِ بعض اہل کتاب ایسے ہیں۔ مَنْ إِنْ تَأَمَّنْهُ یَقْتَضِیْهِ اَلْکَرَامِیْنَ اَنْ کَے پاس ڈھیر مال یا بڑا خزانہ امانت رکھیں لِیُوَدَّهٖ اَلْیَتٰکَ تو وہ اُس کو واپس لوٹائے گا۔ وَمِنْهُمْ اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں مَنْ إِنْ تَأَمَّنْهُ بِدِیْتِکَ اَلْکَرَامِیْنَ اَنْ کَے پاس ایک دینار ایک اشرفی یا ایک پونڈ ہی امانت رکھیں لَا یُوَدَّهٖ اَلْیَتٰکَ تو وہ اس کو بھی واپس نہیں کرے گا۔

بعض سے مراد اگر وہ اہل کتاب لیے جائیں، جو ایمان لے آئے، تو ظاہر ہے کہ ان کی امانتداری تو ایمان کی برکت کی وجہ سے ہوگی، اور اگر بعض سے مراد عام اہل کتاب لیے جائیں، تو یہ بھی ممکن ہے، کیونکہ سب لوگ ایک جیسے نہیں ہوتے۔ کچھ اچھے لوگ بھی ہوتے ہیں اور کچھ بُرے بھی ہوتے ہیں۔ خود قرآن میں آگے آئے گا اَلْیَتٰکَ سَوَآءٌ وہ سارے برابر نہیں ہیں۔ دوسرے جلیے بات بھی ہے۔ کہ قرآن کریم کو ماننے والے عام مسلمان متعصب نہیں ہیں۔ اگر کسی باطل دین والے میں بھی کوئی اچھی صفت ہوگی، تو وہ اس کی تعریف کریں گے۔ تعصب کا اظہار نہیں کریں گے، کیونکہ یہ تو مشرکین اور اہل کتاب کا شیوہ ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں جہاں بھی اہل کتاب کی کسی اچھی بات کا ذکر ہے، وہاں اس کی تعریف کی گئی ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے تعلیم دی ہے کہ اچھی چیز کو چھپانا نہیں چاہیے۔ کہ یہ بددیانتی میں داخل ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ مدینے میں دس بڑے عالم یہودی تھے، ان میں سے عبد اللہ بن سلام واحد عالم ہیں، جنہیں اللہ نے اسلام کی دولت نصیب فرمائی، باقی تو علماء اس نعمت سے محروم رہے۔ کسی شخص نے عبد اللہ بن سلام

کے پاس ۱۲ سواونس چاندی امانت رکھی۔ ایک
اونس چالیس درہم کے برابر ہوتا ہے۔ جب اُس شخص نے اپنی امانت طلب
کی تو عبداللہ نے کوئی پيس وپيش نہ کی اور امانت اس کے حوالے کر دی۔ ایک
دوسرا یہودی عالم فخاص بن عازور تھا، اس کا حال یہ تھا کہ قریش خاندان کا کوئی مسافر
مدینہ آیا۔ تو فخاص کو شکل و صورت سے بڑا بزرگ شخص خیال کر کے ایک دینار
اس کے پاس امانت رکھ دیا۔ مگر جب اپنی امانت واپس لینا چاہی تو فخاص نے
انکار کر دیا۔ کہ میں نے تمہاری کوئی امانت نہیں رکھی۔ یہاں سے چلے جاؤ۔ پاس ہی
اس کا شاگرد تھا۔ اُس نے کہا، کہ حضرت اس شخص کی امانت آپ کے پاس موجود ہے
اُسے واپس کر دیں۔ کہنے لگا، ٹھیک ہے میں نے ایک دینار اس سے لیا تھا۔
مگر یہ اُمّی (ان پڑھ) لوگ ہیں، ان کا مال ہضم کر جانے میں کوئی گناہ نہیں۔ یہ ہمارے
یہے جائز ہے۔ کیونکہ ہم اللہ کے محبوب ہیں اِن آيْتِ اللّٰهِ وَاَحِبِّ اُمَّةٍ
یہ لوگ ہمارے مرید ہیں۔ ان کا مال ہمارے لیے حلال ہے۔ آخر ہم نے علم حاصل کیا
ہے۔ اس کے لیے محنت کی ہے، خرچ کیا ہے، وہ ان سے پورا نہیں کرینگے،
تو اور کس سے کریں گے۔ جب وہ مسافر مالوس ہو گیا۔ تو ایک دوسرے یہودی نے
اُسے یہ ترکیب بتائی۔ کہ تم ان دنوں سے یوں کہو کہ میں نے تمہیں نیک آدمی سمجھ کر تمہارے
پاس امانت رکھی تھی۔ اگر تم میری امانت واپس نہ کی تو میں مدینے میں یہ اعلان کروں
گا کہ فلاں شخص میری امانت کھچا گیا ہے اور تم پر نام ہو جاؤ گے، چنانچہ اس بدنامی سے
ڈرتے ہوئے فخاص نے وہ ایک دینار واپس کر دیا۔ غرضیکہ ان واقعات کے
پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ کہ اہل کتاب میں سے بعض ایسے
ہیں کہ ڈھیروں مال امانت کے طور پر ان کے پاس رکھو، تو وہ عند الطلب لوٹا
دیتے ہیں۔ اور اس میں ذرہ بھر خیانت نہیں کرتے اور بعض ایسے بھی ہیں کہ ایک
دینار امانت رکھ کر مچھو جاتے ہیں۔

اُس زمانے میں دینار سونے کا سکہ ہوتا تھا، جس کا وزن چار شے ہوتا تھا۔ اور دینار چھ درہم

درہم چاندی کا سکہ تھا، جو سٹھے تین ماشے کا ہوتا تھا۔ قیصر و کسری کی سلطنتوں اور بائی
 دنیا میں یہی سکہ رائج تھا۔ تابعین میں ایک بزرگ عبداللہ بن دینار نامی ہوئے ہیں۔ اہم
 ابن کثیر فرماتے ہیں کہ دینار ڈوالفاظ پر مشتمل ہے، دین اور ناز۔ دین کا معنی تو واضح ہے
 مذہب، عقیدہ وغیرہ اور ناز کا معنی آگ ہے۔ اہم ابن کثیر فرماتے ہیں۔ مَنْ
 أَخَذَهُ بِحَقِّهِ فَهُوَ دَيْتٌ جو دینار کو حق اور جائز طریقے سے حاصل کرے تا
 ہے، وہ اس کے لیے دین بن جاتا ہے، اور جو اس کو باطل طریقے سے حاصل کرے
 ہے۔ وہ اُس کیلئے آگ بن جاتا ہے۔ گویا دینار کے لفظ میں حق و باطل دونوں پہلو
 مضمر ہیں۔ اگر کھائی حلال طریقے سے کی ہے۔ اور جائز ضرورت پر خرچ کیا ہے۔
 تو یہ اُس کے لیے دین بن گیا۔ اور اگر اس کا لٹ ہے، تو یہی مال اس کے لیے
 دوزخ کا باعث بن گیا۔

فرماتے ہیں۔ کہ جس طرح دینار ڈوالفاظ کا مجموعہ ہے، اسی طرح درہم بھی ڈوالفاظ
 سے بنسب یعنی در اور ہم۔ در کا معنی بہانا یا زیادتی ہے۔ اور ہم کا معنی ستم ہے
 اس طرح درہم کا معنی ہوگا، ستم کا باعث یا ستم کو زیادہ کرنے والا ہے۔ یعنی مال و
 دولت بظاہر بڑی پرکشش چیز ہے۔ مگر حقیقت میں یہ ستم کا باعث بنتی ہے
 اس کی وجہ سے اکثر مصائب آتے ہیں یا مشکلات میں اضافہ ہوتا ہے۔ حضرت
 شیخ سعدی فرماتے ہیں۔ کہ درہم یعنی مال و دولت ایسی چیز ہے۔ کہ اگر میسر نہ ہو
 تو بھی انسان ستم میں مبتلا ہوتا ہے۔ اور اگر مل جائے۔ تب بھی ہر وقت ستم و فتنہ میں
 لگا رہتا ہے کہ فلاں کام کرنا ہے، فلاں رہ گیا ہے۔

باطل فلسفہ میں عرض یہ کہہ رہا تھا۔ کہ یہودیوں نے ایک باطل فلسفہ قائم رکھا تھا۔ کہ
 انہوں نے علم حاصل کرنے میں بڑی محنت کی ہے۔ مال صرف کیا ہے۔ تو اس کے
 عوضاً نے کے طور پر ان پڑھ لوگوں کا مال اُن پر حلال ہے۔ جب یہ فلسفہ حضور ﷺ
 کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ کہ یہودیوں نے یہ عقیدہ بنا رکھا ہے۔ تو آپ نے فرمایا
 كَذَّبَ آءُ اللّٰهِ وِشْمَانِ خُذْ جُحُوتَ لِبُوتِہِہِ۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسا

کوئی حق نہیں دیا۔ اللہ جل جلالہ نے جاہلیت کی تمام باتیں (رسومات) میرے پاؤں کے نیچے روند دی ہیں۔ ان کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے۔ اِنَّ الْاُمَمَانَ سَوَاے امانت کے کیونکہ اِنَّهَا تَقُوْدُ الْاَهْلَ الْاَمَانِ وَالْفَاجِرِ امانت خواہ نیک آدمی کی ہو یا بُرے شخص کی، اسکا ادا کرنا ضروری ہے۔ اس میں دوستی اور دشمنی کو کوئی دخل نہیں۔ کوئی شخص کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو، جاہل ہو یا عالم، امانت بہر حال واجب الادا ہوتی ہے۔ دھوکہ دہی، چوری، خیانت وغیرہ کا مال قطعاً حرام ہے ہاں اگر کوئی اپنی خوشی سے کسی کو کچھ دے دے تو لینے والے کے لیے جائز ہے۔ دگر نہ امانت کی ادائیگی ہر ایک کے لیے لازم ہے۔

تقسیم ہند کے موقع پر لوگوں نے ایک دوسرے کا مال کھلے عام کھایا خوب لوٹ مار کی۔ یہ قطعاً حرام ہے۔ اس کا حساب قیامت کو دینا پڑے گا۔ ہندو تو ویسے ہی کافر ہے۔ اگر کسی مسلمان نے ہندو کا مال کھیا ہے۔ تو وہ بھی معاف نہیں ہوگا۔ کسی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کہا کہ ہم جہاد کے لیے جاتے ہیں۔ ذمیوں کے علاقے سے گزرتے ہوئے کوئی میسر بخیر یا مرغی وغیرہ مل جائے تو ہم کھالیتے ہیں۔ آخر ہم غازی ہیں ذمیوں کا مال کھانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔ حضرت ابن عباسؓ ناراض ہوئے اور فرمایا یہ تو وہی بات ہے جو یہودیوں نے کی تھی۔ اَلَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمَمَانِ كَيْسِيْلٌ؟ یعنی امیوں کا مال کھا جانے میں کوئی حرج نہیں۔ فرمایا جب ذمی لوگ مسلمانوں کو جزیہ ادا کرتے ہیں تو پھر ان کے مال و جان کی حفاظت ہم پر لازم آتی ہے۔ ان کے مال کو اٹھی رضامندی کے بغیر کھانا حرام ہے۔

فرمایا بعض اہل کتاب ایسے ہیں۔ کہ اگر آپ اس کے پاس کثیر مال بطور امانت رکھیں، تو وہ لوٹا دے گا۔ اور بعض ایسے ہیں کہ اگر ایک دینار بھی امانت رکھیں، تو یہ مصلحتاً وہ واپس نہیں کرے گا۔ ہاں امانت کی واپسی کی ایک صورت ہے اَلْاَمَانَةُ مَتَّ عَلَيْنَا قَائِمًا کہ تو اس کے سر پر سوار ہے۔ یعنی وقتاً فوقتاً مطالبہ کرنا ہے۔ اہم اہل حدیث نے اس سے یہ اخذ کیا ہے۔ کہ قرض خواہ اپنے قرض کا چھپا کر سکتا ہے۔

امانت کی جو سی
بہر مصلحت

سچی کہ اُسے واپس مل جائے۔ مگر اکثر اہل کتاب ایک دینا بھی واپس کرنے کو تیار نہیں

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا كَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمَمِينَ سَبِيلُكَ؟ كَيْفَ يُنْفِرُ انْ كَافِلَسَفِ

یہ ہے کہ ان پڑھ لوگوں کا مال کھانے میں ان پر کچھ گناہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ یہ لوگ اللہ پر

محسوس طور پر لول ہے ہیں۔ ان کے اس باطل عقیدہ کی نسبت ان کے دین اور انجی

کتاب کی طرف ہوگی۔ اور کتاب کی نسبت خدا تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے جس کا

مطلب یہ ہوگا کہ خدا تعالیٰ نے ان کے لیے امیوں کا مال مباح قرار دیا ہے۔ ایسا

بہر گز نہیں۔ یہ لوگ دیدہ دانستہ اللہ پر محسوس طور پر ہاتھ نہیں بھنور علیہ الصلوٰۃ والسلام

نے فرمایا لَا تَخُنْ هَذِهِ خَائِدٌ جَوْشَخْ تیرے ساتھ خیانت کہنا ہے۔ تو

اس کے ساتھ ایسا نہ کر۔ اپنے جرم کا وہ خود ذمہ دار ہے۔ مگر تم اس گناہ کا ارتکاب کرے

اللہ نے فرمایا۔ بَلَىٰ مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ جَوْشَخْ اپنے عہد کو پورا

کرے گا۔ اگر کسی نے امانت رکھی ہے تو اس کو ادا کرے گا۔ وَاَتَقَىٰ اور ڈرتا ہے

گا۔ کفر شرک نفاق اور معصیت سے بچتا ہے گا۔ امانت میں خیانت نہیں کرے گا۔

لیکہ یہ ہیر گاری اختیار کرنے کا۔ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ یاد رکھو اللہ تعالیٰ

منتقیوں کو ہی پسند فرماتا ہے۔ دوسری جگہ موجود ہے۔ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ

اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ وہ ایسے لوگوں سے نفرت

کرتا ہے۔ کفار، مشرکین، منافقین، مستبکرین اور خائنین اس کی نظر میں بہت بڑے

مجرم ہیں۔

غرض ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی گندی ذہنیت کا ذکر کیا

ہے کہ انہوں نے ایک باطل فلسفہ خود ہی وضع کر رکھا ہے جس کی کوئی اصلیت

نہیں۔ مالی حقوق تو توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتے جب تک کہ صاحبِ حق

خود معاف نہ کرے۔ حقوق العباد بڑی اہم چیز ہے۔

عہد کی
پابندی

تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

الْاِعْمَارُ ۳

درس سبت و شش ۲۶

آیت ۴ تا ۸

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا
 قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يَكْتُمُهُمُ
 اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ
 وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۸﴾ وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا
 يَلُؤْنَ أَسْنَتَهُمْ بِالْأَيْدِي لِيُحَسِبُوهُ مِنْ
 الْكُتُبِ وَمَا هُمْ مِنَ الْكُتُبِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا
 هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۹﴾

ترجمہ: بیشک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے تھوڑی سی قیمت خریدتے
 ہیں۔ یہی لوگ ہیں کہ ان کے لیے آخرت میں کچھ حصہ نہیں اور اللہ ان سے کلام نہیں کہتے
 گا۔ اور نہ ان کی طرف نگاہ کرے گا قیامت کے دن۔ اور نہ ان کو پاک کرے گا۔
 اور ان کے لیے دردناک عذاب ﴿۸﴾ اور بیشک ان اہل کتاب میں سے ایک گروہ
 ایسا ہے جو مٹتے ہیں اپنی زبانوں کو کتاب کے ساتھ، تاکہ تم اسے کتاب سے
 گمان کر دو۔ حالانکہ وہ کتاب سے نہیں ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے
 ہے اور یہ اللہ پر جھوٹے ہیں اور یہ جانتے ہیں

اس سے پیشتر اہل کتاب کی دینی اور مالی خیانت کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ آج کی
 آیات بھی اسی سلسلہ کی کڑھی ہیں اور ان میں اہل کتاب کی تیسری بڑی خیانت کا ذکر ہے
 یہ لوگ ان پیش گوئیوں کو چھپاتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے سابقہ کتب میں قرآن مجید اور
 حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق نازل فرمائی تھیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے

اہل کتاب کی
 تیسری خیانت

نبی پاک میں اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ اُس نے اہل کتاب سے محمد
 نبیا تھا۔ کہ اُن کے پاس جو نبی آئے گا اُس پر ایمان لائیں گے اور اس کا ساتھ دیں گے
 مگر نبی اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔

اور قرآن اُن دن شروع ہوا، تو ان لوگوں نے اپنے
 عہد کا کچھ پاس نہ کیا۔ آگے اس سورۃ میں مختلف قسم کے عہدوں کا ذکر آ رہا ہے۔
 بنی اسرائیل کے عہد کا ذکر تو سورۃ بقرہ میں بھی گنہر چکا ہے۔ اور بعض دوسری سورتوں
 میں بھی آئے گا۔ مگر یہ ان کی بہت بڑی خیانت تھی کہ اپنے عہد کو بھول گئے اور نہ
 قرآن پر ایمان لائے اور نہ نبی آخر الزمان علیہ السلام کو تسلیم کیا۔ حالانکہ اُن کے عہد کا
 ذکر خود تورات میں بھی موجود ہے۔ مگر انہوں نے تکریف کر کے تورات کے
 احکام کو بھی بدل دیا۔ اور قرآن پاک کو بھی تسلیم نہ کیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک صحابی اشعث بن قیسؓ کی کچھ زمین ایک
 یہودی کے قبضے میں تھی، جسے وہ چھوڑتا نہیں تھا۔ اس کی شکایت اُس نے آپ
 علیہ السلام کی خدمت میں کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس کوئی گواہ
 ہے۔ جو گواہی دے کہ زمین واقعی تمہاری ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اَلْبَيْتَةُ عَلٰی
 الْمُدَعٰی گواہ پیش کرنا مدعی پر لازم ہے۔ لہذا تم اپنے دعوے کے ثبوت میں
 گواہ پیش کرو۔ صحابی رسول نے عرض کیا حضور! میرے پاس گواہ تو کوئی نہیں آپ
 نے فرمایا پھر مدعا علیہ کی قسم پر فیصلہ ہو گا۔ مسلمان کہنے لگا۔ کہ حضرت! یہ شخص تو فاجر
 ہے۔ یہ تو جھوٹی قسم بھی کھا جائیگا۔ اس کا کیا اعتبار ہے۔ آپ نے فرمایا اس کے
 علاوہ کوئی دوسری صورت نہیں جس پر فیصلہ کیا جائے۔ آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا
 مَنْ حَلَفَ عَلٰی يَمِيْنٍ فَاجِرٌ لِيَقْطَعَ بِهَا مَالَ امْرَاةٍ
 مُسْلِمَةٍ كَفَى اللّٰهَ عَذْرًا وَّجَبَلًا وَهُوَ عَلَيْهِ غَضِيْبٌ جو شخص کسی
 مسلمان کا مال کھانے کے لیے جھوٹی قسم اٹھاتا ہے۔ قیامت کے دن

بشأن
 نزول

وہ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوگا۔ آپ نے یہ آیت بھی تلاوت فرمائی: "إِنَّ الَّذِينَ لَسْتُؤُونَ بَعْدَ اللَّهِ وَإِيْمَانِهِمْ" حضرت اشعث بن قیسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ہمارے بارے میں ہی نازل ہوئی ہے۔

اہل کتاب
کی بدعتی

ارشاد ربانی ہے: "إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ اللَّهِ وَإِيْمَانِهِمْ" ثَمَاتًا قَلِيلًا جو لوگ اپنے عہد اور قسم کے بدلے دنیا کا حقیر مال خریدتے ہیں اُولَئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ اُن کے لیے آخرت میں کچھ نہیں۔ دنیا کا مال جس قدر بھی زیادہ ہو۔ آخرت کے مقابلے میں بالکل حقیر ہے۔ مَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعٌ یہ دنیا کی زندگی تو تھوڑا سا برتنے کا سامان ہے قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ آپ کہ دیں دنیا کا سا مال اسباب آخرت کے مقابلے میں بالکل قلیل ہے۔ لہذا دنیا کے حقیر مال کو ناجائز ذرائع سے حاصل کرنے والوں کو آخرت میں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ وَلَا يَكْتُمُهُمُ اللَّهُ اور اللہ ان سے شفقت و مہربانی کے ساتھ کلام نہیں کرے گا۔ غصے اور بانہ پرہس کی صورت میں تو ضرور کلام کرے گا۔ مگر لطف و کرم کے ساتھ گفتگو نہیں فرمائے گا۔ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اور نہ نگاہِ شفقت سے ایسے لوگوں کی طرف دیکھے گا۔ وَلَا يُرَكِّبُهُمْ اور ان کو پاک بھی نہیں کرے گا۔ یہ ہمیشہ سجاستوں میں لت پت رہیں گے۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ اور وہ عذاب الیم کا شکار ہوں گے۔

الغرض! اللہ تعالیٰ نے یہودیوں سے عہد لیا تھا۔ کہ ہر نبی برحق کی حمایت

کرتا اس پر ایمان لانا اور اس طرح خدا تعالیٰ کے عہد کی پابندی کرتا۔ مگر ان لوگوں نے عہد کو توڑ دیا۔ انبیاء کی تکذیب کی اور اللہ کے احکام کو چھپایا۔ کلام الہی میں تحریف کی۔ جھوٹی قسم کھا کر دنیا کا مال حاصل کیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے عہد کی پابندی کی سخت تاکید کی تھی، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ مَسْمُورًا" اللہ کے عہد کے متعلق بانہ پرہس ہوگی۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ

صحیح احادیث میں آتا ہے۔ کہ تین قسم کے آدمی اس زمرہ میں آتے ہیں اَلْمُسْبِلُ وہ شخص جو اپنے پاجامے یا تہبند، پتلون کو ٹخنوں سے نیچے ٹکاتا ہے۔ مردوں کے لیے مکروہ تحریمی ہے۔ البتہ عورتیں مستثنیٰ ہیں!

دوسرا شخص وَالْمُصَفَّقُ سلعۃ جو جھوٹی قسم اٹھا کر سودا بیچتا ہے۔ گاہک کو جھوٹا یقین دلاتا ہے۔ اور تیسرا شخص الْمَنَانُ ہے۔ جو کسی پر احسان کر کے جتلاتا ہے اس کا نہ صرف احسان ضائع ہوا۔ بلکہ وہ بھی معنوض گروہ میں شامل ہو گیا۔ ایک حدیث میں حضور نبی کریم کا ارشاد ہے تین شخص ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ بغض رکھتا ہے پہلا شخص

التَّاجِرُ الْخَلَافُ یعنی قسمیں

کھانے والا تاجر ہے۔ وَالْفَقِيرُ الْمُحْتَالُ دوسرا شخص وہ ہے جو محتاج ہو کر غرور کرے۔ وَالْبَخِيلُ الْمُتَكَاَنُ اور تیسرا شخص احسان جتلانے والا بخیل ہے۔ ان تینوں اقسام کے آدمیوں سے اللہ تعالیٰ نفرت کرتا ہے۔

پھر فرمایا تین قسم کے لوگ ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے پہلا محبوب لوگ شخص وہ ہے جو دشمن کے مقابلے میں جہاد کرتا ہے۔ پھر یا تو فتح تک پہنچتا ہے یا شہید ہو جاتا ہے۔ فرمایا دوسرا محبوب آدمی وہ ہے۔ جو کسی قافلے میں شامل ہو کر نہ سفر پر جاتا ہے۔ پڑاؤ کے مقام پر قافلے والے سو جاتے ہیں اور وہ خدا کے حضور کھڑا ہو کر نماز پڑھتا ہے اللہ کے سامنے اپنی مناجات پیش کرتا ہے۔ پھر جب نماز فجر کا وقت ہو جاتا ہے۔ تو اپنے ساتھیوں کو بیدار کر دیتا ہے۔ فرمایا تیسرا محبوب خدا وہ شخص ہے۔ جو پڑوسی کی تکالیف پر صبر کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اُسے موت آجائے یا دماغ سے علیحدگی اختیار کر لے۔ ان اقسام کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے۔

آیت زیر درس میں یہودیوں کا ذکر اُس گروہ میں کیا گیا ہے۔ جن سے اللہ تعالیٰ نفرت کرتا ہے۔ وہ معنوض لوگ ہیں۔ انہوں نے اپنے عہد کو توڑا اور جھوٹی قسمیں کھائیں

قسم تو سچی بھی نہیں کھائی چاہیے۔ سوائے اس کے کہ برأت کے لیے ہو۔ محض دنیا کا حقیر مال حاصل کرنے کے لیے قسم اٹھانا باعث وبال ہے۔

تحریر لفظی
انگلی آپرٹ میں بیوروڈیوں کی ایک اور بڑی شخصیت کا تذکرہ ہے۔ وہ جان پوچھ کر نہ بان کے ہیر پھیر سے اصل لفظ کو بگاڑ کر کہہ بولتے تھے۔ جس سے سننے والا کچھ اور مطلب سمجھ سکتا تھا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُنَ أَلْسِنَتَهُمُ بِالْكِتَابِ الَّذِي فِيهِمْ جو اللہ کی کتاب زبان

کو مروڑ کر پڑھتا ہے۔ لِيَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ تاکہ تم گمان کر دو کہ یہ اللہ کی کتاب میں سے ہے۔ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ حالانکہ وہ کتاب اللہ میں سے نہیں ہے۔ اہل کتاب کی کس قبیح حرکت کی مثال سورۃ بقرہ میں گنہ چکی ہے۔ جب یہ لوگ حضور کی مجلس میں آتے تھے۔ تو لفظ رَاعِيْنَا کی بجائے زبان کو گھما کر رَاعِيْنَا کہتے تھے حالانکہ دونوں لفظوں کے معانی میں زمین و آسمان کا فرق ہے رَاعِيْنَا کا معنی ہے کہ حضور! ہماری طرف توجہ فرمائیں، اور رَاعِيْنَا کا معنی اچر و اہا یا احمق ہے۔ اس طرح وہ لوگ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا ارتکاب کرتے تھے، یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کہ یہ کتنے خائن لوگ ہیں۔ جو اللہ کی کتاب اور نبی کے ساتھ بھی خیانت کرتے ہیں۔ اس قسم کی تحریر لفظی کی مثال تو رات میں بھی موجود ہے۔ وہاں لکھا ہے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے مروہ کے مقام پر لے گئے۔ مروہ چوڑے مکہ معظمہ میں ہے۔ اس لیے یہاں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی ثابت ہوتی ہے۔ جسکو بیوردی تسلیم نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ وہ تو اسحاق علیہ السلام کو ذبح اللہ کہتے ہیں۔ چنانچہ اس حقیقت سے بچکنے کے لیے وہ لفظ مروہ کو موریا کہہ بولتے تھے تاکہ ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں انجام پانے والی قربانی مکہ میں ثابت نہ ہو سکے۔ مقصد یہ کہ یہ لوگ اللہ کی کتاب میں تحریر کے مرتکب ہوتے تھے۔ اور اصل لفظ کو بگاڑ کر کہہ چھ اور ہی بنا دیتے تھے۔

انجیل میں موجود لفظ فارقیط کی جگہ مرد گاریاشیف لکھ دیا۔ اور دس ہزار کی بجائے لاکھوں لکھ دیا۔ اور اس طرح لفظی تحریف کی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ اُس نے زمین و آسمان کو چھ دن میں پیدا کیا۔ آگے فرمایا مَا هَسْتَانَا مِنْ لُغُوبٍ یہ اس لیے فرمایا کہ ان بد بختوں نے تورات میں بھی رد و بدل کیا، تورات میں بھی موجود ہے کہ اللہ نے زمین و آسمان کو چھ دن میں پیدا فرمایا۔ مگر ان لوگوں نے آگے لکھ دیا فاستواح (پھر اس نے آرام کیا) اللہ نے فرمایا تو کفر کا کلمہ ہے۔ کیا خدا تعالیٰ تھک گیا تھا، جو آرام کی ضرورت پڑی۔ اللہ کے ساتھ ایسی بات منسوب کرنا صریح کفر ہے۔ مگر ان لوگوں نے محض ساتویں دن کی چھٹی ثابت کرنے کے لیے یہ لفظ بڑھا دیا۔ یہ بھی تحریف لفظی کی ایک مثال ہے۔ انہوں نے نہ صرف الفاظ کو تبدیل کیا، بلکہ معنوی طور پر بھی مطلب کچھ کا کچھ کر دیا۔

مسلمانوں میں سے اہل بدعت بھی اس بیماری کا شکار ہیں۔ یہ قرآن پاک کے الفاظ کو تبدیل نہیں کر سکتے مگر مطلب سارا الٹ پلٹ کر دیا ہے۔ جس آیت سے چاہتے ہیں، اپنے مطلب کی بات نکال لیتے ہیں۔ دیکھیے میلاد کا موسم آتا ہے۔ پہاڑیاں بنائی جاتی ہیں۔ پوچھو جیانی یہ پہاڑیاں کھسی ہیں، کہتے ہیں قرآن میں صفا و مروہ پہاڑیوں کا ذکر آیا ہے اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَابِ اللّٰهِ کہ یہ پہاڑیاں اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ اس قسم کی باتیں قرآن پاک میں صریح تحریف ہے۔ قطعاً ناجائز اور گمراہی کا باعث ہے۔

ہریت سے واعظین اور خود ساختہ مفسرین بھی اسی ڈگر پر چل رہے ہیں۔ ایک صاحب نے بسم اللہ کی تفسیر لکھی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ اسم اللہ سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ ہے۔ حالانکہ اسم اللہ سے اللہ کا نام مراد ہے۔ اور اللہ کا نام لیکر ہی شروع کرنا چاہیے۔ مگر انہوں نے اس کا معنی تبدیل کر دیا۔ خود پروفیسر ہیں، محکم ہیں، مگر تفسیر یہ کی ہے مرزا قادیانی نے بھی تو یہی کہا کہ میرا نام سورۃ فتح میں مکر رکھا گیا ہے اور رسول اللہ بھی لکھا ہے (العیاذ باللہ) یعنی لفظ

تحریف معنی

تَوَمَّحَمَّ دَرَسُوْلُ اللّٰهِ ہے مگر اس نے کہا کہ اس سے مراد میری ذات ہے۔ اسی طرح خاتم النبیین کا ترجمہ یہ کیا ہے۔ کہ حضور علیہ السلام مہرین لگا لگا کر نبی بنا ہے ہیں۔ آپ کے بعد جو بھی نبی آئے گا وہ آپ کی مہر سے بنے گا۔ سب سے پہلے مرزا نے اپنے آپ کو اس قسم کا نبی شمار کیا۔ اسی کو تحریف معنوی کہتے ہیں جو کفر ہے۔

فرمایا اس قسم کی لفظی و معنوی تحریف کہہ کے وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

کہتے ہیں۔ کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ اللہ نے ارشاد فرمایا وَكَأَنَّهُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ حالانکہ یہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے۔ غلط معانی اور الفاظ کو اللہ کی طرف منسوب کرنا بدترین قسم کی خیانت ہے۔ اللہ پر جھوٹا باندھنا ہے۔ اسی لیے فرمایا وَيَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ الْكُذِبَ وہ اللہ پر افترا باندھتے ہیں۔ اور کتمان حق بھی کرتے ہیں۔ آگے سورۃ مادہ میں آئے گا کہ انہوں نے زنا کے حکم کو تورات میں چھپا دیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے ذریعے ظاہر فرما دیا۔ مطلب بدلنے کا کام یہاں پر فضل الرحمن اور پرویز نے بھی کیا ہے۔ نماز کا معنی کچھ کہہ دیا۔ حج کا معنی عالمی کانفرنس کہہ دیا وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح یہ لوگ الفاظِ ثواب نہیں بدل سکتے مگر مفہوم بدل کر تحریف معنوی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ وَهُمْ يَعْلَمُونَ حالانکہ وہ اسے اچھی طرح جانتے ہیں۔

بعض باطنی فرقے بھی اس قسم کی تحریف میں ملوث ہیں۔ انہوں نے حج سے مراد پیر کی زیارت لیا ہے۔ روزہ کا مطلب یہ ہے کہ پیر صاحب جو راز بائیں اُسے چھپا کر رکھتا جائے۔ یہ صریحاً تحریف ہے۔ الفاظ کی حفاظت کے ساتھ ساتھ اُن الفاظ کا مفہوم بھی وہی لینا چاہیے۔ جو اللہ تعالیٰ کی مراد ہے۔ اور جس کی وصحت اللہ کے نبی نے کی۔ یا نبی کے صحابہ یا ائمہ دین نے کی جہتوں نے حقیقتاً اس کا مطلب سمجھا ہے۔ اگر آیات قرآنی کا مطلب وہ لیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کی مراد ہے تو درست ہے، ورنہ سراسر گمراہی ہوگی۔ اللہ پر جھوٹا باندھنے کے مترادف ہوگا۔

تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

درس ہفت و ہفت ۲۷

الْاِعْمَارِ ۳

آیت ۷۹، ۸۰

مَا كَانَ لِبَشِيٍّ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ
وَالنَّبُوَّةَ تُمْ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي
مَنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّنَ بِمَا
كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ
تَدْرُسُونَ ﴿۷۹﴾ وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا
الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّنَ أَرْبَابًا أَيَأْمُرُكُمْ
بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۸۰﴾

۳۷۱

ترجمہ: کسی انسان کے لیے یہ بات (مناسب) نہیں ہے، کہ اللہ تعالیٰ اس کو کتاب، حکم اور نبوت عطا فرمائے۔ پھر وہ شخص لوگوں سے کہے کہ ہو جاؤ تم میرے بندے اللہ کے سوا۔ لیکن وہ یوں کہے گا کہ ہو جاؤ رب و لے۔ اس وجہ سے کہ تم کتاب سکھاتے ہو، اور اس وجہ سے تم اس کو پڑھتے ہو ﴿۷۹﴾ اور وہ تم کو اس بات کا حکم نہیں دیکھا، کہ تم اللہ کے فرشتوں اور نبیوں کو رب بناؤ۔ کیا وہ تم کو کفر کا حکم دیکھا، بعد اس کے کہ تم فرمانبردار ہو چکے ہو ﴿۸۰﴾

اہل کتاب کی مختلف خیانتوں کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ یہ لوگ دینی، دنیوی اور مالی ربطیات لحاظ سے خائن تھے۔ جھوٹ بولتے تھے۔ اللہ کی کتاب کے احکام کو تبدیل کرتے اور حق کو چھپاتے تھے۔ الفاظ و معانی میں تحریف کے مرتکب ہوتے تھے، خود مسائل گھڑ کر انہیں اللہ کی طرف منسوب کرتے اور کہتے کہ یہ کتاب کا حصہ ہے حالانکہ ایسا نہیں ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں صریح جھوٹ بولنے آخسری

نبی علیہ السلام کے متعلق پیشین گوئیوں کو چھپا جاتے۔ حق و باطل کو غلط طوطا کرتے تھے اور دنیا کا حقیر مال حاصل کرنے کی خاطر اپنے عہد و پیمانہ کا کچھ لحاظ نہ رکھتے۔ ان کی ان پڑھتوں کی وجہ سے اللہ نے ان کی سزا بھی تجویز فرمادی۔ کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے ساتھ نرمی سے کلام نہیں کرے گا، نہ ان کی طرف نگاہِ شفقت سے دیکھے گا۔ اور نہ انہیں گناہوں سے پاک کرے گا۔ وہ ہمیشہ عذاب الیم میں مبتلا رہیں گے۔

گذشتہ دروس میں وفدِ بجزران کا تفصیلی ذکر ہو چکا ہے۔ کہ یہ وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث و مباحثہ کے لیے مدینہ طیبہ آیا تھا۔ جب بات چیت کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا تو نبی علیہ السلام نے ان کو مبالغہ کا چیلنج دیا۔ مگر انہوں نے قبول نہ کیا۔ اور جریرہ دینا قبول کر کے مجھوتہ کر لیا۔ ان کے قیام مدینہ کے دوران حضور علیہ السلام کی مجالس ہوتی رہتی تھیں جن میں ان کا وفد کے علاوہ صحابہ کرام بھی شامل ہوتے۔ ایسی ہی ایک مجلس میں بجزران کے نصاریٰ نبی علیہ السلام کے ساتھ مصروف گفتگو تھے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سوالات کے جوابات دے رہے تھے۔ اس مجلس میں بنو قریظہ کا یہودی مولوی ابورافع بھی موجود تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ حضور علیہ السلام ہر بات میں عیسائیوں کو جواب کر رہے ہیں، تو وہ کہنے لگا۔ کہ اے محمد! کیا تم چاہتے ہو کہ ہم تمہاری پوجا کرنے لگیں جیسا کہ نصاریٰ مسیح علیہ السلام کی پوجا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ابورافع کے اس سوال کے جواب میں یہ آیت نازل فرما کر واضح کر دیا۔ کہ یہ ناممکن ہے۔ کہ اللہ کا نبی لوگوں کو اپنی عبادت کی طرف بلائے بلکہ وہ تو ہمیشہ ایک اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کی ہی دعوت دیگا۔

کلام کا آغاز اس طرح ہوتا ہے مَا كَانَ لِبَشَرٍ كَيْ بَشَرٍ اِنَّا نَكْنُ اَلْاِنْسَانِ كِي يَه شَانِ نَبِيْس هِي۔ کہ وہ لوگوں کو اپنی عبادت کی طرف بلائے۔ بشر سے مراد انسان آدمی یا آدم کی اولاد ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام ابو البشر یعنی تمام انسانوں کے باپ ہیں اس لحاظ سے تمام انبیاء کرام بھی انسان میں مشترکین کا یہ بالکل غلط عقیدہ ہے کہ نبی بشر

شان نزول

بشریت انبیا

نہیں ہونا۔ حالانکہ حدیث شریف میں صریح الفاظ آئے ہیں۔ کسی نے اسم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے حضور علیہ السلام کے اخلاق کے متعلق سوال کیا۔ تو انہوں نے کہا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ بَشَرًا مِّنَ الْبَشَرِ یعنی حضور علیہ السلام انسانوں میں سے ایک انسان تھے۔ پوچھنے والے نے دریافت کیا تھا۔ کہ حضور علیہ السلام کی گھڑ ملیزنگی کیسی ہے۔ آپ کا اخلاق کیسا ہے۔ آپ گھڑ میں کیا کیا کام کرتے ہیں تو جواب یہی تھا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں میں سے ایک انسان ہیں۔ جو کام عام آدمی گھڑ میں کرتے ہیں، وہ کام اللہ کا نبی بھی کرتا ہے۔ حدیث شریف میں بَشَرًا مِّنَ الْبَشَرِ کا لفظ آتا ہے۔ ثُمَّ مِّنْ ذُوْرِ اللَّهِ نَبِيٌّ آتا۔ یہ تو عیسائیوں والا عقیدہ ہے۔ انہوں نے بھی مسیح علیہ السلام کو خدا کا جزو بنا دیا۔ اور آج کے مسلمان بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ الغرض! حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا، آنحضرت علیہ السلام گھڑ میں بجرمی کا دودھ دودھ دیتے، اپنے کپڑے صاف کر لیتے۔ جو تے کا ٹانا کالگا لیتے، گویا اپنا کام اپنے دست مبارک سے انجام دے لیتے تھے۔

بخاری، مسلم، ترمذی اور دیگر کتب احادیث میں یہ حدیث موجود ہے۔ کہ کچھ لوگ آپ کی خدمت میں ایک مقدمہ لائے تاکہ آپ اس کا فیصلہ فرمائیں۔ حضور علیہ السلام نے اُن سے فرمایا اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّمَّنْ بَنِيْ اٰدَمَ! میں ایک انسان ہوں اور انسان عالم الغیب نہیں ہوتا۔ میں ظاہر میں تمہارا معاملہ سنوں گا۔ اور اس کے مطابق فیصلہ دوں گا۔ ہو سکتا ہے ایک فریق اپنا مقدمہ پیش کرنے میں بڑا چرب زبان ہو اور دوسرا فریق اتنا فصیح نہ ہو۔ فرمایا فَالْحَلَّةُ بَعْضُكُمْ لَعَنَ الْجَحِيْمَةَ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اس کی دلیل سن کر اس کے حق میں فیصلہ دے دوں۔ یاد رکھو! جو شخص کسی چیز کا مستحق نہیں ہے۔ وہ اس چیز کو مست لے۔ کیونکہ اُس کے حق میں وہ دوزخ کی آگ کا ٹکڑا ہو گا۔ فرمایا میں انسان ہوں۔ باطنی حالات تو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔ جب وحی نازل ہوئی ہے۔ مالک الملک کی جانب سے علم دیا جاتا ہے۔ تو معلوم ہو جاتا ہے۔ فرمایا تمام انبیاء علیہم السلام انسان ہیں اور انبیاء کے بلند ترین مقام پر فائز ہیں۔

انسان یا بشر ہونا کوئی عیب کی بات نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بطور احسان کے فرمایا ہے: **رَبِّهِ خَلَقَ الْبَشَرَ مِنْ طِينٍ** (ص) فرشتوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا، میں مٹی سے بشر کو پیدا کرنے والا ہوں۔ **ثُمَّ إِذَا أَنْتُمْ كَاشِرُونَ** پس تم لوگوں نے زمین پر پھیل گئے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ** ہم نے انسان کو بہترین شکل و صورت اور قوی و اعضا کے ساتھ پیدا کیا۔ **ثُمَّ رَدَدْتُمْ أَشْفَلٍ سَفِيلِينَ** پھر اگر اس انسان کی فکر فاسد ہو جائے۔ عقیدہ بگڑ جائے اعمال و اخلاق خراب ہو جائیں تو اس انسان سے زیادہ ذلیل چیز کوئی نہیں ہوگی۔ ایسی صورت میں کیڑے مکوڑے، جانور، درندے وغیرہ انسان سے بہتر ہیں۔ مگر انسان ہونا کوئی بُری بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بہترین مخلوق پیدا کیا۔

الغرض! اللہ تعالیٰ نے فرمایا **مَا كَانَ لِبَشَرٍ كَسَى الْإِنْسَانَ كِيَرِثَانٍ** نہیں ہے **أَنْ يُؤْتِيَهُمُ اللَّهُ الْكِتَابَ** کہ اللہ تعالیٰ اس کو کتاب عطا کرے۔ اور اللہ تعالیٰ کتاب اس کو دیتا ہے جس کو منصب نبوت عطا کرتا ہے اور یہ سب بلند مرتبہ ہے جو کسی انسان کو حاصل ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ تفصیلات والی اور کوئی چیز نہیں تمام اولیاء، عابد، زاہد سب نبی سے کم تر درجہ میں ہیں۔ نبوت کا مقام سب سے اعلیٰ ہے اور یہ مقام اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا اور آپ کو قرآن پاک جیسی عظیم کتاب عطا کی۔

فرمایا جس انسان کو اللہ کتاب عطا کرے **وَأَحْكُمُوا** اور حکم عطا کرے **حُكْمًا** کا معنی فیصلہ بھی ہوتا ہے اور علم بھی۔ جیسے فرمایا **فَأَحْكُمُوا بَيْنَهُمْ** یعنی ان کے درمیان فیصلہ کرے۔ نیز فرمایا **أَتَيْنَاهُمْ حُكْمًا وَعِلْمًا** ہم نے اسے حکم اور علم عطا فرمایا نیز حکم کا معنی فہم بھی ہوتا ہے اور

منصب
نبوت

نبی کا فہم، عقل اور ذکاوت تمام انسانوں سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ نبی عقل انہیں ہوتا ہے۔ وہ سب سے زیادہ ذکی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس میں کمال درجے کی صلاحیت فرمادیتا کرتا ہے۔ آگے فرمایا وَاللَّسْبُوحَةُ یعنی ایسا شخص جسے اللہ تعالیٰ کتاب اور حکم کے علاوہ نبوت بھی عطا فرمائے۔ اس کی پریشان نہیں ہے تَمَّ كَيْفَ هُوَ لِلنَّبِيِّ کہ وہ لوگوں سے کہے کہ كُلُّهُمَّ عِبَادٌ لِّي مِنْ دُونِ اللَّهِ اللہ کے علاوہ میرے بندے بن جاؤ۔ یہ بات ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تو نبوت اور رسالت عطا فرمائے اور وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف بلانے کی بجائے اپنی بندگی کی طرف دعوت دے۔ یا کسی دوسرے انسان یا کسی بھی مخلوق کی عبادت کی تلقین کرے۔ یہ نہیں ہو سکتا اگر ایسی بات ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ نعوذ باللہ اللہ کا انتخاب ہی درست نہیں تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ پر جہالت لازم آئے گی (نعوذ باللہ) کہ اُس نے ایسے شخص کو نبی بنایا جو اس نبوت کا اہل نہیں تھا۔ نبی کا منصب تو یہ ہے کہ وہ خود بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر کار بند ہو اور دوسروں کو بھی اسی کی دعوت دے۔ دنیا کے معاملات میں بھی جیب کسی شخص کو وزارت یا گورنری کے عہدہ پر فائز کیا جاتا ہے۔ تو اس سے توقع ہوتی ہے کہ وہ حکومت کی پالیسی کے مطابق کام کرے گا۔ اگر کوئی شخص خلاف کرے تو اُسے ایک مہلک کے لیے کسی اعلیٰ عہدے پر برداشت نہیں کیا جاتا۔ اللہ کا نبی تو اللہ کا کامل وقادر ہوتا ہے۔ دنیا میں منشاء ایزدی کی تکمیل اُس کا فرض ہوتا ہے۔ وہ اللہ کے علاوہ اپنی یا کسی دوسری مخلوق کی عبادت کی دعوت کیسے دے سکتا ہے۔

انبیاء کی ایک خصوصیت یہ بھی ہوتی ہے کہ اُن میں موجود بشریت کے تمام قصص بہترین طور پر سنور جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کی تربیت ہی ایسی کرتا ہے جس سے اُن کے تمام قومی درجہ کمال کو پہنچ جاتے ہیں۔ اُن سے ایسی بات کا سر نہ ہونا جو منشاء الہی کے خلاف ہو، ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا، ہم نے تم پر احسان کیا۔ تمہاری پرورش ہماری آنکھوں کے سامنے ہوتی

رہی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق فرمایا يَا مُوسَىٰ إِنَّكَ أَنْتَ رَسُولُ رَبِّكَ اور وَجِئْتَكَ تَسْتَعِينُ کچھ جہاں کے حکم اور وحی کے مطابق مہر ہوا ہے۔ مقصد یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کی تربیت نہایت اعلیٰ درجے میں کرتا ہے۔ لہذا ان کی شان کے خلافت نسبتاً کمزور وغیر اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیں۔

اللہ والے
برخلافت اس کے اللہ کے نبی تو کہیں گے اور لوگو! وَاللَّهِ كَسُوْا
رَبِّنِيْنَ رب والے بن جاؤ یعنی ربانی ہو جاؤ۔ شیخ الحدیث نے یہ ترجمہ کیا ہے
اللہ والے ہو جاؤ۔ رَبِّنِيْنَ رب سے مشتق ہے جس میں ان اور ہی مبالغہ کے
لیے آتے ہیں بعض دینی بھی کہتے ہیں۔ اس کا معنی بھی وہی ہے۔ دوسرے
مقام پر رَبِّيُّوْنَ کے الفاظ آئے ہیں۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں
کہ یہ تربیت کے ماننے سے ہے۔ اور معنی یہ ہے۔ کہ تم دوسروں کی تربیت
کرنے والے ہو۔ اور دوسروں کو خدا تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف بلائے والے ہو۔
یعنی ایسے اللہ والے بن جاؤ جو علم، عقیدے اور عمل میں درجہ کمال پر ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ قرآن کے بڑے عالم ہوئے ہیں۔ حضرت علیؓ کے
زمانہ میں کچھ عرصہ گورنر بھی رہے ہیں۔ تاہم انہوں نے زندگی کا بیشتر حصہ لوگوں کی تعلیم و
تربیت میں گزارا جس دن آپ کی وفات طائف میں ہوئی تو حضرت علیؓ کے
صاحبزادے محمد بن حنفیہؓ (جو آپ کی بیوی خولہ کے بطن سے تھے) وہ بھی بڑے
عالم فاضل ہوئے ہیں۔ انہوں نے فرمایا اَلَيْسَ فَمَاتَ رِبِّيُّوْنَ هٰذِهِ الْاُمَّةُ
آج حضور کی امت کا ایک بہت بڑا ربانی عالم دنیا سے رخصت ہو گیا۔ ربانی ہونہ
شخص ہے جس کے دل کی اصلاح اس طرح ہو جائے کہ اس کے اندر فاسد خیالات
ربانی نہ رہیں۔ عید کا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی۔ لے اللہ! میں تیری ذات
کے ساتھ پناہ پاتا ہوں ایسے دل سے جس میں تیری خشیت نہ ہو۔ اصلاح یافتہ
نہیں ہو گا جس میں خشیت الہی موجود ہوگی۔ اسی لیے اللہ نے قرآن کریم میں عَلَّمَ حَقِّ
کی یہ نشانی بیان فرمائی ہے اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ جو حق پرست

ہوں گے وہ خدا سے ڈرنے والے ہوں گے۔

فرمایا اللہ کا نبی تو کہے گا، اللہ والے ہو جاؤ، رب والے ہو جاؤ لیکن کُنْتُمْ
تَقْتُلُونَ الْكُتُبَ اس وجہ سے کہ تم کتاب سکھلاتے ہو۔ اور کتاب سکھلانے والے
کی لازماً اصلاح ہونی چاہیے۔ اس میں خالص توحید اور جذبہ بجا رہنا چاہیے۔
بلکہ اُسے دوسروں کی اصلاح بھی کرنی چاہیے۔ وَلِيَمَّا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ
اور اس وجہ سے کہ تم خدا کی کتاب پڑھتے ہو۔ اس کا بھی تقاضا ہے کہ تم اللہ والے
بن جاؤ۔

عبادت کی
اغلاط نسبت

”کل ذکر کیا تھا کہ کتاب اللہ میں لفظی یا معنوی تحریرت کرنا اہل کتاب کا کام تھا
مگر اس زمانے میں یہ کام خود مسلمان بھی انجام دے رہے ہیں۔ بلکہ یہ تو ان سے بھی
بہتر کام کر رہے ہیں۔ کلام اللہ کے ایسے غلط معانی و مطالب بیان کرتے ہیں جو نہ
اللہ کی مراد ہے اور نہ رسول اللہ کی تشریح ہے۔ نہ خلفائے راشدین نے ایسے معنی
کیے اور نہ آئمہ دین نے یہ مطلب سمجھا مگر آج کا پیر و نیز اور مرزا قادیانی عجیب و غریب
تاویلات کرتے ہیں۔ اب دیکھئے مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے اس
آیت قُلْ لِيَعْبَدِيَ الَّذِينَ اسْمَوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ سے کیا مطلب نکالا
ہے۔ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرما رہے ہیں آپ اپنی طرف سے کہہ دیں
اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ گویا حضور علیہ السلام اپنی امرت
کو میرے بندو کہہ کر مخاطب کر رہے ہیں (نعوذ باللہ) اسی سے مولوی احمد رضا خاں
بہ نکالتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کر کے نام رکھنا جائز ہے۔
جیسے عبدالرسول، عبدالمصطفیٰ، عبدالباقی وغیرہ، حالانکہ یہ مطلب ہرگز نہیں نکلتا۔ آیت کا
مطلب یہ ہے کہ لے نبی! آپ اللہ کی طرف سے کہہ دیں یعنی اللہ تعالیٰ یوں فرماتا
ہے کہ لے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت
سے بالورس نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہر گناہ کو معاف فرما دیکر، اس کی مثال سورۃ ہریم میں موجود
ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عبرائیل علیہ السلام کو حضرت سرہیم کی طرف یہ آیت قُلْ لِيَعْبَدِيَ

قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا میں تیرے رب کا فرستادہ ہوں تاکہ میں تجھے کو ایک پاکیزہ لڑکے کا عطا کروں۔ بظاہر عطا کی نسبت جبرائیل امین کی طرف ہے مگر حقیقت میں وہ خدا تعالیٰ کی طرف ہے کہ میں اللہ کی جانب سے آیا ہوں اور وہ اللہ تجھے بیٹا عطا کرنے والا ہے۔ اسی طرح اس آیت میں یٰعِيسَىٰ دُجٰی سے مراد نبی کے بندو نہیں بلکہ ”اللہ کے بندو“ ہے۔ ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں کہ عبد اللہ رسول، عبد الحسین، عبد العلی وغیرہ نام رکھنے میں شرک کی بو پائی جاتی ہے۔ اسی طرح پیر بخش، اعلیٰ بخش وغیرہ نام نہیں رکھنے چاہئیں۔ کسی پیر نبی، بزرگ کی طرف عبدیت کی نسبت کرنا قطعاً روا نہیں۔ مگر لوگ باز نہیں آتے۔ قرآن پاک کا عجیب و غریب ترجمہ کہہ کے جگہ جگہ باطل عقیدے وضع کئے گئے ہیں۔ یہ سب چیزیں تحریف کا حصہ ہیں۔ حضور علیہ السلام نے جس کا نام عبد الشمس تھا، اس کا نام عبد الرحمن رکھا، نام رکھنے وقت عبدیت کی نسبت خدا تعالیٰ کی طرف ہونی چاہیے۔ یا کم از کم ایسے نام رکھو جس میں کسی قسم کی پیچیدگی نہ پائی جائے۔

الغرض فرمایا کہ اللہ کا نبی اپنی عبدیت کی دعوت نہیں دے سکتا بلکہ وہ تو لوگوں کے گامہ اللہ کے بن جاوے اس وجہ سے کہ تم کتاب سکھلاتے ہو اور اُسے پڑھتے پڑھتے ہو۔ وَلَا يَأْمُرُكُمْ اللَّهُ كَانِي تَمِيْنٍ هُرْكَزِيْه حَكْم نِيْسٍ دِيْكَ كِه اَنْ تَتَّخِذُوْا الْمَلِيْكَةَ وَالتَّبِيْنِيْنَ اَرْبَابًا كِه تَم فَرَشْتُوْنِ اُوْر نِيْيُوْنِ كِه رِب بِنَاوِ۔ جیسا کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے کیا۔ اِتَّخِذُوْا اَحْبَادَهُمْ وَرَهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ انہوں نے اپنے پیروں اور مولیوں کو اللہ کے علاوہ رب بنایا۔ گذشتہ دروس میں گزرد چکا ہے۔ کہ عدی بن حاتم طائی نے کہا۔ کہ حضور! ہم تو ان کی عبادت نہیں کرتے تھے ان کو رب نہیں بناتے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ جس چیز کو تمہارے پیر اور عالم حرام کہتے ہیں تم حرام سمجھتے ہو، حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ حلال ہے، اور جس چیز کو وہ حلال کہتے ہیں تم حلال سمجھتے ہو، حالانکہ وہ اللہ کے ہاں حرام ہے۔ یہی رب بنانا ہے جب تجلیل و تشریح کا منصب غیر اللہ کے سپرد کر دیا جائے تو انہیں رب بنانے کے

رب عبد
اللہ ہے

متزادف ہے۔ کسی کو سجدہ کیا جائے، اندر نیاز پیش کی جائے، حاضر و ناظر سمجھائے
 علیم کل سمجھا جائے، مافوق الاسباب، حاجت روا اور مشکل کشا سمجھا جائے، ایسی شرک
 ہے۔ اس قسم کا جو بھی عقیدہ اللہ کے علاوہ غیر کی طرف منسوب کیا جائے گا شرک ہوگا،
 فرمایا یعنی کبھی یہ حکم نہیں دے گا کہ تم فرشتوں یا انبیاء کو رب بناؤ۔ إِنَّمَا مَرْكَبُكُمْ
بِأَلْسِنَتِكُمْ کیا وہ تمہیں کفر کا حکم دے سکتا ہے؟ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ
مُحْسِلِمُونَ باوجود اس کے کہ تم فرمانبرداری اختیار کر چکے ہو۔ اللہ کی وحدانیت
 کو اپنا چکے ہو۔ جب تم اندھیروں سے نکل کر روشنی میں آچکے ہو تو پھر وہ تمہیں
 ایسا حکم کیسے دیکھا جس سے تم پھر کفر و شرک کی تاریکیوں میں غرق ہو جاؤ ایسا نہیں ہو
 سکتا۔ اللہ کے نبی سے یہ توقع ہرگز نہیں ہو سکتی۔

اہل کتاب نے نبی علیہ السلام سے کہا تھا کہ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ لوگ
 آپ کی عبادت کرنے لگیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں یہ قانون بتلادیا
 کہ اللہ کا نبی نہ اپنی عبادت کی طرف دعوت دیتا ہے اور نہ کسی غیر اللہ کی۔
 مسیح علیہ السلام نے بھی ربوبیت کی نسبت اللہ ہی کی طرف کہتے ہوئے
 فرمایا إِنَّا لِلَّهِ رَبِّنَا و رَبِّكُمْ تمہارا سب کا رب

اللہ ہے۔ میں بھی اسی کی عبادت کرتا ہوں تم بھی اسی کی عبادت کرو اللہ کا ہر نبی
 یہی دعوت دے گا کہ اللہ ملے بن جاؤ۔ رب ملے بن جاؤ۔ اس کے سوا کسی
 انسان کی پوجا نہ کرو۔

تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

أَلِ عِمْرَانَ ۳

درس بہت و بہت ۲۸

آیت ۸۱ ۸۲

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ
 مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ
 مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ
 قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ
 إِصْرِي ۗ قَالُوا أَقْرَرْنَا ۖ قَالَ فَاشْهَدُوا ۚ وَأَنَا مَعَكُمْ
 مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلَّىٰ بَدَ ذَٰلِكَ
 فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۸۲﴾

ترجمہ: اور اس وقت کو دھیان میں لاؤ جب اللہ نے نبیوں سے پختہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کتاب اور حکمت دی۔ پھر آیا تمہارے پاس رسول تصدیق کھننے والا اسکی جو تمہارے پاس ہے، البتہ ضرور اس پر ایمان لاؤ گے اور البتہ ضرور اسکی مدد کرو گے۔ فرمایا اللہ نے، کیا اقرار کیا تم نے، اور لیا تم نے اس بات پر میری پختہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم انہوں نے کہا۔ ہم نے اقرار کیا۔ اللہ نے فرمایا، گواہ ہو جاؤ، اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہی مینے والوں میں ہوں ﴿۸۱﴾ پس جس نے اس کے بعد روگردانی کی۔ پس وہی

لوگ نافرمان ہیں ﴿۸۲﴾

رابطہ آیات گذشتہ درس میں یہ بیان ہو چکا ہے۔ کہ جب حضور علیہ السلام وفدِ خیران کو حج میں لایا گیا، تو ایک یہودی نے کہا، کیا آپ یہ چاہتے ہیں

ہے۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ موجود تھا۔ اب زمانہ حال میں یہ عظیم کتاب زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی ہے۔ اس میں بائیس ہزار احادیث اور آثار مذکور ہیں۔ عجلہ الزاق، امام بخاری کے استاذ الاثنا عشر اور امام ابو حنیفہ کے شاگرد تھے۔ مولانا محمد یوسف بنوری کی کوشش سے ایک مسلمان نے چار لاکھ روپیہ صرف کر کے اسے بیروت سے طبع کرایا ہے اس کا حاشیہ ہندوستان کے ایک بہت بڑے عالم اور بزرگ حبیب الرحمن اعظمی بصرہ ۸۵/۸۰ سال بقیہ نجات میں نے لکھا ہے اور کتاب کی تصحیح بھی کی ہے۔

بڑی عظیم کتاب ہے۔ اس میں امام طاؤسؒ کا یہ قول مذکور ہے کہ اس آیت میں جس میں اَنْ لِّیْصَدِّقَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا یعنی ہر نبی دوسرے نبی کی تصدیق نہ کرے گا۔ چنانچہ ہر نبی نے دوسرے نبی کی تصدیق ہی کی ہے، کسی نے کسی کی تکذیب نہیں کی۔ مفسرین کرام بیان فرماتے ہیں کہ سورۃ احزاب کی آیت **فَاِذْ اَخَذْنَا مِنْ النَّبِيِّیْنَ مِیْثَاقَهُمْ وَوَعَدْنَا اَنْبِیَارَآءٍ مِنْهُمْ لَوْلَا اَنْتُمْ لَفِیْ سَفْوَٰنٍ مِّنْهُم مَّا فَلَاحُوْا وَکَانَ عَٰلَمِیْنَ** اور نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام سے بھی پختہ عہد کیا۔ یہ آیت بھی امام طاؤسؒ کے قول کی تشریح کرتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے اس بات کا پختہ وعدہ لیا تھا۔ کہ وہ دوسرے نبی کی تصدیق کرے گا۔ یہ قول بھی درست ہے۔

حضرت علیؑ کا قول جسے صاحب روح المعانی اور امام ابن جریرؒ نے نقل کیا ہے، وہ یہ ہے کہ میثاق انبیاء عام نہیں ہے کہ ہر نبی دوسرے کی تصدیق کرے گا۔ بلکہ یہ میثاق خاص ہے۔ اور تمام انبیاء علیہم السلام سے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تھا۔ **لَمْ یَبْعَثَ اللّٰهُ نَبِیًّا اَدَمَ وَحَدَّ بَعْدَهُ اِلَّا اَخَذَ اَیْہِ الْعَہْدُ فِیْ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ** یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کے بعد کوئی نبی بعثت نہیں فرمایا

لے اب وفات پاچکے ہیں (فیاض)

مگر حضور علیہ السلام کے متعلق اس سے بعد یٰٰلَئِنَّ بُعِثَ وَهُوَ حَیٌّ کَیُّوْمًا مِّنْ یَّوْمٍ
 وَلَیِّنْصُوتُ لَہٗ کہ اگر تمہاری زندگی میں نبی آخر الزمان آجائیں تو ان پر ایمان لاؤ گے اور
 ان کی مدد کرے گے۔ لہذا یہ عمدہ خاص طور پر حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق
 تھا۔ یہ قول بھی صحیح ہے۔

حضور علیہ السلام کے متعلق اس خاص عمدہ سے آپ کی ختم نبوت کا اظہار ہوتا
 ہے۔ یہ بات تو واضح ہے کہ کسی نبی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ نہیں پایا،
 جو اس میثاق کی رو سے آپ پر ایمان لاتے اور آپ کی مدد کرتے۔ البتہ حضرت
 عیسیٰ علیہ السلام جب قرب قیامت میں نازل ہوں گے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 کا زمانہ پائیں گے۔ اُس وقت وہ حضور علیہ السلام کے نائب کی حیثیت سے جلوہ افروز
 ہوں گے اور آپ کی شریعت کے مطابق دنیا میں قرآن و سنت کا نظام جاری
 کریں گے۔ اس عمدہ سے حضور علیہ السلام کی خاص فضیلت کا بھی اظہار ہوتا ہے۔
 اسی بنا پر مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ شبِ محراب میں اللہ نے تمام انبیاء کو پریلہ قدس
 میں جمع کیا۔ فَاھَمَّتْھُمْ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر
 آگے کر دیا اور آپ نے تمام انبیاء کو نماز پڑھائی۔

سید اوسی بغدادی جنہوں نے حضرت علیؑ کا یہ قول نقل کیا ہے، بلذہابیہ
 مفسر قرآن ہوئے ہیں۔ آپ تیرھویں صدی ہجری میں ہوئے ہیں ۲۷۰ھ میں
 آپ کی وفات ہوئی جعفری مسلک رکھتے تھے۔ آپ نے تیسرے جلدوں میں قرآن پاک
 کی تفسیر لکھی ہے۔ ہر پائے کی الگ جلد ہے۔ اور کمال یہ ہے کہ یہ تفسیر آپ نے
 آغا ز جوانی میں لکھی۔ اس تفسیر میں تمام علوم منجملہ صرف، سخن، علم، حدیث اور قرأت وغیرہ
 موجود ہیں۔

دیگر مفسرین کی طرح آپ نے بھی اپنے زمانے کی ضروریات کو مد نظر رکھتے
 ہوئے قرآن پاک کی عظیم تفسیر کی ہے۔

میثاق انبیاء کا تذکرہ کر کے امتیوں کو بات سمجھانی جا رہی ہے کہ جس چیز
 کی خلاف ورزی

ملک کا سب سے بڑا رسول اعزاز پدم بھوشن پٹیل کرنا چاہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ میرے اور میرے بزرگوں کے طریقے کے خلاف ہے۔ اس کو اپنے پاس رکھو۔ ہم نے انگریزوں کے خلاف جدوجہد اللہ کی رضا اور انسانیت کی بہتری کے لیے کی تھی۔ کوئی متغیر یا جاگیر لینے کے لیے نہیں کی تھی۔ اس سے بہتر یہ ہے۔ کہ لوگوں کے ساتھ انصاف کرو۔ مسلمانوں کو تنگ نہ کرو۔

الغرض! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ
أُتِيْتُمْ كُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ جب میں نے تمہیں کتاب اور حکمت
یعنی علم، دانش اور فہم عطا کیا۔ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ پھر آگیا تمہارے،
پاس رسول سے مراد ہر رسول بھی ہے۔ اور بڑا رسول بھی زحمرۃ تعظیم کے لیے ہوتا ہے۔
جب رَسُولٌ عظیم الشان رسول آگیا۔ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ وہ ان کتابوں
کی تصدیق کرنے والا ہو، جو تمہارے پاس ہیں۔ تو اس وقت تمہارا فرض ہے۔
لَتَسُوْهُنَّ بس ضرور اس پر ایمان لانا۔ وَلَتَنْصُرُنَّهُ اور ضرور اس کی مدد کرنا
قَالَ اللَّهُ تَعَالَى نے دریافت کیا۔ أَفَرَأَيْتُمْ كَيْفَ تَقْرَأُونَ تمہارا تمہارے ہو وَإِخْتَلَفْتُمْ
عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ برا صبحی اور تم نے اس بات پر میرا سچتہ عمدہ لیا، لاصی بوجھ کو
کہتے ہیں اور اس سے مراد سچتہ عمدہ ہے۔ اس کو ميثاقاً غلیظاً بھی کہتے ہیں
جس طرح بوجھ کو اٹھانا ضروری ہوتا ہے۔ اسی طرح عہد کی پاسداری بھی ضروری ہوتی ہے
گویا اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے عہد لیا کہ جب میرا نبی آخر الزماں آجائے گا۔ تم
اس پر ایمان لانا اور اس کی اعانت کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کے اس سوال کے جواب میں
قَالُوا أَقْدَرْنَا سب انبیاء علیہم السلام نے کہا، ہم نے اقرار کیا۔ کہ ہم اس عہد
کو پورا کریں گے اور ہر آنے والے نبی پر اور خصوصاً حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم
پر ایمان لائیں گے۔

حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ بنی قریظہ کا ایک یہودی حضرت عمرؓ کا دوست

ہو جائے گا، ورنہ معصیت کا مرتکب خصوصاً کبیرہ گناہ کا مرتکب فاسق ہوتا ہے
فرمایا اس عہد کو توڑنے والا فاسقوں میں شمار ہوگا۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ اگرچہ یہ بات میثاقِ انبیاء کے ضمن میں کہی جا
رہی ہے۔ کہ عہد شکنی کرنے والا فاسق ہو جائے گا۔ مگر اس سے مراد امت کو
سمجھانا ہے۔ کہ انبیاء کے کئے ہوئے عہد کو توڑنے دینا ورنہ تمہارا نام فاسقوں کی
فہرست میں لکھ دیا جائے گا۔ اور اس سے مراد اہل کتاب خاص طور پر ہیں۔ کیونکہ
انبیاء علیہم السلام سے عہد شکنی کا تو گمان بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ کا نبی ایسا کام نہیں کر
سکتا۔ بلکہ نبی کے متعلق تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "لَنْ آتِيَنَّكُمْ كَيْفَ بَطَلْتُمْ عَهْدَكُمْ"
اگر آپ نے بھی شرک کا ارتکاب کیا۔ تو آپ کے تمام اعمال ضائع کر دیے جائیں
گے۔ لہذا نبی سے عہد شکنی کا گمان نہیں کیا جاسکتا۔ یہ امت کو سمجھانا مقصود ہے۔ کہ
انبیاء کے عہد کو توڑ کر فاسقوں کے گروہ میں شامل نہ ہو جانا۔ اہل کتاب تو بیشک
عہد شکن ہیں۔ مگر آج کا مسلمان بھی اس معصیت سے محفوظ نہیں رہ سکا۔
اللہ تعالیٰ سمجھو عطا کرے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

الْاِعْمَانِ ۳

آیت ۸۳ تا ۸۵

درس بست و نثر ۲۹

أَفْتَرِ دِينَ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ
 فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿٨٣﴾
 قُلْ أَمَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ عَلَى
 إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ
 وَالْإِسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَى وَعِيسَى وَالنَّبِيِّينَ
 مِنْ رَبِّهِمْ لَا نَفَرَّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ
 وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿٨٤﴾ وَمَنْ يَبْتَغِ
 غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ
 فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ ﴿٨٥﴾

ترجمہ: یہ کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرتے ہیں، حالانکہ اسی اللہ
 کے لیے فرمانبرداری کرتے ہیں وہ جو آسمانوں میں ہیں۔ اور جو زمین میں ہیں خوشی اور ناخوشی
 سے۔ اور اسی کی طرف سب لوٹانے جائیں گے ﴿۸۳﴾ اے پیغمبر (علیہ السلام) آپ
 کہہ دیجئے، ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور اس چیز پر جو اتاری گئی ہے۔ ہمارے اور پر اور
 اس چیز پر جو اتاری گئی ہے، حضرت ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب (علیہم السلام)
 اور ان کی اولاد پر اور جو چیز دی گئی ہے۔ موسیٰ اور علی (علیہم السلام) کو اور جو چیز دی گئی
 ہے سب نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے۔ ہم تفریق نہیں کرتے کسی ایک
 کے درمیان۔ اور ہم اسی اللہ کی فرمانبرداری کرنے والے ہیں ﴿۸۴﴾ اور جو شخص
 اسلام کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرے گا۔ پس اُس سے ہرگز نہ قبول کیا جائیگا
 اور وہ شخص آخرت میں نقصان اٹھائے۔ نئے دنوں میں سے ہوگا۔ ﴿۸۵﴾

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حمد و سپمان کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ جو اس نے عام لوگوں اور انبیاء علیہم السلام سے لیا۔ اور پھر اس حمد کو توڑنے والوں کی سزا کا بیان بھی آچکا ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ نے ڈانٹ پلائی ہے۔ اس کے بعد دین اسلام کی صداقت اور حقانیت کو بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر بیان فرمایا کہ اگر یہ لوگ اس دین اطاعت فرما کر واری کو قبول نہیں کرتے جس کا ان سے حمد لیا گیا تھا، تو پھر کیا اس کے علاوہ کسی اور دین کے متلاشی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حمد و سپمان تو دین توحید کے متعلق لیا تھا۔ اور تمام انبیاء علیہم السلام اسی دین کی تعلیم دیتے ہیں لہذا وہ کبھی اس بات کی تعلیم نہیں دیتے کہ اللہ کے علاوہ مخلوق میں سے کسی کو رب بنا کر اس کی عبادت کی جائے۔ یا کسی کو حلال و حرام کا مختار سمجھا جائے۔ وہ تو ہمیشہ یہی تعلیم دیتے رہے ہیں کہ **كُلُّ دُؤَابٍ يَلْبَسُ مِن لَّدُنِّي** یعنی اللہ والے بن جاؤ۔ رب والے ہو جاؤ۔ صرف اسی کی عبادت کرو اور اسی کو حاجت رو اور مشکل کشا سمجھو۔

سچا دین

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب یہ لوگ سچے دین کو قبول نہیں کرتے۔ **اَفْخِرَ دِينَ اللّٰهِ يَبْغُضُوْنَ** کیا وہ اللہ کے دین کے علاوہ کسی اور دین کے متلاشی ہیں۔ حالانکہ اللہ کا سچا دین تو صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے اسلام۔ پہلی آیتوں میں گمز چکا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا **اَسْلِمْ** یعنی اسلام لے آؤ، اللہ کے سچے دین کو قبول کر لو، اس کی اطاعت کے آگے سر تسلیم خم کر دو، تو انہوں نے جواب میں کہا **اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ** میں نے تمام جہانوں کے رب کا نازل کردہ دین قبول کر لیا۔ اس کا فرمانبردار ہو گیا میں نے اسلام قبول کر لیا، کیوں کہ **اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ** اللہ کے نزدیک سچا دین صرف اسلام ہی ہے۔ اور تمام انبیاء علیہم السلام نے اسی دین کی تعلیم دی ہے۔ مگر یہ لوگ اس دین کو قبول کرنے کی بجائے کسی دوسرے دین کو تلاش کرتے ہیں۔ دوسرے مقام پر اللہ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے جو جھوٹے دین بندھے ہیں، کیا ان کے بارے میں انہیں اللہ نے اجازت دی ہے، کہ جھوٹے

گنہگار و شرک والے اذیان کو تسلیم کریں۔ اللہ کے علاوہ کوئی ذات ہے۔ جس کی لطافت تمام مخلوق پر لازم ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تو خود فرمایا وَلَا تَكْفُرْ بِاللَّهِ عَالِمِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اسی خدا نے وحدہ لا شریک کی فرمانبرداری کرتی ہے۔ ہاں! طَوْعًا وَّكَرْهًا کچھ لوگ اس کی اطاعت خوشی سے کرتے ہیں اور بعض دوسرے مجبوری اور لاچارگی کی بنا پر کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے احکام دو قسم کے ہیں۔ تکوینی احکام وہ احکام ہیں جو انسان کو اپنی خواہش اور اختیار کے بغیر کرتے پڑتے ہیں۔ جیسے زندگی، موت، بیماری، حادثات، بارش، خشک سالی، سیلاب، زلزلہ وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو انسان پر بغیر خواہش اور بغیر اختیار کے وارد ہوتی ہیں۔ انسان کو ان احکام پر مجبوراً عمل پیرا ہونا پڑتا ہے۔ یہ تکوینی احکام ہیں۔ دوسری قسم کے احکام شرعی احکام کہلاتے ہیں۔ یہ احکام اللہ تعالیٰ انبیاء کے ذریعے انسان تک پہنچاتا ہے۔ ان پر عمل انسان اپنی خواہش اور اختیار سے کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کئی مخلوق ہے۔ جو ان احکام کو احکام الہی سمجھ کر خوشی سے تسلیم کرتی ہے۔ اور بعض بد بخت ایسے بھی ہیں جو انہیں ماننے کے لیے تیار نہیں۔ تو فرمایا اَلَيْسَ بِهٖ حُجَّتٌ لَّيْسَ بِهٖ حُجَّتٌ اسے بھی ہیں جو انہیں ماننے جائیں وہ صرف خدا کی ذات ہے۔ اور ماننے والے آسمان میں بھی ہیں۔ اور زمین میں بھی ہیں۔ آسمانی مخلوق میں فرشتے ہیں۔ یہ اللہ کی مطیع اور فرمانبردار مخلوق ہے حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے۔ آسمان میں چار بالشت بھی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں کوئی فرشتہ اپنے مالک کی عبادت میں مصروف نہ ہو۔ زمینی مخلوق میں انسانوں کے علاوہ شجر، حجر، چرند، پرند، نباتات، جمادات سب اللہ کے تکوینی احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔ ہے انسان تو ان میں بہت سے ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے شرعی احکام قبول کرتے ہیں۔ اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری اختیار کرتے ہیں وَكَثِيْرًا حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ اور بہت سے ایسے بھی ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی سزا ثابت ہو چکی ہے۔ تکوینی احکام تو وہ بھی مجبوراً مانتے ہیں مگر شرعی

احکام پر عمل کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے ایسے لوگ اللہ کی گرفت سے بچ کر کہاں جائیں گے، وہ تو فرماتا ہے وَالَّذِينَ يُزِجُّونَ اَنْهٰی بہر صورت اُس لاکھ لاکھ کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے۔ سب اُس کے سامنے پیش ہوں گے اور ہر ایک سے اس کے عقیدے اور عمل کے متعلق باز پرس ہوگی۔ تو یاد رکھنا چاہیے کہ کافر، مشرک، یہودی اور عیسائی اگر اللہ کے سچے دین کو نہیں مانتے۔ تو پھر کس دین کو مانیں گے۔ کیا کوئی ایسی ذات ہے۔ جو اللہ کے علاوہ انہیں کوئی سچا دین مہیا کرے۔ یہ کس دین کے متلاشی ہیں۔ دین عطا کرنے والی ذات تو فقط ذات واحد ہے۔

جس سچے دین کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ وہ وہی دین ہے جسکی تعلیم حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دی اور جس کی تعلیم حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے ہے۔ اور اس کا خلاصہ یہ ہے ”حُتِّفَ اَوْ لِلّٰہِ عَاقِبَیْ ہُمْ شِرْکِیْنِ بِاَہِ کہ جنیض بن جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ چنانچہ اسی دین حنیف کی تشریح میں فرمایا ”اٰیہِیْ نَبِیْ عَلِیْہِ السَّلَامِ اِنْ سَعٰی سَعٰی اٰہِیْ بِاللّٰہِ ہُمْ اٰیْمَانُ پیمانے لائے۔ یعنی اپنے خدا تعالیٰ کی ہستی کہ واجب الوجود تسلیم کیا۔ ہم نے اس کی توحید کو مانا۔ اس کے کمال صفات کے ساتھ متصف ہونے کو مانا، اُس ذات کو نقص و عیب سے پاک مانا۔ اس کو ازلی اور ابدی تسلیم کیا۔ ہم اس بات پر ایمان لائے کہ وہی ذات مالک و متلاک کل ہے۔ وہی علیم کل ہے۔ وہ خالق کل اور مربی کل ہے۔ وہ ہر جگہ پر حاضر و ناظر ہے وہی حلال المشکلات ہے۔ وہی نافع اور ضار ہے۔ یہی ایمان باللہ ہے۔ یہی عقیدہ سبحان اللہ و بحمدہ میں سمجھایا گیا ہے۔

ایمان باللہ کے بعد فرمایا ”وَہَا اَسْتَقِلَّ عَلَیْنَا اور ہم اس چیز پر بھی ایمان لائے جو ہماری طرف اتاری گئی، ظاہر ہے کہ ہماری طرف اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک نازل فرمایا ہے، جس پر ہم ایمان لائے۔ اس کی تشریح میں فرمایا ”تَحْرٰنَ عَلَیْنَا بَیِّنَاتٌ“ پھر اس کا بیان کرنا بھی ہمارے ذمہ ہے۔ نیز فرمایا کہ پیغمبر کا ایک کام یہ بھی ہے ”لِتُسَنِّ لِلنَّاسِ مَا نُنَزِّلَ اِلَیْہِمْ“ جو کتاب اس پر

نازل کی گئی ہے۔ لوگوں کے سامنے اس کی تشریح بیان کرے۔ تاہم یہ تشریح بھی
مخائب اللہ ہوتی ہے۔ قرآن پاک وہی جلی ہے اور جو تشریح پیغمبر کی زبان سے
ہوتی ہے۔ وہ وحی خفی ہے مسلم شریعت کی روایت میں ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
نے فرمایا کہ ایمان وہ چیز ہے ماجئتہ بکم جو کچھ میں لے کر آیا ہوں۔ یعنی جو بھی
چیز اللہ کی طرف سے بنی لایا ہے، اس پر ہم ایمان لائے ہیں۔

فرمایا وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَىٰ رِجَالِهِمْ اٰیٰتٍ لِّیَعْلَمُوْا
ابراہیم علیہ السلام پر اتاری گئی ہے۔ قرآن میں موجود ہے۔ کہ اللہ جل جلالہ نے حضرت
ابراہیم علیہ السلام پر صحیفے نازل فرمائے۔ جیسا کہ سورۃ اعلیٰ میں آتے ہے صُحُفٍ اٰیٰتِہِمْ
وَمَوْسٰی اللہ تعالیٰ نے ان کو دین دیا، شریعت دی، احکام دیے اور تمام مخلوق کا امام
بنایا۔ فرمایا وَرَاٰ سُلَیْمٰنَ کَرِیْمًا
چمپر یہ بھی ایمان لائے جو حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام،
حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد پر اتاری گئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے
دو بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ پہلے حضرت
حاجرہؓ کے بطن سے اور دوسرے حضرت سارہؓ سے۔ دونوں اللہ کے نبی اور رسول
ہیں۔ اللہ نے ان کو مستقل شریعت دی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت ابراہیم
کے پوتے اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔ وہ بھی اللہ کے صاحب شریعت
نبی ہیں۔ اور پھر حضرت یعقوب علیہ السلام کی اسباط یعنی اولاد ہے۔ اس میں سے
اللہ نے جس کو نبوت دی، ان پر وحی نازل فرمائی اور ان کو شریعت بھی دی۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے اللہ نے
چار تہذیب اور رسول مبعوث فرمائے۔ یہ اتنا عظیم خاندان ہے۔ اسباط سے ہی
انبیاء اور رسل مراد ہیں جن میں حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام جیسے
عظیم پیغمبر مبعوث ہوئے۔ حضرت الیاس علیہ السلام بھی آپ کی اولاد میں سے ہیں
ناجہ بعض انبیاء کا ذکر قرآن میں موجود ہے، اکثر کا نام ذکر نہیں کیا گیا۔ ان تمام

انبیاء علیہم السلام پر جو چیز نازل کی گئی۔ اُس پر ہمارا ایمان ہے۔

اس کے علاوہ وہاں آؤتِ موسیٰ وَعِيسَىٰ جو چیز موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو دی گئی اس پر بھی ہمارا ایمان ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تو رات جیسی عظیم کتاب نازل کی گئی۔ اس کے علاوہ کچھ صحیفے بھی ہیں۔ اور عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ نے انجیل نازل فرمائی۔ جسے بگاڑ کر اہل کتاب نے ایک سو بیس انجیل بنالیں۔ ان میں سے متی، لوقا، یوحنا اور مرقس تو بائبل میں موجود ہیں۔ جن کے مضامین ایک دوسری سے مختلف ہیں۔ پانچویں انجیل برنباس ہے۔ ان میں سے کوئی بھی اپنی اصل حالت پر موجود نہیں رہی۔ تاہم ہمارا ایمان اُس اصلی انجیل پر ہے۔ جو سریانی زبان میں نازل ہوئی۔

آخر میں سنرمایا وَالسَّبْيُوتَانِ مِنْ رَبِّهِمْ خلاصہ یہ ہے: تمام انبیاء علیہم السلام پر ان کے رب کی طرف سے جو کچھ بھی اتارا گیا ہے۔ اُس پر ہمارا ایمان ہے۔ مسلمانوں کی صداقت کی یہی نشانی ہے۔ کہ وہ انبیاء علیہم السلام پر نازل ہونے والی تمام کتاب کو ماننے میں فرمایا تُوْحَمٰنُ بِالْكِتٰبِ كَلٰہِ ثُمَّ تَوَسَّبَ كِتَابًا لِّیْہِمْ اِنَّا نَعْلَمُ مَا یَعْمَلُوْنَ۔ مگر یہ یہود و نصاریٰ اللہ کی سب سے عظیم اور آخری کتاب قرآن پاک کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی طرف سے بنا کر لائے ہیں (العیاذ باللہ) یہ اس قدر متعصب لوگ ہیں۔ اور یہی ان کے کذب کے دلیل ہے۔ یہ تو ایک دوسرے کے بھی مخالف ہیں۔ مگر ہم تو تمام انبیاء کی رسالت پر یقین رکھتے ہیں یہی حقیقت ہے۔ اور یہی سچا دین اسلام ہے۔ ہر نبی دوسرے نبی کی تصدیق کرتا ہے۔ اور تمام انبیاء علیہم السلام نے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی۔ اور خدا کی بارگاہ میں آپ کی نصرت کا وعدہ کیا۔

یہ آیت قریب قریب انہی الفاظ کے ساتھ پہلے پائے میں بھی گنزدی ہے وہاں پر کلمت ابراہیمی کی تشریح الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ بیان

کی گئی ہے۔ وہاں پر عَلَيْكُمْ کی جگہ رَالَيْتَنَا اور وَالنَّبِيِّونَ سے پہلے وَمَا اَوْقَاتِ کے الفاظ زیادہ ہیں۔ مقصد یہی ہے کہ جو کچھ اللہ نے بنیوں پر نازل کیا ہے وہ سچی ہے اور ان سب پر ہمارا ایمان ہے۔ گویا۔ اس اصل ہدایت پر ہمارا مکمل ایمان ہے اگرچہ بعد میں آنے والوں نے اس میں تغیر و تبدل کر دیا تاہم اس کے لیے وہ خود ذمہ دار ہیں اور اللہ کے ہاں جواب دہ ہیں۔

ایمان
بالہدای

اور آخر میں تمام انبیاء پر ایمان لانے کی وضاحت اس طرح فرمائی
لَا تَقْسِدُ قَوْلًا سَبِيْنًا أَحَدٍ ۖ هُنَّ مِمَّ ابْنِيَاءِ اور رَسُولٍ مِّنْ كِسِي کے درمیان تفریق نہیں کرتے، تفریق کرنے کا معنی یہ ہے کہ یہودیوں کی طرح بعض انبیاء پر ایمان لائے اور بعض پر نہ لائے۔ اس قسم کی تفریق صریح کفر ہے کیونکہ تمام انبیاء پر ایمان لانا ضروری ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور خاتم النبیین علیہ السلام تک جتنے بھی نبی اور رسول آئے ہیں۔ وہ سب اللہ کے کامل بندے اور برحق نبی ہیں۔ انہوں نے اپنے اپنے دور میں مخلوقِ خدا کو حق کا پیغام پہنچایا۔ اللہ نے اپنے انبیاء کو کتابیں اور شرائع عطا فرمائیں۔ ان سب پر ہمارا ایمان ہے۔ مگر یہود و نصاریٰ اللہ کے تمام انبیاء پر ایمان نہیں رکھتے۔ مثال کے طور پر دونوں گمراہ حضور خاتم المرسلین علیہ السلام پر ایمان نہیں رکھتے۔ لہذا یہ تفریق بین المرسل کے مرتکب ہو کر کافر ٹھہرے۔ اسی طرح یہودی مسیح علیہ السلام کو نہیں مانتے۔ بلکہ انہیں دجال کہتے ہیں اور ان کی تزییل و تحقیر کرتے ہیں۔ مگر ہم بحیثیت مسلمان کسی نبی کے درمیان تفریق نہیں کرتے وَفَخِّنْ لَهُ مُسْلِمُونَ ہم اللہ کی فرمانبرداری کرنے والے ہیں۔ یہی اسلام ہے۔ یہی حقیقت ہے اور یہی ملتِ ابراہیمی ہے جسکی تعلیم سارے نبی جیتے آئے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے۔ يَا دُرُكْحُلُ! وَمَنْ يَبْتَغِ عَنِ الرَّسُولِ مِثْرًا جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین تلاش کرے گا۔ اور یہ سمجھے گا۔ کہ ایسا کر کے وہ کامیابی حاصل کر سکتا ہے فَاَنْ يَقْبَلْ مِنْهُ اس۔

ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیوں کہ اللہ کے نزدیک سچا دین صرف اسلام ہے۔ لہذا وہی مقبول ہوگا۔ یہود و نصاریٰ نے یہودیت اور عیسائیت کی تبلیغ کے لیے بین الاقوامی طور پر بڑی بڑی سازشیں کی ہیں۔ ماضی قریب تک سلطنت برطانیہ بڑی وسیع سلطنت اور عظیم طاقت تھی۔ اس نے ساری دنیا کی ناکہ بندی کی ہوئی تھی۔ دو سو سال تک اس طاقت نے دنیا میں اودھم مچائے رکھا تھا۔ خصوصاً اہل اسلام کی تذلیل کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ خلافت کو اسی نے ختم کیا۔ برصغیر کی آزادی کے بعد افریقی ممالک یکے بعد دیگرے آزاد ہونا شروع ہوئے۔ تو وہاں کے لوگ دھڑا دھڑا مسلمان ہونے لگے۔ کہتے ہیں کہ ایک ایک مجلس میں سینچڑوں لوگ اسلام لاتے تھے۔ یہ چیز انگریزوں کو ہرگز گوارا نہ تھی۔ انہوں نے وہاں پہلے طرح طرح کے فتنے کھڑے کئے۔ احمد دہلوی مسلمان مبلغ تھے ان کے علاوہ ناٹھیریا کے صدر اور وزیر کو مراد ڈالا۔ جب لوگوں نے قرآن پاک پڑھنا شروع کیا۔ تو انہوں نے تحریف فی القرآن کا ارتکاب کیا۔ تحریف قرآن پاک کے نسخے بڑے خوبصورت انداز میں طبع کرا کے مفت تقسیم کیے مثال کے طور پر آیت نہ پہ مطالعہ میں سے لفظ غیر کو حذف کر دیا اور باقی صرف وَمَنْ يَسْبِغِ الْاِسْلَامَ دینا رہ گیا جس کا معنی بالکل الٹ ہو گیا۔ جب یہ بات کوئل ناصر مرحوم کے نوٹس میں آئی تو اس نے اس کا سختی سے نوٹس لیا۔ اس نے اشاعت قرآن کے لیے ایک خصوصی کمیٹی بنائی جس نے پوری صحت کے ساتھ بہت بڑی تعداد میں قرآن پاک طبع کر کے تقسیم کیے۔ اور ساتھ کہ دیا کہ اس نسخے کے علاوہ کسی دوسرے نسخے کا اعتبار نہ کرو۔ یہ نسخہ حالے پاس بھی موجود ہے انہوں نے اشاعت اسلام کے لیے صوت الاسلام کے نام سے ایک مستقل ریڈیو سٹیشن بھی قائم کیا تاکہ قرآن پاک کی نشر و اشاعت ہوتی ہے۔ یہ ناصر کا بہت بڑا کارنامہ ہے اگرچہ اس نے اپنے زمانے میں غلطیاں بھی کیں۔ بہر حال یہود و نصاریٰ کی سازش کا کامیاب جواب دیا گیا۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا اَلَا تَسْتَعْتَبُوْا اِلٰیہُودَ وَ النَّصٰرَیْ اَوَّلِیِّیْنَ۔ یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ یہ عبادتشی لوگ ہیں، ہر وقت اسلام کو نقصان

پہنپانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ لہذا اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کو تلاش نہ کرو۔ جو ایسا کمرے گا، اس کا دین ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ایسا شخص آخرت میں نقصان میں پڑے گا۔ اسلام کے علاوہ کوئی دین بھی کامیابی کی طرف نہیں لے جائے گا۔ بلکہ اس کے متبعین ہر اس خسارے کا سودا کریں گے۔

مسلمانوں کی
پریشانی

یہود و نصاریٰ کی اسلام دشمنی تو قابلِ فہم ہے، وہ تو دوسرے دین ہی تلاش کریں گے۔ مگر بدقسمتی یہ ہے۔ کہ آج کا مسلمان بھی اپنے دین پر اعتماد نہیں کرتا۔ آج کے مسلمان بھی یہی سمجھتے ہیں۔ کہ جب تک غیر اقوام کی شاگردی اختیار نہیں کریں گے، ترقی نصیب نہیں ہوگی۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے۔ کہ جب مسلمان اپنے دین پہلے تین کر تے تھے، ہجرت کی بلندیوں پر تھے۔ کوئی قوم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ مگر اب خود مسلمان انگریزوں سے مرعوب ہیں۔ ان کی تہذیب اختیار کر رہے ہیں۔ انہی کے لہو و لعاب میں مشغول ہیں اور اسی میں اپنی کامیابی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے۔ کہ پورا ان اسلام کے سوا کسی کو فلاح نصیب نہیں ہو سکتی۔ آخرت میں نجات نقصان اٹھانے والوں میں ہوں گے۔

اسلامی
قوانین

تہذیب و تمدن کے علاوہ آج کا مسلمان اسلامی قوانین سے بھی مطمئن نظر نہیں آتا۔ اسی لیے وہ غیر اسلامی قوانین کی طرف دیکھ رہا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اسلام ایک فرسودہ دین بن چکا ہے۔ لہذا وہ اقتصادی نظام کے لیے روس، جرمنی، امریکہ اور فرانس کی طرف دیکھ رہا ہے۔ حالانکہ ان کے پاس تعزیرات کا کوئی قانون موجود نہیں ان کے تمام قوانین بناوٹی ہیں۔ برعکاس اس کے کہ اسلام کے پاس اپنے قوانین موجود ہیں۔ صحابہ کرام کا دستور العمل مشعلِ راہ ہے۔ مگر اب قوانین اس مجلس شوریٰ سے بنائے جا رہے ہیں۔ جس میں ہندو اور عیسائی بھی شامل ہیں۔ کیا اسلام کا قانون یہ لوگ بنائیں گے؟ ممبرانِ شوریٰ کے لیے تو خصوصی اہلیت مقرر ہونی چاہیے تھی۔ جس سے پتہ چلتا کہ واقعی یہ لوگ اسلامی قانون سازی کے قابل ہیں۔ حضرت عمرؓ

کی شوریٰ کے مبروہ لوگ ہوتے تھے۔ جو قرآن پاک کو زیادہ جاننے والے ہوتے۔
 آج بھی اسلامی شوریٰ میں جاننے کے اہل وہ لوگ ہیں۔ جو قرآن و سنت اور تعامل
 صحابہؓ کے عالم ہوں۔ جب تک اہل لوگ اکٹھے نہیں ہوں گے اسلامی قانون کی
 تدوین نہیں ہو سکتی۔ جب فاسق فاجر، ہندو، مرزائی، رافضی وغیرہ ممبران شوریٰ ہوں
 گے۔ تو اسلامی قانون کیسے بن سکتا ہے؟ وہ تو اپنی اغراض پوری کریں گے۔ یہ سب
 عین الہم دینا والی بات ہے۔ اگر فلاح کی ضرورت ہے تو اسلامی قوانین
 کو زمین و عن جاری کرنا ہوگا۔ اگر کچھ غیر اقوام کا اپنا ہے، اقتصادیات اور سیاست
 ان سے لینی ہے۔ اخلاق ان سے اخذ کرنا ہے۔ تو پھر مسلمانوں کا اللہ ہی حافظ
 ہے۔ آؤ! آج بھی راہ راست پر آ جاؤ۔ اور دین اسلام کو سینے سے لگا لو، تو
 کامیابی و کامرانی نصیب ہو جائیگی۔

تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

الْاِعْمُرَانِ ۳

درس سی ۳

آیت ۸۶ تا ۹۱

كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ
 وَشَهِدُوا أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ
 وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٨٦﴾ أُولَئِكَ
 جَزَاءُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ
 وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿٨٧﴾ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ
 الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿٨٨﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا
 مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٨٩﴾
 إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ أَزْدَادُوا

كُفْرًا لَنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ﴿٩٠﴾
 إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفْرًا فَلَنْ يُقْبَلَ
 مِنْ أَحَدِهِمْ مِلُّ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوْ افْتَذَى
 بِهِ أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُمْ
 مِنْ نَاصِرِينَ ﴿٩١﴾

ترجمہ :- اللہ کس طرح راہ تباہی کے لئے گا اس قوم کو جنہوں نے کفر کیا ایمان کے پیچھے ۔

اور انہوں نے گواہی دی کہ بیشک رسول برحق ہے ۔ اور ان کے پاس کھلی نشانیاں

آئیں اور اللہ نہیں دیکھتا اس قوم کو جو ظلم کرنے والی ہو ﴿۸۶﴾ یہی لوگ ہیں جن کا بدلہ

یہ ہے کہ بیشک ان پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی ﴿۸۷﴾

اس میں ہمیشہ رہیں گے اور ان سے عذاب ہلکانہ کیا جائیگا اور نہ ان کو مصلحت دی جائے گی (۸۸) ہاں! مگر وہ لوگ جنہوں نے اس کے بعد توبہ کی اور اچھے کام کیے تو اللہ تعالیٰ بخشش کمرنے والا اور مہربان ہے (۸۹) بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اپنے ایمان لانے کے بعد اور پھر وہ کفر میں بڑھتے رہے۔ پس ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی۔ اور یہی لوگ گمراہ ہیں (۹۰) بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور اس حالت میں مر گئے کہ وہ کفر کرنے سے پہلے ہی ان میں سے کسی ایک سے ہرگز قبول نہیں کی جائے گی۔ سونے سے بھری ہوئی زمین اگرچہ وہ اس کا فدیہ دے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اور ان کے لیے کوئی بھی مددگار نہ ہوگا (۹۱)

رابط آیات

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے حنیفیت کی تشریح بیان فرمائی تھی۔ اور اسلام کی حقیقت کا تذکرہ کیا تھا۔ اور فرمایا تھا کہ اللہ کے ہاں اسلام کے سوا کوئی دین قابل قبول نہیں ہے۔ جو کوئی اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کا طالب ہوگا، اس سے وہ چیز قبول نہیں کی جائے گی اور ایسا شخص ہرگز کامیاب نہیں ہوگا۔ خاص طور پر آخرت میں تو وہ جہنم کا مستحق ہو کہ ہر سر نقصان اٹھائے گا۔ اب آج کے درس میں اسلام کے بعد کفر کرنے والوں کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ اور واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت کی توفیق نہیں دے گا۔ اور نہ ہی ان کی توبہ قبول کی جائیگی وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں اس طرح کے الفاظ آتے ہیں کہ قیامت کے دن مختلف نیکیاں اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوں گی، مثلاً نماز حاضر ہو کر عرس کریمؐ کی۔ پورا دگر! میں نماز ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اَنْتَ عَلٰی خَیْرِ تَمَّ بَسْتَرٰی پُر ہو۔ یعنی تمہارا بدلہ اچھا ہوگا۔ پھر صدقہ آئے گا اور عرض کرے گا، مولا کریم! میں صدقہ ہوں۔ اللہ جل شانہ فرمائیں گے، تمہارا بدلہ اچھا ہے تم بھی بَسْتَرٰی پُر ہو۔ جس شخص نے دنیا میں صدقہ کیا ہوگا، اُسے یقیناً اس کا اچھا

آخرت کا دار
اسلام پر ہے

برہ بٹے گا۔ اس کے بعد روزہ آنے گا۔ اور عرض کرے گا۔ اَنَا الصَّكُومُ لِي اللّٰهُ
 میں روزہ ہوں۔ اللہ فرمائے گا۔ تم بھی بہتری پہ ہو۔ پھر اسلام آنے گا اور عرض کرے گا
 اے پروردگار! اَنْتَ السَّلَامُ وَاَنَا الْاِسْلَامُ تُوَسَّلُ لِي سَلَامِي وَاللّٰي سَلَامِي دِيْنِي
 والا ہے (یہ اللہ تعالیٰ کا اسم پاک ہے) اور میں اسلام ہوں یعنی مجھ پر نازل فرمایا ہوں
 میں اطاعت ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، ہاں ٹھیک ہے۔ بِئِكَ اَعْطَىٰ وَبِئِكَ اَخَذُ
 آج میں تیری جسے ہی دوں گا اور تیری جسے موانذہ کر دوں گا۔ آج سارا
 دار و مدار اس بات پر ہے کہ جس نے اسلام قبول کیا ہے، اس کو اچھا بدلہ ملیگا۔ اور
 جس نے اسلام سے روگردانی کی، اس کا موانذہ ہوگا۔ کہ تم نے اسلام کو کیوں نہ قبول کیا

شان نزول

ان آیات کی شان نزول میں مختلف روایات آتی ہیں حضرت عبداللہ بن
 عباسؓ کی روایت میں آتا ہے۔ کہ انصار مدینہ میں سے کوئی شخص اسلام قبول کرنے
 کے بعد پھر گیا۔ مگر بعد میں اس پر نادم ہوا تاہم بعض شخص ایسے بھی تھے جو اسلام کو
 ترک کرنے کے بعد کفر پر اڑے رہے، ہنجلہ ان کے بُشْتِیْنَ منافق کا ذکر آتا ہے
 جو مرتد ہو کر مشرکین کے ساتھ سے جا ملا۔ یہ شخص اسلام اور اہل اسلام کی سخت مخالفت کرتا رہا
 اسی طرح ابن خطل کے متعلق آتا ہے۔ کہ اسلام لانے کے بعد اس کو حضور علیہ السلام
 نے صدقات کی وصولی کے لیے کسی جگہ بھیجا۔ راستے میں خدمت کے لیے ایک
 خادم بھی بھرا۔ پھر وہ بھیجا۔ دوران سفر اس خادم نے کھانا تیار کرنے میں دیر کر دی تو اس
 ظالم نے اس کو قتل کر دیا۔ ظاہر ہے کہ قتل ناحق کے جرم میں اس کے خلاف مقدمہ
 قائم ہوتا، پھر یا تو وہ قصاص میں قتل کیا جاتا یا دیت پر فیصلہ ہو جاتا اور آخرت کی
 سزا سے بچ جاتا۔ مگر اس نے دنیا کی سزا قبول کرنے کی بجائے اسلام کو ترک کر دیا اور
 مرتد ہو کر کفار کے ساتھ سے جا ملا۔ وہاں پر اس نے عیش و عشرت کی زندگی گزارنا شروع کر
 دی۔ اس کے پاس کوئی نہیں تھیں۔ رخص و سسرود کی محفلیں گرم ہوتیں جن میں اسلام
 کی توہین اور اللہ کے رسول کی شان میں گستاخی کی جاتی۔ حضور علیہ السلام نے ابن خطل
 سمیت چار آدمیوں کے متعلق حکم دے رکھا تھا کہ یہ جہاں بھی ملیں قتل کر دیے جائیں۔

۸۰ھ میں حضور علیہ السلام دس ہزار قدسیوں کی جماعت کے ساتھ فتح مکہ کے لیے تشریف لائے۔ تو ابن حنظل نے بیت اللہ شریف کے پرے پھر طحڑا مان چاہی حضور علیہ السلام کو خبر ملی تو اُس کے قتل کا حکم صادر فرمایا چنانچہ اُس بد بخت کو مقام ابراہیم اور حجر اسود کے درمیان قتل کر دیا گیا غرضیکہ یہ اُن لوگوں میں سے تھا جو مرتد ہونے کے بعد کفر میں اور زیادہ بڑھ گئے۔ ان آیات میں ایسے ہی لوگوں کا تذکرہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ مدینہ طیبہ کے اطراف میں سب سے پہلے دس یہودی اسلام میں داخل ہوئے مگر بعد میں مرتد ہو گئے یہ آیات اُن کے متعلق نازل ہوئیں۔ یہودیوں کی سازش کا تذکرہ اسی سورۃ میں آچکا ہے۔ کہ وہ آپس میں منصوبہ بناتے تھے۔ کہ دن کے پہلے حصے میں مسلمان ہو جاؤ۔ اور پھر آخری حصے میں اسلام کو ترک کر دو۔ اس طرح وہ لوگ بھی اسلام سے بدظن ہو جائیں گے جو اسلام لایچکے ہیں۔ دوسری طرف یہود کا تعصب بھی اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیا کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے یہ لوگ آخری نبی کے منتظر تھے۔ اور کہتے تھے کہ ہم اُس نبی کا ساتھ دیں گے اور اس کے ساتھ مل کر کفار و مشرکین کا مقابلہ کریں گے اور اُن پر غلبہ حاصل کریں گے۔ سورۃ بقرہ میں گزر چکا ہے ”وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا“ نبی آخر الزماں کے آنے سے پہلے کافروں کے مقابلے میں فتح کی دعائیں کیا کرتے تھے۔ کہ اے اللہ! اپنے آخری نبی کو مبعوث فرماتا کہ ہم اُس کے ساتھ مل کر کافروں پر فتح حاصل کریں۔ مگر اللہ نے فرمایا ”فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ“ جب وہ نبی برحق آگیا۔ اور ان بد بختوں نے اُسے پہچان بھی لیا، تو انکار کر دیا۔ پس کافروں پر اللہ کی لعنت ہو۔

نبی آخر الزماں علیہ السلام کی بعثت کے متعلق سابقہ کتب میں پیشین گوئیاں موجود ہیں۔ بائبل میں اعمالِ رسل کے باب میں یہ آیت موجود ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے

بعثت رسول
کی پیش گوئیاں

بنی اسرائیل کے باپ دادوں سے کہا "خداوند جو تمہارا خدا ہے، وہ تمہارے بھائیوں میں تمہارے لیے ایک بنی میری مانند اٹھائے گا۔ جو کچھ وہ تمہیں کہے، تم سب اس کو سنو۔" یہ آیت شیخ الاسلام نے حاشیہ میں نقل کی ہے۔ حضور علیہ السلام کے متعلق عیسیٰ علیہ السلام نے تو نہایت تاکید کے ساتھ کہا تھا کہ وہ میرے بعد آئے والا ہے مگر جب وہ آگیا اور انہوں نے پہچان بھی لیا تو صاف انکار کر گئے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ یہود سمجھتے تھے۔ کہ آسمانی ہدایت صرف ان کے لیے مخصوص ہے قرآن پاک میں موجود ہے۔ فَالْوَاكِنُ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا اَوْ نَصْرًا وہ کہتے تھے۔ کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے علاوہ دوسرا کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ وہ اس زعم میں مبتلا تھے کہ دنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں انہی کے لیے مخصوص ہیں۔ مگر جب وہ نبی آخر الزماں تشریف لے آئے اور اعلان فرمایا۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ رَأَيْتُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا اے لوگو! میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، تو اہل کتاب خدا اور حسد میں مبتلا ہو گئے۔ انہوں نے عناد اور کفر کا اظہار کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق نشانوں کو مٹانے کی کوشش کی اور آپ کے متعلق پیشین گوئیوں کو غلط مٹا کر دیا، اس طرح یہ لوگ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار میں آگے ہی بڑھتے چلے گئے۔

یہی ہی لوگوں کے متعلق اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا اللّٰهُ تَعَالٰى اِلٰى اِلٰسٰى قَوْمٍ كُوَيْسَ هٰدِيْتٌ لّٰهُمُ كَا۔ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ جنہوں نے اپنے ایمان لانے کے بعد کفر کیا و شہدوا ان اللہ رسول حق اور گواہی بھی دی کہ بیشک خدا کا رسول برحق ہے۔ وَجَاءَهُمْ الْبَيِّنَاتُ اور ان کے پاس واضح اور کھلی کھلی نشانیاں بھی آگئیں۔ یاد رکھو! جب تک کوئی قوم ظلم و ستم کرتی ہے گی۔ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ اللہ ایسی قوم کو ہدایت نصیب نہیں کریں گے۔ راہِ راست کے لیے تو شرط ہے کہ انسان اپنی غلطی یا ظلم

ظالم ہدایت
محروم ہیں

کو ترک کرنے اور خلوص دل سے ہدایت کا طالب ہو، تو اللہ تعالیٰ ان کے لیے ہدایت کا راستہ کھول دیکر مگر یہ لوگ تو بد نیت اور بدکردار ہیں۔ اُولَٰئِكَ جَزَاءُ هُمْ اَنَّا عَلَيْهِمْ لَدُنَّا اللّٰه اِن كَا بَدَل تُوِي هے۔ کہ ان پر خدا کی پھٹکار ہے اور لعنت ہے۔ لعنت کا معنی خدا کی رحمت سے دوری ہے مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے۔ اور پھر یہ کہ وَالْمَلٰٓئِكَةُ اللّٰه كے فرشتے بھی ان پر لعنت اور پھٹکار کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ رسول کی آمد سے پہلے ان کو مانتے تھے۔ مگر جب وہ آگے تو انہوں نے خدا اور عباد کی وجہ سے ان کا انکار کر دیا۔ اور جن لوگوں کا خاتمہ کفر یہ ہوتا ہے وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ اُن پر ساری مخلوق بھی لعنت بھیجتی ہے۔ اور اس لعنت کا ثمرہ یہ ہوگا خَلِدِيْنَ فِيْهَا وَه اس لعنت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے گرفتار رہیں گے۔ لَا يُخَفَّف عَنْهُمْ الْعَذَابُ ن اُن کے عذاب میں تخفیف ہوگی۔ وَلَا هُمْ يُنظَرُوْنَ اور نہ انہیں مہلت ملیگی۔ اُن کو اپنی اصلاح کرنے یا اللہ تعالیٰ کو منانے کا کوئی موقع نہیں دیا جائے گا۔

فَرِيَا اِلَّا الَّذِيْنَ تَاٰبُوْا مِنْ اَكْبَرِ ذٰلِكَ اس کے بعد بھی اگر کوئی توبہ کر لے گا تو باب التوبة مفتوح اس کے لیے توبہ کا دروازہ کھلا ہے مطلب یہ کہ مرتد ہونے کے بعد بھی اگر کوئی سچے دل سے توبہ کرے گا، تو وہ قبول ہو سکتی ہے۔ جب تک سورج مشرق کی بجائے مغرب کی طرف سے طلوع نہیں ہوتا، توبہ قبول ہوگی، انسان خواہ کتنا بھی گنہگار ہو۔ پھر یہ ہے کہ توبہ کرنے کے ساتھ ساتھ وَاَصْلِحْ وَاَصْلِحْ اصلاح بھی کر لیں اور نیک اعمال انجام دیں۔ مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ اصلحو میں یہ بات بھی شامل ہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پورا کیا جائے۔ اگر اللہ کے حقوق یعنی فرائض، منجملہ نماز، روزہ وغیرہ قضا ہوا ہے۔ تو اس کو ادا کیا جائے اور اگر بندوں کے حقوق ضائع ہوئے ہیں تو پہلے انہیں ادا کیا جائے یا بندوں سے معاف کر لیا جائے۔ اس کے بغیر توبہ قبول

توبہ توبہ

حدیث شریف میں آتا ہے۔ قیامت کے روز ایک شہید شخص کو اللہ کی بارگاہ میں پیش کیا جائیگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، تمہارا ٹھکانا کیسا ہے۔ عرض کرے گیگا، مولا کریم! بہت ہی بہترین ٹھکانا ہے۔

اللہ فرمائے گا، کوئی اور خواہش ہے تو تباؤ۔ وہ عرض کرے گیگا، الہی! مجھے دوبارہ دنیا میں جانے کی اجازت دی جائے تاکہ میں پھر تیرے راستے میں لڑتا ہوا شہید ہو جاؤں۔ اللہ فرمائے گا، اس بات کی اجازت نہیں۔ پھر ایک کافر کو لایا جائے گا۔ اُس سے بھی وہی سوال ہوگا، کہ تمہارا ٹھکانا کیسا ہے۔ عرض کرے گا۔ شئی مکاناً بہت بُرا ٹھکانا ہے۔ اللہ فرمائے گا، اگر ساری زمین سونے سے بھری ہوئی تیرے قبضے میں ہو، تو کیا تو اپنی جان کا فدیہ دینے کے لیے تیار ہو کر عرض کرے گا، پروردگار میں بالکل تیار ہوں، اللہ فرمایگا، تو جھوٹا ہے۔ میں نے تم سے ایک معمولی سا مطالبہ کیا تھا کہ مجھے وحدۃ لا شریک مان لو، اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کر دو۔ یہ کون سی مشکل بات تھی۔ مگر تم نے نہ مانا اور کفر کا راستہ اختیار کیا۔ آج زمین بھر سونا فدیہ دینا چاہتے ہو مگر یہ بھی قبول نہیں ہوگا۔ فرمایا اُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيمٌ ایسے لوگوں کے لیے درناک عذاب ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے عذاب کے تمام ذہریلے مادے اپنے اندر جمع کر رکھے ہیں۔ انہیں نہایت ہی دکھ دینے والا عذاب پہنچتا ہے گا۔ وَمَا لَهُمْ مِنْ تَصْوِیۡنٍ اُن کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ دنیا میں تو انسان لاکھوں جیلے ہانے اختیار کر لیتا ہے۔ کہیں افرادی قوت میسر آجاتی ہے۔ کہیں رشوت اور سفارش کام کر جاتی ہے۔ مگر قیامت کے دن اس قسم کا کوئی جیلہ کارگر نہ ہوگا۔ کفر کرنے والے بس ہو جائیں گے۔ اور ابدی سزا کے مستحق ٹھہریں گے۔

لَنْ تَنَالُوا

ال عمران ۳

درس سی ویک

آیت ۹۲

الجزء الرابع (۴)

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تَحِبُّونَ ۗ
وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿۹۲﴾

ترجمہ: ہرگز حاصل نہ کر سکو گے سچی ایمان تک کہ تم خرچ کرو اس چیز میں سے جسے تم پسند کرتے ہو۔ اور جو چیز بھی تم خرچ کرو گے، سب اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتے والا ہے ﴿۹۲﴾

رہنمائی

سورۃ آل عمران کے ابتدائی حصے میں زیادہ تر نصاریٰ کی تردید کا بیان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے غلط عقائد کا رد فرمایا ہے۔ اور انہیں اصلاح کی دعوت دی ہے تاہم اہل کتاب ہونے کی حیثیت سے یہودیوں کا ذکر بھی آجی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بھی خوبیاں بیان کی ہیں، اور ان کے غلط عقائد کی تردید کی ہے اللہ تعالیٰ نے ملت ابراہیمی کا خلاصہ بیان فرمایا ہے۔ دین اسلام کے برحق ہونے کا تذکرہ کیا ہے اور اس کی پیروی اختیار کرنے کی نصیحت کی ہے۔ نیز واضح فرمایا ہے کہ اسلام کے سوا اللہ تعالیٰ کسی چیز کو قبول نہیں کرے گا۔ اور اسلام کے علاوہ کسی دین میں کامیابی ممکن نہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہدایت اختیار کرنے کے بعد دوبارہ گمراہی کے راستے پر چل نکلنے والوں کا رد فرمایا ہے۔ اور ان کی سزا کا تذکرہ کیا ہے اس سے پہلے بیان کیا تھا کہ جو لوگ کفر کی حالت میں مر گئے تو اگر وہ زمین بھر سونا بھی فدیہ کے طور پر قیامت کو دینا چاہیں گے، تو اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرے گا۔ کافر کی نجات ہرگز ممکن نہیں۔ اس کی طرف سے دنیا میں خرچ کیا ہوا مال کسی کام نہ آئیگا۔

قبولیت کا دار

ایمان پر ہے

آج کی آیت میں اہل ایمان سے خطاب ہے۔ انہیں یاد دہانی کرائی جا رہی ہے۔ کہ کافر خواہ کتنے بھی مال خرچ کریں۔ شرف قبولیت حاصل نہیں کر سکتے

البتہ اہل ایمان محسوس ہی چیز بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرے گا تو اجر عظیم کا مستحق محسوس ہوگا۔ مقصد یہ کہ قبولیت کا مدار اسلام اور ایمان پر ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں آتا ہے **أَخْلَصُ دِينِكَ يَكْفِيكَ قَلِيلٌ مِّنَ الْعَمَلِ** اپنے دین میں اخلاص پیدا کرو، محسوس عمل بھی تمہارے لیے کفایت کرے گا۔ **أَخْلَصَ اللَّهُ تَعَالَىٰ كِي وَصَلَانِيَّتِ كُو تَلِيم كَمَنِي** عھاد کی اصلاح فرمانبرداری اور نیت کی درستگی سے پیدا ہوتا ہے۔ لہذا جب اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہو، تو اپنی محبوب اور پسندیدہ چیز خرچ کر دو تاکہ تمہیں اعلیٰ درجے کی نیچی حاصل ہو جائے۔

میں، بر
اور اٹھ

بر اور بر کی اصطلاحیں قرآن و سنت میں کثرت سے استعمال ہوئی ہیں۔ کہ بر سے مراد جنت بھی ہو سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اعلیٰ درجے کی نیچی ہی کے ذریعے کوئی شخص جنت میں داخل ہو سکتا ہے۔ یا مطلقاً بر سے مراد نیچی ہے، جس کی ادائیگی کے بعد انسان کو اچھا بدلہ مل سکتا ہے۔ مگر جب تک وہ اپنی محبوب چیز کو خرچ نہیں کرے گا۔ اعلیٰ درجے کا معیار حاصل نہیں ہو سکتا۔ ان معانی میں پہلی آیتوں کے ساتھ ربط بھی پیدا ہو جائے گا۔ اہل کتاب اس لیے ایمان نہیں لاتے کہ انہیں اپنی محبوب چودھرا ہٹ کو قربان کرنا پڑتا ہے۔ بخران کے نصاریٰ نے یہی تو کہا تھا کہ اگر ہم ایمان قبول کر لیں تو ان کی جاگیر اور اعزاز ختم ہو جائے گا۔ مقصد یہ کہ اگر اعلیٰ درجے کی نیچی چاہتے ہو، تو ان سب چیزوں کو قربان کرنا پڑے گا۔ محبوب چیز خواہ مال و دولت ہو یا جاہ و حشمت ان کی قربانی دینا پڑے گی۔ مگر اہل کتاب اس کے لیے تیار نہ تھے۔

بکہ اللہ تعالیٰ کا اسم پاک بھی ہے **أَلَكَبْرُ الشَّيْءِ** بہت احسان کرنے والا خدا تعالیٰ ہی ہے۔ باریکو کار آدمی کو کہتے ہیں۔ اور اس کی جمع ابرار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ابرار یعنی نیکو کار بندوں کی تعریف فرمائی ہے۔ حدیث شریفہ میں آتا ہے کسی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا۔ حضرت! بر کس کو کہتے ہیں فرمایا **أَلِطْمَاطِ عَسَنِ إِلَيْهِ النَّفْسُ** یعنی بر وہ ہے جس

سے نفس کو اطمینان حاصل ہو۔ اور اٹم وہ ہے۔ مَا حَاكَ فِي الصَّدْرِ وَ
كَرِهَتْ أَنْ يَطَّلِعَ عَلَيْهَا النَّاسُ جس سے دل میں کھٹکا پیدا ہو۔ اور تم
یہ پسند نہ کرو۔ کہ لوگ اس پر مطلع ہوں۔ ایسی چیز کو ترک کرنا چاہیے۔

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔ کہ ہر ایسا کام ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی
اطاعت اور فرمانبرداری اور اس کی طرف سے الٹا نام پاکر اس کی مراد میں فنا ہو کر
کیا جائے۔ نیز ہر ایسا کام ہر کی تعریف میں آتا ہے جس کی وجہ سے ارتقاات میں
اصلاح پیدا ہوتی ہے۔ روزمرہ زندگی میں اطاعت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ حجابات
ہٹتے ہیں۔ اور ایسے اعمال کی بدولت دنیا اور آخرت میں اچھا نتیجہ ملتا ہے۔ پر خلاف
اس کے اٹم ایسا فعل ہے، جو شیطان کی اطاعت کے جذبے سے انجام دیا
جاتا ہے اس سے ارتقاات میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ اور دنیا کے طور طریقوں میں
فنا و بربا ہوتا ہے ایسا فعل انسان میں حجابات پیدا کرتا ہے۔ اور نافرمانی کے
جذبے کو ابھارتا ہے۔ یہ اٹم ہے۔ اور اس کا نتیجہ دنیا و آخرت ہر دو مقامات میں
برا ہی مرتب ہوتا ہے۔

نیکی کی مثالیں

ارشادِ ربانی ہے۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا
تَحِبُّونَ ہرگز نہ پاؤ گے تم اعلیٰ درجے کی نیکی میاں تک کہ اُس چیز میں سے
خرچ کر دے جسے تم پسند کرتے ہو۔ سارا مال خرچ کرنے کا حکم نہیں ہے۔ بلکہ
معتاد سے مراد ہے اپنی استطاعت کے مطابق۔ جب حضرت ابو طلحہؓ نے
یہ آیت سنی تو حضور علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا حضرت
میرے باغات میں سے کبیر جا رہے بہت محبوب ہے میں اسے اللہ
کی راہ میں دینا چاہتا ہوں۔ آپ اس کو مناسب جگہ پر صرف فرمائیں۔ فرمایا،
خوب، یہ مال بڑا فائدہ دینے والا ہے۔ میرا مشورہ یہ ہے۔ کہ اسے اپنے عزیز
رشتہ داروں میں تقسیم کر دو۔ چنانچہ ابو طلحہؓ نے وہ باغ اپنے تین چار اقربا میں تقسیم
کر دیا۔ اس میں میٹھا پانی بھی تھا۔ حضور علیہ السلام کبھی کبھی اس باغ میں تشریف لے

جاتے اور اس کے کنوئیں کا پانی نوش فرماتے۔ حضرت عمرؓ نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ جو زمین مجھے خیر میں ملی ہے وہ مجھے اپنے اموال میں سے زیادہ پیاری ہے میں چاہتا ہوں کہ اسی اللہ کی راہ میں سے دوں۔ آپ نے فرمایا اسے وقف کرو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

حضور علیہ السلام کے منہ بولے بیٹے حضرت زیدؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ میرے پاس بڑی اچھی چال والا ایک گھوڑا ہے اور وہ مجھے بڑا محبوب ہے، میں اسے اللہ کی راہ میں دینا چاہتا ہوں سرور کائنات نے فرمایا، بہت اچھی بات ہے مے دو۔ عرض کیا، حضور! جسے آپ مناسب سمجھیں مے دیں۔ آپ نے وہ گھوڑا زیدؓ ہی کے بیٹے حضرت اسامہؓ کو مے دیا۔ تاکہ وہ اسی جہاد میں استعمال کر سکیں۔ اس پر زیدؓ کو کچھ تر دہوا۔ کہ میں تو اللہ کی راہ میں دینا چاہتا تھا، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اپنے بیٹے کو ہی عنایت کر دیا۔ حضور علیہ السلام کو تپ چلا، تو فرمایا، تردد مت کرو۔ جب تم نے اللہ کی راہ میں مے دیا تو اللہ نے اسے قبول کر لیا، تمہارا بیٹا اس کا مستحق تھا، لہذا تمہارے صدقے میں کوئی کمی نہیں آئی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس ایک بڑی اچھی رومی لوٹمی تھی جو آپ کو بڑی عزیز تھی۔ آپ نے اس کو اللہ کی راہ میں آزاد کر دیا۔ خود فرمایا کرتے تھے۔ کہ اگر میں اپنی دی ہوئی چیزوں میں سے واپس لینا چاہتا تو یقیناً اس سے نکاح کر لیتا۔ مگر میں اس کو فی سبیل اللہ آزاد کر چکا ہوں۔ پھر آپ نے مشورہ کر کے اپنے شاگرد نافعؓ سے اس لوٹمی کا نکاح کر دیا۔ مقصد یہ کہ اپنی محبوب چیز کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بلاشبہ اعلیٰ درجے کی نیکی ہے۔

پچھلی سورۃ میں گزرا چکا ہے۔ کہ اللہ کی راہ میں اچھی چیز خرچ کرنے کی چاہیے نہ کہ رومی چیز۔ جب تم خود ناقص چیز پسند نہیں کرتے تو ایسی چیز اللہ کی راہ میں کیسے جیتے ہو۔ حکم تو یہ ہے۔ اَلْفَقْرُوهَا مِنْ طِبِّئَاتِ مَا كَسَبْتُمْ

وَمِمَّا أَحْسَبُ أَنَّكُمْ مِنَ الْمَرْغُوبِينَ یعنی اپنی کمائی میں سے اچھی سے اچھی اور پاکیزہ سے پاکیزہ چیز خدا کی راہ میں خرچ کرو۔ کسی نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا۔ حضور! کونسا غلام آزاد کرنا زیادہ بہتر ہے۔ فرمایا جو مالک کے نزدیک زیادہ پیارا ہو۔ جیسا کہ قربانی کے ضمن میں آتا ہے کہ اچھے سے اچھا، خوب موٹا تازہ، پالا پوسا ہوا جانور اللہ کی راہ میں قربان کرو۔ اس سے اجر بھی زیادہ ملے گا۔

یہ چند مثالیں میں نے عرض کر دیں۔ صحابہ کرامؓ عام طور پر اعلیٰ سے اعلیٰ چیز خدا کی راہ میں خرچ کرتے تھے۔ تاہم یہ ضروری ہے۔ کہ انفاق فی سبیل اللہ حضورؐ یا زیادہ ایمان، اسلام اور اطاعت کے جذبہ سے ہوگا، تو قبولیت کے درجہ کو پہنچے گا۔ اور اس کا اجر بھی اعلیٰ درجے کا ہوگا۔ یہاں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے۔ کہ خرچ کا تعلق صرف مال کے ساتھ ہی نہیں بلکہ جو بھی کسی کے پاس محبوب چیز ہے، اُس کی قربانی سے کم اعلیٰ مرتبہ حاصل کر سکتا ہے۔ اگر کسی شخص کو جاہ اور حکومت پیاری ہے تو اُس کو قربان کرنا ہوگا۔ اور اس کی صورت یہ ہے۔ کہ اپنے عہدہ اور منصب کے ذریعے مخلوق خدا کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائے۔ اور اپنے ذہن سے ظالم اور جاہل حاکم کا زعم نکال دے۔ یہی اس کی قربانی ہے۔ اگر کوئی حاکم کسی کا جائز کام نہیں کرتا، ناجائز ذرائع سے مال اکٹھا کرتا ہے، اپنے آرام و آسائش کی فکر میں رہتا ہے، جو کوئی کوٹھی، کارخانہ اور دیگر آرام و آسائش کے پیچھے پڑا رہتا ہے۔ تو اُسے اعلیٰ درجے کی نیچی کہاں حاصل ہو سکتی ہے، اُسے تو یہ چیزیں قربان کرنا ہوں گی۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے کہا ہے کہ

بیچ خیر از بیٹک ز کوششِ مہو

لَنْ نَسْأَلُوا الدَّيْرَ حَتَّى تَنْفَقُوا

سونا کھینچنے والی نگاہوں سے کبھی نیچی کی امید نہ رکھو، جو شخص مال اکٹھا کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ وہ نیچی کو کیسے بیچ سکتا ہے۔ نیچی تو جب حاصل ہوگی جب اپنی محبوب چیز کی قربانی کرو گے۔

سرمایہ داری نظام میں بھی کچھ ہوتا ہے۔ ہر شخص اپنے بنک بیلنس کی رقم میں رہتا ہے۔ جائیداد و ناجائز، حلال و حرام کی کوئی تمیز نہیں۔ مال آنا چاہیے خواہ کسی راستے سے آئے مگر دوسرے کے ساتھ نیچے کی توفیق نصیب نہیں ہوتی۔ جو شخص خود دوسروں کا خون چرتا ہے۔ حرام کھاتا ہے، سو دوسرے، لوگوں کی توفیق مٹاتی ہے، اس سے نیچے کی کیا امید

ہو سکتی ہے۔ اسی لیے قرآن نے سرمایہ دارانہ نظام کو یعنی نظام قرار دیا ہے۔ امریکہ برطانیہ، فرانس سب یعنی نظام معیشت کو اپنائے ہوئے ہیں۔ وسائل معیشت اکثر ناجائز ہیں۔ مال اکٹھا کرنے کی دوڑ لگی ہوئی ہے، دوسری طرف الحادی نظام ہے۔ یہ سراسر خدا تعالیٰ اور شارع الہیہ کا انکار ہے۔ روس اور چین وغیرہ میں ہی نظام ہے مگر سرمایہ دارانہ نظام کی طرح یہ اشتراکی نظام بھی لمحوں ہے۔ جہاں جو نظام معیشت انبیاء علیہم السلام نے پیش کیا ہے۔ یہی صحیح اسلامی نظام ہے۔ اس کے ذرائع آمدن بھی جائز ہیں اور یہ حرام چیزوں پر مخرج بھی نہیں ہوتا۔ اس میں قیغش اور حرام خوردی نہیں ہے۔ یہ نظام نادروں اور عربوں کی مدد کرتا ہے، مظلوم کو اس کا حق دلاتا ہے۔ یتیموں کے سر پر دستِ شفقت رکھتا ہے۔ اور بیواؤں کا سہارا بنتا ہے۔ اس نظام کے اپنانے والے مال اکٹھا نہیں کرتے، انہیں جاہ و حشمت کی کوئی خواہش نہیں ہوتی، بلکہ ان میں قربانی کا جذبہ بدرجہ اتم موجود ہوتا ہے۔

کسی قوم اور ملک کی معیشت میں تاجر حضرات سرکنڈی کردار ادا کرتے ہیں۔ اگر ان کا رویہ مثبت ہوگا، حرام کی کھائی سے بچیں گے، تو دنیا اور آخرت دونوں جگہ کامیاب ہوں گے، ورنہ خوار ہوں گے، حضور علیہ السلام نے تاجروں کو مخاطب کر کے فرمایا، اے تاجروں کے گروہ! یاد رکھو، قیامت کے دن اکثر تاجر تاجر اٹھائے جائیں گے۔ **الْأَمْثَ الْعِطْیَ وَبَسَّ وَصَدَقَ سَوَائِے اُس کے جو نیچے والا ہوگا، سچائی والا ہوگا، اور تقویٰ والا ہوگا، ایسے ہی لوگ بیوں۔ صدیقوں، شہیدوں اور نیچے کاروں کی قطار میں کھڑے ہوں گے۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام بازار میں تشریف لے گئے اور فرمایا، اے تاجر! میں تم کو ایک بات کہتا ہوں، تم**

دو چیزوں کے والی بنائے گئے ہو۔ انہی دو چیزوں کی وجہ سے پہلی کئی امتیں تباہ ہوئیں فرمایا وہ دو چیزیں الکیل والوزن ترازو اور پیمانہ ہیں۔ ان میں کھی بینی کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بہت سی قوموں کو ہلاک کیا، عذاب میں مبتلا کیا، یہ لوگوں کی حق تلفی کرتے تھے۔ "وَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ" میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ کہ ماپ تول میں کھی بیشی کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے سورۃ الرحمن میں فرمایا۔ "وَأَقِمْ وَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ" ترازو میں کھی نہ کرو، بلکہ پورا پورا تولو۔ انصاف کرو، نا انصافی نہ کرو۔

بہر حال اسلام کے علاوہ جو بھی نظام معیشت ہے، سب ملعون ہے۔
 یہ انسانیت کے خلاف ہے۔ البتہ اسلام کا نظام اور انبیاء کا نظام بالکل الگ ہے۔ اس میں حلال و حرام کی پابندیاں، اسراف و تبذیر کی پابندیاں ہیں۔ اسی لیے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "الذُّنُوبُ سَجَنُ الْمُؤْمِنِ" یہ دنیا مومن کا قید خانہ ہے۔ مومن جب کلمہ پڑھ لیتا ہے۔ تو پھر اس پر بہت سی پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں۔ نہ وہ حرام مال حاصل کر سکتا ہے اور نہ حرام مصم پر خرچ کر سکتا ہے۔ آج کل فضول رسومات میں بے دریغ روپیہ صرف کیا جا رہا ہے اور ایسے بڑی عزت سمجھا جاتا ہے۔ مگر یہ سراسر اسراف ہے۔ قرآن پاک نے فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کے بھائی کہا ہے۔ "إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَالْأَوْارِثُونَ الْبَشَّاطِينَ" حضرت شاہ محمد یعقوبؒ بھوپالیؒ فرمایا کرتے تھے کہ مسلمان اسراف کو بڑی عزت سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ صریحاً خلاف شرع ہے۔ مثال کے طور پر فرماتے ہیں کہ مسلمان کی عادت بن چکی ہے کہ شادی میں متم رشتہ داروں کو بلایا جاتا ہے۔ صاحب خانہ کی خواہش ہوتی ہے کہ اس موقع پر کوئی رشتہ دار ناراض نہیں رہنا چاہیے۔ سب کو منت سماجت کر کے راضی کیا جاتا ہے اور تقریب میں بلایا جاتا ہے البتہ اپنی غلط رسوم اور اسراف کی وجہ سے اللہ اور اس کے رسول کو رخصت کمر دیا جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ آپ جائیں، ہمارے لیے ہمارے

رشتہ دار کافی ہیں۔ اس طرح اللہ کے احکام کی کچھ پروا نہیں کی جاتی۔ اب دیکھیے
 یریح الاول آ رہا ہے۔ مسلمان بھینڈیاں لگا کر حضور علیہ السلام کی اتباع کا دعویٰ دار بن
 رہا ہے۔ مگر یہ نہیں سوچتا کہ وہ اسراف کا ارتکاب کر کے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
 کی مخالفت کر رہا ہے۔

الغرض! اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ہرگز نہ پاسکو گے اعلیٰ درجے کی نیچا بیان تک
 کہ تم اپنی پسندیدہ چیز کو خرچ کرو۔ وَمَا تَنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ اور تم جو کچھ خرچ
 کرو، فَاتَّ اللَّهُ بِهِ عَلَيْهِمُ اللہ تعالیٰ اس کو خوب جاننے والا ہے
 اُسے علم ہے۔ کہ تم کس نیت اور جذبے کے تحت خرچ کر رہے ہو۔ لہذا اس
 کا بدلہ بھی نیت اور جذبے کے مطابق ہی ملیگا۔

لَنْ تَنَالُوا

ال عمران ۳

درس سی و دو ۲۲

آیت ۹۳ تا ۹۵

كُلِّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ إِلَّا مَا
 حَرَّمَ إِسْرَائِيلُ عَلَى نَفْسِهِ مِنْ قَبْلِ أَنْ
 تُنَزَّلَ التَّوْرَةُ قُلْ فَاتَّبِعُوا بِالْتَّوْرَةِ
 فَاتَّبِعُوا إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۹۳﴾ فَمَنْ
 افْتَرَى عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ
 فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۹۴﴾ قُلْ صَدَقَ اللَّهُ
 فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ
 مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۹۵﴾

وقتِ جنس میں علیہ السلام

ترجمہ: بنی اسرائیل کے لیے ہر قسم کی کھانے کی چیزیں حلال تھیں سوائے ان کے
 جن کو اسرائیل (علیہ السلام) نے خود اپنے اوپر حرام قرار دیا تھا، اس سے قبل کہ تورات
 نازل ہو۔ آپ کہہ دیجئے اے پیغمبر (علیہ السلام) تورات لاؤ اور اس کو پڑھو، اگر تم
 سچے ہو ﴿۹۳﴾ جو شخص اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے، اس کے بعد، پس یہی لوگ بڑے
 بے انصاف ہیں ﴿۹۴﴾ اے پیغمبر (علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے، اللہ نے
 سچ فرمایا ہے۔ پس تا بعد ازیں کرو ملت ابراہیم (علیہ السلام) کی جو حنیف تھے۔ اور وہ
 شرک کرنے والوں میں نہیں تھے ﴿۹۵﴾

گذشتہ رکوع میں اللہ تعالیٰ نے ملت ابراہیمی کے اصول بیان کر کے واضح شان نزول
 کیا تھا کہ ملت ابراہیم، حنیفیت یا اسلام کا مطلب ایک ہی ہے۔ لہذا
 حضور علیہ السلام نے اہل کتاب کو اسی ملت ابراہیمی کی طرف دعوت دی۔ اور فرمایا

کہ ملتِ ابراہیمی کے اصل پیروکار اہل اسلام ہیں۔ لہذا اہل کتاب کو چاہیے کہ وہ بھی مسلمانوں کے طریقے کے مطابق ملتِ ابراہیمی کی پیروی کریں۔ اس کے برخلاف یہودیوں کا دعویٰ یہ تھا کہ اصل ابراہیمی وہ ہیں۔ انہوں نے جو ابا کجا کہ اگر مسلمانوں کو ملتِ ابراہیمی کے پیروکار ہونے کا دعویٰ ہے تو پھر ملتِ ابراہیمی میں حرام کردہ چیزوں کو وہ کیوں حلال سمجھتے ہیں۔ ان کی مراد اونٹ کے گوشت اور اونٹنی کے دودھ سے محض، جسے اہل کتاب حرام سمجھتے تھے مگر مسلمان اس کو حلال جانتے ہوئے استعمال کرتے تھے۔ یہودیوں کا دوسرا سوال یہ تھا کہ اگر مسلمان ملتِ ابراہیمی پر قائم ہیں تو پھر اس ملت کے قائم کردہ بیت المقدس کو قبضہ کیوں تسلیم نہیں کرتے۔ چنانچہ پہلے سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آیاتِ ذمیرہ درس نامہ فرمائیں اور واضح کیا کہ اونٹ کا گوشت اور دودھ بنی اسرائیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار نہیں دیا بلکہ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے مذرت کی تکمیل میں خود اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ اور پھر ان کے اتباع میں ان کی اولاد نے بھی ان چیزوں کو حلال نہ سمجھا۔ اہل کتاب کے دوسرے سوال یعنی تحویل قبلہ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت میں اَوَّلَ بَيِّنَاتٍ میں وضاحت فرمادی ہے۔

یہودیوں کے چار سوال

مستدرک حاکم اور ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس سے درجہ اول کی صحیح حدیث موجود ہے کہ یہودیوں نے حضور علیہ السلام سے سوال کیا تھا کہ یہ یعقوب علیہ السلام نے اس چیز کو اپنے اوپر حرام قرار دیا تھا۔ اس کے جواب میں نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ یعقوب علیہ السلام جن کا لقب اسرائیل یعنی اللہ کا بندہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت دی تھی کہ تم کو بیٹا دوں گا یعنی اسحاق علیہ السلام وَمِنْ ذُرِّيَّتِكَ اسحاقُ يَعْقُوبُ اور بیٹے کے بعد پوتا یعقوب علیہ السلام بھی دوں گا۔ جسے آپ اپنی زندگی میں دیکھ لیں گے۔ یعقوب عتق کے مادہ سے ہے اور اس کا معنی ایسی بچھے آنے والا ہے چنانچہ اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں یعقوب علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اور پھر آپ کے بارہ

بیوں کی اولاد بتی اسرائیل کسلانی جن کی تعداد لاکھوں کمزوروں تک پہنچ گئی۔
 حضور نبی کریم علیہ السلام نے یہودیوں کے سوال کے جواب میں فرمایا، کہ
 حضرت یعقوب علیہ السلام کو عرق النسا کی بیماری لاحق ہو گئی تھی جس کو ٹھیکاری کا
 درد بھی کہتے ہیں۔ نسا کے متعلق مشہور ہے کہ یہ رگ ہے۔ مگر حقیقت میں یہ
 پھٹ ہوتا ہے۔ جو کہ لہسے سے شروع ہو کہ ران سے ہونا ہوا انگوٹھے تک جاتا ہے
 یہ درد عرق النسا کہلاتا ہے۔ یہ درد کبھی ٹانگ کے ایک طرف ہوتا ہے اور کبھی
 دونوں طرف۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو یہی عارضہ تھا۔ انہوں نے نذر مانی
 کہ اللہ نے صحت عطا فرمائی تو میں اپنی خوراک میں سے مرعوب چیز کھانا ترک
 کر دوں گا۔ آپ کے نزدیک مرعوب اشیا میں ادینٹ کا گوشت اور اونٹنی کا
 دودھ تھا۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو صحت عطا فرمائی، تو آپ نے ان چیزوں
 کو ترک کر کے اپنی منزلت پوری کی مقصد یہ کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں کی تھیں۔
 بلکہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے خود اپنے اوپر حرامہ کر لی تھیں یہودی اس جواب سے
 ملہائیں ہو گئے۔

ایک دوسری روایت میں یوں آتا ہے۔ کہ یہودیوں نے نبی اکرم سے کہا۔ کہ
 ہم آپ سے بعض ایسی باتیں پوچھنا چاہتے ہیں، جن کا جواب نبی کے علاوہ کوئی
 نہیں دے سکتا۔ آپ نے فرمایا، اگر میں نے ان باتوں کا ٹھیک ٹھیک جواب دیا
 تو پھر تمہیں ایمان لانا ہوگا۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ ایمان لے آئیں گے۔ چنانچہ
 یہودیوں کا پہلا سوال یہی تھا، جس کا ذکر آچکا ہے۔ کہ حضرت یعقوب علیہ السلام
 نے کون سی چیز اپنے اوپر حرام قرار دی تھی۔ مذکورہ جواب سن کر یہودیوں نے
 اس کی تصدیق کی۔

یہودیوں کا دوسرا سوال یہ تھا۔ کہ ماں کے پیٹ میں تفریق جنس کس طرح
 واقع ہوتی ہے۔ یعنی بچہ یا بچی کیسے بنتے ہیں آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ
 مرد کا مادہ تولید رنگت میں سفید اور قوام میں گاڑھا ہوتا ہے۔ برعکاس اس

کے عورت کا مادہ رنگت میں زرد و قوام میں رقیق یا تپلا ہوتا ہے۔ فرمایا دونوں مادہ طے تولد میں جس مادہ کا غلبہ ہوتا ہے، وہی جنس پیدا ہوتی ہے۔ حدیث میں علی کا لفظ آتا ہے یعنی جو نسا مادہ غالب آجائے۔ رہا یہ سوال کہ غالب کس طرح آتا ہے۔ تو اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں مثلاً خاصیت میں، و صفت میں یا مقدار میں غلبہ ہو سکتا ہے جہاں جس مادہ کو غلبہ حاصل ہو جاتا ہے، تولد ہونے والا بچہ اسی جنس میں ڈھل جاتا ہے۔ یہودیوں نے کہا کہ جواب درست ہے۔

یہودیوں کا تیسرا سوال یہ تھا۔ کہ نبی آخر الزمان کی نشانی کیا ہے۔ آنحضرت علیہ السلام نے ارشاد فرمایا تنام عینہ ولا ینام قلبہ، اس کی آنکھ سوتی ہے۔ مگر دل بیدار رہتا ہے۔ یہودیوں نے اس جواب کی بھی تصدیق کی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ان سوالوں کے جواب مجھے معلوم نہ تھے، حتیٰ کہ اللہ کی جانب سے جبرائیل علیہ السلام نے آکر یہ جواب مجھے بتائے تو میں نے یہودیوں کو بتا دیے۔

یہودیوں نے چوتھا سوال یہ کیا۔ کہ فرشتوں میں سے نبی امی کا دوست فرشتہ کون سا ہے۔ تو نبی علیہ السلام نے جواب دیا، اُن کا دوست جبرائیل فرشتہ ہے اس سوال پر یہودی بدگئے کہ جبرائیل کو تم تسلیم نہیں کرتے۔ اس فرشتہ نے ہمارے آباؤ اجداد کو تکالیف دی ہیں۔ ہم اس کو نبی آخر الزمان علیہ السلام کا دوست تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اس طرح یہودیوں نے چوتھے سوال کے جواب کا انکار کرنے کے ایمان لانے سے انکار کر دیا حالانکہ پہلے اس کا وعدہ کر چکے تھے۔

حالتِ عورت
الغرض! اللہ تعالیٰ نے فرمایا كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلالًا لِّبَنِي اِسْرَائِيْلَ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل کے لیے کھانے کی تمام چیزیں حلال تھیں۔ طحام سے مراد کھانے پینے کی چیزیں ہیں۔ امام رضی صوٹی فرماتے ہیں کہ كُلُّ الطَّعَامِ سے وہ چیزیں مراد ہیں جو کھانے پینے کے کام آتی ہیں۔ وہ سب حلال تھیں سوائے اُن کے جن کا ذکر سورہ نسا کے پہلے رکوع میں آجائے گا۔ بعض حرم چیزوں کا

ذکر سورۃ اعراف میں بھی آتا ہے۔ اس کے علاوہ وحی الہی کے ذریعے حرام کردہ چیزیں مثلاً مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور نذر بغیر اللہ ربی اسرائیل کے لیے بھی حلال نہیں تھیں۔ البتہ کھانے پینے کی عام چیزیں اور بہیمۃ الانعام یعنی بھیڑ بکری یا اسی قسم کے دیگر جانوروں کا گوشت، دال، ہسنری، روٹی وغیرہ تمام چیزیں نبی اسرائیل کے لیے حلال تھیں۔ ہاں

الْمَا حَرَّمَ سِوَا سِرَائِلُ عَلٰی نَفْسِهِ جو چیزیں حضرت یعقوب علیہ السلام نے بذریعہ نذر خود اپنے اوپر حرام کمر لی تھیں، وہ خاص انہی کے واسطے حرام تھیں۔

اور وہ بھی صِرْفَ قَبْلِ اَنْ تُنْزَلَ السُّورَةُ تورات کے نازل ہونے سے سینکڑوں سال پہلے۔ مگر اُن کی دیکھا دیکھی اُن کی اولاد نے بھی اونٹ کا گوشت اور اونٹنی کا دودھ استعمال کرنا ترک کر دیا، حالانکہ یہ اُن کے لیے بالکل جائز تھا۔ اور تورات میں ان چیزوں کی حرمت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

یہودیوں نے یہ غلط مشہور کر دیا تھا کہ یہ چیزیں تورات کے حکم سے حرام ہوئی ہیں۔

مختلف شرائع
کے احکام
میں مشرق

یہاں پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام قرار دے دینا اللہ کے حکم سے تھا یا اُن کے ذاتی اجتہاد کی وجہ سے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ حرمت دونوں طرح سے جائز ہے سابقہ شرع میں کوئی چیز اللہ کے حکم سے بھی حرام ہو سکتی تھی اور نبی کے اجتہاد سے بھی ایسا ہو سکتا تھا۔ اور مسئلہ زیر بحث میں دونوں ذرائع کا امکان موجود ہے۔ البتہ

ہماری شریعت میں کسی حلال چیز کو حرام قرار دینا درست نہیں ہے۔ ہماری شریعت کا حکم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نذر کے طور پر کبھی حلال چیز کو اپنے آپ پر حرام کر لیتا ہے تو ایسی نذر کو پورا کرنا ضروری نہیں، بلکہ ایسی نذر کا توڑنا ضروری ہے۔ اور ایسی نذر کے کفائے کا ادا کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ جتنور علیہ السلام نے بعض بیویوں کی خوشنودی

کی خاطر ایک نوٹڈی کو اپنے آپ پر حرام قرار دے لیا تھا۔ یا سلم شریف کی روایت کے مطابق شہد پینے کو حرام کر لیا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ تحریم میں حکم نازل فرمادیا

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ حَرَّمَ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ؟ اے نبی! آپ اس

چیز کو اپنے اوپر کیوں حرام کرتے ہیں۔ جو اللہ نے آپ کے لیے حلال قرار دی ہے۔ پھر آگے فرمایا قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحْلِيلَ الْيَمَانِكُمْ اللَّهُ تَعَالَى نَفَضَ قَرَارِ دِيَابِہِ كَقَسَمِہِ تَوْرَدِی جَابِہِ۔ ہماری شریعت میں یہ حکم ہے۔ کہ اگر کوئی شخص کسی حلال چیز کو خود اپنے آپ پر حرام قرار دے لیتا ہے۔ تو قسم واقع ہو جاتی ہے، جسے توڑنا ضروری ہو جاتا ہے۔ مگر یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں یہ ضروری نہیں تھا۔ لہذا انہوں نے اپنی قسم کو پورا کرتے ہوئے اپنے آپ پر دو چیزیں حرام کر لی تھیں۔

اور یہ تورات کے نزول سے پہلے کا واقعہ ہے۔ ظاہر ہے کہ تورات تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ اور یعقوب علیہ السلام نے آپ سے سینکڑوں سال پہلے ایسا کیا تھا۔ اور وہ صحت یابی پر نذر کی صورت میں، نہ کہ ملتِ ابراہیمی کے حکم کی حیثیت سے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خود اونٹ کا گوشت کھاتے تھے، آپ نے اسے اپنی اولاد کے لیے حرام بھی قرار نہیں دیا۔ بنو اسماعیل میں اونٹ کے گوشت اور دودھ کے ترک کی کبھی نوبت نہیں آئی، البتہ بنو اسحاق میں سے صرف حضرت یعقوب علیہ السلام نے قسم کی تکمیل میں یہ چیزیں چھوڑ دیں تھی۔ انہوں نے اپنی اولاد کو بھی ان کے استعمال سے منع نہیں کیا تھا۔ یہ تو آپ کی اولاد کی محض اپنی صوابدید تھی کہ انہوں نے بھی ان چیزوں کا استعمال ترک کر دیا۔

ہاں! تورات نے بعض دوسری چیزوں کو بنی اسرائیل کی سرکشی کی وجہ سے ان پر حرام کر دیا تھا۔ ان اشیاء کا ذکر سوکھ نسا کے آخر میں اور بعض دوسری سورتوں میں بھی آئے گا۔ قَبِضْلِهِمْ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّهْنَا عَلَيْهِمْ حَرْ طَيِّبَاتٍ اُحِلَّتْ لَهَا یعنی بنی اسرائیل کی شرارتوں کی وجہ سے ہم نے کسی حلال چیزیں ان پر حرام کر دیں۔ ان پر گائے کا گوشت حلال تھا مگر چربی حرام تھی انہیں ایک ایک بوٹی سے چربی علیحدہ کرنے کی مشقت برداشت کرنا پڑتی تھی۔ صرف آنت کی چربی حلال تھی۔ ان کے لیے بعض دیگر جانور بھی حرام قرار دئے لیے گئے تھے۔ حالانکہ ملتِ ابراہیمی میں یہ تمام چیزیں جائز تھیں۔

چونکہ یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ _____ اونٹ کے گوشت اور دودھ کی حرمت کا حکم تورات میں موجود ہے۔ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا **فَأْتُوا بِالْبُرْهَانِ** لے پیغمبر علیہ السلام! آپ ان سے کہ دیں کہ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو، تو تورات لے آؤ، **فَأْتُوا هَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ** اُس کو بڑھو، تو معلوم ہو جائے گا کہ تم اپنے دعوے میں کہاں تک سچے ہو۔ ظاہر ہے کہ تورات میں ان چیزوں کی حرمت کا حکم نہیں نکلے گا۔ کیونکہ یہ چیزیں تو عیوب علیہ السلام نے سینکڑوں سال پہلے خود اپنے اوپر علم کی تھیں، لہذا تورات میں ان کا حکم ثابت نہیں ہو سکتا۔

یہودیوں نے اس چیلنج کو قبول نہ کیا۔ اگر وہ تورات لاکر پڑھتے تو یہ حکم ثابت نہ کر سکتے اور جھوٹے ثابت ہوتے۔ اس سے قبل زانی سزا کے متعلق بھی ان کی کذب بیانی ہو چکی تھی۔ اس کا ذکر سورہ ماہدہ میں آئے گا۔ واقعہ یہ ہوا کہ خیر کے ایک راہ اور عورت زنا کے جرم میں ملوث ہوئے۔ جب یہ مقدمہ آنحضرت علیہ السلام کی خدمت میں پیش ہوا۔ تو آپ نے فرمایا کہ تورات میں اس جرم کی کیا سزا مقرر ہے۔ تو وہ کہنے لگے کہ تورات کا حکم یہ ہے۔ کہ زانی اور زانیہ کو گڑے ماسے جائیں اور ان کا منہ کالا کر کے گدھے پہ اٹے رُخ

بٹھایا جائے۔ اسپر آپ نے فرمایا، نہیں بلکہ تورات میں زانیہ کے رجم کا حکم ہے تورات لاکر پڑھو۔ جب تورات لائی گئی تو یہودیوں نے اصل حکم پر انگلی رکھ لی۔ مگر حضرت عبد اللہ بن سلام کے ذریعے اصل حکم واضح ہو گیا کہ زانی اور زانیہ شادی شدہ کو بیشک جان سے مارا جائے۔ چنانچہ اس حکم کے مطابق خیبر کے بدکاروں کو ننگار کمرہ فرمایا گیا۔ اسی طرح حضور علیہ السلام نے اونٹ کے گوشت اور اونٹنی کے دودھ کے متعلق بھی یہودیوں سے فرمایا کہ اگر ان کی حرمت کا حکم تورات میں موجود ہے۔ تو تورات لاؤ اور پڑھ کر دیکھ لو۔ مگر یہودی چونکہ جھوٹے تھے، انہوں نے تورات لانے کی جرأت نہ کی۔ اگر تورات لے آتے تو حرمت کا حکم ثابت فرماتے۔

یہودیوں کی
کذب بیانی

چنانچہ اسی واقعہ کے پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا فَمَنْ أَتَى عَلَى اللَّهِ
الْكُذِبَ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ یعنی جو کوئی حق واضح ہو جانے کے بعد اللہ پر جھوٹ
بانہوتا ہے۔ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ تو جان لو کہ یہی لوگ ظالم ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نصیحت کے طور پر فرمایا فَلْصِدْقَ اللَّهِ
اے نبی علیہ السلام! آپ کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے۔ اور ملتِ ابراہیمی کے
اصول واضح کر دیے ہیں۔ اور آپ اُن کی دعوت مینے والے ہیں۔ اور اُس پر قائم ہیں۔
البتہ خود یہودی ملتِ ابراہیمی کہ چھوڑ چکے ہیں۔ انہوں نے خدا کی کتابوں میں تحریف کہت
اور عدا جھوٹ بولا ہے۔ اب جب کہ حق واضح ہو گیا ہے۔ فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ
إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا پس ابراہیم علیہ السلام کی ملت کا اتباع کرو۔ یہی
دین اسلام ہے۔ اور یہی حنیفیت ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خود حنیف
تھے، حنیف وہ ہے جو اللہ کی توحید پر ایمان لاتا ہے۔ قبلے کی طرف رخ کرنے
نماز پڑھتا ہے۔ ختنہ کرتا ہے اور بیت اللہ کا حج کرتا ہے۔ لہذا تم بھی حنیف
بن جاؤ۔ ہر طرف سے کٹ کر ایک خدا وحدہ لا شریک پر ایمان لے آؤ۔ اور
ملتِ ابراہیم کا اتباع کرو۔ پہلے گنہگار ہے۔ إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ
لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا اپنے دور میں
حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قریب تر وہ لوگ تھے، جنہوں نے اُن کی پیروی کی۔ اور
اس دور میں یہ نبی آخر الزماں علیہ السلام اور اس پر ایمان لانے والے لوگ ہیں۔ یہی لوگ
آپ کی ملت کے پیروکار ہیں۔ یہودی تو ملتِ ابراہیمی کے تارک ہیں۔ انہوں نے
ملت کو مسخ کر دیا۔ تورات کے احکام میں تحریف کے ترکیب ہوئے۔ اصولوں
کو بگاڑ دیا اور شرک میں مبتلا ہو گئے۔ حالانکہ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ
ابراہیم علیہ السلام تو نعوذ باللہ مشرکوں میں سے نہیں تھے۔ لہذا تم بھی حنیف بن
جاؤ کیونکہ حنیف مشرک نہیں ہو سکتا۔ حَتَّىٰ آتَى اللَّهُ عَالَمَهُمْ لَيَالٍ سَوِيًّا
اے اہل کتاب تم بھی شرک کو چھوڑ کر اللہ کی وحدانیت پر ایمان لے آؤ۔ تم ملتِ ابراہیمی

ملتِ ابراہیمی
کا اتباع

کے پیروکار ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے پہلے سوال کا جواب دیا۔ جس میں انہوں نے مسلمانوں سے کہا تھا کہ جب تم تکرت ابراہیمی کے پیروکار ہوتے کا دعویٰ کرتے ہو۔ تو پھر اونٹ کا گوشت اور دودھ کیوں استعمال کرتے ہو۔

لَنْ تَنَالُوا

الْعِصْمَانِ ۳

درس سی و سوم ۳۳

آیت ۹۶ تا ۹۷

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا
 وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ ﴿۹۶﴾ فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مِّمَّا
 أَنبَأَ بَرَاهِيمَ ؑ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا وَلِلَّهِ عَلَى
 النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا
 وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ﴿۹۷﴾

ترجمہ: بیشک اللہ کا پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا ہے البتہ وہ ہے جو بکہہ
 یعنی مکہ مکرمہ میں ہے۔ برکت والا ہے۔ اور تمام جانوں کے لیے ہدایت ہے ﴿۹۶﴾
 اس میں واضح نشانیاں ہیں، جیسا کہ مقام ابراہیم (علیہ السلام)۔ اور جو شخص اس میں داخل
 ہوگا۔ وہ امن والا ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کے لیے لوگوں پر حج ہے اس گھر کا جو طاق
 رکھتا ہے اس کی طرف راستے پر جانے کی۔ اور جس شخص نے انکار کیا، تو بیشک
 اللہ تعالیٰ سب جہان والوں سے بے پروا ہے ﴿۹۷﴾

یہودیوں نے ملتِ ابراہیمی کی نسبت سے مسلمانوں پر دو سوال کیے تھے اول
 یہ کہ اگر اہل اسلام ملتِ ابراہیمی پر ہونے کے دعویدار ہیں، تو پھر وہ اونٹ کا گوشت
 اور اونٹنی کا دودھ کیوں استعمال کرتے ہیں۔ جب کہ ملتِ ابراہیمی میں یہ چیزیں حرام
 تھیں۔ اس سوال کا جواب گذشتہ آیات میں آچکا ہے۔ کہ یہ چیزیں ملتِ ابراہیمی میں
 حلال تھیں۔ صرف یعقوب علیہ السلام نے اپنی نذر کی تجلیل میں ان خود ان اشیا
 کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ باقی سب لوگوں کے لیے حلال تھیں مگر آپ کی اولاد
 نے بھی محض آپ کے اتباع میں ان چیزوں کا استعمال ترک کر دیا۔ یہ تو نزول
 تواریت سے سینکڑوں سال پہلے کی بات ہے۔ البتہ تواریت کے نازل ہونے

گذشتہ سے
یہ دستہ

کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر بعض چیزیں ان کی نافرمانی اور شرارت کی وجہ سے حرام قرار دیں، جس کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے۔

یہودیوں کا دوسرا اعتراض یہ تھا کہ اگر اہل اسلام ملتِ ابراہیمی پر کاربند ہیں۔ قبلہ اول تو پھر انہوں نے بیت المقدس کی بجائے بیت اللہ شریف کو اپنا قبلہ کیوں مقرر کر لیا ہے ان کا دعویٰ تھا۔ کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل سب لوگوں کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ مگر آپ نے اس کو بدل کر بیت شریف کو قبلہ کیوں مقرر کیا۔ یہ تو ملتِ ابراہیمی کی خلافت و رزق ہے۔ آج کے درس میں اسی اعتراض کا جواب ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ بِشَاكٍ سَبْعًا پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا ہے، وہ مکہ میں ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ یہاں پر لفظ بیت سے مراد مطلق گھر نہیں۔ بلکہ عبادت خانہ ہے اس بات کی تشریح مسلم شریف کی حدیث میں موجود ہے۔ حضرت ابو ذر غفاریؓ نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا، حضور! زمین پر سب سے پہلے کونسا عبادت خانہ یا مسجد بنائی گئی تھی۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا مسجد حرام جس میں بیت اللہ شریف واقع ہے۔ پھر ابو ذرؓ نے دریافت کیا، حضور! دو کونسا نمبر پر کونسی مسجد تعمیر ہوئی۔ ارشاد ہوا، مسجد اقصیٰ جو بیت المقدس ہے۔ پھر عرض کیا، ان دونوں کے درمیان کتنا وقفہ ہے فرمایا چالیس سال۔

یہ بات تو واضح ہے۔ کہ بیت اللہ شریف کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی، اور بیت المقدس حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھوں تعمیر ہوا۔ اور ان دو انبیاء کے درمیان ایک ہزار سال کا وقفہ ہے۔ لہذا حضور علیہ السلام کا چالیس سال وقفہ بتانا کیسے ہوا، حقیقت یہ ہے کہ روسے زمین پر پہلے عبادت خانہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے ہاتھوں سے بیت اللہ شریف کو تعمیر کرایا۔ جب آدم علیہ السلام زمین پر اترے، تو انہیں وحشت ہوتی تھی اور وہ پریشان

سہتے تھے۔ آپ کی اس وحشت کمر دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا کہ جس طرح فرشتے آسمانوں پر بیت المعمور کا طواف کرتے ہیں اور وہاں پر عبادت کرتے ہیں۔ اسی طرح آپ بھی زمین پر عبادت خانہ بنائیں، جس کا لوگ طواف کریں۔ چنانچہ آدم علیہ السلام نے زمین پر سب سے پہلے بیت اللہ شریف تعمیر کیا۔ اس کے چالیس سال بعد آپ نے شام کا سفر کیا تو وہاں پر بیت المقدس تعمیر کیا۔ اس طرح بیت اللہ شریف اور بیت المقدس کی تعمیرات میں چالیس سال کا وقفہ ہے۔

اس کے بعد عمارت اور طوفان آتے ہے۔ اور یہ دونوں مقدس مقامات ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، دونوں عمارت مندم ہو گئیں۔ اس کے ہزاروں سال بعد بیت اللہ شریف کی دوبارہ تعمیر حضرات ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں سے ہوئی۔ سورۃ حج میں موجود ہے۔ "وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ" جب ہم نے ابراہیم علیہ السلام کے لیے بیت اللہ شریف کی جگہ ٹھیک کر دی۔ چنانچہ یہ جگہ اس وقت سے آباد ہے۔ لہذا اولین عبادت خانہ بیت اللہ شریف ہی ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام نے اس کا حج کیا ہے۔ اور یہی ملت ابراہیمی کا قبلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نزول قرآن پر فرمایا کہ صرف بیت اللہ شریف کی طرف ہی اپنا رخ کرو۔ حضرت امام شاہ ولی اللہ کے نزدیک حنیف وہ شخص ہے۔ جو نماز میں بیت اللہ شریف کی طرف رخ کرتا ہے۔ غنہ کرتا ہے، خدا تعالیٰ کی توحید پر ایمان رکھتا ہے، اور بیت اللہ شریف کا حج کرتا ہے۔ چنانچہ قبلہ اول بیت اللہ شریف ہی ہے۔ یہی ملت ابراہیمی کا قبلہ ہے۔ بیت المقدس بھی قبلہ رہا ہے مگر اب نہیں۔ ترتیب کے لحاظ سے وہ قبلہ ثانی تھا۔ وہ مکرم و محترم ہے۔ حضور علیہ السلام کی حدیث پاک میں جن تین مقدس مقامات کا ذکر آتا ہے، وہ یہی ہیں، مسجد الحرام، مسجد نبوی اور بیت المقدس یعنی مسجد اقصیٰ۔ یہ تینوں مقامات ہدایت کے مرکز ہیں، تاہم ان میں سے سب سے زیادہ محترم بیت اللہ شریف ہے۔

بکراؤ

بیت اللہ شریف جس شہر میں واقع ہے، وہ عرف عام میں مکہ کہلاتا ہے جب کہ اس آیت کریمہ میں لفظ بجا استعمال ہوا ہے۔ یہ دونوں نام اسی ایک ہی مقام کے ہیں۔ اس شہر پاک کو ام القری، بلدہ طیبہ، بلد امین، بلدہ المامون اور بلدہ مقدسہ بھی کہتے ہیں۔ عربی زبان میں بجر کے دو معانی آتے ہیں۔ اس کا ایک معنی اجتماع ہے چونکہ یہاں پہ لوگوں کا کثرت سے آنا جانا ہے، خصوصاً ایام حج میں بہت بڑا ہجوم ہوتا ہے، اس لیے اس کو بجر کہتے ہیں۔ اس کا دوسرا معنی اچھا مکانا ہے، یا توڑنا ہے۔ امام بیضاویؒ اور بعض دیگر مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ یہ شہر تبت ^ط اَعْبَاقِ الْجَبَّارِیْنَ یعنی جباروں کی گمراہوں کو جھکانے والا ہے اور گمراہوں کا جھکانا دو طریقوں سے ہوتا ہے۔ پہلی صورت یہ ہے۔ کہ یہاں پر بڑے بڑے ملوک اور جبار اپنی گمراہوں کو جھکا کر سجدہ ریز ہو جاتے ہیں اور دوسری صورت یہ ہے۔ کہ جو کوئی اس مقدس مقام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی گمراہی کو توڑ دیتے ہیں۔ اصحاب فیل کا واقعہ قرآن پاک میں موجود ہے۔ امیر ہب نے مہاشیوں کے ساتھ بیت اللہ پر چڑھائی کی، اس کو گرانے کی کوشش کی، تو اللہ تعالیٰ نے اسے وادی مہسر سے آگے نہیں جانے دیا۔ مکہ سے تین میل باہر منیٰ کے قریب اس لشکر کو ہلاک کیا۔ گویا بجا ان معانی میں بھی ہے۔ کہ جو کوئی اس کو نقصان پہنچانا چاہے اللہ تعالیٰ اس کی گمراہی توڑ دیں گے۔

بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے۔ کہ حبشہ کا ایک ظالم بادشاہ جو سیاہ رنگ موٹی پنڈلیوں والا، پست قد اور بڑا سنگدل ہوگا، خانہ کعبہ کی عمارت کو گرا بیگا۔ اس کے بعد پوری دنیا کا نظام درہم برہم ہو جائے گا اور وہ زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکیگا۔ اس کے بعد صور اسرافیل بھونکا جائے گا۔ گویا انہدام کعبہ دنیا کے آخری دور کی علامت ہوگا۔ قرآن میں کعبہ شریف کی ایک خصوصیت یہ بھی بیان کی گئی ہے۔ "جَعَلَ اللَّهُ الْكُتُبَةَ الْاَبْنِیَّتِ الْحَرَامِ قَدِیْمًا لِلّٰہِ" اللہ تعالیٰ نے کعبہ شریف کو دنیا میں لوگوں کے قیام کا ذریعہ بنایا ہے۔ حیب تک خانہ کعبہ قائم ہے، اس میں

خدا تعالیٰ کی عبادت ہوتی ہے گی، دنیا قائم ہے گی۔ اور حدیث شریف میں آتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب زمین میں اللہ اللہ کرنے والا کوئی نہیں ہے گا یقیناً قیامت برپا ہو جائے گی۔

فضائلِ شریف
شریف

فرمایا زمین پر سب سے پہلا عبادت خانہ مکہ مکرمہ میں ہے اور اس کے فضائل میں سے ایک ہے ہذا کا وہ بڑا ہی بابرکت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں ظاہری اور باطنی تمام برکات رکھی ہیں۔ برکت کا سنی ایسی زیادتی ہے جس میں تقدس پایا جائے حرم پاک میں ہر وقت خدا تعالیٰ کی تجلیات کا نزول ہوتا ہے۔ اور ہر عابد کو اس میں سے حصہ ملتا رہتا ہے۔ وہاں پر ادا کی جانے والی عبادت کا اجر و ثواب درجہ درجہ مقامات کی نسبت بے حد حساب بڑھ جاتا ہے ابن ماجہ کی روایت کے مطابق وہاں پر ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہوتا ہے۔ صحیحین کی روایت کے مطابق ایک نماز کا ثواب ایک ہزار نماز سے زیادہ ہوتا ہے۔ اسی بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے باطنی طور پر اس مقام کو کتنی فضیلت بخشی ہے۔ لہذا یہودیوں کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ مسجدِ قصے کی فضیلت مسجدِ حرام سے زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ ظاہری طور پر بھی اللہ تعالیٰ نے اس کو بڑا بابرکت رکھا ہے۔ یہ مقام کثیر الخیر و المنفعت ہے۔ اس کے یمن خوش نصیب ہیں جن کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دُعا کی "رَبِّ اجْعَلْ هَذَا بَكَدًا اٰمِنًا وَّ اَرْضًا اٰهْلًا مِنْ الثَّمَرَاتِ" اے مولا کریم! اس شہر کو امن والا بنائے اور اس کے بچیتوں کو پھلوں سے روزی عطا فرما۔ اس دُعا کی قبولیت کا ثمرہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ غیر فرعی زرع وادی میں ہر چیز کی کتنی بہتات ہے۔

فرمایا مکہ مکرمہ بابرکت بھی ہے۔ وَهَدَىٰ لِلْعَالَمِينَ اور تمام جہازوں کے لیے ذریعہ ہدایت بھی ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے۔ لَا تَسْتَدُّ وَالرِّجَالُ اِلَّا اِلَّا ثَلَاثَةَ مَسَاجِدَ الْحَجَّاسِ وَرَعَىٰ زَكَةَ جَابِئِ

ملہ ترمذی صفحہ ۱۶ (فیاض)

یعنی سفر اختیار نہ کیا جائے مگر ان تین مساجد کی طرف۔ اور وہ ہیں مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ۔ اس کا مطلب یہی ہے۔ کہ یہ تینوں مقامات مراکز ہدایت ہیں۔ تاہم ان میں خانہ کعبہ کو سب سے زیادہ فضیلت حاصل ہے۔ اسی لیے وہاں پر عبادت کا ثواب بھی زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزمان علیہ السلام کو لکھ دیا، قرآن پاک کو وہاں نازل کیا اور مسلمانوں کی ابتدائی جماعت، وہیں تیار کی، جو اللہ کے دین کو پوری دنیا میں طاری ماری کرنے والی تھی۔

مکہ مکرمہ کے مرکز ہدایت ہونے کی مثال ایسی ہے۔ جیسے ماں کے پیٹ میں بچے کو ناف کے ذریعے خوراک بہم پہنچانی جاتی ہے۔ ناف جسم انسانی کا مرکز ہوتا ہے تو اس کے ذریعے بچے کو خوراک پہنچا کر اس کی نشوونما کی جاتی ہے۔ اسی طرح بیت اللہ پوری دنیا کا مرکز ہے۔ اور اس کے ذریعے تمام نبی نوح انسان کو روحانی غذا پہنچانی جاتی ہے۔

فضائل بیت اللہ شریف میں سے ایک یہ بھی کہ یہ وسط البلاد ہے مکہ یا بچ کا ایک معنی وسط بھی ہے۔ یہ پوری دنیا کا وسط ہے۔ محدثہ بیحوری فرماتے ہیں کہ جس آدمی کو نجس بھٹی ہو۔ اسکی نجس کا خون لے کر اس کی پیشانی پر بکھ دیا جائے۔ مکة وسط البلاد واللہ رؤوف بالعباد تو اللہ اس کی نجس روک دیگا۔ یہ مقام اس لحاظ سے بھی وسط البلاد ہے۔ کہ زمین کی پیدائش سے پہلے ہر طرف پانی ہی پانی تھا۔ پھر بیت اللہ شریف کے مقام پر ایک ٹبلہ سا پیدا ہوا اور اسی سے اللہ نے ساری زمین کو پھیلادیا، تو گویا زمین کی پیدائش میں مکہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اور یہ پوری دنیا کا سنٹر ہے۔

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کی۔ اور اس کی تجدید حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعے ہوئی۔ اس کے بعد قبیلہ جبرہم نے تعمیر کی۔ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے سرکار کا خاندان ہے۔ پھر قوم عمالقہ کا ذکر ملتا ہے۔ اور اس کے بعد قریش نے حضور علیہ السلام

تاریخ
تعمیر کعبہ

کے اعلانِ نبوت سے پانچ سال قبل بیت اللہ شریف کی تعمیر کی جب کہ اس کی چھت کمزور ہو چکی تھی یہ وہی تعمیر ہے جس کے دوران حلیم کا حصہ خانہ کعبہ سے باہر نکالا گیا تھا، جو آج بھی اسی حالت میں ہے اس کے بعد عبداللہ بن زبیر نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی۔ پھر عبدالملک بن مروان کے زمانے میں حجاج بن یوسف نے بیت اللہ کو گرا کر نئے سرے سے تعمیر کیا۔ اور پھر یہ آخری تعمیر ترقی عملاً حکومت میں سلطان مروان کے زمانے میں ہوئی، جو اب تک قائم ہے۔ البتہ موجودہ سعودی حکومت نے حرم شریف کی تعمیر میں گمراہی قدر خدمات انجام دی ہیں۔ خانہ کعبہ کے گرد وگھر ترقی عملاً کے برآمدوں کے پیچھے بڑے وسیع برآمدے اور چاروں طرف سات، بلند اور خوبصورت مینار تعمیر کیے ہیں۔ اب صفا و مروہ کا پورا حصہ ساتھ شامل ہو چکا ہے۔ اس دو منزلہ عمارت۔ کافرش سنگ مرمر کا ہے جس پر دبیز قالین بچھائے گئے ہیں۔ آب زم زم کی فراہمی کے لیے جدید نظام قائم کیا ہے۔ حرم پاک میں روشنی کے لیے ٹیوب لائٹس اور فالوس روشن ہیں۔ برقی پنکھے ہمہ وقت چلتے رہتے ہیں۔ اور لاؤڈ سپیکر کامربوط نظام قائم ہے۔

اہل کتاب نے اس مقدس مقام کی فضیلت کو کم کرنے کی غرض سے اپنی ہی کتابوں میں تحریف کی ہے۔ زبور میں موجود ہے۔ کہ خدا کے مقدس بندے وادی بکرم میں گزریں گے۔ وہاں پر پانی کے چشمے کا بھی ذکر ہے۔ اس سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ اور چشمہ سے مراد آب زم زم ہے مگر انہوں نے بکرم کو بکرا بنا دیا اور کہا کہ یہ وادی مکہ کا نہیں بلکہ وادی مکہ کا ذکر ہے عربی زبان میں بکرم سے مراد رونا ہے اسی طرح ان کی کتابوں میں مروہ کا ذکر بھی ملتا ہے۔ کہ اس مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کی قربانی دی۔ مروہ سے مراد تو وہی صفا و مروہ پہاڑیاں ہیں۔ مگر انہوں نے اس لفظ کو بگاڑ کر مورا بنا دیا۔ یہ بھی ان کی تحریف کا ایک شاہکار ہے۔

فرمایا بیت اللہ شریف وہ مقدس مقام ہے فیہ الیتا بیتا

جو شخص اس میں داخل ہوگا، اُسے امان حاصل ہوگی۔ امن سے مراد ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے امن ہیں۔ ظاہری امن تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قاتل ہو۔ یا کسی دوسری حیانت میں ملوث ہو اور وہ حرم شریف میں پناہ لے لے، تو اس کو مارنے کی اجازت نہیں البتہ محدثین فرماتے ہیں کہ ایسے شخص سے میل جول اور اس کی خوردک پانی وغیرہ بند کر کے اُسے باہر نکلنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے۔ اور پھر حرم سے باہر لے جا کر اُس پر حد جاری کی جاسکتی ہے۔ بعض فرماتے ہیں۔ کہ اگر کوئی شخص وہاں پہ بالفاعل فساد کرے، تو اُس کا دفاع جائز ہے مگر اس سے بھی حتی الامکان گہر نہ کرنا چاہیے۔ ۱۹۴۹ء میں حرم شریف میں جو حادثہ پیش آیا، اُس کی وجہ سے حرم پاک کی بڑی بے حرمتی ہوئی۔ عام حالات میں اگر کوئی زیادتی کرتا ہے۔ تو حرم شریف کے تقدس کو ممکن حد تک بحال رکھنا چاہیے۔ تاہم چونکہ اُن فسادوں نے حرم کے اندر اسلحہ جمع کیا، میناروں پر چڑھ کر گولیاں چلائیں، تو پھر حکومت کو بھی ضروری کارروائی کرنا پڑی، علمائے کرام نے فتویٰ دیا کہ حرم شریف کے اندر قتال کرنے والوں کا قلع قمع ضروری ہو گیا ہے چنانچہ حکومت سعودیہ کو مجبوراً اُن کے خلاف کارروائی کرنا پڑی جس سے حرم پاک کا تقدس بہر حال مجروح ہوا کیونکہ یہ جائے امن ہے۔

امن کی دوسری صورت باطنی ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ جو شخص وہاں داخل ہو گیا، وہ دوزخ کی آگ سے مامون ہو گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جو شخص مکے یا مدینے کے حرم میں فوت ہو گیا، گنہگار نہ ہوگا، میں قیامت کے دن اس کی سفارش کروں گا۔ بشرطیکہ ایسا شخص ایماندار ہو۔

حضرت حج بیت اللہ شریف کے مختصر تعارف کے بعد فرمایا وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اَلَيْسَ سَبِيْلًا اَلَمْ تَعَالَى كِي رِضَا كِي خَاطِر ہر اس شخص پر اس گھر کا حج فرض ہے جو اُس کی طرف جانے کی استطاعت رکھتا ہو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا گیا، استطاعت سے کیا مراد ہے۔ فرمایا اَلزَّادُ وَالطَّحْلُكَةُ یعنی سواری اور توشہ۔ اس سفر پر جانے کے لیے سواری میسر ہو،

اپنے اور اپنے بال بچوں کے لیے اتنا سامان موجود ہو، جو اس سفر مقدس کے سفرِ صمد کے لیے کافی ہو، تو ایسے شخص پر حج فرض ہو جاتا ہے۔ البتہ بعض فروعات میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص کے پاس مال موجود ہے اس پر حج لازم ہے، خواہ وہ ذاتی طور پر معذور ہو یعنی اپنا حج، اندھا یا بیمار ہے۔ اگر وہ خود چل کر حج نہیں کر سکتا۔ تو اسے لازم ہے کہ کسی دوست شخص کو حج بدل کے لیے بھیجے۔ امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ مال کے علاوہ آدمی کا تندرست ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر وہ خود سفر اختیار کرنے سے معذور ہے، تو حج ساقط ہو جائیگا۔ خواہ اس کے پاس کتنا مال موجود ہو۔ امام عظیم فرماتے ہیں کہ حج کی فرضیت کے لیے مال اور جان دونوں لوازمات کا ہونا ضروری ہے۔ انسان صاحب مال بھی ہو اور تندرست و توانا بھی ہو، تب حج فرض ہوتا ہے۔ کیونکہ حج مالی اور بدنی دونوں قسم کی عبادات کا مرکب ہے۔ لہذا استطاعت میں دونوں چیزیں شامل ہیں۔ اسی طرح عورت کے ساتھ محرم کا ہونا ضروری ہے اگر محرم نہیں ہے تو عورت کا حج فرض نہیں رہا۔ کیونکہ محرم کا ہونا حج کی شرائط میں داخل ہے۔

حضور علیہ السلام کے زمانے میں ایک شخص کی بیوی حج پر چلی گئی۔ خاوند کا نام مجاہدین کی فہرست میں شامل ہو چکا تھا اور وہ جہاد کی تیاری کر رہا تھا۔ نبی علیہ السلام کو خبر ہوئی تو اس شخص کو فرمایا حج سے اہل سنت جہاد کو ترک کر دے اور اپنی بیوی کے ساتھ حج پر جا ایک دوسری حدیث میں حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے۔ جو عورت اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتی ہے، وہ اپنے خاوند یا محرم کے بغیر تین دن سے زیادہ کا سفر اختیار نہیں کر سکتی، اور محرم وہ شخص ہوتا ہے جس کے ساتھ نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہو، جیسے باپ، بیٹا، بھتیجا، بھانجا، ماموں، چچا، تایا، خسر وغیرہ۔

موضیعی حج
کے لیے وعید

فرمایا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ مَا كَفَرَ لَمْ يَكُنْ كَافِرًا كَرَّةً۔ اکثر مفسرین کہہ رہے ہیں کہ حج کی وعید کے لیے وعید تہجد کی ہے۔ کہ جو شخص استطاعت کے باوجود حج کرنے سے کفران کرے گا

فَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ الْعَلَمِينَ تَوَشَّكَ اللَّهُ تَعَالَى جِهَانِ وَالْوَلُونَ مِنْ بَنِي آدَمَ
ہے۔ کفران سے مراد مطلق کفرانِ نعمت بھی ہے۔ خدا کے کسی حکم کی نافرمانی
اور انکارِ شریعت پر بھی دلالت کرتا ہے تاہم یہاں مراد یہ ہے کہ حج فرض ہو چکا ہے
مگر ادا نہیں کرتا، تو اللہ تعالیٰ کو ایسے شخص کی کوئی پروا نہیں ہے۔ ایسے شخص کی عبادت
کی اللہ کو ضرورت نہیں ہے۔ عبادت و ریاضت تو انسان اپنی ذات کی تکمیل
کے لیے کرتا ہے۔ اللہ تو ہر حالت میں حمید ہے، تعریفیوں والا ہے، وہ محمود
اور سخی ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے کہ جس شخص پر حج فرض ہے۔
اور وہ اس کے لیے کوشش نہیں کرتا، درخواست نہیں دیتا، تو ہماری طرف سے
ایسا شخص یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر، ہمیں کوئی سروکار نہیں۔ ایسے شخص کو کوئی
عادتہ پیش آجائے، مال میں کمی ہو جائے یا کسی اور تکلیف میں مبتلا ہو جائے ہم اس
کے ذمہ دار نہیں ہیں۔

اِلِ عَمْرَانَ ۳

لَنْ تَنَالُوا ۴

آیت ۹۸ تا ۱۰۱

درس سی و چہارم

قُلْ يَا هَلْدُ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ۖ
 وَاللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ ﴿۹۸﴾ قُلْ يَا أَهْلَ
 الْكِتَابِ لِمَ تَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ مَنِ آمَنَ
 تَبْغُونَهَا عِوَجًا وَأَنتُمْ شُهَدَاءُ ۗ وَمَا اللَّهُ
 بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۹۹﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ
 آمَنُوا إِن تَطِيعُوا فَرِيضَتًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ
 يَرُدُّوكُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كُفْرِينَ ﴿۱۰۰﴾
 وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنتُمْ تُثَلِّي عَلَىٰ كُفْرِكُمْ
 آيَاتِ اللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولٌ ۗ وَمَن يَتَصَمَّرْ بِاللَّهِ فَكَدَّ
 هُدًى إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۱۰۱﴾

ترجمہ: اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کہہ دیجئے اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیتوں
 کے ساتھ کیوں کفر کرتے ہو۔ اور اللہ گواہ ہے۔ اُن چیزوں پر جو تم کہتے ہو ﴿۹۸﴾
 آپ کہہ دیجئے اے اہل کتاب! تم اللہ کے راستے سے کیوں روکتے ہو، اُس شخص
 کو جو ایمان لاتا ہے۔ تم اس راستے میں کجی تلاش کرتے ہو، اور تم گواہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ
 اُن کاموں سے غافل نہیں ہے، جو تم کہتے ہو ﴿۹۹﴾ اے ایمان والو! اگر تم ان
 لوگوں میں سے ایک فریق کی بات مانو گے جنہیں کتاب دی گئی ہے۔ تو وہ تمہیں
 پلٹا دیں گے تمہارے ایمانوں کے بعد کفر کی طرف ﴿۱۰۰﴾ اور تم کفر کس طرح کرو گے
 حالانکہ تم پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں، اور تمہارے درمیان اللہ کا رسول موجود ہے اور جو
 شخص اللہ تعالیٰ کو مضبوطی سے پکڑے گا، تو اس کو سیدھے راستے کی ہدایت دی گئی ﴿۱۰۱﴾

گذشتہ اسباق میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے غلط مطلق اعتراضات کے جوابات دیے اور ملتِ ابراہیمی کی وضاحت فرمائی۔ اور یہ بھی واضح کیا کہ حضورِ عالمِ نبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی ہی اصل ملتِ ابراہیمی پر قائم ہیں۔ اس کے علاوہ ملتِ ابراہیمی کے مرکز ہی قبلہ بیت اللہ شریف کا تذکرہ ہوا، اور اُس کے فضائل بھی بیان ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ملتِ ابراہیمی کے اتباع کا بطورِ خصوصی حکم دیا۔

اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بطورِ نصیحت اور تنبیہ اہل کتاب سے خطاب فرمایا ہے۔ کہ جب حضورِ علیہ السلام کا ملتِ ابراہیمی پر قائم ہونا ثابت ہو چکا، تو پھر اہل کتاب، کہ اس حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہیے۔ اور انہیں جان لینا چاہیے۔ کہ ان کا اپنا طریقہ خود ساختہ ہے۔ جسے ملتِ ابراہیمی سے کوئی واسطہ نہیں۔

ارشاد ہوتا ہے **قُلْ يَا هَذِهِ اِلْكُتَابِ لِي سَغِيْرٌ عَلَيِّ السَّلَامِ!** آپ اہل کتاب سے خطاب فرمائیں۔ اور کہہ دیں اے اہل کتاب! اہل کتاب سے

مراد یہود و نصاریٰ ہی ہیں جو اپنے آپ کو اللہ کی کتابوں، تورات اور انجیل کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ لغوی طور پر تو اہل کتاب ہر وہ شخص ہے جو کسی بھی آسمانی کتاب پر ایمان لاتا ہے یا اس کی طرف اپنی نسبت کرتا ہے۔ مگر حضورِ علیہ السلام سے

پہلے نازل ہونے والی دیگر کتب و صحائف کے ماننے والوں نے اپنا سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔ لہذا اہل کتاب کا اطلاق ان دو گروہوں یعنی یہود و نصاریٰ پر ہوتا ہے۔ جو اپنی نسبت تورات اور انجیل کی طرف کرتے تھے۔ قرآن پاک نے اہل کتاب

کا لقب، صرف انہی دو اقوام کو دیا ہے۔ اور جگہ جگہ ان کو خطاب کیا ہے۔

فرمایا اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ اہل کتاب سے کہہ دیں **لَوْ كَفَرُوْا بِآيَاتِ اللّٰهِ قَسَمِ اللّٰهِ كِيْوَنَ كَاكِيُوْنَ اَلْكَاكِرِ كَمَنْ تَعْبُوْا** میں اللہ کی توحید اور اُس کے احکام، ادلائل و براہین اور معجزات، وغیرہ سب کچھ شامل ہے۔ بمقصد یہ ہے کہ جب یہ سب چیزیں تمہارے پاس پہنچ چکی ہیں، تو پھر تم انکار کیوں کرتے ہو، ایمان کیوں نہیں لے آتے۔ یاد رکھو، **وَاللّٰهُ شَهِيدٌ عَلٰی مَا تَعْمَلُوْنَ**

تم جو کچھ کہہ رہے ہو، اللہ تعالیٰ اُس پر گواہ ہے۔ یعنی سب کچھ اس کے سامنے ہو رہا ہے اور کوئی چیز اُس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ لہذا تمہارا فرض ہے کہ حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد اُس پر ایمان لے آؤ اور اگر پھر بھی تم کفر پر اڑے رہے، تو پھر یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کی سزا سے بچ نہیں سکو گے۔ خدا تعالیٰ سخت عذاب میں مبتلا کرے گا۔ شہید کا یہی معنی ہے۔

صلطہ ستقیم
میں رکاوٹ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے شکوے کے انداز میں فرمایا ہے۔ قُلْ يَا هَلَالِكَيْبِ اے پیغمبر علیہ السلام! آپ اہل کتاب سے کہ دیں لِمَا تَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ مِمَّا هُنَّ اَنْ تَمُ اہل ایمان کو اللہ کے راستے سے کیوں روکتے ہو۔ جو لوگ ایمان کی دولت سے مالا مال ہو چکے ہیں۔ تم چاہتے ہو، کہ وہ پھر ایمان سے پھر جائیں۔ اور اپنی اس خواہش کی تکمیل کے لیے مختلف چیلے بہانے کرتے ہو۔ مجھ ان کے ایک صورت یہ ہے، تَتَّبِعُوْنَهَا عَوْجًا کہ تم صراطِ ستقیم میں عجیب، نقص اور کجی تلاش کرتے ہو۔ تاکہ اس کا اظہار کر کے لوگوں میں دین حق کے متعلق غلط فہمیاں پیدا کی جائیں اور وہ اس سیدھے راستے کو چھوڑنے پر آمادہ ہو جائیں۔ اللہ نے فرمایا کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو۔

مسلمانوں میں افتراق پیدا کرنے کے لیے یہودیوں نے قبیلہ اوس اور خزرج کی پڑائی دشمنی کو زندہ کرنے کی کوشش کی، مگر اُس میں بھی کامیاب نہ ہو سکے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے۔ کہ اوس اور خزرج کے قبائل مدینے میں سیدیکھڑوں سال سے آباد تھے، کافی بڑی تعداد والے قبیلے تھے۔ ان کا اصل تعلق بمینی خاندانوں سے تھا مگر مدینے میں آکر آباد ہو گئے۔ مشہور ہے۔ کہ یہ دونوں قبیلے ایک معمولی سی بات پر لڑائی میں ملوث ہوئے اور یہ لڑائی ایک سو بیس سال تک چلتی رہی حضور علیہ السلام کے درو مدینے کے بعد یہ لوگ مسلمان ہو گئے اور اپنی تمام پڑائی رنجش ترک کر کے آپس میں شیر و شیرمکھ ہو گئے۔ یہودی مسلمانوں کو کسی صورت بھلانا پھولانا نہیں دیکھ سکتے

کہ اہل کتاب کی گواہی مسلمان پر کیے سے محترم ہوگی، واجب کہ گواہی کے لیے دو مسلمان مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہونا قرآن پاک کی رو سے ضروری ہے اس کا جواب اہم صاحب یہ فرماتے ہیں۔ کہ یہاں شہید سے مراد گواہ نہیں بلکہ اہل علم ہے۔ چنانچہ أَنْتُمْ شُهَدَاءُ کا معنی أَنْتُمْ عَلِمَاءُ ہو گا یعنی تم جانتے ہو۔ اور جان بوجھ کر اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکتے ہو۔ فرماتے ہیں۔ کہ اس کا دوسرا معنی أَنْتُمْ عَقَلَاءُ اور بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی تم عقل و شعور رکھتے ہو مگر جان بوجھ کر اسلام کے راستے میں کاٹو کھڑی کرنے کی کوشش کرتے ہو۔

موجودہ زمانے کے یہودیوں نے ایک اور حربہ استعمال کیا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جب تک اہل اسلام کے دلوں میں نبی آخر الزمان علیہ السلام کی محبت موجود ہے ہم ان پر غالب نہیں آسکتے، لہذا ان کی یہ کوشش ہے کہ کسی طریقے سے اہل اسلام کے دل سے حضور علیہ السلام کی محبت کو نکال دیا جائے۔ مگر وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ آج کے زمانے میں کتنا بھی گیا گنہرا مسلمان ہے۔ اس کا دماغ غیر اسلام کی محبت سے سہرا ہے۔ اہل کتاب کی ان تمام کارستانیوں کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَا لِلَّهِ بِعَاقِلٍ عَصَا تَعْمَلُونَ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے غافل نہیں ہے۔ وہ تمہاری نیتوں کو جانتا ہے۔ تم یقیناً سخت ترین سزا کے مستحق ہو گے۔ اہل کتاب سے شکوہ کرنے کے بعد اب ایمان سے خطاب ہے۔ اور

اہل اسلام
کو تنبیہ

انہیں تنبیہ کی جا رہی ہے۔ کہ کہیں یہود و نصاریٰ کی سازش کا شکار نہ ہو جانا۔ اگر تم ان کے جال میں پھنس گئے، تو وہ یقیناً تمہارے ایمان پر ڈاکہ ڈالیں گے اور تمہیں ہمیشہ کے لیے ناکام و نامراد بنا دیں گے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ

آمَنُوا إِنَّ تَطْيَعُوا فَرِيفًا مِّنَ الَّذِينَ أُولُوا الْكُتُبِ

اے اہل ایمان اگر تم اہل کتاب میں سے ایک گروہ کی اطاعت کرو گے، ان کی بات مانو گے، تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا۔ بئس ذلکم بعد ایمانکم کبھی یہ لوگ تمہیں تمہارے ایمان کے بعد کفر کی طرف پھیر دیں گے، مابعد

دل میں یہ چیز بڑی طرح کھٹک رہی ہے۔ کہ تم کیوں ایمان لے آئے ہو، لہذا ان کی سب سے بڑی کوشش یہ ہے۔ کہ وہ تمہیں تمہارے دین سے بدظن کر کے دوبارہ کفر کے اندھیروں میں دھکیل دیں۔ یہود و نصاریٰ کی اس خصلتِ بد کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں دو کفر مقام پر یوں بیان فرمایا ہے۔ "وَلٰكِنْ تَرْضٰی عَنْنَا اِلٰهُهُمُ وَلَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ" یہود و نصاریٰ آپ سے کبھی راضی نہیں ہوں گے۔ جب تک آپ اپنا دین چھوڑ کر ان کا دین اختیار نہ کریں۔

ثَوٰطِیْعُوْنَ یعنی اطاعت میں عقیدہ اور اعمال دونوں چیزیں شامل ہیں۔ اگر تم نے اہل کتاب کی اطاعت عقیدے میں کی، تو تمہارا عقیدہ بھی ویسا ہی ہو جائیگا، جو کہ یقیناً باطل عقیدہ ہے۔ ان کے عقیدے میں کفر و شرک شامل ہے، لہذا ان کی بات مان کر بھی کفر میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اور اگر تم نے اعمال میں ان کی بات تسلیم کی، تو تمہارے اعمال بھی کافروں جیسے ہو جائیں گے۔ کفر بہ حال کفر ہے۔ خواہ وہ عقیدے میں ہر یا عمل میں ہو۔ اور یہ بہت بڑا نقصان ہے۔ کفر کے اعمال کی ایک مثال یہ ہے۔ کہ وہ آپس میں برس برس پکارتے ہیں۔ اور اگر مسلمان بھی ویسے ہی کام شروع کر دیں، تو دونوں میں کیا فرق رہ گیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔ سبَابُ الْمُؤْمِنِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ یعنی مسلمانوں کو لڑائی دینا فسق ہے۔ اور اس سے لڑائی کفر ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی ہے۔ کہ اہل کتاب سے ہوشیار رہو، ان کی اطاعت نہ عقیدے میں کرو، نہ عمل میں۔ اگر ایسا کرو گے تو ان کی خواہش کی تکمیل ہوگی اور وہ تمہیں ایمان کے نور سے نکال کر کفر کے اندھیروں میں دھکیل دیں گے۔

اس کے بعد فرمایا وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ تم کس طرح کفر کرو گے۔

وَ اَنْتُمْ نَسِیْتُمْ عَلٰی كُمُ الْاٰیٰتِ اللّٰهِ حٰلًا نَحْمَدُ بِہِ اللّٰہِ كِی اٰیٰتیں پڑھی جاتی ہیں۔ یعنی قرآن کریم نازل ہو رہا ہے۔ اور تمہارے لیے ہدایت کا سامان ہم پہنچا یا جا رہا ہے۔ اس صورت حال میں تم کیسے کفر کر سکتے ہو۔ اکثر مفسرین کرام فرماتے

ہیں کہ یہ آیت کہ یہ صحابہ کرامؓ کے بارے میں ہے جو آپ کے زمانہ مبارک میں موجود تھے۔ چنانچہ انہیں مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے کہ نزول قرآن کے اس باب تک تو میں موجود میں یہود و نصاریٰ کی اطاعت اختیار کر لو، تو یہ نہایت ہی افسوسناک بات ہوگی۔ اور اگر اس خطاب کے مخاطبین میں صحابہؓ کے بعد آنے والے مسلمان بھی سمجھے جائیں تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ کا قرآن تمہارے پاس موجود ہے جسکی تلاوت تم ہر روز کرتے ہو، اس کے احکام کو سمجھتے ہو، تو پھر تم کس طرح کفر کرتے ہو۔

فرمایا ایک تو اللہ کی آیتیں تم پر پڑھی جاتی ہیں، اور دوسری بات یہ ہے۔ وَفِي كُفْرٍ سَوِئَةٍ تمہارے درمیان اللہ کا رسول موجود ہے۔ جو تمہیں آیات پڑھ کر سنا رہا ہے۔ اور تمام احکام سے آگاہ کرتا ہے۔ تمہیں تہجد اور ایمان کا درس دیتا ہے، اور کفر و شرک سے بچاتا ہے۔ اس کے باوجود تم کیسا کفر کر رہے آیت کے اس حصہ کا بھی نظاہر اطلاق تو صحابہ کرامؓ پر ہی ہوتا ہے جن کے درمیان حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس موجود تھے۔ تاہم اگر اس کا اطلاق بعد میں آنے والے اہل اسلام پر بھی کیا جائے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگرچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تم میں بذاتہ تو موجود نہیں ہیں مگر آپ کی سنت، احادیث، آثار، تعلیمات اور شریعت تو تمہارے درمیان موجود ہے۔ اور قیامت تک باقی ہے گی، اس کے باوجود تم یہود و نصاریٰ کی بات مان کر گمراہی کا راستہ اختیار کر لو، تو کتنے افسوس کا مقام ہے۔

بعض اہل بدعت اس مقام پر سیدھے سادھے مسلمانوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ وَفِي كُفْرٍ سَوِئَةٍ کا مطلب یہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ہر زمانے اور ہر مقام پر تمہارے درمیان موجود ہیں۔ لہذا آپ حاضر و ناظر ہیں۔ حالانکہ امر مسلم یہ ہے کہ ہر وقت ہر مقام پر حاضر ناظر ہونا صرف اللہ کی صفت ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صفت نہیں ہے۔ مگر یہ لوگ بھی یہودیوں سے کم نہیں ہیں، جو صحیح العقیدہ مسلمانوں کے عقیدے کو فاسد کرنے پر تگے

عقیدہ
حاضر ناظر

بیٹھے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے۔ جیسے پہلے آیت گزر چکی ہے۔ وَمَنْ
 دَخَلَهُ كَانَ اٰمِنًا جو حرم شریف میں داخل ہو گیا، اُسے امن نصیب ہو گیا
 ظاہری طور پر اُسے کسی جرم کی سزا نہیں دی جا سکتی۔ جب تک وہ حرم سے باہر نہ آجائے
 اور باطنی طور پر دوزخ سے مامون ہو گیا۔ گویا وہاں داخل ہو جانے والے کو امن حاصل
 ہو جانا۔ بیت اللہ شریف کی خاص صفت ہے، اگر گمراہ لوگوں نے یہی آیت خواجہ
 فرید الدین گنج شکر کے مزار کے دروازے پر لکھ دی ہے جس کا مطلب یہ ہے۔
 کہ جو اس دروازے میں داخل ہو گیا، ظاہری اور باطنی طور پر مامون ہو گیا۔ یہ کتنی غلط بات
 ہے۔ جو چیز اللہ نے بیت اللہ شریف کے متعلق فرمائی ہے لوگوں نے اُسے
 بناوٹی دروازے پر چھپا کر دیا ہے۔ نتیجہ یہ کہ ہر سال لاکھوں کی تعداد میں لوگ
 اس دروازے سے گزرتے ہیں، حالانکہ خواجہ صاحب نے تو اپنی زندگی میں
 کبھی نہ فرمایا، کہ جو اس دروازے سے گزر گیا، وہ جنتی ہو گیا، خواہ وہ کفر شرک اور
 بدعت میں ہی کیوں نہ ملوث ہو۔ العیاذ باللہ۔ خواجہ فرید الدین تو ماشاء اللہ شیخ الاسلام
 تھے۔ نہایت صالح اور نیک انسان تھے آپ کے ہاتھ پر لاکھوں افراد نے اسلام
 قبول کیا، بہت سے راجپوت خاندان آپ کے ہاتھ پر مشرف بر اسلام ہوئے۔ اُن
 سے غلط بات منسوب کس قدر نا انصافی ہے۔ واقعی لوگ بدعت اور شرک میں اندھے
 ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ دین کی سمجھ عطا کرے، یہ بہت بڑی نعمت ہے جسے میسر
 آجائے۔ بخاری شریف کی حدیث ہے مَنْ شَرِدَ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا تَفَقَّهَهُ
 فِي الدِّينِ اللّٰهُ تَعَالٰی جس شخص کے باسے میں بہتری کا ارادہ فرماتا ہے، اُس کو دین
 کی سمجھ عطا کرے گا۔ یہ خدا تعالیٰ کا بہت بڑا انعام اور فضل ہے، اس نعمت پر
 اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ الغرض! وَفِي كَوْنِ سُوْلِكَ كَايَ مَطْلَبٍ لٰكِنْ نِهَيْتُمْ
 كَمَا نَبِيُّكُمْ تَهَارَةً فِي نَفْسِهِمْ مَوْجُودٌ هُوَ، بلکہ اس کی سنت اور شریعت
 موجود ہے۔ اس سے استفادہ کرتے رہو گے، تو گمراہ نہیں ہو گے۔

اختصاصاً اہل کتاب تو تمہیں دین اسلام سے پھیر دینا چاہتے ہیں مگر وہ

يَتَّصِمُ بِاللَّهِ جِوَاللَّهِ كَوْمَضْبُوطِي سَے پکڑیگا فَتَدَّهْدِي اِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ
 پس بیشک ایسے شخص کو ہدایت دی گئی سیدھے راستے کی۔ گویا ایسا شخص گمراہ نہیں ہوگا۔
 اللہ کو مضبوطی سے پکڑنے کا معنی یہ ہے کہ اس پر ایمان لائے۔ اُس کے دین کی باتوں
 پر مضبوطی سے عمل پیرا ہو۔ جس نے اللہ کی ذات پر پورا پورا بھروسہ کیا، اُس نے
 اعتصام باللہ کو پایا۔ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ انسان کو چاہیے کہ وہ اسباب
 پر بھی زیادہ انحصار نہ کرے بلکہ محض اللہ کی ذات پر ایمان رکھے، اس پر توکل
 رکھے تو شیطان بھی دفع ہوگا۔ اور یہود و نصاریٰ بھی اپنی سازش میں ناکام ہوں گے
 بدعت ختم ہوگی۔ یہ اکسیری نسخہ ہے۔ اسلام کی تعلیم ہی بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سے
 شروع ہوتی ہے۔ ہر کام اسی کے نام کے ساتھ شروع کیا جاتا ہے۔ جو رحمان اور
 رحیم ہے اسی ذات پر ہمارا بھروسہ ہے، وہ وحدہ لا شریک ہے۔ تمام قوتوں کا
 مالک ہے یہی اعتصام باللہ ہے۔ لہذا جو کوئی اللہ پر ایمان لاکر اس کے احکام
 کو مضبوطی سے پکڑے گا، وہ کبھی گمراہ نہیں ہوگا۔ یہاں یہ اسی بات کی تعلیم دی گئی ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ
 إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ
 جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ
 إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ
 فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلَى
 شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا ۚ
 كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۰۳﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے جیسا کہ حق ہے اُس سے ڈرنے
 کا اور تم نہ مرنے مگر اس حالت میں کہ تم فرمانبرداری کہنے والے ہو ﴿۱۰۲﴾ اور اللہ کی
 رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو سب کے سب اور تفرقہ نہ ڈالو۔ اور اللہ کی نعمت کو یاد کرو
 جو اُس نے تم پر کی جب کہ تم آپس میں دشمن تھے، اُس نے تمہارے دلوں میں
 الفت ڈال دی۔ پس تم اُس کے فضل سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے، اور تم اُنک
 کے گڑھے کے کنارے پر تھے پس اللہ نے تم کو بچا لیا۔ اسی طرح اللہ کھول کر
 بیان کرتا ہے۔ تمہارے لیے اپنی آستیں تاکہ تم ہدایت پا جاؤ ﴿۱۰۳﴾

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی بات ماننے سے منع فرمایا
 تھا۔ اہل کتاب کی گمراہی کا ذکر کرنے کے بعد اہل ایمان کو بتائیے فرمائی کہ اگر انہوں نے
 اہل کتاب کے کسی گروہ کی بات کو مان لیا، تو وہ انہیں راہ ہدایت سے کفر کی طرف
 حصہ لیں گے۔ پھر وضاحت فرمائی کہ اگر عقیدے میں اُن کی بات مانی، تو کافر ہو

جاؤ گے اور اگر اعمال میں ان کا اتباع کیا تو اللہ کی ناراضگی مول لو گے اور کفرانِ نعمت کے مرتکب ہو گے۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی خاص طور پر لہنمائی فرمائی ہے اور دین کے بنیادی اصولوں پر قائم رہنے اور بدعتیہ کی اور معصیت سے بچنے کی تلقین کی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ** خوفِ خدا
اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو، جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے۔
ظاہر ہے کہ خوفِ خدا بھی حاصل ہو گا۔ جب کسی انسان کی دین پر استقامت ہو یعنی اُس کا عقیدہ کفر، شرک اور نفاق سے پاک ہو اور اس کے اعمال بھی بالکل درست ہوں۔ صغائر اور کبائر سے اجتناب کرتا ہو بلکہ ہر مشکوک چیز سے پرہیز کرے۔ اگر اُس میں یہ چیزیں پیدا ہو گئیں تو اس کو کمالِ تقویٰ حاصل ہو جائے گا اور **حَقَّ تَقَاتِهِ** کا یہی مقصد ہے۔

مفسرین کہہ فرماتے ہیں کہ تقویٰ کے کئی درجات ہیں۔ ان میں سے سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہے۔ کہ انسان کفر، شرک اور بدعتیہ کی سے بچ جائے۔ شیطان اور دیگر گمراہی پھیلانے والے عوامل سے محفوظ رہ سکے، اگر کوئی شخص تقویٰ کا یہ ادنیٰ درجہ بھی حاصل نہ کر سکے، تو پھر اُس کی نجات کی کوئی صورت نہیں کیونکہ اس معاملہ میں کوئی رعایت ممکن نہیں۔ اور تقویٰ کے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ انسان اعمالِ حسنہ پر بھی کاربند ہو، اور معاصی سے بچتا ہو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں "تقویٰ محافظت، برحدودِ مشروع" یعنی کمال درجے کا تقویٰ وہ ہے جو شریعت کے حدود کی پوری پوری حفاظت کرتا ہو۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ توبہ میں بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی ایک صفت یہ بھی بتائی ہے **وَالْحَافِظِينَ لِحُدُودِ اللَّهِ** یعنی مومن وہ لوگ ہیں جو حدودِ اللہ کی حفاظت کرتے ہیں، ان سے آگے نہیں بڑھتے۔ کمال درجے کے متقین ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں۔

حق تقاۃ جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے۔ اس کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ حق تقاۃ کا مطلب ہے۔ اَنْ يُطَاعَ وَلَا يُعْصَىٰ کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کی جائے، نافرمانی نہ کی جائے۔ وَدُشِكْرًا وَلَا يَكْفُرًا اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کیا جائے، کفرانِ نعمت نہ ہونے پائے وَدُكْرًا وَلَا يَنْسِي اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ یاد کرتا ہے، اُس کو بھلائے نہ۔

حضرت انسؓ کی روایت میں حق تقاۃ کی تعریف یوں کی گئی ہے۔ لَا يَتَّقِي اللّٰهَ الْعَبْدُ حَقًّا لَّقَاتِهِ حَتَّىٰ يَخْزَنَ لِسَانَهُ يَعْنِي اِنَّا نَا كُو اللّٰهِي كَمَا حَقُّهُ، ڈرنے کا درجہ اُس وقت حاصل ہوگا، جب وہ اپنی زبان کو محفوظ کر لے گا گویا اُس کو اپنی زبان پر اس قدر کنٹرول حاصل ہونا چاہیے کہ وہ کوئی غلط کلمہ بول سکے بلکہ ہمیشہ اچھی بات کہے۔ ترمذی شریف اور بعض دیگر کتب احادیث میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک اور روایت ہے، جسے امام ابن کثیرؒ نے بھی بیان فرمایا ہے۔ وَلَوْ اَنَّ قِطْرَةً مِّنَ النَّوْمِ قُطِرَتْ فِي دَارِ الدُّنْيَا اَكْمَرُ زَقُومٍ يَعْنِي جَنَمٍ كَمَا اَكْمَرُ قِطْرَةٍ فَرَمِيْنٍ بِرِصِيْبِكَ دِيَا جَائِعًا، تو وہ ساری دنیا کی معیشت کو اس قدر بگاڑ دے کہ کوئی انسان دنیا کی کسی چیز سے مستفید نہ ہو سکے اس تھوہر میں اتنی کٹہرواہٹ اور بدبو ہے۔ فرمایا پھر تم خیال کر لو فَكَيْفَ لِمَنْ لَيْسَ لَهُ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ النَّوْمِ اس شخص کا کیا حشر ہوگا۔ جس کا کھانا زقوم کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ اُسے کتنی اذیت پہنچے گی۔ اس لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ زقوم کھانے والوں میں نام درج ہو جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اِنَّ لِكُلِّ دَابَّةٍ مِّنْ اَحْبَابٍ اَنْ يُدْخَلَ عَنِ النَّارِ وَيَدْخَلَ الْجَنَّةَ جَوْشَخْصٍ چاہتا ہے کہ اُسے دوزخ سے نجات حاصل ہو جائے۔ اور وہ جنت میں داخل ہو جائے فَيُدْرِكُ هَنِيئَتَهُ وَهُوَ

يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ تُوًسَ مَوْتِ اِيسَى حَالَتِ مِىنْ اَنِى چاھيے۔
 کہ وہ اللہ کی ذات اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو۔ وَيَا تٰى اِلٰى النَّاسِ
 مَا يُحْيِيْهِ اَنْ يُّوْتٰى اِلَيْهِ اور اُسے چاہیے کہ وہ لوگوں کے ساتھ وہی سلوک
 کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ مقصد یہ کہ حَقُّ نَقْضِہِ مِىنْ اِيسَى چيز
 بيان کی گئی ہے کہ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ تمہاری موت
 اسلام کی حالت میں آنی چاہیے۔ اور یہ مقام بھی حاصل ہوگا۔ جب انسان ہمیشہ اس
 کی فکر میں لگا ہے گا۔ وہ ہمیشہ اپنا محاسبہ کرتا ہے گا کہ کہیں اس کی موت اسلام کے
 علاوہ کسی اور چیز پر نہ آجائے۔

دوسرے مقام پر فرمایا فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ اللّٰهُ سے ڈرو
 جس قدر طاقت رکھتے ہو۔ مفسرین و محدثین کہہ ام فرماتے ہیں۔ کہ مَا اسْتَطَعْتُمْ
 کا تعلق تقویٰ کے اعمال والے درجے سے ہے۔ یعنی اپنی استطاعت کے
 مطابق حسنہ انجام دیتے رہو۔ اس میں ہر آدمی کی طاقت کے مطابق رعایت
 موجود ہے۔ بڑے اعمال سے بچتا ہے، اگر کوئی خامی رہ جائیگی تو اللہ تعالیٰ
 مہربانی فرما کر معاف کر دیں گے۔ مگر تقویٰ کے عقیدے والے درجے میں معافی
 اور رعایت کی کوئی گنجائش نہیں۔ اگر ایمان میں نقص آئیگا، کفر، شرک یا نفاق میں سے
 کوئی شائبہ واقع ہوگا تو نجات کی کوئی صورت باقی نہیں ہے گی۔ عقائد میں تھوڑی
 سی گھراہی بھی ناقابل برداشت ہے۔

خاتمہ
 بالایمان

یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ کسی شخص کی موت تو غیر اختیاری چیز ہے۔ وہ خود
 چاہے بھی تو موت نہیں آسکتی، پھر اس آیت کا کیا مطلب کہ رزق و تمم مگر اس حالت
 میں کہ تم فرما بنواری کرنے والے ہو؟ مفسرین کہہ ام فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے
 کہ تم پوری زندگی اعمالِ صالحہ میں مشغول رہو، حتیٰ کہ اپنی پرتمہارا خاتمہ ہو جائے۔ اگر
 ایسا ہو گیا، ایمان قائم رہا اور اسی پر خاتمہ ہو گیا، تو کامرانی یقینی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
 کا ارشاد گرامی ہے مَنْ مَاتَ اِيسَى يَنْبَعثُ عَلَيْهِ یعنی جو کوئی

جس عقیدے اور عمل پر مریگا، اسی پر قیامت کو اٹھایا جائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان اس دنیا کی زندگی میں نیک اعمال انجام دیتا ہے ہے حتیٰ کہ اُسے موت آجائے۔ سورۃ حجر میں یہی بات ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے **وَاعْبُدُوا بَنَاتِ حَتَّىٰ يَأْتِيَكُمُ الْيَقِينُ** اپنے رب کی عبادت کرتے رہو حتیٰ کہ یقینی چیز یعنی موت آجائے الغرض! **وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ** کا مطلب یہ ہوا کہ تم زندگی بھر نیک کاموں میں لگے رہو، کیونکہ یہ تمہیں موت کس وقت آجائے۔ اور موت بہر صورت اسلام کی حالت میں آنی چاہیے۔ تاکہ حشر کہ اسلام ہی کے عقیدے اور عمل پر دوبارہ اٹھایا جائے۔

جل جلالہ

فرمایا **وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا سِوَا حَبْلِ اللَّهِ** سب مل کر مضبوطی سے پکڑ لو۔ جل جلالہ یعنی اللہ کی سی سے مراد قرآن پاک ہے۔ ترمذی شریف میں حضرت علیؑ سے روایت ہے، حضور نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا لوگو! یاد رکھو **إِنَّمَا سَتُكُونُ فِتْنَةٌ** ایک بڑا فتنہ آنے والا ہے۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کیا **مَا الْمَخْرُجُ مِنْهَا** یا رسول اللہ اس فتنہ سے بچ نکلنے کا کیا ذریعہ ہے۔ فرمایا **كِتَابُ اللَّهِ** وہ ذریعہ اللہ کی کتاب ہے۔ **فِيهِ نَبَأٌ مَنْ قَبْلَكَ** جس میں تم سے پہلی امتوں کے واقعات ہیں **وَخَبْرٌ مَا بَعْدَكَ** اور تمہارے بعد آنے والی اطلاعات ہیں۔ **وَحُكْمٌ مَا بَيْنَكُمْ** اور اس زندگی میں پیش آنے والے معاملات کے متعلق واضح احکام موجود ہیں۔ فرمایا **وَهُوَ حَبْلُ اللَّهِ الْأَمْتَيْنِ** یہ خدا کی مضبوط سی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب صفات قرآن پاک میں موجود ہیں۔ اس میں سابقہ اقوام کے عبرت ناک واقعات موجود ہیں جس سے انسان نصیحت پکڑ سکتا ہے۔ دو کفر مقام پر فرمایا **لَقَدْ كَانَ فِي قَصصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ** ان واقعات میں صاحب عقل و بصیرت لوگوں کے لیے عبرت کا سامان موجود ہے۔ اور بعد میں آنے والی اطلاعات میں موت، قبر،

بمذبح، حشر، جنت، دوزخ وغیرہ کے متعلق قرآن پوری پوری اطلاعات ہم پہنچاتا ہے۔ اور تیسری چیز احکام ہیں جو پوری زندگی کے ہر گوشہ پر محیط ہیں اور انسان کی ہر مرحلہ پر راہنمائی کرتے ہیں۔ اور اولواہی کی پوری تفصیل موجود ہے۔ جن کے مطابق زندگی بسر کر کے انسان دائمی نجات حاصل کر سکتا ہے۔ الغرض! یہ قرآن پاک ہی ہے جسے جبل اللہ کا لقب دیا گیا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت میں آتا ہے۔ کِتَابِ اللّٰهِ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَمْدُودُ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ قُرْآنُ پَاکِ اللّٰهِ کِتَابٌ یُّبٰی حَبْلُ اللّٰهِ ہے جسے آسمان سے زمین تک دراز کیا گیا ہے۔ قرآن پاک لوح محفوظ بیت العزت سے دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ اسی طرح عبد اللہ بن مسعودؓ کی ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا القدران ہو جبل اللہ المتین یہ قرآن اللہ کی مضبوطی ہے۔ وَالنُّوْرُ الْمُبِیْنُ یہ روشنی مینے والا نور ہے۔ قرآن پاک میں بھی آتا ہے ”وَإِنزَلْنَا إِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا“ ہم نے واضح طور پر بیان کرنے والا نور تمہاری طرف اتارا۔ قرآن پاک کے متعلق یہ بھی آتا ہے هُوَ شِفَاءُ السَّوَغِ یہ نفع پہنچانے والی شفا ہے۔ ”فِیْهِ هُدٰی وَشِفَاءٌ“ اس میں ہدایت اور تمام روحانی امراض کی شفا ہے جو کوئی قرآن پاک پر عمل پیرا ہوگا روحانی طور پر صحت یاب ہوگا۔ قرآن پاک عَصْمِةٌ لَمَنْ تَمَسَّکَ بِہِ جَوَّاسٌ کُوْمُ مَضْبُوْطٍ سے تمام لے گا۔ یہ اس کے لیے گمراہی اور دوزخ سے بچاؤ کا فریضہ بن جائے گا۔ و نجات لَمَنْ تَبِعَ جَوَّاسٌ کَا تَبَاعٌ کرے گا، اس کو نجات نصیب ہوگی یہ سب جبل اللہ کی تشریح ہے۔

مسلم شریف کی حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ یَرْضٰی لَکُمْ ثَلَاثًا اللّٰهُ تَعَالٰی تَمَآءَ سَیِّئَاتِنِ حَیْرُوْلٍ کُوْیَسْنِدُ فَرَمَاتَا اُوْرْتِنِ حَیْرُوْلٍ کُوْیَسْنِدُ کَمَا تَاہُ۔ فرمایا اللہ کی پسندیدہ چیزیں یہ ہیں۔ اَنْ تَعْبُدُوْہُ کَمَا تَمَّ اَسْ کُوْیَعْبَادَتِ کَمَا وَاکَ تَشْیِ کُوْیَاہِ شَیْءًا

اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ تیسری پسندیدہ چیز فرمایا تعصموا بحبل اللہ
 جمعیاً ولا تفرقوا اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ تھام لو۔ اور آپس میں تفرقہ نہ
 ڈالو۔ پھر فرمایا تین ناپسندیدہ چیزوں میں قیل و قال یعنی بیہودہ اور بلا مقصد
 بات چیرت، کثرت سوال اور اضاعتہ المال ہیں۔ کثرت سوال سے مراد یہ ہے
 کہ لوگ مسائل دریافت کرنے میں تو بال کی کھال اٹارتے ہیں، مگر عمل صفر ہے۔
 اور مال کا ضیاع یہ ہے کہ فضول رسومات، بدعات اور حرام جگہوں پر خرچ کیا جائے
 اللہ تعالیٰ کو یہ ہرگز پسندیں کہ اس کے لیے ہوتے مال کو اس کی رضا کے خلاف
 خرچ کیا جائے۔ الغرض بحبل اللہ سے مراد قرآن پاک ہے جسے مضبوطی کے ساتھ
 پکڑنے کی نصیحت کی گئی ہے۔

تفریق
 بین المسلمین

ارشاد ہوتا ہے، سب کے سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔
 وَلَا تَفَرَّقُوا تفرقہ اور اختلاف نہ کرو۔ امام ابو جعفر جصاص فرماتے ہیں کہ
 اس مقام پر جس اختلاف سے منع کیا گیا ہے، وہ اصول کا اختلاف ہے، کیونکہ
 فروعات میں اختلاف کہنا مباح ہے فرعی اختلافات کے ذریعے انسان کی
 عبادت درست ہوتی ہے۔ مختلف حالات میں احکام مختلف ہوتے ہیں۔
 مثلاً عائضہ عورت اور عنبی کے لیے نماز حرام ہے، لیکن ایک عام مکلف کے
 لیے فرض ہے۔ مسافر اور مریض کے لیے روزہ کھانا حلال ہے مگر مقیم اور نذر
 کے لیے حرام ہے۔ یہ فرعی اختلاف ہیں۔ ائمہ دین جیسے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی
 وغیرہم کا بعض فروعات میں آپس میں اختلاف ہے یہ وہاں بشرطیکہ تعصب
 سے پرہیز کیا جائے۔ اکثر لوگ تعصب کے کام لیتے ہوئے اپنے مسئلہ پر اڑ جاتے
 ہیں۔ اسی کو درست سمجھتے ہوئے دوسرے مسلک والے کو جہنمی قرار دے دیتے
 ہیں۔ یہ جہالت اور نادانی ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ البتہ اگر دین کے کسی
 اصول میں اختلاف کہہ لیا تو گمراہ ہو جائے گا۔

آگے فرمایا وَذَكَرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ اللہ تعالیٰ کے ان

تذکرہ احسان
 الہی

احسانات کو یاد کرو، جو اُس نے تم پر کئے۔ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءُ تَمَّ اَپْسِ مِیْنِ
ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اور تمہارے اندر عصبیت جاہلیت پائی جاتی
تھی۔ ذرا فراسی بات پر لڑنے مارنے پر تیار ہو جاتے تھے، تمہارے سامنے کوئی
مشن نہیں تھا۔ اِنْ حَالَاتٍ مِیْنِ فَاَلَّتْ بَیْنَ فُتُوْبِكُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی
نے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے الفت ڈال دی۔ آگے سورۃ انفال
میں بھی آئے گا۔ وَاَلَّتْ بَیْنَ فُتُوْبِهِمْ ط وَكُوْا اَنْفَقْتُمْ مَا فِی
الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّا اَلَّفْتُمْ بَیْنَ فُتُوْبِهِمْ لَوْ لَکِنِ اللّٰهُ اَلَّفَ
بَیْنَهُمْ اللّٰهُ تَعَالٰی نے اُن کے دلوں میں الفت پیدا کی۔ مگر نہ اگر آپ
پوری دنیا کے خزانے بھی خرچ کر دیتے تو ان کے درمیان پیار و محبت کی فضا
قائم نہ کر سکتے۔ یہ تو ایمان اور اسلام کی الفت ہے جو اللہ نے اپنے احسنی
پیغمبر علیہ السلام کو بعوث فرما کر اُن کے درمیان پیدا کی۔ اپنی آخری کتاب نازل
فرمائی اسلام کے احکام سے آگاہ فرمایا چنانچہ اس کے تقاضوں کو سمجھ کر وہ لوگ
اپنے اختلافات بھول گئے، اس کا نتیجہ یہ ہوا فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖ
اِحْوَانًا تَمَّ اللّٰهُ تَعَالٰی کے فضل سے آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ تمہاری تمام
علوتیں اور پرانی عصبیت دور ہو گئی اور تم آپس میں شیر و شکر ہو گئے۔ یہ حضور علیہ السلام
کا ارشاد ہے مومن تقی و فاجر مشقی یعنی مومن کی صفت یہ ہے کہ وہ متقی ہوتا ہے
اللہ اور اس کے رسول کے احکام کا اتباع کرتا ہے۔ اور فاجر اُن احکام کی نافرمانی کر کے
گمراہی میں جاگرتا ہے۔ لہذا جب اسلام آگیا تو پھر الفت، و محبت اسلام کی وجہ
ہونے لگی۔ قبائل اور خاندانوں کا طلسم ٹوٹ گیا اور صدیوں سے جاہلیت کی شکار
قوم تہذیب و تمدن کے بام عروج پہنچ گئی۔ یہ اسلام کی وجہ سے بھائی بندی کا نتیجہ تھا۔
اللہ تعالیٰ نے اُس جاہل قوم کی عصبیت کا تذکرہ کیا اور اُن کو یاد کرایا وَ کُنْتُمْ
عَلٰی شَفَا حَفْصَةَ مِّنَ الْمَثَرِ فَاَنْفَقْتُمْ مِنْہَا تَمَّ دَوْرُخ
کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے۔ شفا فتح کے ساتھ ہوتو اس کا معنی اکانو

ہے۔ اور اگر کسرے کے ساتھ شفا ہو تو اس کا معنی تندرستی ہوتا ہے۔ یہاں پر شفا سے مراد کنارہ اور حفزہ گڑھے کو کہتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ تم اپنی جاہلیت اور عصبیت کی بنا پر دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے۔ موت آنے کی دیر تھی کہ اُس گڑھے میں گر جاتے مگر اللہ نے تمہیں اس گڑھے سے بچا لیا۔ یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے کہ تمہیں ایمان کی دولت نصیب ہو گئی اور تم جہنم کے گڑھے میں گرنے سے بچ گئے۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

فرمایا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ اِسىٰ طرَحَ اللّٰهُ تَعَالٰى
 تمہارے سامنے احکام اور اصول بیان فرماتا ہے۔ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے۔
 جن کے ذریعے تم فرمانبردار بن سکتے ہو۔ اور اس کا مقصد یہ ہے لَعَلَّكُمْ
 تَهْتَدُوْنَ تاکہ تم ہدایت پا جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری ہدایت کے تمام سامان
 مہیا کر دیے ہیں۔ اب ان سے فائدہ اٹھانا تمہارا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب
 چیزیں واضح فرمادی ہیں۔

اَلْاِیْمَانِ ۳

لَنْ تَنَالُوا ۴

آیت ۱۰۴

درس ہی شش ۳۶

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ اُمَّةٌ يَدْعُونَ اِلَى الْخَيْرِ
وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ
وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۱۰۴﴾

ترجمہ: پس چاہیے کہ تم میں ایک ایسی جماعت ہو جو خیر کی دعوت دے اور معروف

کا حکم کرے اور بُرائی کے کاموں سے منع کرے۔ اور یہی لوگ کامیاب ہیں ﴿۱۰۴﴾

بطر آیات

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اہل کتاب کی بات ماننے سے منع فرمایا اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ جو کوئی اللہ کو مضبوطی سے پکڑ لیا، اُس پر ایمان لاکر اس کے احکام کا اتباع کرے گا اور اسی پر بھروسہ کر لیا، اُسے سیدھے راستے کی طرف ہدایت نصیب ہوگی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈرتے رہو، جس طرح ڈرتے کا حق ہے۔ اور ساتھ ہی اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنے کی نصیحت فرمائی۔ اور آپس میں تفریق پیدا کرنے کی بجائے بھائی بھائی بن کر رہنے کی تلقین فرمائی۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ جو ان ہدایات پر عمل کرے گا، وہی کامیاب و کامران ہوگا۔ گو یا اللہ تعالیٰ نے انسان کو اُس کی ذاتی اصلاح کے لیے ایک پروگرام دیا تاکہ اُس پر عمل پیرا ہو کر فلاح حاصل کر سکے۔

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے ذاتی اصلاح کے بعد دوسروں کی اصلاح کرنے اور اُن کو راہ ہدایت کی طرف لانے کی ضرورت اور اہمیت کو واضح کیا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کرتے تھے۔ **وَاَجْعَلْنَا هَذِهِ مُهْتَدِيْنَ اِلَى اللّٰهِ**! ہم کو ہدایت دینے والے اور ہدایت پانے والے بنانے مقصد یہ کہ ہر انسان کیلئے پہلے اپنی اصلاح ضروری ہے۔ اور پھر وہ دوسروں کو بھی ہدایت کی دعوت دے۔ اور اُن کی اصلاح کے لیے سامان مہیا کرے۔

آج کے در س میں اللہ نے وہ قانون بتایا ہے جس پر عمل کر کے انسان اپنی اصلاح کے بعد دوسروں کی اصلاح بھی کر سکتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔ وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ جو لوگوں کو خیر کی طرف دعوت دے

دعوت
الی الخیر

ایسی ہونی چاہیے۔ ظاہر ہے۔ کہ تمام کے تمام لوگ تبلیغ کے کام پر نہیں لگ سکتے لہذا فرمایا کہ ایک گمراہ یا ایک جماعت کم از کم ایسی ہونی چاہیے جو تبلیغ دین کا فرض اپنے ذمے لے۔ وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ اور اس کا مقصد یہ ہے کہ اس کا خیر کے لیے کسی جماعت کا ہونا کوئی عام قسم کی نصیحت نہیں ہے، جس پر عمل کر لیا جائے یا نہ کیا جائے، ایک ہی بات ہو بلکہ تاکیداً فرمایا کہ ایسی جماعت لازماً ہونی چاہیے۔ جو لوگوں کو خیر کی طرف دعوت دے۔

اب رہا یہ سوال کہ خیر سے کیا مراد ہے۔ تو مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ وغیرہ کی روایت میں حضور علیہ السلام کا ارشاد گمراہی ہے۔ کہ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ کا مطلب ہے الخیر اتباع القیام والسننہ یعنی قرآن و سنت کا اتباع ہی خیر ہے۔ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ اسامی قانون ہے۔ اور سنت رسول قرآن پاک کی شرح ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبان سے کرائی ہے۔ گویا قرآن پاک وحی علی ہے اور سنت وحی خفی یا وحی باطنی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ، امام ولی اللہ، امام ابن تیمیہ اور مولانا رشید احمد گنگوہی وغیرہم فرماتے ہیں، ہر صحیح حدیث جو صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے، وہ قرآن کی شرح ہے، اس کی تفسیر ہے۔

تعلیم دین اور اس کے تعلیم کے لیے سورۃ توبہ میں بھی آتا ہے۔ فَتَكُونُوا نَفْسًا مِّنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ یعنی ایسا کیوں نہ ہوتا کہ ہر بستی میں سے ایک جماعت دین کی تعلیم حاصل کرتی اور پھر وہ واپس جا کر اپنی قوم کو ڈراتی یعنی ان کو احکام الہی سے خبردار کرے کہ ان پر عمل کر نیکی تلقین کرتی آج کے

درس میں بھی اسی قسم کا حکم ہے۔ کہ تم میں سے ایک جماعت ضرور ایسی ہونی
جو لوگوں کو خیر کی طرف دعوت دے۔

اصلاح کے
تین اصول

اس آیت کے بعد میں انسانی اصلاح کے تین اصل بیان کیے ہیں یہ يَا دَعْوَانِ الْاِحْ
الْحٰثِيْنَ ہر وقت خیر کی دعوت دیتے رہیں تاکہ انفرادی اور اجتماعی زندگی درست
رہ سکے۔ اور اس جماعت کی دوسری ڈیوٹی یہ ہو کہ وَيَا مَعْرُوفًا بِمَا مَعْرُوفًا
وہ نیچے کا حکم کرتی ہے۔ وَيَا نَهًا عَنِ الْمُنْكَرِ اور بھائی سے روکتی ہے
اگر ہر قوم میں ایسی جماعت پیدا ہو جائے گی، تو تمام نظام درست ہو جائے گا اور قوم
اصلاح یافتہ ہو جائے گی۔ اور اگر یہ فریضہ ادا نہیں ہو گا، تو ظاہر ہے قوم منتشر ہو کر
بربادی کی طرف جائے گی۔ بنی نوع انسان کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ پہلے ہی
حکم دے چکے ہیں کہ تقویٰ اختیار کرو۔ قرآن پاک کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو۔ آپس میں
اتفاق و اتحاد قائم رکھو۔ اور بھائی بھائی بن کر زندگی بسر کرو اور اپنے قول اور عمل سے کتاب اللہ
اور سنت رسول پر عمل پیرا ہو جاؤ۔ اور اب یہاں دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر
کا درس دے کر قوم و ملت کو بیدار رہنے اور اپنی خصوصیات کو باقی رکھنے کا اہتمام
فہرمایا ہے۔

ایمان کے
تین درجات

ایمان کے تین درجات سے متعلق سلم شریف میں حضرت ابوہریرہؓ سے
روایت موجود ہے۔ یہ زید کی خلافت کے بعد کا واقعہ ہے۔ زید خود تو فاسق فاجر
ہی تھا۔ تاہم اس کے بعد اس کا بیٹا مسند خلافت پر ٹنکن ہوا۔ جو کہ نیک آدمی تھا۔
مگر وہ دو تین ماہ سے زیادہ یہ بار نہ اٹھا سکا اور فوت ہو گیا اس کے بعد ۶۵ھ
میں مروان بن الحکم خلیفہ بنا۔ اس زمانہ میں ابھی صحابہ کرامؓ موجود تھے۔ تابعین
میں بھی بڑے بڑے اہل علم لوگ تھے۔ ہذا یہ کہ عید کا دن تھا۔ خلیفہ وقت مروان حضرت
ابوسعید خدریؓ کا ہاتھ تھامے نماز عید کے لیے جاسے۔ عید گاہ پہنچے تو مروان اپنا ہاتھ
چھڑا کر منبر پر جانا چاہتا تھا۔ حضرت ابوسعید خدریؓ نے ہر چند روکا کہ عید کے دن بیٹے
نماز اور بعد میں خطبہ ہوتا ہے۔ اس لیے آپ قبل از نماز عید کا خطبہ نہ دیں، مگر مروان نہ

مانا اور نیز پینچ پکڑ خطبہ شروع کر دیا۔ اتنے میں حاضرین میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور بلند آواز سے پکارا الصلوٰۃ قبل الخطبۃ یعنی خطبے سے پہلے نماز ہونی چاہیے۔ مگر مروان پھر بھی نہ مانا اور اپنی ضد پر اڑا رہا۔ ابو سعید خدریؓ نے کہا اما هذا فقد قضی ما علیہ یعنی اس شخص نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کر دیا، کیونکہ میں نے خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے سنا ہے۔ آپ فرماتے تھے۔
 مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مَنْكراً فليغيره بيده، جو کوئی برائی دیکھے تو اسے ہاتھ سے روک دے۔
 فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فليسا إنذاراً، اگر وہ ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے ہی کہے۔ اور اگر زبان سے روکنے کی طاقت بھی نہ پاتا ہو فبقلبہ، تو کم از کم دل سے بڑبڑانے۔ فرمایا وَذَلِكَ أضعفُ الأيمانِ یہ کمزور ترین ایمان ہے مسلم شریف اور ابن ماجہ شریف کی روایت میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں وَكَيْسَ وَكَأَيُّ ذَلِكَ مِنْ الأيمانِ حَبْسُهُ خَدْرٌ، یعنی اس کے بعد رانی کے دانے کے برابر بھی ایمان کا کوئی درجہ باقی نہیں ہے۔ کسی بڑائی کو محض دل سے بڑبڑانا ایمان کا آخری درجہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اگر یہ درجہ بھی کسی کو حاصل نہ ہو سکے، تو پھر اس کا ایمان باقی نہ رہا۔

حضرت ابو سعید خدریؓ اور حضرت حذیفہؓ کی روایت میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں۔ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے لَأَمْرٌ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ تم ضروری نیکی کا کام کرتے رہو اور برائی سے روکتے رہو۔ اگر ایسا نہیں کر دو گے کیوشا كُنَّ اللهُ يَبْعَثُ عَلَيْكُمْ عَذَاباً لَوْ أَنْتُمْ تَرْجَوْنَ، کہ اللہ تم پر عذاب مسلط کر دے۔ لَعَلَّكُمْ تَدْعُونَهُ فَلَا يَسْتَجِيبُ لَكُمْ، پھر تم دعائیں کرتے رہو گے۔ مگر اللہ قبول نہیں کرے گا۔ گویا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے غفلت اختیار کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا کے مستحق ٹھہرو گے۔

مفسر قرآن امام ابو بکر جصاصؒ فرماتے ہیں کہ وَوَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ كے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ تبلیغ دین کا کام فرض کفایہ ہے۔ کیونکہ یہ کام ایک گروہ

یا جماعت کے سپرد کیا گیا ہے۔ سب کے سب مسلمانوں کو یہ حکم نہیں ہے۔ اگر یہ کام تمام اہل اسلام کے لیے ضروری ہوتا تو نماز، روزہ وغیرہ کی طرح فرض عین ہوتا۔ فرض کفایہ کا حکم یہ ہے کہ اگر عامۃ المسلمین میں سے کچھ لوگ بھی اس کو ادا کر لیں، تو سب کی طرف سے ادا کی جی ہو جائے گی اور اگر کوئی شخص بھی اس فرض کو پورا نہ کرے، تو سب کے سب گنہگار ہوں گے۔ جیسے جہاد کا فریضہ ہے۔ جب کوئی شخص بھی جہاد کرنے والا نہیں ہو گا تو ساری قوم قابل مواخذہ ہوگی اور اگر جہاد کے قابل بعض لوگ اس فرض کو ادا کرتے رہیں گے تو ساری قوم کی طرف سے فرض کی ادا کی جی ہو جائے گی۔ اسی طرح اسلامی تعلیم حاصل کرنے کا معاملہ ہے۔ بنیادی تعلیم کے متعلق تو حضور علیہ السلام نے فرمایا **طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ وَ مُسْلِمَةٍ** کہ یہ ہر مسلمان مرد و زن پر فرض ہے۔ یہ ضروریات دین میں شامل ہے۔ اور اس کے ذریعے انسان اپنا سختیہ اور عمل درست کرتا ہے، مگر مفصل تعلیم فرض بالکفایہ ہے۔ کچھ لوگ بھی اگر دین کی مفصل تعلیم حاصل کر لیں گے اور وہ بے عام لوگوں تک پہنچانے کا فریضہ ادا کرتے رہیں گے، تو یہ تمام لوگوں کی طرف سے کفایت کرے گا۔ اس طرح مردے کا غسل، کفن و دفن اور اس کی نماز جنازہ ہے۔ اگر بعض لوگوں نے یہ امور انجام دے لیے تو سب لوگوں کی طرف سے فرض کفایہ ادا ہو گیا۔ اور اگر کسی نے بھی نہیں کیا، تو سارے کے سارے بستی وائے گنہگار ہوں گے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ **مَا مِنْ قَوْمٍ يُعْمَلُ فِيهِمْ بِالْمَعَاصِي حَتَّى يَسْتَأْذِنَ قَوْمٌ مِنْ بَرِيئِينَ كَمَا اسْتَأْذِنَ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ قَاتِلِينَ** کہ سزا دے گا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا۔ کہ برائی سے منع نہ کرنے کی بیماری سب سے پہلے نبی اسرائیل میں پیدا ہوئی۔ جب اس قوم کے لوگ معاصی میں مبتلا ہوئے تو ابتدا میں بعض لوگوں نے انہیں روکنے کی کوشش کی، جب وہ باز نہ آئے، تو باقی لوگ بھی ان کے ساتھ ہی شامل ہو گئے۔ ان کے ساتھ

فرض ہے۔ تو وہاں نماز اور روزہ کا حکم کرنا بھی فرض ہوگا۔ اور نوافل وغیرہ جیسے مستحب امور میں ان کا حکم کرنا بھی مستحب کے درجے میں ہوگا، فرض واجب نہیں ہوگا۔ مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ کسی مسئلہ میں قدرت ہونے میں یہ شرط بھی ماضی ہے کہ وہ مسائل دین سے واقف بھی ہو۔ اگر کوئی شخص دینی مسائل کو جانتا ہی نہیں تو عمل کیسے کرے گا۔ اسی لیے فرماتے ہیں کہ جاہل لوگوں کا وعظ سننا بھی درست نہیں۔ ایسا شخص جھوٹی روایتیں بیان کر کے غلط مسئلے پیش کرے گا۔ ظاہر ہے کہ ایسا آدمی عالم نہیں بلکہ جاہل ہے، لہذا اس کے وعظ سے بھی اجتناب کرنا چاہیے حضرت مولانا کشمیر احمد عثمانی بھی حلیہ میں فرماتے ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے کے لیے انسان کے لیے صاحب علم ہونے کے ساتھ ساتھ ذہنی اور موقع شناس ہونا بھی ضروری ہے۔ ممکن ہے کہ ایک جاہل آدمی معروف کو منکر اور منکر کو معروف بنا دے۔ یا منکرات کی اصلاح کے لیے ایسے وسائل استعمال کرے جن سے مزید منکرات پیدا ہونے کا احتمال ہو۔ بعض اوقات نرمی کی بجائے سختی یا سختی کی بجائے نرمی اختیار کرنے سے بھی اصلاح کی بجائے بگاڑ پیدا ہو سکتا ہے۔ لہذا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وسیع تر معنوں میں ایک آدمی کا کام نہیں ہے بلکہ اس کام کے لیے مذکورہ شرائط کا پایا جانا بھی ضروری ہے۔

الغرض! فرمایا کہ تم میں سے ایک ایسا گروہ ضرور ہونا چاہیے۔ جو ہر وقت خیر کی طرف دعوت دے، اچھے کاموں کی تلقین کرے، اور بُرے کاموں سے منع کرے۔ فرمایا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ یہی لوگ کامیاب و کامران ہیں۔ ایسا فریضہ ادا کرنے والے لوگ اللہ کے مقبول بندے ہوں گے اور انہیں مزہ کمال حاصل ہوگا۔ فرمایا یہ لوگ فلاح یافتہ ہو جائیں گے۔

لَنْ تَنَالُوا ۴

الْ عَصْرَانِ ۳

درس سی ہفت ۳۷

آیت ۱۰۵ تا ۱۰۹

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ آبَدٍ
 مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۰۵﴾
 يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَمَّا الَّذِينَ
 اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ
 فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۱۰۶﴾
 وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ
 هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۰۷﴾ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا
 عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِلْعَالَمِينَ ﴿۱۰۸﴾
 وَاللَّهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَاللَّهُ تَرْجِعُ
 الْأُمُورَ ﴿۱۰۹﴾

۱۰۹

ترجمہ :- ان لوگوں کی طرح نہ ہو جنہوں نے تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا جب کہ ان کے پاس کھلی نشانیاں آچکیں۔ اور یہی لوگ ہیں جن کے لیے بڑا عذاب ہے ﴿۱۰۵﴾ جن جن کے کئی چہرے سفید ہوں گے اور کئی چہرے سیاہ ہوں گے، بہر حال وہ لوگ جن کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے کہا جائے گا) کیا تم نے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا۔ پس عذاب چکھو یہ بدلہ ہے اس کا جو تم کفر کرتے تھے ﴿۱۰۶﴾ اور بہر حال وہ لوگ جن کے چہرے سفید ہوں گے، وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿۱۰۷﴾ یہ اللہ کی آیتیں ہیں جنہیں ہم آپ پر حق کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ظلم کا ارادہ نہیں کرتا جہاں والوں پر ﴿۱۰۸﴾ اور

اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہی کی طرف تمام معاملات لوٹانے جائیں گے (۱۶)

رہنمائیات

گذشتہ دروس میں اہل کتاب کی اطاعت کرنے سے منع فرمایا گیا تھا۔ پھر تقویٰ اختیار کرنے کا حکم ہوا، اور اللہ کی رسی یعنی قرآن حکیم کو مضبوطی سے پکڑنے کی تلقین کی گئی۔ اس کے بعد فرمایا کہ امت مسلمہ میں سے ایک گروہ ضرور ایسا ہونا چاہیے جو نیک کاموں کی طرف دعوت دے، اچھے کاموں کا حکم کرتے رہیں اور برائی سے روکتے رہیں۔ اس طرح جماعت کا نظم بھی قائم ہے گا اور لوگ گمراہی سے بھی بچ جائیں گے اب اہل ایمان سے مزید خطاب ہو رہا ہے۔ کہ یہود و نصاریٰ کی طرح تم بھی آپس میں تفرقہ کا شکار نہ ہو جانا۔ اہل کتاب نے واضح احکام آجانے کے باوجود اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے تفرقہ ڈالا۔ ان کے الگ الگ گروہ بن گئے۔ خود ساختہ معتمدے وضع ہو گئے اور اس طرح وہ گمراہی میں مبتلا ہوئے اے اہل ایمان! تم ایسا نہ کرنا۔

تفرقہ
فی الدین

ارشاد ہوتا ہے وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا، جو متفرق ہو گئے، گروہوں میں بٹ گئے اور انہوں نے اختلاف کیا۔ مَرَاتٍ بَعْدَ مَا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ وَرَاحِ احکام و دلائل آجانے کے بعد یہ اختلاف کسی غلط فہمی کی بنا پر نہیں پیدا ہوئے۔ بلکہ انہوں نے اپنی خواہشات نفسانیہ کی تکمیل کے لیے دیدہ دانستہ اختلاف کا راستہ اختیار کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے۔ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ اور ایسے لوگ خدا کے نزدیک بڑے عذاب کے مستحق ہیں۔

قاضی ثنار اللہ پانی پتی مفسر قرآن ہیں۔ آپ اولیاء اللہ میں سے تھے نقشبندی طریقہ کے بزرگ تھے۔ آپ نے شیخ جان جانا کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور پھر اسی کے نام سے آپ نے تفسیر منظری لکھی۔ بڑے پائے کی تفسیر ہے۔ یہ تفسیر نئے عرصہ تک قلمی نسخہ کی شکل میں محفوظ رہا، اب سے تقریباً چالیس سال پہلے

دس جلدوں میں زیور طبع سے آراستہ ہوئی۔ حضرت مرزا مظہر جان جانا عالم گیارہویں کے
خانہ زاد بھائی تھے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ہم عصر تھے۔ اور حضرت مرزا جان جانا
کو رافضیوں نے گولی مار کر شہید کر دیا تھا۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی امام ولی اللہ کے شاگرد
اور حضرت مرزا مظہر جان جانا کے مرید باصفا تھے۔

اس آیت کے متعلق امام ابن کثیر، قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور بعض دیگر مفسرین کرام
فرماتے ہیں کہ یہاں جس اختلاف کی ممانعت کی گئی ہے، وہ اصول دین کا اختلاف
ہے۔ کیونکہ قطعی اصولوں میں اختلاف کرنا بالکل ناجائز ہے۔ ایسے اختلاف سے
دین کا عقیدہ ہی بگڑ جاتا ہے اور انسان گمراہ ہو جاتا ہے۔ اصول دین میں توحید، رسالت
اور قیامت وغیرہ کے مسائل آتے ہیں۔ فروعاً میں اختلاف روا ہے۔ مگر
ایسا اختلاف بھی اگر نفسانی خواہشات کے تابع کیا جائے تو جائز نہیں ہوگا۔ ایسی
چیزیں جو فروعاً میں شمار ہوتی ہیں، مگر امت میں متفق علیہ ہیں، ان میں بھی اختلاف
کرنا اصول دین میں اختلاف کے مترادف ہے۔ مثال کے طور پر فرماتے ہیں۔
کہ موزہ یا موٹی ٹیبلرٹ پر مسح کرنا تو جائز ہے۔ سلف صالحین اسپر متفق ہیں۔ مگر خالی
پاؤں پر بوقت وضو مسح درست نہیں ہے۔ یہ نہ تو حضور علیہ السلام سے ثابت
ہے اور نہ ہی صحابہ کرام سے۔ مگر اس متفقہ مسئلہ کے خلاف روافض ننگے پاؤں
پر بھی مسح کرتے ہیں۔ جو کہ درست نہیں ہے۔ ایسے مجمع علیہ مسائل میں اختلاف کرنا
یذات خود گمراہی ہے۔ اہل بدعت بھی بعض متفقہ مسائل میں اختلاف کرتے ہیں۔
اس آیت کرمیہ میں ایسے ہی اختلافات سے منع کیا گیا ہے۔

البتہ نفسانیت سے سب فرعی اختلافات تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین
میں بھی وجود رکھتے، تحقیق یہ جس کے لیے اختلاف الدین میں بھی پایا جاتا ہے، انکا مقصد راجح پہلو اختیار کرنا ہوتا
ہے۔ لہذا اس قسم کا اختلاف روا ہے۔ بعض محدثین میں بھی فرعی اختلاف رہا ہے
مگر یہ اختلاف تلاش حقیقت کے لیے ہوتا تھا، اس کو گمراہی سے تعبیر نہیں کیا
جاسکتا صحابہ کرام کے متعلق دارقطنی اور ابن عبدالبر وغیرہ یہ حدیث بیان کرتے ہیں۔

صحابہ روشن
سانے میں

یاد تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔
 يَا مُحَمَّدُ إِنَّ اصْحَابَكَ عِنْدِي كَالنَّجُومِ أَتَىٰكَ مِنْكُمْ أَهْلٌ مِنْكُمْ مِنْكُمْ
 ستاروں کی مانند ہیں بعضہا اقویٰ من بعض، ایک دوسری روایت آتا ہے
 بعضہا اضواء من بعض، یعنی بعض ستاروں کی روشنی بعض کی نسبت
 زیادہ ہے، مگر سب ہی روشن ہیں، کوئی ستارہ تاریک نہیں ہے۔ كُلُّ نَوْجًا
 ان صحابہ کرامؓ کے متعلق فرمایا فَصَنْ أَخَذَ بِشَيْءٍ مِمَّا عَلَيْكَ جس شخص نے
 کسی ایک صحابی کے طریقے کو اختیار کر لیا، وہ ہدایت پر ہے مقصد یہ کہ صحابہ کے
 فروعی اختلاف کے باوجود جس نے کسی بھی طریقے کو اپنا لیا، تو وہ ہدایت پر ہی ہوگا۔
 اگر کسی دوسرے شخص نے دوسرے صحابی کی بات کو مان کر اس پر عمل شروع کر دیا، تو
 وہ بھی درست ہوگا۔ اور ایسا شخص ہدایت یافتہ شمار ہوگا۔

امام بیہقیؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے۔ مَا
اَوْثَقْتُكُمْ مِمَّا اَلِكْتَبُ جب تمہارے پاس کتاب اللہ سے کوئی چیز
 پیش کی جائے تو اس پر عمل کیا جائے لَا عُدْرَةَ لَاحِدٍ فِي تَرْكِهِ اس کو ترک
 کرنے میں کسی کا عذر قابل قبول نہیں ہوگا۔ مقصد یہ کہ قرآن پاک کے حکم کو ہر حالت میں
 ماننا پڑے گا، اس کے خلاف کوئی حیلہ بہانہ نہیں چل سکے گا۔ اور اگر قرآن پاک میں
 کسی معاملہ کی وضاحت موجود نہ ہو، تو فرمایا فَفِي سُنَّةِ نَبِيِّ تو حضور علیہ السلام کی
 سنت مظهرہ میں تلاش کرو، وہاں سے حکم معلوم کر کے اس پر عمل پیرا ہو جاؤ۔ اور اگر
 وہاں پر بھی کوئی چیز تشنہ ہے تو فرمایا، فَمَا قَالِ اصْحَابِي میرے صحابہ کی بات
 کو مان لو، یہ بھی تمہارے لیے حجت ہوگی اصْحَابِي كَالنَّجُومِ
 کیونکہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں فَيَا أَيُّهَا رَاغِبِي تم میرے صحابہ کا اختلاف تمہارے
 تمہیں صحابی کی بات مان کر اس پر عمل کرو، ہدایت پا جاؤ گے۔ اور یاد رکھو!
رَأَيْتَ لَوْ أَنَّ اصْحَابِي لَكُنُّوا حَمَلَةً میرے صحابہ کا اختلاف تمہارے
 لیے باعث رحمت ہے۔ جس مسئلہ پر انہوں نے اختلاف کیا ہے۔ اس میں

اللہ نے تمہارے لیے سہولت رکھ دی ہے۔

حضرت ابو بکرؓ کے صاحبزادے محمد کے فرزند امام قاسم ابن محمدؒ بڑے پائے کے امام تھے۔ آپ تابعین کے دور کے فقہائے سبوعہ (سات بڑے فقہاء) میں سے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں اِخْتِلافُ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ رَحْمَةٌ لِعِبَادِ اللَّهِ اصحابِ محمدؐ کا اختلاف اللہ کے بندوں کے لیے باعثِ رحمت ہے۔ لہذا اس قسم کا اختلاف بالکل روا بلکہ امت کے لیے سہولت کا باعث ہے۔ چاروں ائمہ دین جن کے پیروکار پوری دنیا میں پائے جاتے ہیں، ان کا آپس میں اختلاف بھی جائز ہے۔ کیونکہ نہ تو وہ اصول دین میں سے ہیں اور نہ برہانے نفسانیت سے۔ پانچواں طبقت محدثین ظاہر یہ کا ہے۔ جو ظاہری طور پر کسی امام کی تقلید نہیں کرتے، مگر یہ سب کے سب اہل حق ہیں۔ ان کا آپس میں اختلاف تحقیق و تجسس کی بنا پر ہے نہ کہ تعصب اور ضد کی بنا پر۔

امام ابو حنیفہؒ کا مسلک بھی وہی ہے، جو صحابہ کرامؓ کا ہے۔ امام طاہویؒ نے طحاوی شریعت کے مقدمہ میں لکھا ہے، کہ امام ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے، کہ وہ سب سے پہلے کتاب اللہ سے رجوع کرتے ہیں۔ اگر وہاں پر مسئلہ کا حل نہ ملے، تو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تلاش کرتے ہیں، اگر وہاں بھی نہ پائیں، تو جس مسئلہ پر صحابہ کرامؓ کا اتفاق ہو، اُس کو بلا چون و چرا مان لیتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ اگر کسی معاملہ میں صحابہ کا اختلاف ہو، تو پھر امام صاحب زیادہ راجح پہلو کو اختیار کرتے ہیں۔ اگر صحابہ کے قول و عمل میں بھی کوئی چیز نہ ملے، تو پھر خود اجتہاد کرتے ہیں، آپ کے نزدیک اجتہاد چوتھے درجہ پر آتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ بعض لوگ اس معاملہ میں امام صاحبؒ کو بدنام کرتے ہیں، کہ آپ حدیث پر قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہ درست نہیں ہے۔ امام طاہویؒ لکھتے ہیں، کہ امام ابو حنیفہؒ تو ضعیف حدیث پر بھی عمل کرتے ہیں، چہ جائیکہ وہ اعلیٰ درجے کی حدیث کو نظر انداز کر دیں۔ ابن حزم ظاہریؒ نے اس کی مثال فقہ حنفیہ والی حدیث سے دی ہے۔ اس ضعیف حدیث میں آتا ہے

مسلک
امام ابو حنیفہؒ

کہ اگر کوئی شخص نماز کی حالت میں ہنسنے سے تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا، حدیث اگرچہ ضعیف ہے مگر امام ابو حنیفہ کا اسی پر عمل ہے۔ انہوں نے بلا وجہ قیاس نہیں کیا۔ ان کا اجتہاد ایسے مسائل میں واقع ہوا ہے، جہاں روایت میں اختلاف پایا گیا ہے۔ یا صحیح روایت ثابت ہی نہیں ہو سکی۔

اختلاف
رحمت

جاگتہ فروری اختلاف تو باعث رحمت ہے۔ مگر بعض ضدی اور متعصب قسم کے لوگ کسی معمولی اختلاف کو بنیاد بنا کر آپس میں سبوت و مناظرہ کرتے ہیں۔ اور پھر جب ہٹ دھرمی کی وجہ سے کسی نتیجے پر نہیں پہنچ پاتے تو آپس میں سر پھوٹول کرتے ہیں۔ بعض اوقات ایسے اختلاف قتال تک پہنچ جاتے ہیں۔ تا تا ریلوں کے زمانہ میں حنفی اور شافعی مسلک کے لوگ ایک دوسرے کے جانی دشمن بن گئے اور قتل و غارت گری تک نوبت پہنچی۔ اس قسم کا اختلاف یقیناً یہودیوں والا اختلاف ہے۔ یہ وہ اختلاف نہیں جسے حضور علیہ السلام اور تابعین کی زبان سے باعث رحمت کہا گیا ہے۔ بلکہ اس قسم کا اختلاف باعث رحمت ہے۔ جو مسلمانوں میں افتراق پیدا کرتا ہے۔ امیر معاویہؓ کی روایت میں ہے اِنَّ اَهْلَ الْكِتَابِ اِنْ اَفْتَرَوْا ذُوکُتُبًا لِّعِنِ تَوَارَاتٍ اَوْ اَنْجِلَ کِی طَرَفٍ لِّسَبْتٍ کَرَنَ وَاَلُوں نَے اپنی پارٹیاں اور گروہ بنا لیے۔ یہ لوگ ثنثین و سبعین یعنی بہت فرقے بن گئے۔ نیز فرمایا وَقَدْ تَزَقَّ اَصْحٰی عَلٰی ثَلَاثٍ وَّ سَبْعِیْنِ مِیْرٰی اِسْ اَمْتِ کَے تہتر فرقے بن جائیں گے۔ مگر یاد رکھو کہ اَلْمُسُوْمِ فِی التَّارِ اِلَّا وَاَحَدَہٗ اِیْکَ فرقے کے سوا باقی سب جہنم میں جائیں گے۔ عرض کیا حضور! وہ ناجی فرقہ کون سا ہوگا، فرمایا وہ جماعت ہوگی جس کو اہل سنت و کجاعت کہا جاتا ہے یہ وہ لوگ ہوں گے جو حضور علیہ السلام کی سنت اور صحابہؓ کے طریقے پر چلیں گے اُن کا عقیدہ اور عمل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے عمل کے مطابق ہوگا یہی لوگ ناجی ہیں۔

پرست
کی کثرت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے سیخرج اقوام مخقریبہ

امت میں ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے تجارتی دھرم ثلاث الالهواء ان میں خواہش اور بدعات اس طرح سرایت کر جائیگی کہ صاب تجارتی الکلب بصاجہ جس طرح پاگل گتے کے کاٹنے سے بیماری سارے جسم میں سرایت کر جاتی ہے۔ لایبقی احد عرق ولا مفصل الا دخله کوئی رگ اور جوڑا ایسا نہیں ہوگا۔ جس میں یہ سرایت نہ کر جائے۔ بدعت ایسی بُری چیز ہے۔ کہ اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ اس کے رسول، صحابہ کرام اور بڑے بڑے فقہار کے اٹل فیصلے نظر انداز کر دیے جاتے ہیں کیونکہ وہ ان کی خواہشات کے مطابق نہیں ہوتے۔

آج اپنے ارد گرد نظر اٹھا کر دیکھ لیں، سنت کا متلاشی کوئی خاص ہی اللہ کا بندہ نظر آئے گا۔ ورنہ ہر موقع پر لوگ بدعات کی پیروی کر رہے ہیں۔ بیاہ شادی کا موقع ہو، یا فتنہ گی کا، کوئی خوشی کا موقع ہو یا غمی کا ہر جگہ بدعات کی بھرمار ہے بارہ ربیع الاول کے نام پر عوام سے لے کر حکومتی سطح تک جو کچھ گلی کوچوں اور ایوانوں تک کیا گیا ہے، کیا یہی اسلام ہے۔ صحابہ کرام اور ائمہ دین کے زمانے تک تو کسی کو جلوس نکالنے، چمراغاں کرنے اور جھنڈیاں لگانے کی نہ سوجھی، یہ تمام بدعات تو ساتویں صدی میں شروع ہوئیں۔ خاص طور پر قابلِ غور بات یہ کہ نبی علیہ السلام کی ولادت کی تاریخ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ربیع الاول کی تحیم، دو، چھ نو، دس اور بارہ کی مختلف روایات ہیں۔ مؤرخین کسی ایک تاریخ پر متفق نہیں ہو سکے البتہ وفات کی تاریخ بارہ ربیع الاول متفق علیہ ہے۔ افسوس کا مقام ہے۔ کہ لوگ وفات کی تاریخ کو حین مناتے ہیں۔ اب تو حکومت بھی ان بدعات میں حصہ دار بن گئی ہے۔ سہ چوں کہ قرآن مجید پر نیز و کجا ماند مسلمانوں نے جب محکمہ اوقاف نے مزاروں کو اپنی تحویل میں لیا، تو توقع پیدا ہوئی کہ شاید اصلاح کی کوئی صورت مکمل آئے گی۔ مگر حکومت کے خزانے میں تو صرف آمدنی کی ضرورت ہے۔ انہیں اس بات سے کچھ غرض نہیں کہ مزارات پر کیا کچھ ہو رہا ہے۔ عرس ہوتے ہیں۔ چادریں چمڑھتی ہیں، پھول، اور پھولوں کی چادریں اڑھائی جاتی ہیں اور پھیر

غیر اللہ کی نذرِ حلیتی ہے، سب کفر، شرک اور بدعات کی قیح رسوم ہیں۔ جس چیز کو آج دین بنا کر پیش کیا جا رہا ہے، نہ اُس سے صحابہ کرام واقف تھے، نہ تابعین اور نہ چاروں امام۔ پھر یہ بدعت نہیں تو اور کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کے کاموں پر اتفاق و اتحاد کی دعوت دی ہے۔ شرک، کفر اور بدعت پر اتفاق کا حکم نہیں دیا۔ اس معاملہ میں لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ فرمایا ہے۔ کسی صحیح چیز پر اتفاق سے بہتر نتائج برآمد ہوں گے، بدعات پر عمل پیرا ہونے سے مزید خرابیاں پیدا ہوں گی اور ملت مزید کمزور ہوگی۔

فرمایا اُن لوگوں میں نہ ہونا جنہوں نے تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا۔ حالانکہ اُن کے پاس کھلی کھلی اور واضح نشانیاں آچکی تھیں۔ آج توحید جیسے بنیادی مسئلہ میں جھگڑا کیا جا رہا ہے۔ غیر اللہ کو اللہ کا شریک بنایا جا رہا ہے۔ اُن کے نام کی دہائی دی جاتی ہے، اُن کو مصیبت میں پکارا جاتا ہے۔ قرآن و سنت کا واضح پیغام موجود ہے، مگر اپنے پیٹ کی خاطر اہل اسلام میں تفرقہ پیدا کیا جا رہا ہے، گمراہ اور پارٹیاں بن رہی ہیں، یہ سب کچھ خواہشات

لفضائی کی پیروی میں ہو رہا ہے، ان چیزوں کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایسے لوگ یقیناً خدا کے عذاب کے مستحق ہوں گے۔

فرمایا یَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌُ وَجُوهٌ جِسْمِ دَرِّنِ سَبْتٍ سے چہرے سفید ہوں گے یَقْبِنَا رُشْنٍ اور اہل ایمان اور سنت پر عمل کرنے والوں کے چہرے قیامت کے دن سفید ہوں گے سَيَادِ چہرے و تَسْوَدُّ وُجُوهٌُ الْبَتَّةَ كُفْرٍ شَرِكٍ، بدعت اور مصیبت میں ملوث لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ فرمایا قَامَا الدِّينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ

اُس دن جن کے چہرے سیاہ ہوں گے، اُن سے

کہا جائے گا اَكْفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کر لیا۔ کفر اعتقاد میں بھی ہوتا ہے اور اعمال میں بھی۔ اگر عقیدہ بگڑ گیا، تو ایمان میں کفر پیدا ہوا اور اگر اعمال میں کفر کیا، تو اعمال کفار جیسے ہو گئے۔ فرمایا اس کی سزا یہ ہے

فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ اُس کفر کا بدلہ کچھ، جس کا ارتکاب کرتے تھے۔

فرمایا وَأَمَّا الَّذِينَ ابْصَرَتْ وَجُوهُهُمُ فَنُحِيطُ بِرَحْمَةِ اللَّهِ جن کے چہرے سفید ہوں گے، وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ایسے لوگ ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہنے والے ہوں گے۔ پھر فرمایا إِنَّ إِلَهَ اللَّهِ نَسُوا مَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ یہ اللہ کی آیتیں ہیں جن کو ہم آپ پر حق کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ یاد رکھو! وَمَا لِلَّهِ نِيرَانٌ ظلمتوں کے لئے اللہ تعالیٰ جہان والوں

پر ذرہ بھر بھی ظلم کا ارادہ نہیں رکھتا۔ جو کچھ بلیک بندوں کے اپنے اعمال کا ثمرہ ہوگا اللہ تعالیٰ کسی پر زیادتی نہیں کرتا۔ ایسا نہیں ہوگا۔ کہ بے عمل کو اچھا بدلہ دے دیا جائے، یا حکم جرم کے مجرم کو زیادہ سزا دی جائے۔ ہاں! مگر کوئی شخص جرم کرنے سے باز بھی نہیں سکیگا۔ اسے اپنے جرم کی سزا بھگتنا ہوگی۔

فرمایا وَاللَّهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب کچھ اللہ ہی کا ہے۔ ہر چیز پر اسی کا تصرف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی زمین پر اور اس کے جہان ہونے آسمان کے نیچے۔ بسنے اور اس کی نعمتوں کو استعمال کرنے والا اس کے خلاف کچھ نہیں سکیگا۔ اگر کوئی شخص اللہ کے ساتھ شریک بنائے گا۔ سنت کو ترک کرے گا، دین میں خستہ اندازی کرے گا، تو اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرے گا۔ کیونکہ وَاللَّهُ يُرْجِعُ الْاُمُوْمَ تمام معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ سب اُس کی عدالت میں پیش ہونا ہے۔ تمام معاملات کا فیصلہ وہیں ہوگا۔

لَنْ تَنَالُوا

ال عمران ۳

درس سی و ہشت ۲۸

آیت ۱۱۰ تا ۱۱۱

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ
 بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ
 وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ مِنْهُمُ
 الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ ۝۱۱۰ لَنْ يَضُرَّكُمْ
 إِلَّا أَذًى ط وَإِنْ يَتْلُوكُمْ تُؤَلُّوكُمْ الْأَدْبَارَ فَتُحَرِّمُوا
 لَنْ يَنْصُرُوا ۝۱۱۱

ترجمہ: تم سب سے بہتر امت ہو جس کو ظاہر کیا گیا ہے لوگوں کے فائدے کے لیے، تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو، اور بُری باتوں سے منع کرتے ہو، اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے تو البتہ یہ ان کے لیے بہتر ہوتا، ان میں سے بعض ایمان پر ہیں اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں ۱۱۰ وہ تم کو ہرگز نقصان نہیں پہنچائیں گے، ہرگز زبان سے ستانا۔ اور اگر وہ تم سے لڑیں گے، تو تمہاری طرف پیٹھ پھیر دیں گے، پھر انہی مدد نہ کی جائیگی ۱۱۱

اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی باتوں کو ماننے سے منع فرمایا اور اس کے نقصان کا تذکرہ بھی کیا۔ پھر اللہ سے کما حقہ ڈرنے کا حکم دیا اور قرآن پاک کو مضبوطی سے پکڑنے کی وصیت کی۔ تفرقہ بازی کی ممانعت فرمائی اور حکم دیا کہ تمہارے درمیان ہر وقت ایک ایسا گروہ ضرور ہونا چاہیے جو لوگوں کو خیر کی طرف دعوت دیتے رہیں مہم صرف کا حکم کرتے رہیں اور بُری باتوں سے منع کرتے رہیں۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی حالت یاد دلا کر فرمایا کہ ان کی طرح نہ ہونا جنہوں نے تفرقہ ڈالا، اور واضح احکامات آجانے کے بعد اختلاف کیا۔ یہ لوگ ناکام ہیں اور خدا کے

رابطہ آیات

عذاب کے مستحق بھی۔

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے رسولوں کی چیزیں بیان فرمائیں۔ ابتداء میں خانہ کعبہ کا ذکر آیا۔ اہل کتاب اپنے قبیلہ کو افضل قرار دیتے تھے تاہم اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف کی فضیلت کا تذکرہ فرمایا: أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ لوگوں کی عبادت کے لیے اولین عبادت خانہ بیت اللہ شریف سب سے افضل ہے۔ اس کے بعد پیغمبر علیہ السلام کا ذکر آیا، کہ تم نافرمانی کس طرح کرو گے جب کہ تمہارے درمیان اللہ کا عظیم المہرت رسول موجود ہے۔ پھر قرآن کریم کا تذکرہ ہوا، کہ آسمانی کتابوں میں یہ سب سے افضل کتاب ہے اور تمام لوگوں کو حکم دیا کہ اللہ کی اس کتاب کو مضبوطی سے تھام لیں۔ اب حضور علیہ السلام کی امت کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ کہ آپ کی امت بھی تمام امتوں سے افضل ہے۔ یہ چاروں چیزیں یعنی بیت اللہ شریف، پیغمبر عظیم، قرآن حکیم اور امت محمدیہ کا تذکرہ سورۃ بقرہ میں بھی ہو چکا ہے، اب پھر ان کو دہرا جا رہا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔ اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت گنتے حقیقاً امت تم بہترین امت ہو۔ گنتے ماضی لعیب کا صیغہ ہے لام بیضاوی اور دیگر مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ اس بات تذکرہ ماضی میں کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم سابق اور لوح محفوظ میں بھی یہ بات موجود ہے۔ کہ اللہ کے ہاں تم سب سے بہتر امت ہو، اس کا فیصلہ روزِ ازل سے ہو چکا ہے۔ صحیح حدیث میں آتا ہے نحن الآخرون السابقون یوم القیامۃ ہم دنیا میں تو سب سے آخر میں آنے والے ہیں مگر جنت میں سب سے پہلے جانے والے ہوں گے۔ ایک دوسری حدیث میں لایا بھی آتا ہے کہ جب تک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں داخل نہیں ہوں گے، کوئی دوسرا نبی داخل نہیں ہوگا۔ اسی طرح جب تک حضور خاتم المرسلین کی امت بہشت میں نہیں جائے گی، کوئی دوسرا نبی

بہترین امت

وہاں نہیں جائے گی۔ البتہ کتاب پہلی امتوں کو پہلے دی گئی اور ہم بعد میں آئے ہیں لیکن ہم بصدقت کرنے والے اور آگے بڑھنے والے ہیں قیامت کے دن۔ سورۃ بقرہ میں بھی آچکا ہے وَكذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّلّٰهِ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ اے امت محمدیہ! ہم نے تم کو امت وسط بنایا ہے۔ وسط کا معنی درمیان ہوتا ہے۔ جو افراط و تفریط سے پاک ہو، اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے خیر الامم اوسطھا بہترین کام وہ ہیں جو درمیان ہوں۔ غرضیکہ حضور علیہ السلام کی امت وسط ہونے کے لحاظ سے بھی باقی امتوں سے افضل ہے۔

امرا بھروسہ

فرمایا یہ ایسی امت ہے اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ جس کو لوگوں کے فائدے کے لیے نکالا گیا ہے، ظاہر کیا گیا ہے۔ اور یہ تین طریقوں سے لوگوں کو نفع پہنچاتی ہے۔ پہلی بات یہ ہے تَأْمِنُوْنَ بِالْمَعْرُوفِ کہ تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو۔ یہاں پر مضارع کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ یعنی تم نیچے کا حکم دیتے ہو، یہ نہیں فرمایا کہ نیچے کا حکم دو، یہ گزشتہ دروس میں گزر چکا ہے۔ کہ تم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے جو نیچے کا حکم کرے۔ اس مقام پر انداز بیان یہ ہے کہ تمہاری صفت ہی یہ ہے کہ تم اچھی باتوں کا حکم دیتے ہو۔ اب رہی یہ بات کہ نیچے کیا ہے۔ تو تو حید سے لے کر اونٹنی درجے کی اچھی چیزیں سب نیچے میں آجاتی ہیں۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ كَلَّا اللّٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنا سب سے افضل نیچے ہے۔ ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا۔ حضور! کونسا عمل افضل ہے، فرمایا ایمان باللہ یعنی اللہ پر ایمان لانا، توحید کو ماننا۔ اس کے بعد دوسرے اعمال نماز، روزہ، حج، جہاد وغیرہ ہیں۔ گویا لوگوں کو ایمان اور توحید کی دعوت دینا سب سے بڑی نیچے ہے۔ اس کے بعد چھوٹی چھوٹی نیکیاں ہیں۔ حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی مؤمن اپنے ایمان کے تقاضے سے ایک روٹا یا پتھر بھی راستے کے ہٹا دے تاکہ کسی راہ گزر کو ٹھوکر نہ لگے، تو وہ بھی

نہیں شمار ہوگی، اسم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت میں آتا ہے لَا تَحْقِرَنَّ
 مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئًا يَنْبَغِي لَكَ فِيهِ جَهَنَّمُ جَهَنَّمُ جَهَنَّمُ
 نیکیاں مل کر قیامت کے دن پہاڑ بن جائیں گی۔ اسی طرح کسی برائی کو بھی حقیر اور
 کم تر نہیں سمجھنا چاہیے، کیونکہ یہ اکٹھی ہو کر بہت بڑا ذخیرہ بن جائیں گی۔ غرض فرمایا
 کہ اے امت محمدیہ! تمہاری صفت یہ ہے کہ تم نبی کا حکم جیتے ہو۔

نہی عن المنکر

فرمایا تمہاری دوسری صفت یہ ہے وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ
 تم بُری باتوں سے منع کرتے ہو۔ بُری چیزوں میں کھڑو پٹرک سے لیکر بدعات
 رسومات قبیحہ، فسق و فجور، ہر قسم کی بد اخلاقی اور ناحق قول باتیں شامل ہیں۔ ان سے
 روکنے کی تشریح پہلے ہو چکی ہے۔ کہ روکنا کبھی ہاتھ سے ہوتا ہے، کبھی زبان
 سے، کبھی قلم سے اور کبھی تلوار سے۔ ابو داؤد شریف کی روایت میں موجود ہے
 جَاهِدُوا لِكُفَّارٍ وَالْمُشْرِكِينَ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ
 وَالسَّنَتِ كُمْ یعنی کافروں اور مشرکوں کے ساتھ مال جان اور زبانوں کے ساتھ
 جہاد کرو۔ تبلیغ کا کام زبانی جہاد ہے۔ اگر توحید، ایمان اور دیگر نبی کی باتیں پھیلانے
 کے لیے کوئی مضمون لکھا جائے، رسالہ جاری کیا جائے، کوئی دستاویز تیار کی
 جائے یا کتاب لکھی جائے، یہ سب قلم کے ذریعے جہاد ہے

اگر صاحب استطاعت ہے تو طاقت کے ذریعے بھی برائی کو روک
 سکتا ہے۔ اس کی تشریح پہلی آیت میں آچکی ہے۔ یہ بھی بیان ہو چکا ہے۔ کہ
 امر بالمعروف فرض امور میں فرض ہوتا ہے، واجب امور میں واجب، سنت امور
 میں سنت اور مستحب امور میں مستحب کا درجہ رکھتا ہے۔ البتہ مفسرین فرماتے ہیں۔
 کہ اگر آدمی مال و س ہو تو زبانی جہاد کو ترک بھی کیا جاسکتا ہے۔ اگر کسی کو تجربہ کی بنا پر
 یقین ہے کہ اس کی بات کوئی نہیں سنے گا، تو زبانی جہاد کو ترک کرنے کی بھی اجازت
 ہے اس کے باوجود اگر وہ زبانی جہاد جاری رکھتا ہے۔ تو بہت بڑے اجر کا مستحق
 ہوگا۔ البتہ جو صاحب اقتدار ہے، اس کا فرض ہے کہ وہ برائی کو طاقت سے

روکے۔ اگر ایسا نہیں کرتا، تو مجرم ٹھہرے گا۔ اور قابل مواخذہ ہوگا۔

آج کے دور میں نئی نئی برائیاں نے جنم لیا ہے۔ نئی تہذیبی گندے انڈے میسے ہیں۔ فولڈ گمراہی، مجسمہ سازی، سینما، وڈیو کیسٹ، ٹیلی ویژن، وی سی آر وغیرہ موجود دور کی پیداوار ہیں۔ اب کھیلوں کی نئی بیماری آئی ہے، اگر کٹ، ہاکی وغیرہ کا قومی اور بین الاقوامی سطح پر خوب چمچا ہے۔ حکومت سرپرستی کر رہی ہے۔ ان گیمز اور یونیورسٹیوں کے جاری کردہ کھیل آج پوری دنیا میں چھاپکے ہیں، کئی کئی دن متواتر کھیل جاری رہتا ہے۔ لوگ کام کاج چھوڑ کر میدان میں پہنچ جاتے ہیں یا پھر ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے گم رہ بیٹھ جاتے ہیں۔ کامیابی پر مبارک بادیں دی جاتی ہیں، ٹھٹھائیاں تقسیم ہوتی ہیں۔

نمبر اور وزیر عظیم ٹیم کو مبارک باد کے پیغام بھیجتے ہیں۔ کھیلوں پر بھاری رقم خرچ کی جاتی ہیں، ذرا اندازہ لگائیں کہ اس سے کونسا بڑا مقصد حاصل ہوتا ہے۔ یہ محض ہوا و لعب اور فضول خرچی ہے۔ یہی وقت اور روپیہ مظلوم کی مدد کرنے، تکلیف زدہ کی تکلیف دور کرنے پر خرچ کر دو۔ لوگوں کو قبیح رسومات اور کفر و شرک سے باہر نکالنے پر خرچ کرو۔ یہاں تو الٹ ہی ہو رہا ہے۔ قبریں پختہ بنائی جا رہی ہیں۔ ان پر بے دریغ روپیہ صرف کر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ نبی علیہ السلام کا ارشاد تو یہ ہے لَا تَجْهَدُوا فِي خَيْرِ قَبْرِ مِتِّ بَنَانٍ، بنگہ سارا امیر طلی سینٹ، بکری، اینٹ حرام کاموں میں صرف ہو رہا ہے۔ شریعت میں قبروں کو پختہ کرنا ہرگز ناجائز نہیں۔ یہی دولت کسی نیکی کے کام میں لگتی تو امت کا فائدہ ہوتا۔ سینما، تھیٹر، ٹیلی ویژن کی جتنی بہتات ہوگی۔ اتنی ہی فحاشی پھیلے گی، قوم و ملت کو کیا فائدہ ہوگا۔ سبھی بیٹھا دیکھ کر بھی تکی پیدا ہو سکتی ہے۔

یہ سب شیطان کی کام ہیں۔ جس کام کی بنیاد ہی لہو و لعب پر ہو، لوگوں کو غافل بنانے اور خدا اور رسول کے احکام سے برگشتہ کرنے پر ہو، اس سے کیا تربیت حاصل ہو سکتی ہے۔ وہاں سے چوری، زنا، ڈاکہ، عریانی اور بے حیائی کی تعلیم ہی حاصل ہوگی۔ اگر تربیت حاصل کرنا ہے تو کسی نیک مجلس میں جاؤ، کسی خدا کے بندے کی تربیت اختیار کر دو۔ نیکی وہاں سے ملے گی، جس چیز کو آج ترقی کا نام دیا جا رہا ہے

وہ تو سراسر منکرات میں شامل ہے جس کو روڈنا صاحب اختیار کے لیے ضروری ہے۔ حضرت عمرؓ نے تو فرمایا تھا کہ اگر تم خیر الامت بنا چاہتے ہو، تو امر بالمعروف اور نہی المنکر کو جاری کرو۔ ہر شخص کا دل نور ایمان سے منور ہو، تب نیکی حاصل ہوگی۔ برائیوں کا از کتاب کر کے خیر الامت کا لقب حاصل نہیں کیا جاسکتا۔

ایمان باللہ الغرض! اللہ تعالیٰ نے فرمایا، تم بہتر امت ہو جبکہ لوگوں کی نفع رسانی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ سورۃ بقرہ میں آچکا ہے کہ اللہ نے تمہیں امت وسط بنایا ہے لَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ تاکہ تم دوسروں کو لوگوں پر گواہ ہو جاؤ۔ شاہ عبدالقادرؒ اس کا ترجمہ کرتے ہیں "تاکہ تم دوسرے لوگوں کے معلم بن جاؤ"۔ گویا رسول تمہارا معلم ہے، اور تم دوسرے لوگوں کے معلم ہو۔ تاکہ تم دیگر اقوام اور مذاہب کے لوگوں کو ہدایت کا راستہ دکھاؤ۔ اگر تم خود ہی کفر، شرک اور بدعات میں ڈوب گئے۔ تو باقی دنیا کو ہدایت کے راستے پر کون لائے گا۔ اسی لیے فرمایا کہ تمہارے بہتر امت ہونے کی دلیل یہ ہے کہ تم نبی کا حکم مانتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو۔ وَقَدْ هَمُّونَ بِاللَّهِ اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اللہ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ جو دین اور شریعت ہمیں نبی آخر الزمان علیہ السلام کے توسط سے ملا ہے اس کی تمام جزئیات پر ہمارا ایمان ہے۔ اور اس کے تمام احکام کی بجا آوری ہم پر لازم ہے۔ جو شخص اللہ پر ایمان لانے کا دعویٰ دار ہے مگر قرآن و سنت کے احکام کو نہیں مانتا، وہ کیا مومن ہے۔ یہی بات اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو بھی فرمائی وَكُوفِرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ لَكُنْ خَيْرًا لَّهُمْ اگر اہل کتاب بھی اللہ پر ایمان لے آتے، تو ان کے لیے بہتر ہوتا۔ اللہ پر ایمان لانے کا یہی مطلب ہے کہ وہ نبی آخر الزمان اور قرآن حکیم اور پوری شریعت اسلامیہ پر ایمان لاتے۔ مگر یہ لوگ تو دانستہ کفر میں مبتلا ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب بگاڑ لی ہے، عقیدہ خراب کر لیا ہے اور طرح طرح کی برائیوں میں مبتلا ہیں۔ اہل ایمان سے ان کو ضد ہے۔ انہوں نے تعصب کی بنا پر کفر کا

ستہ اختیار کیا۔ ان کی بہتری اسی میں تھی کہ اللہ پر ایمان لے آتے۔
 پھر فرمایا، الْبَتَّةَ مِنْهُمْ الْمُؤْمِنُونَ ان میں سے بعض لوگ ایمان دار
 بھی ہیں۔ حضور علیہ السلام کے زمانے میں دینے کے دس بڑے یہودی علماء میں سے
 صرف عبد اللہ بن سلامؓ اور ان کے بعض ساتھی ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے
 مگر وَكَثَرَهُمُ الْفٰسِقُونَ ان کی اکثریت فاسقوں پر مشتمل رہی۔ یہ خود نصاریٰ
 کی اکثریت آج بھی فسق پر ہے۔ نزول قرآن کو چودہ سو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا
 ہے۔ مگر یہ لوگ ابھی تک کفر پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ عیسائی مسیح علیہ السلام کو خدا کا
 بیٹا مانتے ہیں۔ اور ایک کی بجائے تین خدا مانتے ہیں۔ بناوٹی انجیل پر ان کا ایمان
 ہے۔ یہودی ان سے بھی زیادہ حیانت میں مبتلا ہیں۔ ان میں ہکاری اور بے ایمانی
 پائی جاتی ہے۔ انہیں آج تک سمجھ نہیں آئی کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان
 لانا ضروری ہے۔ یہ لوگ قرآن پاک اور نبی آخر الزمان کی مخالفت میں ہر وقت سرگرداں
 رہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ اسلام کے قریب نہ آئیں۔ ان کی اکثریت فسق
 کی ہے۔ ہر زمانے میں خال خال ہی ایسے لوگ ہوتے ہیں جو تعصب پاک ہوں۔
 یہ لوگ کھوڑی سی توجہ کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں ایمان کی دولت عطا فرمادیں۔

اہل ایمان
 کو تسلی

اہل کتاب کی خصلت بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو
 تسلی دی لَنْ يَضُرَّوْكُمْ شَيْءٌ اہل کتاب تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں
 گے، تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے مگر زبانی چھیڑ چھاڑ جاری رکھیں گے حضور علیہ السلام
 کے زمانے میں یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف بڑی سازشیں کیں مگر اللہ نے
 ہر سازش کو ناکام بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے آئندہ کے لیے بھی فرمادیا اِنَّهُمْ
الْاَعْلٰوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اگر تم ایمان پر قائم رہے، تو
 غالب تم ہی ہو گے۔ اہل کتاب تم پر غلبہ حاصل نہیں کر سکتے۔ ہاں تم خود ایمان
 کو چھوڑ بیٹھو، تو پھر اللہ تعالیٰ کا کوئی وعدہ نہیں ہے۔ اِنْ يَخْذُوكُمْ فَمَنْ
ذٰلِكَ الَّذِي يَتَّصِلُكُمْ مِّنْ قَبْلِكُمْ تمہاری بد اعمالیوں کی وجہ سے

اگر خدا تمہیں رسوا کرے تو پھر کوئی تمہارا مددگار نہیں ہوگا۔

فرمایا وَإِنْ يَأْتِ تِلْكَ تِلْكَ كِتَابٌ مِّنَ اللَّهِ لِيُنذِرَ لَكُمْ لَوْمَةً مِّنْهُ لِيُذَكِّرَ الَّذِينَ لَمْ يَرْجِعُوا إِلَى اللَّهِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ۔ تم سے لڑنے کی ہمت نہیں پائیں گے۔ سورۃ حشر میں بھی آتا ہے تم ان کی طرف سے پریشان نہ ہو، یہ تمہارے ساتھ کھلم کھلا جنگ نہیں لڑ سکتے۔ اور اگر ایسا کوئی وقت آ بھی جائے تو یہ لوگ ذلیل و خوار ہو کر رہ جائیں گے ثُمَّ لَا يُنصَرُونَ پھر ان کی ہرگز مدد نہیں کی جائے گی۔ یہ ناکام و نامراد ہوں گے۔

لَنْ تَنَالُوا ۴

ال عمران ۳

درس سی و نہ ۳۹

آیت ۱۱۲ تا ۱۱۵

ضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةَ أَيْنَ مَا تَقِفُوا إِلَّا جَبَلٍ
مِّنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَاءٌ وَبِعَضِبٍ مِّنَ

اللَّهِ وَضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةَ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ

كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ

بِفَيْرٍ حَقٍّ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿۱۱۲﴾

لَيْسُوا سَوَاءً مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ

يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ أَنْاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ ﴿۱۱۳﴾

يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ

وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ

فَلَنْ يَكْفُرُوهُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ﴿۱۱۵﴾

ترجمہ: ان پر ذلت مسلط کی گئی ہے، جہاں بھی وہ پائے جائیں۔ مگر اللہ کی رسی کے

ساتھ اور لوگوں کی رسی کے ساتھ۔ اور وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے، اور مسلط

کی گئی، ان پر مسکنت، یہ اس وجہ سے کہ وہ اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے

تھے اور اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے نافرمانی

کی، اور وہ حد سے بڑھتے والے تھے ﴿۱۱۲﴾ یہ سب کے سب برابر نہیں

ہیں۔ اہل کتاب میں سے ایک امرت ایسی بھی ہے، جو سیدھے راستے

پر قائم ہے۔ وہ اللہ کی آیتوں کو رت کی گھڑیوں میں پڑھتے ہیں، اور وہ سجدہ

ہوتے ہیں (۱۱۳) وہ ایمان رکھنے ہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر، اور اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں۔ اور وہ نیکی کے کاموں میں سبقت کرتے ہیں، اور یہی لوگ نیک نیتوں میں ہیں (۱۱۴) اور جو بھی وہ نیکی کا کام کریں گے، اُس کی ناقدری ہرگز نہیں ہوگی، اور اللہ تعالیٰ پوری طرح باخبر ہے اُن لوگوں سے جو متقی ہیں (۱۱۵)

ربطائیت

گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ جس طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے افضل ہیں، اسی طرح آپ کی امت بھی تمام امتوں سے افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم انہی میں بھی یہ چیز موجود ہے۔ اور لورج محفوظ میں بھی درج ہے۔ اس کے بعد اہل کتاب سے شہوہ کیا گیا کہ اگر وہ بھی نبی آخر الزمان پر لے آئے، تو بہترین امت میں شامل ہو جاتے، اور یہ اُن کے لیے بہتر ہوتا۔ مگر وہ اپنے باطل عقیدے پر اڑے رہے۔ پھر فرمایا ان میں سے کچھ ایمان والے بھی ہیں مگر اکثر نافرمان ہیں۔ پھر اہل ایمان کو تسلی دی گئی کہ ان سے کوئی خطرہ محسوس نہ کر۔ یہ لوگ تمہیں نہ بانی حد تک ٹوستائیں گے۔ مگر تمہارا کوئی نقصان نہیں کر سکیں گے۔ اگر تمہارے مقابلے میں آئیں گے، پٹھہ دکھا کر بھاگیں گے۔ چنانچہ نزول قرآن کے زمانے میں خیبر کے یہودیوں کو شکست ہوئی، مدینے کے اطراف میں آباد یہودی قبائل بنی نضیر، بنی قریظہ اور بنی تیغاع ذلیل و خوار ہوئے۔ تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں کے مقابلے میں یہودیوں نے شکست فاش کھائی، شام اور مصر کے علاقے ان سے پاک ہوئے۔ اور جب تک مسلمانوں میں صلاحیت اور تہی کا جذبہ قائم رہا، وہ یہودیوں پر غالب رہے۔ پھر ساتویں صدی میں مسلمانوں کا انحطاط شروع ہوا، جو گذشتہ آٹھ صدیوں سے جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب خصوصاً یہودیوں کے متعلق فرمایا صَبَّ عَلَیْھُمْ الذِّلَّةُ اِنَّھُمْ کَانُوْا قٰفِرِیْنَ ان پر ذلت مسلط کر دی گئی، جہاں بھی وہ پائے جائیں۔ جبکہ انہوں نے اللہ کی کتاب میں تحریف کی ہے اور برائیوں میں ملوث ہوئے ہیں، اُس وقت سے ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔ قرآن میں یہودیوں کی ذلت کا ذکر

یہودیوں کی ذلت

ہست سے دوسرے مقامات پر بھی موجود ہے ان کی رسوائی کے متعلق پہلی بات تو یہ ہے۔ کہ یہودی سیاسی عروج اور اقتدار سے محروم کر دیے گئے ہیں۔ گذشتہ اڑھائی ہزار سالہ تاریخ سے ظاہر ہے کہ دنیا کے کسی خطے میں انہیں اقتدار حاصل نہیں ہوا۔ اُس سے پہلے ان کی عظیم الشان سلطنتیں تھیں، مگر اب اُس سے محروم ہیں۔ اور محکومی کی زندگی بسر کر رہے ہیں اِن کا ثقافتی کامیابی مطلب ہے کہ یہ لوگ جہاں کہیں بھی ہیں ذلیل و خوار ہو کر رہی گذر اوقات کر رہے ہیں۔

یہودیوں کی ذلت کی دوسری بات یہ ہے۔ کہ یہ لوگ عزت نفس سے محروم ہے ہیں۔ کہ وہ ڈرتے ہونے کے باوجود بھکاریوں کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ مال سے محبت، ہر کام میں سازش اور ہر قوم سے مکاری اور چالاک ان کی خصوصیت رہی ہے۔ ان کو کہیں بھی آرام سے بیٹھنا نصیب نہیں ہوا۔ ایک جگہ شہرت کی تو دوسری جگہ چلے گئے وہاں سازش کی تو دریاں سے نکالے گئے۔ گذشتہ تاریخ سے واضح ہے کہ دنیا کی کوئی قوم انہیں عزت کی نگاہ نہیں دیکھتی تھی۔ کچھ عرصہ پہلے تک نصاریٰ سے بھی ان کی ایسی ہی ان بن تھی۔ جیسے مسلمانوں کے ساتھ۔ یہودی کبھی عیسائیوں کے ماتحت ہے، کبھی مسلمانوں کے اور کبھی دیگر اقوام کے دست نگر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، یہ جہاں بھی پائے جائیں، ان پر ذلت و رسوائی مسلط ہو گی اِنَّ مَّجِبِلَ مِّنَ اللّٰهِ ہاں! اگر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیں گے تو رسوائی سے بچ جائیں گے، بعض مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ اللہ کی رسی سے مراد تورات کی وہ کچی کچی رسیں ہیں جن پر یہ لوگ عمل کرتے تھے ہیں۔ گویا تورات سے کس حد تک وابستگی کی بنا پر یہ دنیا میں جیسی کیسی زندگی گزار رہے ہیں۔ اگر اتنا بھی نہ ہوتا، تو یہ لوگ صفحہ ہستی سے مکمل طور پر مٹ چکے ہوتے، بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ کی رسی سے مراد اللہ کا عہد و پیمانہ ہے، لہذا اگر یہ ایمان قبول کر لیں۔ تو عزت کی زندگی گزار سکتے ہیں۔

جل اور
جل الناس

فرمایا یہودیوں کے دنیا میں زندہ رہنے کی دوسری صورت یہ ہے۔

وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ کہ دو سکر لوگوں کے ساتھ معاہدہ کر کے ان کی ماتحتی میں رہنا قبول کر لیں، تو پھر بھی ذلت سے بچ جائیں گے۔ بعض مفسرین نے حَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ کا ترجمہ اللہ کی دستاویز اور حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ کا ترجمہ لوگوں کی دستاویز کیا ہے۔ مقصد ایک ہی ہے۔ کہ یا تو رات سے کسی حد تک لگاؤ کی وجہ سے یا پھر دوسری اقوام کے ساتھ عہد و پیمانہ کر کے گزر اوقات کر سکیں گے۔ دوسرے لوگوں کی ماتحتی قبول کرنا ہوگی اور ان کی رعیت بن کر رہنا پڑے گا، شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ یہی تفسیر کرتے ہیں۔ بعض مفسرین نے حبل کا معنی اذمہ کیا ہے یعنی اللہ کا ذمہ اور مسلمانوں کا ذمہ۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کو اپنی امان میں لے لے یا مسلمان ان کی حفاظت کی ذمہ داری اٹھائیں تو ذلت سے بچ سکیں گے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ناس سے مراد عام لوگ ہیں۔ اگر کوئی دوسری قوم بھی ان کی پشت پناہی کرنے لگے، تو بھی رسوائی سے بچے رہیں گے۔

محرم اقتدار جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے۔ گذشتہ اڑھائی ہزار سال میں یہودی اقتدار سے محروم ہے ہیں، اور ہمیشہ دیگر اقوام کے ماتحت رہ کر وقت گزارا ہے۔ ان کی سابقہ تاریخ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ انہوں نے تجارت کے بہانے جہاں بھی قدم جمانے کی کوشش کی، ہمیشہ تکلیف اٹھائی، جہن قوم نے ان کو خوب مارا، لوگ جہنوں کو بڑا نام کرتے تھے۔ کہ انہوں نے یہودیوں سے اچھا سلوک نہیں کیا، مگر وہ کہتے تھے کہ تمہیں ان کی شرارتوں کا علم نہیں ہے۔ یہ سازشی لوگ ہیں ان کو ہر وقت شرارت ہی سوجھتی ہے۔ جہاں بھی ہتے ہیں لوگوں کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتے۔ یہ لوگ ترکی میں ہمیشہ ہے ہیں اور اب بھی ہیں مگر اسلامی سلطنتیں ان سے ہمیشہ تکلیف اٹھاتی رہی ہیں۔ مسلمان ان کو رعایا سمجھ کر ان سے نرمی برتتے رہے مگر یہ اپنی فطرت سے کبھی باز نہ آئے۔

اب موجودہ زمانے میں صورتِ حال مختلف ہے۔ تقریباً چالیس سال قبل اسرائیل کی حکومت قائم ہوئی اور یہودیوں کو ٹھکانا نصیب ہوا۔ اس پر یہ یہودیوں

ہونے لگی ہیں کہ کیا قرآن پاک کا دعویٰ معاذ اللہ غلط ثابت ہوا ہے۔ کہ یہودیوں پر دولت مسلط کر دی گئی اور وہ اقتدار سے محروم ہیں۔ اس ضمن میں عرض ہے۔ کہ یہودیوں کی موجودہ حکومت کی اپنی کوئی بنیاد نہیں، ان کا موجودہ اقتدار محض حبیل مِنَ النَّاسِ کی بدولت ہے۔ ناس سے مراد غیر مسلم طاقتیں ہیں، جن میں کچھ عیسائی ہیں اور کچھ دہریہ ہیں۔ آج یہودی اپنی کے دستاویز سے زندہ ہیں۔ بنظر غور دیکھا جائے تو اسرائیل کو چار عالمی طاقتوں امریکہ، برطانیہ، فرانس اور روس کی پشت پناہی حاصل ہے۔ ان میں سے اول الذکر تین عیسائی ہیں اور چوتھی دہریہ ہے۔ اسرائیل ان سب کی مشترکہ چھاؤنی ہے، جسے اردگرد کے مسلمان ملکوں کو تنگ کرنے کے لیے قائم کیا گیا ہے، اسرائیل کا قیام ان چاروں عالمی طاقتوں کی مسلمانوں کے خلاف سازش کا نتیجہ ہے۔ اگر آج یہ تین اسرائیل سے اپنا سایہ اٹھالیں، تو یہودی ایک دن بھی زندہ نہیں رہ سکتے۔ امریکہ اس سازش میں مرکزی کردار ادا کر رہا ہے۔ اسرائیل اپنے اردگرد مسلمانوں پر ظلم کر رہا ہے تل ابیب کی بجائے بیت المقدس کو دار الخلافہ بنایا گیا ہے، جولان کی ہپاٹریوں پر غاصبانہ قبضہ کیا ہے، اور پھر انہیں اسرائیلی اہمیلی کے ذریعے اسرائیل کا حصہ قرار دے لیا ہے، حالانکہ یہ شامی علاقہ ہے، مگر اس ساری کارروائی میں امریکہ خاموش تماشائی بنا ہوا ہے۔ وہ اسرائیل کو زیادتی کرتے سے روک سکتا ہے، مگر دانستہ اس کی پشت پناہی کر رہا ہے۔ اسرائیلی حکومت قائم کرنے والے برطانیہ اور فرانس ہیں۔ امریکہ بھی اپنے مفاد میں ان کے ساتھ شامل ہو گیا ہے، آدھر روس کا مفاد بھی اسی میں ہے۔ کہ مسلمان ملکوں کے درمیان اسرائیل کا یہ شاخسانہ قائم ہے۔ پہلی تین طاقتیں عیسائی ہونے کے باوجود آپس میں بھی درپردہ ایک دوسرے کی مخالفت ہیں مگر مسلمانوں کی مخالفت کے معاملہ میں سب اکٹھے ہیں، روس تو ویسے ہی دہریہ اور منکر خدا ہے، اُسے مسلمانوں سے کیا ہمدردی ہو سکتی ہے۔ البتہ جہاں اُس کا اپنا مفاد وابستہ ہو، وہاں وہ ہر کارروائی کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ بہر حال اسرائیلی حکومت کے قیام اور اُس کی پشت پناہی میں سب شریک ہیں۔

اس وقت دنیا میں مسلمانوں کی آبادی ایک ارب کے لگ بھگ ہے، پچاس
کے قریب خود مختار حکومتیں ہیں مگر ان عیسائی اور ششرا کی طاقتوں نے انہیں اس قدر نیس
کہ رکھا ہے۔ کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کی بددھی نہیں کر سکتے۔ قیام پاکستان
کے وقت مسلمان ممالک مدد کر سکتے تھے، مگر نہیں کی گئی۔ آج کابل کے مجاہدین آزادی
کی جنگ لڑ رہے ہیں، مگر ہماری اپنی حکومت ہمیں سرحد پار جا کر مجاہدین کی مدد کرنے
سے روکے گی، حقیقت یہی ہے کہ یہودی حَبِیلِ مِّنَ النَّاسِ کی وجہ سے
نہ صرف خود زندہ ہیں بلکہ دوسروں کی زندگیوں سے کھیل رہے ہیں۔ بیت المقدس
کی توہین ہو رہی ہے، بیس لاکھ فلسطینی مسلمانوں کو اس سرزمین سے نکال دیا
گیا ہے۔ بہت سے ہلاک ہو چکے ہیں

کچھ ارون میں پڑے ہیں، کچھ لبنان میں ہیں، مگر وہاں
بھی آئے دن ان کے خیموں پر بیماری ہوتی رہتی ہے۔ ان کی بچیاں جیلوں میں
گلی سڑ رہی ہیں، یتیم بچوں کو عیسائی مشنریاں لے گئی ہیں، تاکہ انہیں عیسائی بنایا جا
سکے، مگر دنیا بھر کے مسلمان بے بس ہیں۔ سپر پاورز مسلمانوں کے راستے میں حائل
ہیں۔ مگر یہ ہیں کہ پھر بھی انہی کے گن گاتے ہیں۔ انہی کے طور طریقے اختیار کر رکھے
ہیں، وہ تو مسلمانوں کو عینش و عشرت کے راستے پر ڈال رہے ہیں۔ نئے نئے
فیشن، ٹیلی ویژن، وی سی آر، بڑی بڑی کوٹھیاں اور کاریں، کھیل اور تماشے سب
کچھ مسلمانوں کو خواب غفلت میں سلانے کے لیے کیا جا رہا ہے۔ تاکہ یہ اپنے
پاؤں پر کھڑے نہ ہو سکیں، اپنی مارکیٹ کی خاطر صنعتی ترقی میں رکاوٹ ڈالتے ہیں
آج تک ہم جازوں کے معمولی پرزے تک درآمد کرنے پر مجبور ہیں مسلمان عرب
کا ہوا یا عجم کا، سب ایک ہی ڈگمہ پھیل رہے ہیں۔ غیر اقوام کے اس قدر دست نہرگ
ہو چکے ہیں، کہ ان کے بغیر ایک قدم نہیں چل سکتے۔

بہر حال ہمارا ایمان ہے۔ کہ یہودیوں پر ذلت ہمیشہ کے لیے مسلط کی گئی
ہے۔ اگرچہ اس وقت ان کو ایک پناہ گاہ میسر آگئی ہے مگر صحیح حدیث کے

باق ایک وقت آنے والا ہے، جب میزان کو شجر و حجر بھی پناہ نہیں دیں گے
 اگر کوئی یہودی کسی درخت کے پیچھے چھپا ہوگا، تو وہ درخت پکار کر کہیگا، اے
 مسلمان! یہودی یہاں چھپا ہے، اس کو بچھڑو۔ مسیح علیہ السلام کے دوبارہ نزول
 پر ایسا دور ضرور آنے والا ہے۔ فرمایا ان پر ذلت و رسوائی مسلط کی گئی ہے۔

وَبَاءُ وَبَغْضَبٍ مِنَ اللَّهِ، اور وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے، کیونکہ نافرمانیاں کھتے
 کرتے ان کی فرہنیت ہی بگاڑ گئی وَضُنِي بَيْتٍ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ اور ان
 پر مسکنی وارد کر دی گئی۔ اکثر یہودی اپنے آپ کو مسکین ہی ظاہر کرتے ہیں۔ ہمیشہ سے
 ان کا یہی وطیرہ ہے۔ اور اس کی حسیب یہ ہے ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا
 يَكْفُرُونَ بِالآيَاتِ اللّٰهِ کہ انہوں نے اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیا ہے۔
 وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ الْآيَاتِ اللّٰهِ حَقِّقْ اور اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل
 کیا ہے۔ گذشتہ ادوار میں ایسا ہی ہوتا رہا ہے اور اس زمانے کے یہودی اس
 کا زلمے پر فخر کرتے ہیں، یہ کہتے ہیں کہ ہم اے آباؤ اجداد نے کوئی غلط کام نہیں
 کیا۔ جو لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرنے والے اور خدا کے نبیوں کے قاتل ہیں،
 ظاہر ہے، وہ غضب ہی لے کر لوٹیں گے۔ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا يَهُ اسوجہ
 سے کہ وہ نافرمانیاں کرتے رہے۔ وَكَانُوا يُجْتَدُونَ اور یہ حد سے
 بڑھتے والے لوگ تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہودیوں کی اکثریت تو نافرمان ہی ہے تاہم یہ سب
 کے سب برابر نہیں ہیں اَلَيْسُوا سَوَاءً ان میں سے کچھ فیصدی اچھے بھی ہیں
 ان میں نیک سجت اور سعید رومیں بھی ہیں مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اُمَّةٌ
 قَانِمَةٌ اہل کتاب میں سے ایک گمراہ سیدھے راستے پر بھی قائم ہے۔
 ان اچھے لوگوں کا کام یہ ہے يَتْلُونَ آيَاتِ اللّٰهِ اَنَّا نَسِيْلُوه اللہ
 کی آیتوں کو رات کی گھٹریوں میں پڑھتے ہیں ایسے لوگ ایمان قبول کرتے ہیں۔
 اور حضور خاتم النبیین علیہ السلام کا اتباع کرتے ہیں۔ چنانچہ نزول قرآن کے زمانے

میں سحران کے چالیس عربی النسل عیسائیوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ جوشہ کے بادشاہ سنجاشی نے اسلام کی حقانیت سے متاثر ہو کر حضرت عثمانؓ اور حضرت جعفرؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ وہاں کے اکتیس مزید باشندے بھی ایمان لائے۔ اسی طرح روم میں آٹھ آدمی فوراً مسلمان ہو گئے۔ مدینہ کے حقیقت پسند لوگوں نے بھی اسلام کو لبیک کہا، عبداللہ بن سلامؓ تو حضور علیہ السلام کی پہلی زیارت کرنے پر ہی اسلام سے مشرف ہو گیا۔ مدینے کی اکثریت مشرکوں کی تھی مگر بعض مشرک کو بڑا سمجھتے تھے۔ مدینے کے اطراف میں یہودی آباد تھے۔ ان میں کچھ سعید روہین ضرور موجود تھیں، ان میں بلال بن سحر درہ کا نام آتا ہے۔ محمد بن مسلمہؓ وغیرہ جنابت کا غسل کرتے تھے اور توحید کا تصور بھی رکھتے تھے۔ جب نبی آخر الزمان علیہ السلام کے متعلق سننا تو فوراً ایمان لے آئے۔ بعد کے دور میں بھی بعض پوپرین عیسائیوں نے اسلام قبول کیا ہے۔ ان میں برطانیہ کا مسٹر کوئیم ہے جس کا نام عبداللہ کوئیم رکھا گیا۔ موجودہ زمانے میں محمد اسد ہے۔ یہ جرمنی کا یہودی تھا، مگر اللہ نے سمجھ عطا کی۔ اب وہ فرانس میں ہے۔ اور دین کی خدمت بھی کر رہا ہے۔ راسخ العقیدہ مسلمان ہے۔ پاکستان میں بھی رہ چکا ہے۔ اس نے کئی ایک کتابیں لکھی ہیں۔ موجودہ دور کا محمد کچھ سال تک کی میں ملازم تھا۔ اُس نے اسلام قبول کیا، اُس نے قرآن پاک کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ غرضیکہ سارے کے سارے اہل کتاب بد بخت نہیں ہیں بلکہ ان میں کچھ سمجھدار لوگ بھی ہیں۔

فرمایا اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت کے علاوہ وَهُمْ كَيْسٌ مُّجِدُونَ
یہ لوگ اللہ کے سامنے سجدہ ریز بھی ہوتے ہیں۔ فرمایا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ یہ لوگ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔ جب حضور علیہ السلام
کی سچائی کا علم ہوتا ہے۔ فوراً ایمان قبول کرتے ہیں۔ وَيَا مُّسْرُونَ بِالْمَعْرُوفِ
پھر نہ صرف خود ایمان لاتے ہیں۔ بلکہ دوسروں کو بھی سچی راہ کا حکم کرتے ہیں۔
وَيَسْتَهْوُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ اور پیلانی سے روکتے ہیں یعنی تبلیغ دین کا کام

بھی کرتے ہیں۔ اور پھر ان کی حالت یہ ہو جاتی ہے وَإِسَارِ عَوْبَتٍ
فِي الْحَيَاتِ وہ نیچی کے کاموں میں بے بخت کرنے لگتے ہیں۔ وَأَوْلَادٍ
مِّنَ الصَّالِحِينَ یہی لوگ صالح ہیں۔ یہ اچھے لوگوں کی تعریف بھی ہوگی۔
 فرمایا وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ حَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوا جو بھی نیچی کا
 کام کریں گے، انہی ناقدری نہیں کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ان کی نیچی کو قبول کر کے بہتر
 اجر عطا فرمائیں گے۔ بلکہ حدیث شریف کے مطابق ایسے لوگوں کو دوسرا اجر ملے گا۔
 پہلے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاتے تھے، ایک
 اجر اس ایمان کا ہوگا اور دوسرا اجر حضور ناقم النبیین علیہ السلام پر ایمان لانے کا ہوگا۔
 اس طرح وہ دوسرے اجر کے مستحق ہوں گے۔ فرمایا وَاللَّهُ عَلَيْكُمْ بِالتَّائِبِينَ
اللَّهُ تَعَالَىٰ مُتَقَبِّلٌ یعنی اس سے ڈرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔ اس کے علم
 میں ہے۔ کہ کون لوگ ایسے ہیں، جو کفر و شرک کی برائیوں سے سچ کر نکل جاتے ہیں۔

لَنْ تَنَالُوا ۴

ال عمران ۳

آیت ۱۱۶ تا ۱۱۷

درس چہل ۴۰

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِي عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ
وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَأُولَئِكَ أَصْحَابُ
النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۱۶﴾ مَثَلُ مَا
يُنْفِقُونَ فِي هَذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ
رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْدًا قَوْمٍ ظَلَمُوا
أَنْفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتْهُ ط وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ
أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۱۱۷﴾

ترجمہ: بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، ہرگز نہ کام نہیں آئیں گے ان کے مال اور
نران کی اولادیں اللہ کے سامنے کچھ بھی، اور یہی لوگ دوزخ والے ہیں، وہ اس میں
ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ﴿۱۱۶﴾ مثال اُس کی جو خرچ کرتے ہیں اس دنیا کی زندگی
میں مثل اُس ہوا کے ہے جس میں شدید سردی ہے، جو پینچی ہے ایسی قوم کے
کھیت کرتیوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ پس اس کو ہلاک کر دیا، اور اللہ
نے اُن پر ظلم نہیں کیا بلکہ یہ خود اپنے نفسوں پر ظلم کرتے تھے۔ ﴿۱۱۷﴾

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی عداوت کا ذکر کر کے اُن
کی مذمت بیان فرمائی پھر فرمایا اُن میں سے سائے کے سائے برابر نہیں ہیں، بلکہ
بعض اہل کتاب مہضفت مزاج بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان
رکھتے ہیں، ایسی کا حکم کرتے ہیں اور بُرائی سے روکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں
کی قدر کرتا ہے اور تمام متقیوں کی تیرت، ارادے اور اعمال کو بھی جانتا ہے۔
اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے کفر کرنے والوں کی مذمت بیان کی ہے
پہلے اہل کتاب کی مذمت بیان ہوئی اور وہ جو عداوت بھی بیان ہوئیں جن کی وجہ

دلایلیات

سے وہ سرکشی کرتے تھے۔ پھر ان میں سے بعض کی مدح کا تذکرہ ہوا، اور اب کفر کرنے والوں کی مذمت بیان ہو رہی ہے۔

مال اور اولاد
کا فتنہ

ارشاد ہوتا ہے إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، ایسے لوگ خواہ اہل کتاب میں سے ہوں یا مشرکین میں سے، سب کا ایک ہی معاملہ ہے تاہم اس آیت میں اہل کتاب کی بات چل رہی ہے۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایمان قبول نہ کیا، توحید کو اختیار نہ کیا، حضور خاتم النبیین علیہ السلام کی رسالت کا انکار کیا اور ایمان کے دیگر اجزاء کی بھی تصدیق نہ کی، اُن کے متعلق فرمایا كُنْتُ غَضِيًّا عَنْهُمْ اور اولاد اللہ کے ہاں کچھ بھی کام نہ آئیں گے۔ یہ چیزیں انہیں اللہ کے غضب سے بچانہ سکیں گی۔ دنیا میں انسان بعض اوقات مال کے زور پر بچ جاتے ہیں اور لباً اوقات اولاد بھی بچاؤ کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ مگر اللہ کی بارگاہ میں یہ دونوں چیزیں کام نہ آئیں گی۔ عام طور پر یہ یہ شاہدہ میں آیا ہے کہ اکثر لوگ اپنی دو چیزوں یعنی مال اور اولاد کی وجہ سے گھڑائی میں مبتلا ہوتے ہیں۔ قرآن پاک میں دو کے مقام پر موجود ہے إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ بیشک تمہارا مال اور اولاد فتنہ ہیں۔ فتنہ سے مراد آزمائش ہے۔ انسان ان چیزوں کی محبت میں مبتلا ہو کہ ایمان اور آخرت کو فراموش کر جاتے ہیں، حلال و حرام کی حدود کو توڑتے ہیں، اور اس طرح مال اور اولاد ان کے لیے ذریعہ آزمائش بن جاتے ہیں۔ پھر جب اس آزمائش میں لڑ نہیں اترتے تو ان پر وبال آجاتا ہے۔

دو کے مقام پر فرمایا وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِالْحَيَاتِ تَقْسِيْبِكُمْ عِنْدَ نَارِ لَعْنِي تمہارے مال اور اولاد تمہیں خدا کا قرب نہیں دلا سکتے، قرب الہی تو ایمان، توحید اور اعمالِ صالحہ سے حاصل ہوتا ہے۔ مگر لوگ اس چیز کو بھول کر مال و اولاد کی محبت میں جانتے اور ناجائزہ کی تمیز نہیں رکھتے۔ لہذا انہیں اللہ کا قرب حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے یہ چیزیں اللہ کے ہاں کچھ کام نہ آئیں گی، حضور علیہ السلام کا ارشاد

ہے کہ اولاد انان کے حق میں سبک اور بزوری کا باعث ہے۔ اسی کی خاطر انان آل خمرچ نہیں کرتا اور جہاد میں شریک نہیں ہوتا کہ اولاد کی حفاظت کون کرے گا۔ اسی کی خاطر نبی کے دو سر کاموں سے بھی محروم رہ جاتا ہے۔

ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا لِكُلِّ اُمَّةٍ فِتْنَةٌ ہر امت کے لیے ایک خاص فتنہ ہوتا ہے وَفِتْنَةُ اُمَّتِي الْمَالُ اور میری امت کا فتنہ مال ہے، مال کی محبت کی وجہ سے بہت ہی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ صحیحین کی روایت میں حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔

قَوْلَ اللَّهِ لَا الْفَقْرَ أَخْشَىٰ عَلَيْكُمْ وَلَكِنْ أَخْشَىٰ عَلَيْكُمْ أَنْ تَبْسُطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بَسَطَتْ عَلَىٰ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فِتْنًا فَسَوْهَا كَمَا تَنَا فَسَوْهَا وَتَهْلِكُكُمْ كَمَا أَهْلَكَتَهُمْ

مجھے تم پر فقر کا خوف نہیں۔ مجھے تمہارے متعلق یہ ڈر ہے۔ کہ تم پر دنیا وسیع کمر دی جائیگی، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر کی گئی۔ پھر تم اس میں رغبت کرنے لگو گے جس طرح ان لوگوں نے کی، پھر وہ تم کو ہلاک کر دے گی جس طرح پہلے لوگوں کو ہلاک کیا۔

مقصود یہ کہ دنیا کے معاملے میں تم ایک دو سر سے سبقت حاصل کرنے کی کوشش کرو گے اور پھر وہ تم کو ہلاک کر دیگی۔ اسی لیے فرمایا کہ میری امت کا خاص فتنہ مال ہے۔

مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے، کہ مال انان کا اچھا ساتھی ہے۔ بشرطیکہ وہ اس میں سے اللہ کا اُس کے بندوں کا حق ادا کرے۔ اور اگر حق ادا نہیں کرتا، تو یہی مال اُس کے لیے وبالِ جان ہے۔ مال کی جتنی بہتات ہوگی، آرمائش بھی اتنی ہی بڑی ہوگی، فتنے بھی اتنے ہی زیادہ برپا ہوں گے۔ مال کے فتنہ کی وجہ سے ہی اسلام کے نام لیا بڑی اور عیاشی میں مبتلا ہیں۔ فضول امور میں حشرچ

کا کوئی فائدہ ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ بات ایک مثال کے ذریعے سمجھائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا مَثَلُ اُسْ كِي جو خرچ کرتے ہیں، اہل ایمان اُس نہیں جو کچھ خرچ کرتے ہیں، وہ اللہ کی رضا کے لیے کرتے ہیں، اور اس کا بدلہ اللہ کے ہاں یقیناً بہتر ملے گا۔ مَثَلُ الْكٰفِرِيْنَ كَمَثَلِ الْكٰفِرِيْنَ كَيْفَ مَعَالِمٌ كَيْفَ ہوگا۔ بُرءِ كَامُوْلٍ مِّنْ خُرُوْجٍ كَمَنْعَةٍ کے علاوہ وہ لوگ بعض اوقات اچھے کاموں پر بھی خرچ کرتے ہیں۔ عَنْبِيُوْلٍ كِي اَمَلُوْا كَمَنْعَةٍ ہیں، سکول اور ہسپتال قائم کرتے ہیں، یتیم خانے تعمیر کرتے ہیں، پل اور سرائیں بنواتے ہیں، اور اپنے اپنے مذہب کے مطابق نیچے کے دوسرے کاموں میں روپیہ صرف کرتے ہیں۔ تو ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اِنَّ كَيْفَ خُرُوْجٍ كَيْفَ مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْهَا صٰحِبُوْ جیسے ہوا ہو جس میں سخت سردی ہو۔ اَصْحَابَتْ حَرًا فَوَظَكَمُوْا اَلْفَاْسَهُمُوْ یہ سرد ہوا ایسی قوم کی کھیتی پر آئی ہو جس نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ کھیت پک کر تیار ہو رہا ہے، اناج سے بھرا پڑا ہے۔ خوب لہلہا رہا ہے۔ اتنے میں سخت ٹھنڈی ہوا آتی ہے فَاَهْلَكَ كَمَنْعَةٍ اس کو ہلاک کر دیتی ہے۔ اچھی بھلی کھیتی دیکھتے ہی دیکھتے تباہ و برباد ہو جاتی ہے اور اس کے مالک منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ فرمایا کفر کرنے والوں کے خرچ کی مثال ایسی ہی ہے۔ وہ اس دنیا میں رفاہ عامہ کے کاموں پر خرچ کر کے خوش ہو رہے ہیں کہ ان کا خرچ کیا ہوا مال انہیں بہت فائدہ لے گا۔ مگر حقیقت میں اللہ کے ہاں اس خرچ کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ جس طرح کھیتی کا مالک اناج کی آس لگائے بیٹھا تھا، مگر سب سے برباد کر کے رکھ دیا، اسی طرح مال خرچ کرنے والے کافر امید کریں گے، کہ مال خرچ کرنے کے عوض ان کو اجر عظیم ملیگا، مگر ان کا یہ سارا کیا کر لیا حکم ضائع ہو جائے گا۔ اور ان کے لیے کچھ مفید نہ ہوگا۔

فرمایا وَصٰظَلَمُوْهُمُوْا اللّٰهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے آخرت میں ایسے لوگوں کو اجر سے محروم کر کے ان پر کوئی زیادتی نہیں کی۔ بَلٰكِيْنَ اَلْفَاْسَهُمُوْا كِيْظَلَمُوْا انہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آخرت میں عمل کی مقبولیت کے

ذہن میں
شہرت

یے ایمان، صحیح عقیدہ اور اعمالِ صالحہ کی شرط لگائی ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا فَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ "اجرا اس کو ملے گا۔ جو ایمان لانے کے بعد اعمالِ صالحہ انجام دے گا، جس کا ایمان ہی درست نہیں ہے جس کا عقیدہ ہی صحیح نہیں۔ جو توحید پر قائم نہیں، اس کے نیک اعمال بھی آخرت میں کچھ کام نہ آئیں گے۔ ایسے لوگوں نے بد عقیدگی اختیار کر کے اپنے اندر مسک مادہ پیدا کر لیا ہے، جو ان کے صحیح اعمال کو بھی ضائع کر رہا ہے۔ البتہ ان کے دنیا میں اچھے کام ان کے لیے دنیا میں ہی عزت، شہرت، وجاہت اور وقار کا باعث بن سکتے ہیں۔ یہ چیزیں تو ان کو دنیا میں ہی حاصل ہو جاتی ہیں، لہذا آخرت میں ان کے لیے کوئی حصہ باقی نہیں رہتا۔ کافروں کے علاوہ منافقوں کا بھی یہی حال ہے۔ سورۃ توبہ میں موجود ہے۔ کہ منافقوں کا خرچ کردہ مال ان کے لیے کیوں مفید نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ اس کو کیوں قبول نہیں کرتے، اس واسطے کہ ان کے دل و دماغ ناپاک ہیں، ان کے دل نفاق سے بھرے ہوئے ہیں اور ان کے اخلاق بگڑ چکے ہیں۔ یہی حال کفر کرنے والوں کا ہے۔ کہ ان کا عقیدہ فاسد ہے۔ اس لیے ان کے نیکی کے کام بھی آخرت میں بے سود ہونگے البتہ اس دنیا میں ان کا بدلہ انہیں عزت و شہرت کی صورت میں مل جائے گا۔

برائی کا
اثر نیکی پر

کفر، شرک اور بعض گناہیے ہوتے ہیں، جن کا اثر انسان کی نیکیوں پر پڑتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا، جو شخص ایک دفعہ شراب پی لینا ہے، چالیس دن تک اس کی نیکیاں یعنی نماز و عینہ قبول نہیں ہوتی اگرچہ اس کے ذمہ سے نماز ادا تو سمجھی جائے گی، مگر وہ بارگاہ الہی میں اس وقت تک قبول نہیں ہوگی جب تک شرابی صدق دل سے توبہ نہ کر لے۔ ایک اور صحیح حدیث میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، جو شخص حرام کا ایک لقمہ پیٹ میں ڈالتا ہے، چالیس دن تک اس کی عبادت قبول نہیں ہوتی، حرام کہ اتنا شدید اثر ہوتا ہے۔ ہاں اگر توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ معاف کرے تو اللہ ہے۔

بہر حال فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کفر کفرے والوں پر ظلم نہیں کیا۔ بلکہ اللہ نے تو ان پر احسان کیا، جسم دیا، صحت و توانائی دی، حواس ظاہرہ اور باطن سے لوازمات عقل و شعور جیسی نعمت دی، انبیاء مبعوث فرمائے، کتابیں نازل فرمائیں تاکہ انسان ہدایت کا راستہ اختیار کریں۔ ان تمام اسباب کی فراہمی کے بعد بھی اگر کوئی کفر کا راستہ اختیار کرتا ہے تو وہ خود اس کا ذمہ دار ہے۔ اللہ نے ان پر زیادتی نہیں کی۔ کیونکہ وہاں رَبَّكَ بِظُلْمٍ لِّلْعَبِيدِ، اور اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا وَمَا اللّٰهُ بِسَيِّدٍ ظَلَمًا لِّلْعَبَادِ اللہ تو اپنے بندوں پر زیادتی کرنے کا ارادہ بھی نہیں فرماتے۔ یہ تو خود انان ہیں وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ جو خود اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔ اپنے ایمان اور عقیدے کو خراب کرتے ہیں بڑے اعمال انجام دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا۔ یہ بڑے اعمال تمہاری اپنی کھائی ہن اب اس کا بھگتناں کرو۔ اگر نیکی انجام دی ہے۔ تو اللہ فرمائے گا اشکر ادا کرو کہ میں نے تمہیں نیکی کی توفیق بخشی جس کا آج اچھا بدلہ مل رہا ہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے کافروں کے خرچ کردہ مال کی حیثیت کو ایک مثال کے ذریعے واضح کر کے بات سمجھا دی کہ ایمان کے بغیر کوئی عمل اللہ کے ہاں قابل قبول نہیں ہوگا۔

لَنْ تَنَالُوا

ال عمران ۳

درس چہل ویک ۱۲

آیت ۱۱۸

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةً مِّن دُونِكُمْ
لَا يَأْتُونَكُم بِخَبْرٍ وَلَا يَتَّبِعُونَكُم مَّا وَعَدْتُمْ قَدْ بَدَتِ
الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ مِمَّا تَخْتَفِي صُدُورُهُمْ
أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِنْ كُنْتُمْ
تَعْقِلُونَ ﴿۱۱۸﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! نہ مخلص دوست نہ بناؤ اپنوں کے سوا دوسروں کو۔ وہ تمہارے
حق میں خرابی پیدا کرنے میں کمی نہیں کرتے۔ وہ اس چیز کو پسند کرتے ہیں جو تمہیں
مشقت میں مبتلا کرے۔ تحقیق دشمنی ان کے مونوں سے ظاہر ہو چکی ہے،
اور جو کچھ ان کے سینے چھپاتے ہیں، وہ بہت زیادہ ہے، تحقیق ہم نے
تمہارے لیے آیتیں بیان کر دی ہیں، اگر تم عقل رکھتے ہو ﴿۱۱۸﴾

اہل کتاب کی خرابی، دشمنی اور عداوت کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ اور پھر یہ بھی بیان
ہو چکا ہے کہ ان کے مال اور اولاد اللہ کے ہاں کچھ کام نہ آئیں گے، جو مال وہ
اسلام دشمنی کے لیے یا نیکی سمجھ کر خرچ کرتے ہیں وہ بھی رائیگاں جائے گا۔
اللہ تعالیٰ نے ایسے مال کی حیثیت کو ایک مثال کے ذریعے واضح کیا۔ کہ
جس طرح کسی عمرہ فضل کو ٹھنڈی ہوا، تباہ کر دیتی ہے۔ اسی طرح کھڑ کر نیوالوں کے
خرچ کر دہ مال بھی ضائع ہو جائیں گے۔ وجہ ظاہر ہے۔ کہ عقیدے کی خرابی
اور معاصی نیکیوں کو برباد کر دیتے ہیں۔ اس کے نتیجے کے طور پر اللہ تعالیٰ
کسی پر زیادتی نہیں کرتے بلکہ وہ لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ اب

اج کے درس میں اہل ایمان کو تنبیہ کی جا رہی ہے۔ کہ مسلمان اہل کتاب کی اسلام دشمنی کے پیش نظر ان کو اپنا مخلص دوست نہ بنائیں

مخلص دوست

ارشاد ہوتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَتَّخِذُوا
بِطَانَةَ مَنْ دُونَكُمْ انہوں کے سوا دوسروں کو اپنا مخلص دوست
 نہ بناؤ۔ یہاں پر بطانہ کا لفظ آیا ہے جو کہ خاص الخاص راز داروں دوست کے لیے
 استعمال ہوتا ہے۔ اس کے لیے بطانۃ الرجیل بھی بولا جاتا ہے عربی
 زبان میں بطانۃ استرعینی کوٹ کے اندر لگائے جانے والے کپڑے کو بھی
 کہتے ہیں، گویا یہ ایسی چیز ہے، جو داخلی طور پر استعمال ہوتی ہے۔ حدیث شریفہ
 میں آتا ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انصار مدینہ کے متعلق فرمایا الانصار
شعائر والناس دثار یعنی انصار میرے لیے ہتھیار، شعائر یعنی چھوڑنے والے
 کپڑے کہ ہیں اور باقی لوگ دثار یعنی باہر والے کپڑے چادر، کیمبل وغیرہ کی مانند ہیں۔
 اس لحاظ سے شعائر اور بطانہ ہم معنی لفظ ہیں۔ اور یہ نہایت ہی مخلص دوست کے
 لیے بولے جاتے ہیں۔ چنانچہ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی اور مولانا شیخ الہند نے بھی
 یہی ترجمہ کیا ہے دُونَكُمْ میں اہل کتاب کھوڑے آتے ہیں، بعض
 مفسرین نے منافقین کو بھی اس زمرہ میں شامل کیا ہے۔ تو مسلمانوں کو نصیحت
 کی جا رہی ہے کہ اہل ایمان کے علاوہ دوسرے لوگوں کو اپنا مخلص دوست نہ بنائیں۔
 دینے میں دو مشہور قبائل اوس اور خزرج آباد تھے۔ یہ مشرک لوگ تھے، اللہ
 نے ان کو ایمان لانے کی توفیق بخشی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ اپنی پرانی دشمنی ترک
 کر کے آپس میں شیر و شکر ہو گئے۔ ان قبائل کے دینے کے یہودیوں سے دیرینہ
 تعلقات تھے، جنہیں وہ اسلام لانے کے بعد نبھاتے رہے۔ مگر یہودیوں کو جو
 ایمان نہیں لائے تھے، اس لیے وہ مسلمانوں کے مخلص دوست نہیں ہو سکتے
 تھے، لہذا اللہ تعالیٰ نے اوس اور خزرج والوں کو بھی منع فرمایا کہ یہودیوں
 کے ساتھ دوستی نہ رکھیں، کیونکہ وہ اسلام اور اہل اسلام کو اچھا نہیں سمجھتے۔ گویا

یہ آیت اوس اور ضرر ج والوں کے حق میں نازل ہوئی۔

مفسرین کرام نے اس آیت کی شان نزول میں ایک اور واقعہ بھی بیان کیا ہے حضرت عبادۃ بن صامتؓ انصار مدینہ میں سے عظیم المرتبت صحابی ہیں، مصر کی فتح کے دوران اسلامی لشکر کے سپہ سالار عمرو بن العاصؓ نے حضرت عبادۃؓ کو مقوقس سے گفتگو کرنے کے لیے نمائندہ نامزد کیا تھا۔ آپ سیاہ رنگ کے دس بالشت قد کے آدمی تھے۔ بڑے عظیم الشان تھے انہوں نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا، حضور! یہاں کے یہودیوں سے میرے مخلصانہ تعلقات ہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں ان کو اپنے ساتھ جنگ میں شریک کر لوں۔ یہ واقعہ جنگ احد یا جنگ خندق کا ہے۔ نبی علیہ السلام نے یہودیوں کی امداد لینے سے یہ کہہ کر منع فرمایا کہ ان سے خیر کی توقع عبت ہے۔ ان سے مسلمانوں کے حق میں نقصان کی توقع ہی کی جاسکتی ہے۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے ساتھ دوستی کرنے سے روک دیا۔ لَاتَصَا حِبُّ الرَّاهُوتِ صِنًا مومن کے سوا کسی سے رفاقت نہ کرو وغیر مومن کی رفاقت سے نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔ لہذا ان سے مخلصانہ دوستی نہ جوڑو۔

فرمایا غیر مسلموں کی دوستی سے اس لیے منع کیا گیا ہے۔ کہ لَا یَأْتُوا بِنِکْحِ خَیْبًا اُوہ تھا سے درمیان فساد برپا کرنے میں کوئی کمی نہیں کریں گے۔ خیال عربی میں فساد کو کہا جاتا ہے۔ غیر مومنوں کی ہمیشہ یہ خواہش ہوگی۔ کہ مومنوں کو کسی نہ کسی طرح نقصان پہنچائیں، انہیں تمہاری خیر خواہی ہرگز منظور نہیں۔ ان سے راز داری قائم کہہ سکتی صورت میں مسلمانوں کو دیتا اور دین دونوں جگہ نقصان ہوگا۔ اس سے پہلے سورۃ بقرہ میں بھی گمز چکا ہے۔ کہ اہل کتاب ہرگز پسند نہیں کرتے کہ اہل اسلام پر خدا کی جانب سے کوئی بہتری نازل ہو یا ان کو اس دنیا میں عزت اور تم قی نصیب ہو، وہ تو چاہتے ہیں۔ کہ مسلمان ان سے زیادہ پستی میں چلے جائیں۔ اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے علاوہ اہل ہندو اور دہریوں کا بھی یہی حال ہے۔ مسلمانوں کی

ترقی اُن کو بھی ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ چنانچہ اسی سورۃ میں پہلے گھڑ چکا ہے۔ کہ ایک مومن کی دوستی ایک غیر مومن کے ساتھ کسی حال میں نہیں ہو سکتی۔ دوستی کے لیے کم از کم نظریات تو یکساں ہونے چاہئیں، مگر ایسا ممکن نہیں۔ یہاں تو صورت حال یہ ہے کہ ”لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ“ بلکہ ”لَسَوْدِیْنَا كَعُرْوٰی دِیْنِ“۔ غیر مسلم گھڑ کو پسند کرتے ہیں، جب کہ اہل اسلام کا منہ تائے مقصود محض ضائع الہی ہوتی ہے۔ لہذا دونوں گروہوں کی آپس میں مخلص دوستی ممکن نہیں۔

اخلاقی
رد اداری

البتہ کسی کے ساتھ اخلاق کے ساتھ پیش آنا الگ چیز ہے۔ اس قسم کے اشارات سورۃ ہذا کے علاوہ سورۃ مائدہ اور سورۃ ممتحنہ میں بھی ملتے ہیں اسلامی ملک میں رہنے والے غیر مسلم جذبہ ادا کر کے اسلامی قوانین کے تحت زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ تاہم انہیں اپنے مذہب پر کار بند رہنے کی مکمل آزادی ہوتی ہے ایسے لوگ ذمی کہلاتے ہیں۔ ذمیوں کی مال و جان اور عزت و آبرو اسی طرح محفوظ ہوتی ہے جس طرح مسلمانوں کی ہوتی ہے۔ انہیں تمام بنیادی حقوق حاصل ہوتے ہیں، مذہبی آزادی کے علاوہ کاروبار اور تجارت میں آزادی حاصل ہوتی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص کسی ذمی کو تگ کرے گا، میں قیامت کے دن ذمی کی طرف سے خدا کے ہاں جھگڑا کر دوں گا، اپنے ذمیوں کو اتنے حقوق دیے ہیں۔ اس کے باوجود فرمایا اُن کے ساتھ دوستانہ فائز نہیں ہو سکتا۔ مخلص ذمی صرف اہل ایمان کے ساتھ ہوگی۔ کبھی کافر کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ خصوصاً یہود و نصاریٰ کے متعلق تو خاص احتیاط کی ضرورت ہے، اس کا تذکرہ آگے اس سورۃ میں بھی اور اس کے بعد بھی آئے گا۔

غیر مسلموں سے دوستی اور رازداری کرنے سے اس لیے منع فرمایا گیا کہ یہ لوگ اہل اسلام کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے لہذا کوئی راز کی بات اُن تک نہیں پہنچانی چاہیے۔ ایسا کرنے سے مسلمانوں کی ترقی اور تبلیغ میں رکاوٹ پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ اسی لیے امام ابو بکر جہاں

کلیدی آیات
پر تفسیری

فرماتے ہیں۔ کہ کسی غیر مسلم کو اسلامی ملک میں کسی کلیدی عہدے پر فائز نہیں کرنا چاہیے۔ انہیں نہ وزیر بنانا چاہیے، نہ مشیر اور نہ ہی پارلیمنٹ کا ممبر منتخب کرنا چاہیے۔ جمہوریت میں تو ایسا درست ہے مگر اسلامی نقطہ نظر سے ناجائز ہے، کسی عیسائی، یہودی، ہندو یا قادیانی کو وزیر یا مشیر یا افواج کا کمانڈر بنا دیا جائے، تو معاملہ بگڑ جائیگا۔ جب کارٹیس کو وزیر قانون بنایا گیا تھا، تو ہم نے اسی وقت کہا تھا کہ جو شخص اسلامی قانون پر ایمان ہی نہیں رکھتا اس کو وزیر قانون کیسے بنایا گیا ہے، پارلیمنٹ کا غیر مسلم ممبر اسلامی قانون کی قانون سازی میں کیسے حصہ لے سکتا ہے۔ مگر یہ بات حکومت کی سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔

حضرت عمرؓ کے دور میں حضرت حذیفہؓ نے اپنا کاتب اہلبیت غیر مسلم کو مقرر کرنا چاہا تھا، مگر آپ نے انکار کر دیا تھا اور فرمایا جسے خدا نے دُور کیا تم اُسے کیوں قریب کرنا چاہتے ہو۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفا میں لکھا ہے۔

تفسیر احکام القرآن میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ کہ وثیق نامی روم کا عیسائی حضرت عمرؓ کا غلام تھا۔ بیٹا فریبین اور اعلیٰ درجے کا حساب دان تھا۔ آپ نے فرمایا اگر تم ایمان لے آؤ تو میں تمہیں کوئی ذمہ داری کا کام سونپ دوں۔ مگر وہ شخص ایمان نہ لایا اور آپ نے اُسے کوئی عہدہ نہ دیا۔ جب آپ زخمی ہو گئے تو اُسے پھر بلا کر ایمان اور عہدہ کی پیش کش کی مگر وہ رضامند نہ ہوا۔ آپ نے اُسے آزاد کر دیا، مگر کوئی عہدہ نہ دیا۔ اس روایت سے دو چیزیں ثابت ہوتی ہیں۔ پہلی یہ کہ اسلام میں جبر نہیں ہے۔ لَآ اِکْرَاهَ فِي الدِّينِ کبھی کو زبردستی مسلمان نہیں بنایا جاسکتا اور دوسری بات یہ کہ کسی غیر مسلم کو اسلامی حکومت میں کوئی کلیدی آسامی پیش نہیں کی جاسکتی۔ اگر ایسا ہوگا، تو اہل اسلام کے لیے لازماً نقصان کا باعث ہوگا۔

مسلمانوں کے
ساتھ بوجہ

غیر مسلموں کی خصالت بیان فرماتے ہوئے فرمایا وَدُّوا مَا عَنِتُّهُم
وہ تمہاری مشقت کو پسند کرتے ہیں۔ دوسرے مقام پر ہے ”وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ
لَا جَعَلْتُمْ كُفْرًا اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مشقت میں مبتلا نہ دیتا۔ ان کی دلی

خواہش یہ ہوتی ہے کہ مسلمان مصیبت میں گرفتار ہوں۔ اور دیکھو قد بدت
الْبَعْضَاءُ مِنْ أَقْوَابِهِمْ اُن کی اسلام دشمنی کی بات بعض اوقات اُن
 کی زبانوں پر بھی آجاتی ہے۔ وہ لاکھ کوشش کریں کہ اُن کی اسلام کے ساتھ دشمنی مخفی
 ہے مگر پھر بھی منہ سے کوئی نہ کوئی بات ایسی نکل جاتی ہے جو اُن کی اندرونی خباثت
 کا مظہر ہوتی ہے۔ ۱۹۷۱ء میں جب مشرقی پاکستان علیحدہ ہوا تو انڈیا کا مذہبی کی
 زبان سے یہ بات نکل گئی تھی کہ ہم نے ہندوستان پر مسلمانوں کی ہزار سالہ حکومت
 کا بدلہ لے لیا ہے۔ اسی طرح انگریز، عیسائی، امریکی، ہنود اور یہود ہمیشہ مسلمانوں کے
 بدخواہ ہی رہیں گے اور اس دشمنی کا اظہار ان کی زبانوں سے وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے
 یہ لوگ قرآن پاک اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا کوئی موقع نہیں چھوڑتے
 ایک انگریز نے یہ ہرزہ سرائی کی تھی کہ مسلمانوں کے آخری نبی تو بادشاہ تھے
 وہ تو نوڈیلوں کے ساتھ کھیلتے تھے تھے (العیاذ باللہ) ایک اور انگریز نے
 کوئی چالیس سال پہلے اپنے کتے کا نام احمد رکھا تھا۔ اس پر ساری دنیا میں احتجاج
 ہوا۔ کوئی اپنے اونٹ کا نام محمد رکھتا ہے تاکہ مسلمانوں کو ذہنی کوفت ہو۔ ایک
 اور خلیفہ نے اپنے رسالے میں حضرت علیؑ کے متعلق لنگور کا لفظ استعمال کیا
 تھا۔ بہر حال اس قسم کی افیت ناک باتیں ہوتی رہتی ہیں۔ اسی لیے خیر مسلمانوں کے
 ساتھ دوستی سے منع فرمایا گیا ہے۔

ان لوگوں نے قرآن پاک کے متعلق بھی اپنی خباثت کا اظہار کیا ہے۔ اُسے
 رجبت پسندانہ کتاب کا نام دیا گیا ہے ملکہ وکٹوریہ کے زمانہ کا وزیر عظیم گید سٹون
 تھا، اُس نے قرآن پاک کو ہاتھ میں لے کر کہا تھا، کہ جب تک یہ کتاب موجود ہے
 دنیا مذہب نہیں ہو سکتی، لہذا اس کتاب کو ختم کرنا ہوگا (غور باللہ) متحدہ ہندوستان
 کے صحیح بات متحدہ کا گورنر سر ولیم پیورنہ صرف عیسائی تھا بلکہ بہت بڑا پادری تھا
 اُس نے کہا تھا کہ انسانیت کی دشمن دو چیزیں ہیں۔ ایک محمدؐ کا قرآن اور دوسری
 اس کی تلوار، جس کے ساتھ وہ جہاد کرتے ہیں۔ اسلام دشمنی کا منہ بولتا ثبوت اُسکی

کتاب (LIFE OF MOHAMMAD) (سوانح محمد) میں موجود ہے۔ یہ ایسی چیزیں ہیں۔ جو اہل اسلام کے لیے نہایت تکلیف دہ ہیں۔ بات وہی ہے۔ کہ اسلام دشمن طاقتیں کبھی مسلمانوں کی خیر خواہ نہیں ہو سکتیں۔ ان کی اندرونی خباثت بسا اوقات ان کی زبانوں پر تو آتی رہتی ہے۔ مگر وہ تَخْفَى صِدْقُهُمْ آگے بڑھ کر جو کچھ ان کے دلوں میں چھپی ہوئی غلاطت ہے، وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ لہذا ان سے ہمیشہ خبردار رہنا چاہیے۔ کوئی راز کی بات ان تک نہیں پہنچانی چاہیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَقَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ ہم نے اپنی نشانیاں اور احکام کھول کھول کر بیان کر دیے ہیں۔ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ اگر تم عقل و شعور رکھتے ہو تو ان پر سختی سے عمل پیرا ہو جاؤ۔ او۔ اگر اس کے باوجود تم غیر مسلموں پر عناد کرو گے ان کو ذمیرہ ہمیشہ بناؤ گے، بڑے بڑے سہمروں پر فائز کرو گے تو پھر بہت بڑے قومی نقصان کے خود ذمہ دار ہو گے۔

لَنْ تَسْأَلُوا ۲

اَلْاَعْمُرَانِ ۳

درس چہل و دو ۲۲

آیت ۱۱۹ تا ۱۲۰

هَآنْتُمْ اَوْلَآءٌ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ
 وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ وَإِذَا الْقُوَّكُمْ قَالُوْا
 اٰمَنَّا بِهِؕ وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلٰىكُمْ اَلَا نَاْمَلُ مِنَ
 الْغٰیظِ قُلْ مَوْتُوْا بِغِيْظِكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ
 بِذٰتِ الصُّدُوْرِ ۙ (۱۱۹) اِنَّ تَمَسَّكُمْ حَسَنَةٌ
 نَّسُوْهُمُزْ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا
 وَاِنْ تُصِیْبُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يُضِرَّكُمْ كَيْدُهُمْ
 شَيْْئًا اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۙ (۱۲۰)

۱۱۹-۱۲۰

ترجمہ: سنو! لوگو! تم ان سے محبت کرتے ہو، اور وہ تم سے محبت نہیں
 کرتے۔ اور تم ایمان رکھتے ہو سب کتابوں پر۔ اور جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے
 ہیں ہم سبھی ایمان لائے ہیں۔ اور جب وہ الگ ہوتے ہیں تو غصے کی وجہ سے
 تم پر انگلیاں کاٹتے ہیں۔ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے تم اپنے ہی غصے سے مرو۔
 بیشک اللہ تعالیٰ سینے کے رازوں کو جانتا ہے (۱۱۹) اے اہل ایمان! اگر تم
 کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو ان کو بُری لگتی ہے۔ اور اگر تم کو کوئی بُرائی پہنچتی ہے
 تو اس کے ساتھ خوش ہوتے ہیں۔ اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو ان کی
 تدبیر کچھ نقصان نہ پہنچائیگی۔ بیشک اللہ تعالیٰ احاطہ کرنے والا ہے، اس کا
 جو کچھ وہ عمل کرتے ہیں (۱۲۰)

اہل کتاب کی عداوت اور دشمنی کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب

مشترکین اور منافقین سے دوستی کرنے سے منع فرمادیا۔ اور خبردار کر دیا کہ ان کو اپنے
 دلی راز دان نہ بناؤ، ورنہ وہ تمہارے درمیان فتنہ و فساد کی آگ بھڑکادیں گے۔ ان کی
 حالت یہ ہے کہ جو چیز تمہیں مشقت میں ڈالتی ہے، وہ اس کو پسند کرتے ہیں
 ان کی اسلام دشمنی بسا اوقات ان کی زبانوں پر آجاتی ہے۔ اس کے علاوہ تمہارے
 خلاف جو بعض عباد ان کے دلوں میں پوشیدہ ہے وہ بہت زیادہ ہے۔
 اس کو اللہ ہی جانتا ہے۔ تم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے
 تمام احکام کھول کر بیان کر دیے ہیں۔ اگر تم عقل و شعور رکھتے ہو، تو ان کو سمجھ جاؤ
 اور غیر مسلموں کو اپنا دلی دوست نہ بناؤ، نہ ہی ان کو راز سے آگاہ کرو، انہیں مزید
 اور مشیر بھی نہ بناؤ، کہ اس طرح تمہاری اندرونی باتیں ان تک پہنچتی ہیں، جو تمہارے
 نقصان کا باعث بنتی ہیں، وہ تمہاری کامیابی پر کبھی خوش نہیں ہوں گے، لہذا ان
 کی ہر وقت کوکشتن یہ ہوگی کہ تم کسی نہ کسی طرح ناکام ہو کر مصیبت میں گرفتار
 ہو جاؤ۔

اسی سورۃ میں تیسرے پارہ میں احکام بیان ہو چکے ہیں۔ کہ مومن کی دلی دوستی
 کسی صورت میں بھی کافر کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ البتہ ذمیوں کے ساتھ یا ایسے
 لوگوں کے ساتھ جن کا مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ ہو، ان سے نیکی اور احسان کا
 سلوک روا ہے۔ جو غیر مسلمان مسلمانوں سے برسر پیکار نہیں، نہ وہ اپنے ہاں
 کے مسلمانوں کو ملک بدر کرتے ہیں، ان کے ساتھ اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرنے
 کا حکم دیا گیا ہے **اَنْ تَبْرُوهُمْ وَتَقْسِطُوا اِلَيْهِمْ** لکے ساتھ نیکی اور انصاف کرو
 تاہم دلی دوستی اور رازداری ان کے ساتھ بھی نہیں ہو سکتی۔

افشائے
 راز

حاطب بن ابی بلتعنہؓ بنیادیہ صحابی رسول ہیں۔ آپ جنگ بدر میں بھی شریک
 ہوئے، مگر یہ ایک معاملہ میں لغزش کھا گئے۔ ان کے بچے ابھی تک مکہ میں تھے
 قریش مکہ کی طرف سے اپنے بچوں کے لیے خیر سگالی کے جذبات حاصل کرنے
 کے لیے انہوں نے مسلمانوں کے مکہ پر حملہ آور ہونے کا راز مکہ والوں کو

پہنچانے کی کوشش کی۔ ایک عورت کو اس غرض کے لیے خط دیجر مکہ روانہ کیا۔ حضور علیہ السلام کو اس بات کی خبر بذریعہ وحی ہوئی، تو آپ نے سوار بھیج کر اس عورت کو راستے میں ہی جالیا اور اس سے خط برآمد کر لیا۔ عاتب بن ابی بلتعنہؓ سے پوچھ گچھ ہوئی، انہوں نے اپنی مجبوری کا اظہار کیا اللہ کے رسول نے اس کی تصدیق کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ ممتحنہ کی آیات نازل فرمائی "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ لِمَن آءَامَانَ وَالْوَالِدَا مِيرَاثُ لِمَن لَّمْ يَكُنْ أَدُوًّا لَّكُمْ فَبِمَا رَزَاكُمَا اللَّهُ لَتَكُونَا رَاضِيَيْنَ بِهِ بَعْدَ رَدِّ الْوَعْدِ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ"۔ آئندہ ایسی حرکت نہیں ہونی چاہیے۔ آج ہمارے گرد و پیش یہی کچھ ہو رہا ہے۔ کافر، عیسائی، یہودی اور دوسرے طاقتیں مسلمانوں کے اندرونی محاکمات میں دخیل ہو رہی ہیں۔ مسلمان اپنی نالائقی کی وجہ سے اپنے مشن سے ہٹ چکے ہیں، نتیجہ یہ ہے کہ ہر معاملے میں انھی کو راز دار بنا جا رہا ہے۔ ان سے ٹوکے طلب ہوتے ہیں، اور پھر وہی لوگ اندرونی راز حاصل کر کے مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ ان کی ترقی میں رکاوٹ ڈالتے ہیں، تاکہ وہ ہمیشہ انہی کے دام میں گرفتار رہیں۔

خلافت اسلامیہ

اس وقت دنیا میں سچاس کے قریب اسلامی حکومتیں ہیں مگر کوئی بھی اپنی رائے میں آزاد نہیں ہے۔ سب غیر مسلموں کے دستِ نگر ہیں۔ تمام اہم امور انہی کے مشورے سے انجام پاتے ہیں۔ جب سے خلافتِ تہذیبی کا خاتمہ ہوا ہے مسلمانوں کا وقار ختم ہو گیا ہے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے اپنے خطبہ میں لکھا ہے کہ مصر کا ایک انگریز اپنے ملازم سے کہ رہا تھا۔ کہ ہم تمہارے خلیفہ سے بہت خائف ہیں۔ جب کوئی شکایت خلیفہ کے پیش ہوتی ہے وہ اس کے تدارک کی فوراً کوشش کرتے ہیں جس کی وجہ سے کفار کو نہ ہمت اٹھانا پڑتی ہے۔ اگر خلافت کی طاقت نہ ہوتی، تو ہم مسلمانوں کو بہت ذلیل کرتے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب خلافتِ اسلامیہ بالکل گمراہ ہو چکی

تھی۔ اور جب یہ اپنے عروج پر تھی، تو کسی کو مسلمانوں کی طرف اٹھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ اب حالات بالکل بدل چکے ہیں اور مسلمان ہر جگہ غیر مسلموں کے تختہ مشق بنے ہوئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اب مسلمان اپنے مشن کو ترک کر چکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب دنیا میں ان کو عزت کا کوئی مقام حاصل نہیں۔ اب وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی بجائے اخبار کے مشوروں کے سہارے پر چل رہے ہیں، کوئی معاملہ ہو، سیاسیات ہوں یا اقتصادیات، زراعت ہو یا تجارت ہر چیز میں غیر مسلم ذلیل ہیں، حتیٰ کہ تہذیب اور فیشن بھی انہی کا اپنا لیا گیا ہے، وقار تو ان قوموں کو ہوتا ہے، جو اپنے نظریے پر قائم ہوں۔ مسلمان جب تک اپنے مشن پر قائم ہے انہیں دنیا میں عزت و وقار حاصل تھا۔ مگر اب ہم نے مغزوں سے مشورے طلب کر کے خود ان کو اپنا راز داں بنا لیا ہے۔ وہ ہیں اچھا مشورہ دیکھے دے سکتے ہیں۔ وہ تو ہمیشہ ہماری ٹانگ کھینچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مخیرا توام کے ساتھ فری دوستی قائم نہیں کرنی چاہیے۔

محبت
یکطرفہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا هَاتُوا إِلَيْنَا دِينَنَا اور وَلَا تَجْتَبُوا دِينَنَا ایمان والو! تم تو دوسروں سے محبت کرتے ہو اور وَلَا تَجْتَبُوا دِينَنَا مگر وہ تم سے محبت نہیں کرتے مطلب یہ کہ تم تو عیسائیوں، یہودیوں، انگریزوں اور امریکینوں کو اپنا راز دار بنا رہے ہو، ان کو مشیر بنا رکھا ہے، ان سے محبت بڑھا رہے ہو مگر وہ تم سے دلی لگاؤ نہیں رکھتے۔ لہذا ان کے ساتھ تمہاری محبت یکطرفہ ہے۔ محبت ہمیشہ جانبین کی طرف سے ہونی چاہیے۔ تالی دو ہاتھ سے بجاتی ہے، لہذا صرف تمہاری طرف سے یکطرفہ محبت کوئی محبت نہیں، وہ تو اللہ، اس کے رسول اور قرآن پاک کے شدید ترین دشمن ہیں لَا تَجِدُ دِينَ إِلَّا كَدًّا عداوت، لِلَّذِينَ آمَنُوا لِيَهُودٍ مُّسْلِمِينَ کے حق میں سب سے زیادہ دشمن یہودی ہیں۔ اس کے بعد مشرکین اور نصاریٰ کا نمبر آتا ہے۔ اسی لیے فرمایا

کہ صرف تمہاری طرف سے دوستی اور محبت اہل اسلام کے لیے لازماً نقصان کا باعث ہوگی۔

ایمان بالکتاب

فرمایا کہ اہل ایمان اور اہل کتاب میں ایک بنیادی فرق یہ ہے۔ وَلَوْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ
بِالْكِتَابِ كُلِّهِ تم یعنی اہل ایمان تو تمام آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتے ہو۔
 منجانب اللہ ہونے کی حیثیت سے تمہارے نزدیک زبور، تورات، انجیل اور
 قرآن پاک سب برابر ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ هُوَ الَّذِي
 أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ الْقُرْآنَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ اللہ تعالیٰ نے جو بھی کتاب، جس نبی پر نازل فرمائی ہے، خواہ وہ کسی بھی زمانے میں
 نازل ہوئی ہو، اہل ایمان اس کو برحق مانتے ہیں۔ يَقْتَنُوا اللَّهَ تَعَالَىٰ فِي الْأَنْزِلَاتِ
 ہدایت کے لیے کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے ہیں، مگر اہل کتاب قرآن پاک کو
 اللہ کی کتاب نہیں مانتے۔ یہودی ہمیشہ قرآن پاک کی مخالفت میں تمام اخلاقی حدوں
 کو پال کرتے رہے ہیں۔ فرانس کا ایک انگریز نو لٹک نامی ہوا ہے، اُس نے کہا
 کہ محمد پر مری کا دورہ پڑتا تھا (العیاذ باللہ) اور اس دوران، بڑبڑانے سے جو کچھ اُن
 کے منہ سے نکلتا تھا، اُس کو جمع کر کے قرآن بنا دیا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ جو انی
 کے دور میں حضور علیہ السلام کی ملاقات، نسطورا نامی راہب سے ہوئی تھی۔ اُس
 نے جو باتیں آپ کو سکھائیں، وہ قرآن بنا کر پیش کر دیا گیا، کہ خدا کی طرف سے
 نازل ہوا ہے۔ اہل کتاب قرآن پاک کو انسانیت کا دشمن سمجھتے ہیں۔ جب کہ
 ہمارے نزدیک انسانیت کی بہتری کے لیے سب سے اعلیٰ کتاب قرآن کریم
 ہے۔ ان حالات میں جب کہ اہل ایمان اور اہل کتاب کی دوستی کی بنیاد ہی
 نہیں ہے، تو ان کے ساتھ دوستی کیسے ہو سکتی ہے۔ یہ ناممکن ہے۔ اسی
 لیے اللہ تعالیٰ نے منع فرمادیا کہ ان کو رازداری کی بات نہ بنا دینا، ورنہ وہ نقصان
 پہنچائیں گے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے یہودی منافقین کی ایک اور خصلت بیان فرمائی ہے
وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا سَبُّوا الَّذِينَ آمَنُوا جب وہ تم سے یعنی مسلمانوں سے ملتے

منافقین کا
 اظہارِ نفسی

ہیں تو کہتے ہیں۔ کہ ہم ایمان لائے ہیں وَلَاذِ اٰخِلًا عَصَمُوا عَلَیْكُمْ الْاَنْفَاہِرَ
حِنَ الْخِیْطِ اور جب الگ ہوتے ہیں، تو عَصَمَ کے مارے انگلیوں کو چیتے
ہیں۔ جب کسی انسان کی مرضی کے خلاف کوئی چیز واقع ہو جائے تو اسے نہایت افسوس
ہوتا ہے۔ اور وہ اپنی بے بسی کے طور پر عَصَمَ میں دانست پیتا ہے، اور کبھی ہاتھوں
کی انگلیوں کو دانتوں سے کاٹتا ہے اور ہاتھ کی پشت پر دانت لٹکھ کر دیتا ہے
ایسا نہایت عَصَمَ کی حالت میں ہوتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ یہ منافق قسم کے یہودی
بظاہر تو تمہارے ساتھ ایمان کے رشتے جوڑتے ہیں۔ مگر جب تم سے علیحدگی اختیار
کرتے ہیں تو تمہاری ہر کامیابی ان کو سخت گمراہ گزرتی ہے۔ اور وہ عَصَمَ کے
مارے دانست پیتے بلکہ انگلیاں کاٹنے لگتے ہیں۔ اے پیغمبر علیہ السلام! یہ لوگ
آپ کے اور ایمان والوں کے خلاف عَصَمَ سے بھرے بیٹھے ہیں۔ اس صورتحال
بِشَئِءٍ اَنْ سَمِعْتُمْ اَنْ یَّخِیْطُكُمْ تم اپنے ہی عَصَمَ کی آگ
میں جل مرو۔ مفسرین کہہ فرماتے ہیں۔ کہ جب کسی سے قطع تعلق کرنا ہو، تو اسے کوئی
چھتتی ہوئی باب کر دینی چاہیے تاکہ وہ بھڑ جائے کہ اب یہ تعلقات قائم نہیں رہ
سکتے۔ یہ الفاظ بھی اسی قسم کے ہیں۔ جب یہ بات واضح ہوگئی۔ کہ اہل کتاب کے
ساتھ مسلمانوں کا دوستانہ نہیں رہ سکتا، ہم تمام آسمانی کتابوں کو برحق سمجھتے ہیں
مگر وہ قرآن پاک کو آسمانی کتاب ماننے پر تیار نہیں۔ ہم تمام انبیاء کی تصدیق کرتے
ہیں مگر وہ نبی آخر الزمان علیہ السلام پر ایمان لانے کو تیار نہیں تو پھر دوستی کی بنیاد
ہی ختم ہوگئی۔ لہذا ان کو یہ دل شکن بات کہ دی گئی۔ کہ جس عِظَ و عَضِبَ کا اظہار
تم مسلمانوں کے خلاف کر رہے ہو، خود اسی عَصَمَ سے مر جاؤ۔ فرمایا اگرچہ تم بظاہر
ایمان کا اظہار کرتے ہو، مگر یاد رکھو! اِنَّ اللّٰهَ عَلَیْكُمْ حَکِیْمٌ ذٰلِ الصُّمُوْر
اللہ تعالیٰ تمہارے سینوں کے راز یعنی ان میں بھری ہوئی غلاظت سے خوب
واقف ہے، وہ جانتا ہے۔ کہ پیغمبر اسلام، اہل ایمان اور اللہ کی کتاب قرآن پاک
کے خلاف تمہارے دلوں میں کس قدر زہر بھرا ہوا ہے، تمہاری کچھ خباثت تو

تمہاری زبانوں سے بھی بعض اوقات ظاہر ہو جاتی ہے۔ مگر جس چیز کو تم چھپا رہے ہو، اللہ سے کچھ مخفی نہیں۔ وہ تمہیں اس کا بدلہ دے گا۔ پھر اس کی گرفت سے بچ نہیں سکو گے۔

فرمایا اے ایمان والو! اِنَّ تَصَبَّحْتُمْ حَسَنَةً تَنْسَوْهُمُ اَكْرَهْتُمْ
 کوئی اچھائی پہنچے تو منافقین کو ناگوار گزرتی ہے، تمہاری کامیابی دیکھ کر جل جاتے
 ہیں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو، کسی جنگ میں فتح ہو تو ان پر گداز گزرتا ہے
 وَاِنَّ تَصَبَّحْتُمْ سَيِّئَةً لَّيُفْرَحُوا بِهَا اور اگر تم کو کوئی تکلیف پہنچے
 شکست ہو جائے، کچھ آدمی مائے جاہیں۔ مالی نقصان ہو جائے، تو یہ بڑے
 خوش ہوتے ہیں۔ ان حالات میں ان لوگوں سے دوستی کبھی مفید نہیں ہو
 سکتی ہے، کیونکہ ایک مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہوتا ہے۔ دونوں ایک
 دوسرے کے ہمدرد و غم خوار ہوں گے۔ الْمُؤْمِنُ اخُو الْمُؤْمِنِ
 مومن ہر دوسرے مومن کا بھائی ہے اور پھر اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ اِخْوَةٌ
 تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ لہذا دلی دوستی اپنے بھائیوں سے رکھو۔
 دشمنانِ خدا اور دشمنانِ رسول سے لا تعلقی کا اظہار کرو۔ اُن سے دوستی نقصان
 کا باعث ہوگی۔

فرمایا اہل کتاب کی طرف سے ہر قسم کی ضرر رسانی کا دفاع دو طریقوں
 سے ممکن ہے۔ پہلی چیز ہے۔ وَاِنَّ تَصَبَّحْتُمْ سَيِّئَةً لَّيُفْرَحُوا بِهَا
 کے لیے صبر ایک بہت بڑا دفاع ہے۔ صبر ثلث ابراہیمی کے اہم ترین اصولوں
 میں سے ہے۔ سورۃ بقرہ میں ثلث ابراہیمی کے اصولوں کی تشریح آچھی ہے
 توحید، ایمان، ذکر، شکر، صبر، شعانہ اللہ کی تعظیم، نماز، طہارت وغیرہ کا بیان
 مختلف دروس میں آچکا ہے۔ صبر کا مفہوم بڑا وسیع ہے۔ اور اس کی
 ہر موقع پر ضرورت پڑتی ہے۔ مصیبت میں صبر، اطاعت میں صبر، خواہش
 لفضائیہ پہ قابو پالنے میں صبر انسان کو حد اعتدال سے تجاوز کرنے سے روکتا ہے

دفاع کا
 طریقہ

اور پھر اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں کی تعریف بھی بیان کی ہے۔ "إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ" اللہ ہمیشہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اُن کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا۔ بلکہ اِنصافِ یوقی الصِّدْرُونَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ اُن کو قیامت کے دن بغیر حساب کے اجر عظیم عطا کرے گا۔

فرمایا دفاع کا دوسرا طریقہ وَتَتَّقُوا ہے۔ صبر کے ساتھ ساتھ اگر تقویٰ

اعتبار کیے رکھو گے۔ گناہ سے بچتے رہو گے، تو پھر تمہارا پورا پورا دفاع ہو

گا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ سَتِيدًا دُشْمَانِ اسْلَامِ كِي كُوْنِي مَكَارِي

اور حیلہ سازی تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکی۔ نقصان وہاں ہو گا۔ جہاں صبر اور

تقویٰ کا فقدان ہو گا۔ صابریں کا نمونہ دیکھنا ہے۔ تو حضور علیہ السلام کے صحابہ کرامؓ

پر ایک نظر ڈال لو۔ وہ تقویٰ کی اعلیٰ منزل پر تھے۔ انہیں کے نقش قدم پر چل کر

تم بھی صبر اور تقویٰ کے اوزار زیب تن کر سکتے ہو جن کے ذریعے دشمن کے ہر

حملے کا دفاع کیا جا سکتا ہے۔ "إِنَّ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا"

اگر اللہ سے ڈرتے رہو گے، تو وہ ہر مقام پر تمہارے حق میں بہتر فیصلہ کرنا چلا

جانے گا۔ اُس نے ہر میں تمہارے حق میں فیصلہ دیا، فتح مکہ میں تمہاری مدد کی۔

تبوک میں تمہیں فتح عطا کی۔ ہاں بعض اوقات نیچو کاروں کو بھی تکلیف آجاتی ہے

اُس سے گھبرا کر صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ مومن کے لیے

ایسی تکلیف یقیناً اس کے رفع درجات اور درجات کا باعث بنتی ہے۔ اگرچہ

بظاہر نقصان ہوتا ہے مگر حقیقت میں ایک مومن آدمی نفع میں ہی رہتا ہے

الغرض! اللہ تعالیٰ نے اصول بتا دیے کہ اپنے علاوہ عینوں کو رازدار نہ بناؤ۔ اُن

کی مکاریوں کا دفاع صبر اور تقویٰ کے ساتھ کرو، تو تم ہمیشہ مامون رہو گے۔

البتہ ان اللہ بِمَا يَعْمَلُونَ مَرْحِيمٌ اللہ تعالیٰ اُن کے ہر عمل کا احاطہ کرنے

والا ہے۔ اُن کی شرارتوں کی سزا اُن کو ضرور مل کر رہیگی، وہ اللہ کی گرفت سے

بچ نہیں سکتے۔

کُنْ تَنَالُوا ۴

ال عمران ۳

درس چیل و سہ ۴۳

آیت ۱۲۱ تا ۱۲۲

وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّغُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ
لِلْقِتَالِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۲۱﴾ إِذْ هَمَّتْ طَّائِفَتٌ
مِّنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا ط وَ عَلَ اللَّهُ
فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۲۲﴾

ترجمہ :- اور جب آپ بھیج کے وقت نکلا اپنے گھڑ سے آپ ٹھکانے
مقرر کرتے تھے ایمان والوں کے لیے لڑائی کے واسطے، اور اللہ سب کچھ
سنتا اور جانتا ہے ﴿۱۲۱﴾ جب خیال کیا تم میں سے دو گمراہوں نے کہ وہ
بندول ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ ہی ان کا ولی ہے۔ اور چاہیے کہ ایمان والے اللہ
ہی پر بھروسہ کریں ﴿۱۲۲﴾

پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی دشمنی اور عناد کا تذکرہ کر کے ان
کے ساتھ دوستانہ تعلقات استوار کرنے کی جماعت فرمائی اور یہ بھی بتا دیا کہ
جو عناد ان کے دلوں میں پایا جاتا ہے، وہ بہت زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے
اہل ایمان کو بتا دیا کہ تم تمام آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتے ہو، محکمہ اہل کتاب قرآن پاک
کو اللہ کا کلام تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں، فرمایا ان حالات میں تمہاری اہل کتاب
کے ساتھ دوستی کی کوئی گنجائش باقی نہیں۔ اگر ان سے قریبی تعلقات قائم کیے
گئے تو وہ اہل اسلام کو نقصان پہنچائیں گے۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتا دیا کہ
اے ایمان والو! اگر تم صبر اور تقویٰ پر قائم رہو گے، تو اہل کتاب اپنی ملامت
عدوت کے باوجود تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے تمام
اعمال کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

رابطہ آیت

شیخ عبدالقادر جیلانی سے تقویٰ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے آیت کرمہ
 اِنَّ اللّٰهَ يَآمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ پڑھ کر سنادی۔
 آپ کا مطلب یہ تھا کہ تقویٰ سے مراد کفر، شرک اور معاصی سے بچاؤ اور
 عدل و انصاف پر قیام ہے۔ عدل ایک بنیادی اصول ہے جس پر تمام
 بنی نوع انسان کا عمل سپر ہونا ضروری ہے۔ عادل لوگ ہی دنیا میں اچھا نظام
 قائم کر سکتے ہیں۔ اسی عدل کی بدولت اچھی حکومت اور اچھی سوسائٹی معرض وجود
 میں آتی ہے۔ جہاں عدل نہیں ہوگا، وہاں نہ حکومت اچھی ہوگی، نہ سوسائٹی۔
 لہذا مسلمانوں کو سمجھ لینا چاہیے۔ کہ اگر انہیں شکست ہو جائے یا کوئی نقصان اٹھانا
 پڑے، تو ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ ان کے تقوے اور صبر میں خرابی پیدا ہوگئی ہے
 وہ ان ذریعہ اصولوں پر قائم نہیں رہ سکے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر
 تم ان اصولوں پر قائم رہو گے، تو دشمن کی کوئی تدبیر تمہارے خلاف کامیاب
 نہیں ہوگی۔

اب آج کے درس میں دو واقعات کی طرف اشارہ کر کے مثال بیان
 کی جا رہی ہے۔ کہ دیکھو! بدر کے میدان میں اہل ایمان نے اللہ کی ذات پر
 مکمل بھروسہ کیا، تقوے اور صبر کا دامن تھامے رکھا، تو اللہ نے انہیں فتح
 عطا کی، حالانکہ تعداد کے لحاظ سے مسلمان قلیل تھے، اور سامان حرب کی بھی
 شدید قلت تھی۔ دوسری طرف احد کے میدان میں مسلمانوں کی تعداد بدر کی
 نسبت زیادہ تھی، مگر صبر اور تقوے میں کمی آنے کی وجہ سے شکست سے دوچار ہونا
 پڑا۔ آگے جنگ احد کے واقعات تفصیلاً آ رہے ہیں۔ اور اس موقع پر مسلمانوں
 کی طرف سے جو غلطی سرزد ہوئی تھی، اسپر تہنیه فرمائی گئی ہے، کہ آئندہ ایسی چیز
 کا اعادہ نہیں ہونا چاہیے۔

برسنان ۳۳ھ میں جنگ بدر لڑی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایسی شاندار
 فتح عطا کی، جسے سہی دنیا کا یاد رکھا جائے گا۔ قریش مکہ اپنی اس شکست

جنگ احد
 کا پس منظر

سے سخت سیخ بیاہرتے اور اُن کے دلوں میں انتقام کا جذبہ بھڑکنے لگا۔ اوسیف کے جس تجارتی قافلہ کی حفاظت کے نام پر یہ جنگ لڑی گئی، اُس کا سارا منافع مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لیے وقف کر دیا گیا۔ جنگ بدر میں بڑے بڑے ائمہ کفر مائے گئے تھے، کبھی کا باب مارا گیا، کبھی کا بیٹا قتل ہوا، سب غیظ و غضب سے بھرے ہوئے تھے۔ لہذا وہ پوری تیاری کے ساتھ مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہوئے۔

صحابہؓ جب اس حملہ کی خبر مدینہ منورہ پہنچی تو حضور علیہ السلام نے صحابہؓ کو جمع کر کے اُن کا مشورہ طلب کیا، کہ دشمن کا مقابلہ شہر کے اندر رہ کر کرنا چاہیے یا شہر سے باہر کھلے میدان میں۔ اس معاملہ میں واضح طور پر دو رائے تھیں۔ نوجوان طبقہ خصوصاً وہ صحابہؓ جو جنگ بدر میں شامل نہیں ہو سکے تھے، اُن میں جوش و ولولہ تھا، اور وہ دشمن کا مقابلہ باہر نکل کر کرنا چاہتے تھے۔ اُن کی اکثریت تھی۔ تاہم انصار کی اکثریت کی رائے یہ تھی کہ دشمن کی کثیر تعداد کے پیش نظر مقابلہ شہر کے اندر رہ کر کرنا چاہیے اُن کا خیال تھا کہ مجاہدین کے علاوہ عورتیں اور بچے بھی شہر کی جنگ میں شریک ہو سکتے ہیں۔ وہ پھرتوں کی بارش کر کے بھی غنیم کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اس سے پہلے تجربہ بھی یہی تھا۔ کہ شہر پر حملہ آور ہونے والوں کو چنداں کامیابی نہیں ہوتی رہی تھی، لہذا ان لوگوں کا مشورہ یہ تھا کہ شہر میں رہ کر مقابلہ کیا جائے۔ رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کی رائے بھی یہی تھی۔ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی رائے بھی اندرون شہر مقابلہ کرنے کے متعلق تھی۔ چونکہ اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی وحی نہیں آئی تھی۔ اس لیے عام اصول "وَتَسَاءَلُونَكَ فِي الْأَثَرِ" کے مطابق آپ نے مشورہ طلب کیا اور اکثریت رائے کے مطابق شہر سے باہر جا کر مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ یاد ہے کہ مشورہ کرنا اسلام کے اہم اصولوں میں سے ہے حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے، جو بات مشورے سے کی جاتی ہے، اُس میں نقصان نہیں ہوتا۔ پھر یہ بھی ہے کہ مشورہ ہرگز، وناکس سے نہیں ہوتا بلکہ دانا، سمجھدار، متقی

اور صائب اللہ نے لوگوں سے ہوتا ہے۔ یہ ایک الگ اصول ہے جس کی تشریح
اسی سورۃ میں آگے آرہی ہے۔

اس دوران حضور علیہ السلام نے خواب دیکھا، جس کی تعبیر بھی خود آپ نے
بیان فرمادی۔ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے خواب میں ایک ذبح شدہ گائے دیکھی جس
کی تعبیر یہ ہے کہ ہمیں خیر حاصل ہوگی۔ خواب کا دوسرا حصہ یہ ہے۔ کہ میں نے اپنی
نوار ذوالفقار کو حرکت دی تو وہ ٹوٹ گئی اور اس میں دندانے پڑ گئے، اس کی
تعبیر یہ ہے۔ کہ ہمیں ہزیمت ہوگی۔ مؤرخ ابن ہشام لکھتے ہیں کہ تلواریں دندانے
پڑنے کی تعبیر میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اہل بیت کا ایک
شخص شہید ہوگا، چنانچہ سید الشہداء حضرت امیر حمزہؓ اس خواب کی تعبیرینے خواب
کا تیسرا جزو حضور نے یہ فرمایا کہ میں نے ایک محفوظ مقام پر زہر میں ہاتھ ڈالا ہے
آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد مدینہ منورہ ہے۔ الغرض (نبی علیہ السلام کی ذاتی
رائے مدینہ کے اندر رہ کر مقابلہ کرنے کی تھی مگر آپ نے اکثریت کی رائے کو
نیلم کرتے ہوئے باہر نکلنے کا فیصلہ کیا۔ بہر حال حضور علیہ السلام گھر تشریف لے
گئے اور پھر زہرہ پین کر باہر تشریف لائے۔ بعض صحابہؓ نے اس بات پر مذمت
کا اظہار کیا۔ کہ انہوں نے آپ کی ذاتی رائے پر عمل نہیں کیا۔ چنانچہ انہوں نے عرض
کیا کہ اگر آپ کی رائے کے مطابق بہتر یہی ہے۔ تو دشمن کا مقابلہ شہر کے اندر ہی
کیا جائے، مگر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کسی نبی کے لائق نہیں ہے۔ کہ وہ ہتھیار
پین کر رک جائے، لہذا اب باہر نکل کر ہی مقابلہ کرنا ہوگا۔

سوال کی ۱۲ یا ۱۳ تاریخ اور جمعہ کا دن تھا حضور علیہ السلام نے جمعہ کی نماز مدینہ
منورہ میں ادا کی اور اپنے جانثاروں کے ساتھ احد کی طرف روانہ ہوئے۔ ابتداء میں
آپ کے ہمراہ ایک ہزار کا لشکر تھا، مگر جیسا کہ آگے اشارت ملتی ہے، اس
میں سے تین سو آدمی راستے میں سے واپس چلے گئے۔ واقعہ یوں ہوا کہ عبد بن ابی
نے بعض لوگوں کو جنگ سے بدگمان کر دیا۔ ایک تو اس کی شہر میں لڑنے کی رائے

سے اتفاق نہیں کیا گیا تھا۔ دوسرے روز دشمن کے مقابلہ میں مسلمانوں کی قلیل تعداد کے پیش نظر ان کو گھڑ ورمجھنا تھا، لہذا اُس نے بزعم خود ہلاکت سے بچنے کے لیے اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو جنگ سے علیحدہ کر لیا۔ یہ سارے کے سارے لوگ منافق نہیں تھے، مگر چونکہ عبداللہ بن ابی کے زیر اثر تھے، اس لیے اُس کے کہنے میں آگئے۔ بہر حال ان میں سے بہت سے لوگ منافق تھے جو عبداللہ بن ابی کی طرح بظاہر تو ایمان لایچکے تھے مگر اندر سے منافق تھے۔ باقی سات سو افراد کا لشکر احد کے دامن میں صبح کے وقت پہنچا، اور آپ نے اگلے دن صبح کی نماز میں ادا کی۔ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا وَرَاذِعْنَاكَ وَوَدَّكَ اُس وقت کو دھیان میں لائیں جب آپ صبح کے وقت نکلے صِرَٰطِ اَهْلِكَ اپنے گھر سے۔ جس دن آپ احد کے لیے روانہ ہوئے، اُس روز آپ کا قیام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے گھر پر تھا اور وہیں سے آپ ہتھیار بند ہو کر نکلے تھے اسی سے تفسیر بن کریم یہ استدلال کرتے ہیں کہ ام المؤمنین حضور علیہ السلام کے اہلبیت میں شامل ہیں۔ برخلاف اس کے روافض حضرت عائشہؓ کو نہ صرف اہلبیت سے خارج کرتے ہیں بلکہ آپ کو نعوذ باللہ منافق سمجھتے ہیں۔ یہاں پر اهْلِكَ کے لفظ نے شیعوں کے اس باطل عقیدہ کی تردید کر دی ہے۔

میران احد میں پہنچ کر حضور علیہ السلام تَبَوَّءُ الصُّوْمَيْنِ مَقَاعِدَ
لِلْقِتَالِ لِرَاثَةِ کے لیے مومنوں کے ٹھکانے مقرر کرتے تھے جگہ مقرر کرنا، ڈیوٹی لگانا، جنگ کے تقاضوں کے مطابق صفت بندی کرنا وغیرہ سب چیزیں تَبَوَّءُ الصُّوْمَيْنِ مَقَاعِدَ لِقِتَالِہِ میں لاتی ہیں۔ یہ آیت صاف بتلا رہی ہے کہ جنگ بدر کی طرح جنگ احد میں بھی کمان خود حضور علیہ السلام نے کی، آپ کے علاوہ کوئی دوسرا کمانڈر نہیں تھا۔ آپ نے میدان جنگ کا اچھی طرح جائزہ لیا۔ جبل احد پانچ سائیل میں پھیلا ہوا لمبا چوڑا پہاڑ ہے، آپ نے جنگی حکمت عملی کے تحت پہاڑ کے ایک درے کے اوپر عبداللہ بن جبیرؓ کی سرکردگی میں سپاس تیر اندازوں کا ایک دستہ مقرر

فرما دیا۔ اور حکم دیا کہ وہ خوب چوکنے نہیں کہیں دشمن پشت پر سے حملہ نہ کرنے۔
اگر ایسی صورت ہو، تو ان پرتیروں کی باریں کروینا اور اپنی جگہ کھی صورت میں بھی نہ
چھوڑنا۔ مگر اس جماعت سے سخت غلطی ہو گئی جس کا ذکر آگے آئیگا۔ سنر مایا
وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ اللہ تعالیٰ تمام باتوں کو سنتا بھی ہے اور جانتا بھی
ہے۔ بہر حال یہ بات اللہ تعالیٰ نے تمہید کے طور پر یہاں فرمادی، اس کی تفصیل
آگے آئے گی۔

توکل علی اللہ

مدینے کے دو قبیلے بنو سلمہ اور بنو حارثہ تھے۔ ایک اس خاندان سے
تعلق رکھتا تھا اور دوسرا خزرج سے۔ عبداللہ بن ابی ان قبیلوں پر بھی اثر انداز ہوا۔
اور انہیں جنگ احد میں شرکت سے روکنا چاہا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر اس طرح
کیا اِذْ هَمَّتْ طَّائِفَتٌ مِّنْكُمْ اَنْ تَفْتَلِحُوْا وَبَدَا سَلْبٌ مِّنْكُمْ
دو گروہوں نے بزدلی دکھانے کا ارادہ کیا۔ قریب تھا۔ کہ یہ دو قبیلے عبداللہ بن ابی
کے کہنے پر مسلمانوں سے الگ ہو جاتے، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو مضبوط
کر دیا۔ ان کی دستگیری فرمائی اور وہ ثابت قدم ہو گئے۔ اللہ نے ان کی تعریف
فرمائی ہے وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمْ اللّٰهُ تَعَالٰی ہٰی اِن کا کار ساز ہے۔ اس نے عین موقع
پر ان کی مدد فرمائی اور وہ غلطی سے بچ گئے، ورنہ منافقین کی صف میں شامل
ہو جاتے۔ اللہ نے فرمایا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ اہل ایمان کو
چاہیے کہ اللہ پر ہی مکمل بھروسہ رکھیں، فتح و شکست اسی مالک الملک کے ہاتھ
میں ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اس پر بھروسہ کرتے ہوئے حتی الامکان کوشش
کرے۔ اسلحہ جمع کرے، مجاہدین تیار کر کے میدان جنگ میں آتے اور پھر
نتیجہ اللہ کی ذات پر چھوڑ دے۔ فتح و نصرت اسی کی طرف سے ہوگی۔
مومنوں کو ہر حال میں اللہ پر توکل کہہنا چاہیے، کمزوروں، مجبوروں، اور بے سارا لوگوں
کو خدا کی مدد پر بھروسہ کر کے میدان عمل میں آنا چاہیے۔ مسلمان جب تک اس اصول پر عمل کرتے ہیں۔
کامیاب ہوتے، جب صبر اور تقویٰ کا دامن چھوڑ گیا تو نقصان اٹھانا پڑتا۔

لَنْ تَنَالُوا

الْإِيمَانِ ۳

درس چہل چہارم

آیت ۱۲۳ تا ۱۲۵

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ ۖ
فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُشْكُرُونَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ

الَّذِينَ كَفَيْكُمْ أَنْ يُمَدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آلْفٍ
مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُنَزَّلِينَ ﴿۱۲۴﴾ بَلَىٰ إِنْ تَصْبِرُوا
وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُم مِّن فَوْرِهِمْ هَذَا
يُمَدِّكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلْفٍ مِّنَ
الرَّبِيعِ الْمَلَائِكَةِ مَسْوُومِينَ ﴿۱۲۵﴾

ترجمہ: البتہ تحقیق اللہ سے ہے برے کے مقام میں اور تم نہایت کمزور

اور بے سروسامان تھے۔ پس ڈرو اللہ سے تاکہ تم شکر ادا کر سکو ﴿۱۲۳﴾ اور جب آپ

ایمان والوں سے کہہ رہے تھے، کیا تمہارے لیے یہ بات کافی نہیں ہے کہ

تم کو مدد پہنچائے تمہارا پور و درگاہ تین ہزار اتارے ہوئے فرشتوں سے ﴿۱۲۴﴾

کیوں نہیں، اگر تم صبر کرتے رہو گے اور ڈرتے رہو گے، اور تمہارے دشمن

اسی وقت تمہارے پاس آجائیں، تو تمہارا پور و درگاہ پانچ ہزار فرشتوں سے

تمہاری مدد کریگا، جو نشان لگانے والے ہوں گے ﴿۱۲۵﴾

رابطہ آیت گذشتہ آیت میں غزوہ احد کا ذکر تھا اور آمدہ آیات بھی احد ہی سے

متعلق ہیں، تاہم درمیان میں اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر کا بطور مثال ذکر فرمایا

ہے کہ دیکھو! بدر کے موقع پر تم بے سروسامانی کی حالت میں تھے، افرادی قوت

بھی کم تھی، رسد بھی بالکل قبیل تھی۔ مگر تمہارے صبر اور تقویٰ کے درجہ حال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں طاقتور دشمن پر عظیم فتح نصیب فرمائی، اور اب احد کے موقع پر تمہاری پوزیشن بہت بہتر تھی۔ مگر صبر اور تقویٰ کی کمی اور بعض غلطیوں کی وجہ سے شکست کا سامنا کرنا پڑا، اس میں مسلمانوں کی کمزوری اُن کے قائد کی قیادت کے کسی نقص کی بنا پر نہیں تھی، کیونکہ جنگ کی گمان تو خود اللہ کا رسول کمر ہاتھا، بلکہ یہ نقصان دوسرے مسلمانوں کے خود اپنے پیدا کردہ اسباب کی بنا پر ہوا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہاں مسلمانوں کی کمزوری کے اسباب کو رفع کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور آئندہ کے لیے استعداد بننے کی تلقین کی ہے۔ سابقہ غلطیوں کی معافی کا ذکر بھی موجود ہے۔ بہر حال اس سورۃ میں غزوہ احد کے متعلق بہت سی تفصیلات آگئی ہیں۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا آج کے درس میں غزوہ بدر کے متعلق اللہ تعالیٰ کی مدد کا تذکرہ ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَقَدْ كَتَبْنَاكَمُ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ اَلْاٰمَنَاتِ اَلْاٰمَنَاتِ اَلْاٰمَنَاتِ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے آج کے دن تمہیں ایسی باتیں سنائی ہیں جو تمہیں یاد رکھنی چاہئیں۔ اور اس کا نام ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان مدینہ سے سنتر یا اسی میل کے فاصلے پر ہے۔ دراصل جاہلیت کے زمانے میں بدر بن قیس یا امام ابن کثیر کے مطابق بدر ابن ناریں نامی ایک شخص نے اس مقام پر کھو دا تھا، جس کے نام پر، اُس کنویں کا نام بدر مشہور ہو گیا، اور اسی نسبت سے اس جگہ کا نام بھی بدر ہی پڑ گیا۔ چار پانچ میل کا یہ ایک میدانی علاقہ ہے جس کے ارد گرد پہاڑیاں ہیں، تاہم ساحل سمندر سے قریب ہی ہے۔ اس مقام پر بروز جمعہ سترہ ماہ رمضان ۱۸ھ میں اہل حق اور اہل باطل کے درمیان ایک عظیم و تقویٰ پیش آیا جو مسلمانوں کے لیے ہجرت کے بعد سب سے اہم لڑائی تھی۔ اس سے پہلے چھوٹی چھوٹی دو تین جھڑپیں ہو چکی تھیں، تاہم یہ سب بڑا امر نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ انفال میں جنگ بدر کو یوم الفرقان سے تعبیر فرمایا ہے۔ یہ حق و باطل کے درمیان عظیم فیصلے کا دن تھا، جب دنیا کو بتر چل گیا۔ کہ اللہ تعالیٰ اہل حق کی کس طرز

غزوہ بدر

نصرت فرماتا ہے۔ جنگ کی تفصیلات سورۃ انفال میں آتی ہیں۔ امام بخاری اور مسلم وغیرہ نے اپنی کتب میں تنقل باب باندھ کر مختلف جنگوں کا حال بیان کیا ہے اور وہ تمام احادیث جمع کی ہیں، جو اہل اسلام اور دشمنان اسلام کی لڑائیوں کے متعلق ہیں، امام بخاری کی کتاب المغازی میں سب سے پہلے غزوہ بدر کا حال آتا ہے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہاری بدر کے میدان میں مدد کر چکا ہے۔ اس حالت میں وَ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ کہ تم نہایت ہی کمزور تھے۔ اذلتہ، ذلیل کی جمع ہے اور یہ لفظ عربی زبان میں کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کا ایک معنی کمزور اور بے سروسامان ہوتا ہے۔ اور اس موقع سے یہ معنی زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ غزوہ بدر میں مسلمانوں کے پاس صرف ایک یادو گھوڑے، ستر اونٹ اور چند ایک شکستہ تلواریں تھیں، کچھ زہریں بھی تھیں۔ مجاہدین کی تعداد ۳۱۳ یا ۳۱۹ تھی۔ برخلاف اس کے کفار کی تعداد ایک ہزار افراد پر مشتمل تھی، ان کے پاس ایک سو زبردست گھوڑے، ماہر سوار ہر سپاہی کے پاس دو اونٹ اور سامان خورد و نوش کی فراوانی تھی۔ وہ سامان ضرب و حرب سے لیس تھے۔ ظاہر ہے کہ ان کے مقابلے میں مسلمان کمزور اور بے سروسامان ہی تھے، اور یہی اذلتہ کا معنی ہے۔

عربی زبان میں لفظ ذلیل نرم مزاج آدمی پر بھی بولا جاتا ہے۔ جیسا کہ سوقمانہ میں آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی ایک صفت یہ بیان فرمائی ہے۔ اذلتہ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ اَعِزَّةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ یعنی اہل ایمان مومنوں کے لیے نرم مزاج اور کافروں پر سخت ہوتے ہیں۔ گویا مومن آپس میں رحمان و بَيْنَهُمْ کا نقشہ ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کے لیے بڑے ہی نرم مزاج ہوتے ہیں ذلیل کا ایک تیسرا معنی احتیئر اور رسوا بھی ہوتا ہے۔ وَقَعْرُ مَنْ دَسَّاهُ وَ تَذِلُّ مَنْ دَسَّاهُ باری تعالیٰ تو جسے چاہے عزت دے دے اور جسے چاہے ذلیل و رسوا کرے۔ اس معنی کی مثال سورۃ نمل میں بھی ملتی ہے۔ ملکہ سبائے اپنے درباریوں سے کہا تھا۔ کہ جب بادشاہ دوسرے

فرشتوں کے
ذریعے مدد

ملک پر حملہ آور ہوتے ہیں وَجَعَلُوا آعِزَّةً أَهْلُهَا أَذِلَّةً تو وہاں کے مشرفا کو رسوا کر دیتے ہیں۔ بہر حال اس مقام پر اذلتہ کا معنی کمزور اور بے سروسامان ہی زیادہ مناسب ہے۔

تقویٰ
اور شکر

الغرض! اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی علیہ وسلم اور اہل ایمان کو یاد دلایا کہ اُس نے تمہاری اس کمزوری اور بے سروسامانی کی حالت میں عظیم الشان فتح عطا کی۔ غزوہ بدر دنیا کی تاریخ میں ناقابل فراموش جنگ کی حیثیت سے محفوظ ہے فریسی اور انگریز اور بعض دیگر غیر مسلم مفکرین نے اپنی کتابوں میں تسلیم کیا ہے کہ مشرکین مکہ کے خلاف مسلمانوں کی یہ فتح مبین تھی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یادگار فتح عطا فرمائی، لہذا اے مسلمانو! فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُشْكُرُونَ اللہ سے ڈر جاؤ، تاکہ تم شکر ادا کر سکو۔ تقویٰ سے مراد کفر، شرک اور معاصی سے بچنا حد و قیاس کی حفاظت کرنا اور عدل و انصاف پر عمل پیرا ہونا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص اس معیار پر پورا اترے گا، وہ یقیناً شکر گزار ہوگا۔ برخلاف اس کے کافر، مشرک، بد عقیدہ لوگ اس معیار پر پورے نہیں اترتے اس لیے وہ ناشکر گزار ہوتے ہیں مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر اسی صورت میں ادا ہو سکتا ہے کہ انسان تقویٰ اختیار کرے جس کی تشریح میں نے عرض کر دی ہے۔

فرشتوں کے
ذریعے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَإِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ جِبَابِ الْإِيمَانِ اور ان سے کہہ رہے تھے أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ تُقِيمُوا كَمَدَّكُمْ رَبِّكُمْ بِثَلَاثَةِ أَلْفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُنَزَّلِينَ کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے تین ہزار آنگے ہوئے فرشتوں کے ساتھ۔ اس آیت کریمہ کا پس منظر یہ ہے۔ کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں کافروں کی تعداد تو پہلے ہی زیادہ تھی، بعض نے یہ تعداد ایک ہزار لکھی ہے جو زیادہ مشہور ہے اور بعض نے پندرہ سو بھی لکھی ہے۔ اس کے باوجود وہاں یہ مشہور ہو گیا کہ کافروں کی مدد کے لیے کمزورین جاہل مزید لشکر نہ بلائے ظاہر ہے۔ کہ اس خیر سے

مسلمانوں کے جو صلے لپٹت ہوئے کا خطرہ تھا۔ لہذا اس وحشت کو دور کرنے کے لیے اللہ نے اپنے نبی کو بذریعہ وحی یہ بشارت دی کہ مسلمان دشمن کی کثرت تعداد سے خوف نہ کھائیں، اللہ تمہاری مدد کے لیے آسمان سے تین ہزار فرشتوں کو نازل فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی جو صلہ افزائی کے لیے تین ہزار فرشتوں کا ذکر کیا، بلکہ جیسا کہ اگلی آیت میں آرہا ہے، بوقت ضرورت اللہ نے پانچ ہزار فرشتوں کے نزول کا بھی وعدہ فرمایا، مگر حقیقت میں صرف ایک ہزار فرشتوں سے ہی مدد دی گئی۔ اس کی تفصیل سورۃ الفال میں آئے گی۔ بہر حال چونکہ کافروں کو مزید ٹک نہیں پہنچی تھی اس لیے اللہ نے صرف ایک ہزار فرشتوں کے ذریعے ہی مشرکین کو شکست فاش دیدی۔

یہاں پر فرشتوں کے متعلق منزلین کا لفظ فرمایا ہے یعنی اتارے ہوئے، ظاہر ہے کہ یہ فرشتے اللہ ہی کے حکم سے اتارے تھے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کا بیان ہے کہ بدر کے میدان میں میں نے حضور علیہ السلام کے دائیں بائیں سفید بچکھی والے دو آدمیوں کو دیکھا، جو کافروں کا مقابلہ کر رہے تھے وہ گھوڑی پر سوار تھے اور گھوڑی کو کہہ رہے تھے اَفْدُو حَیْرَومَ اے حیْرَوم! آگ بڑھ۔ اتنے میں میں نے ایک کافر راہ ہوا دیکھا۔ فرماتے ہیں میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ایسے لوگ پہلے کبھی نہیں دیکھے یہ کون ہیں، تو آپ نے ارشاد فرمایا، کہ وہ جبرائیل اور میکائیل تھے۔ ان فرشتوں کے اتارنے کی حکمت کا تذکرہ اللہ نے سورۃ الفال میں بیان فرمایا ہے۔

بہر حال یہاں پر اہل ایمان کو تسلی دی گئی کہ وہ ہمت نہ ہاریں۔ بلکہ نصرت الہی پر بھروسہ رکھیں۔ نیز فرمایا بسلی کیوں نہیں۔ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا اگر تم صبر کرتے رہو۔ بدر کی جنگ میں واقعی مسلمانوں نے صبر کا عظیم مظاہرہ کیا۔ صبر اور بے قراری متضاد چیزیں ہیں۔ صبر روح کی صفت ہے اور بے قراری نفس کی صفت ہے۔ جب روح کی صفت نفس کی صفت پر غالب

آحائے، نو انسان کو اطمینان قلب حاصل ہو جاتا ہے۔ صبر بہت بڑی صفت ہے۔ اور اس کا امتحان مصیبت کے وقت، اطاعت کرنے کے موقع پر اور معاصی کے ارتکاب کے وقت ہوتا ہے۔ یہ نیت ابراہیمی کا بہت بڑا اصول ہے۔ اسی لیے مسلمانوں سے فرمایا کہ اگر تم صبر کرتے رہو گے وقت تقویٰ اور تقویٰ اختیار کرتے رہو گے۔ تقویٰ کے متعلق بھی بہت کچھ بیان ہو چکا۔ اگر انسان کو تقویٰ کی دولت حاصل ہو جائے، تو اس کے لیے شریعت کے احکام پر چلنا نہایت آسان ہو جاتا ہے۔ یہ بھی ایک عظیم صفت ہے۔ جسے حاصل ہو جائے۔ اسی لیے فرمایا

وَيَا تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ اَلَّذِينَ تَتَّقُوا لِيْهِمْ جَزَاءٌ مِّنْ عِندِ رَبِّهِمْ فِيْ يَوْمٍ عَظِيْمٍ

میں اچانک آجائیں، دشمن کو پیچھے سے مزید کھمک پہنچ جائے تو پھر بھی تم جی نہ مارنا، گھبرانا نہیں، اِيْمٰنُكُمْ رَبُّكُمْ بِكُمْ بِخَمْسَةِ اَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ اللّٰهِ تَهَارِي مَدِيَا بِيْخ مِزَار فَرَشْتُوْنَ سَے کمرے کا مطلب یہ کہ اگر دشمن کی تعداد بڑھ جائیگی، تو ان کے مقابلے کے لیے اللہ تعالیٰ فرشتوں کی فوج بھی بڑھا دیگا، اس لیے ہمت نہ ہاریں۔

آگے ان فرشتوں کی صفت بیان کی مَسْوُوْمِيْنَ وہ نشان لگانے والے ہوں گے، ہر قوم کے اپنے جتنی نشان ہوتے ہیں۔ آج کل کے دور میں ٹینک، توپ، بندوق، ہوائی جہاز وغیرہ تمام آلات حرب پر مخصوص نشان ہوتے ہیں۔ اسی طرح قدیم زمانے میں شناخت کے لیے گھوڑوں پر فوجی نشان ہوا کرتے تھے۔ اس سورۃ کے ابتداء میں بھی یہ لفظ آیا تھا وَالْخَيْلِ الْمَسْوُوْمَةِ یعنی نشان لگے ہوئے گھوڑے۔ الغرض! مسوومین سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے فرشتوں سے مدد فرمائے گا، جو دشمن پر، اُس کے گھوڑوں پر اور سامان حرب پر نشان لگائیں گے تاکہ انہیں تباہ و برباد کیا جاسکے۔ مسوومین سے مراد فرشتوں کی اپنی نشانیاں بھی ہو سکتا ہے۔ حدیث شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں فرشتوں کی نشانی سفید عملے تھے۔ جب کہ احد کے میدان میں ان کی نشانی

سرخِ عامی تھے، تو اللہ نے فرمایا کہ صبر اور تقویٰ کا پھل یہ ہے کہ اللہ نے
 بدر میں فتح نصیب فرمائی۔ رہا غزوہ احد کا معاملہ، تو وہاں مجاہدین سے کچھ کہتا ہی
 ہوگی، مٹی جی کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ اب آگے فرشتوں کے اتارنے کی حکمت
 کا تذکرہ ہے۔

لَنْ تَسْأَلُوهُ

اَلْ عَمْرَانِ ۳

درس چیل/بخ ۲۵

آیت ۱۲۶ تا ۱۲۹

وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ ۖ وَلَا تَطْغَبْنَ فِي قُلُوبِكُمْ
بِهِ ۖ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ

الْحَكِيمِ ۱۲۶ لَيَقْطَعَنَّ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ أَوْ
يَكْتَبَهُمْ فَيَنْقَلِبُوا خَائِبِينَ ۱۲۷ لَيْسَ لَكَ مِنَ
الْأَمْرِ شَيْءٌ ۚ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ
فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ۱۲۸ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ ۖ وَيُعَذِّبُ مَن
يَشَاءُ ۖ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۱۲۹

۱۲۹

ترجمہ: اور میں بنائی اللہ نے تمہاری امداد فرشتوں کے نزول سے (مگر تمہارے
لیے خوشخبری اور تاکہ تمہارے دل مطمئن ہوں۔ اور نہیں ہے مدد مگر اللہ کی طرف سے
جو غالب ہے اور کمال حکمت کا مالک ہے۔) ۱۲۶ تاکہ قطع کر دے ایک گمراہ کو ان
لوگوں میں سے جنہوں نے کفر کیا یا ان کو ذلیل کر دے، پس وہ ناکام ہو کر لوٹیں ۱۲۷
اے پیغمبر! نہیں ہے آپ کے لیے اس معاملہ میں کچھ اختیار، اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول
کرے یا ان کو سزا دے، کہ وہ ظلم کرنے والے ہیں ۱۲۸ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے
ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔

اللہ تعالیٰ بخشش ہے جس کو چاہے، اور سزا دیتا ہے

جس کو چاہے۔ اور اللہ تعالیٰ سبب بخشش والا اور مہربان ہے ۱۲۹

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ قرآن پاک کے اس مقام پر اصل تذکرہ تو غزوہ احد کا ہے۔ تاہم درمیان میں اللہ تعالیٰ نے مثال کے طور پر غزوہ بدر کا ذکر بھی کہہ دیا ہے۔ تاکہ اہل اسلام کو تسلی ہے کہ جن مالک الملک نے انہیں نہایت بے حسد سامانی کی حالت میں بدر کے مقام پر عظیم فتح سے نوازا تھا، وہ اپنے بندوں کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا۔ واقعہ بدر کے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک نئے فرشتوں کے نزول کی بشارت سنائی، پھر تین ہزار کا وعدہ فرمایا۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ اگر مشرکین کی جمعیت میں اچانک اضافہ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ آسمانوں سے ایلے پانچ ہزار فرشتوں کو نازل فرمائے گا، جو اپنے گھوڑوں کو نشان لگانے لائے ہوں گے۔

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے نزول ملائکہ کی حکمت بیان فرمائی ہے اور واضح کیا ہے۔ کہ فرشتوں کو اتارنے کا مقصد یہ نہیں ہے۔ کہ وہ مسلمانوں کی طرف سے کفار کے ساتھ براہ راست جنگ میں شریک ہوں گے، بلکہ جنگ تو بہر حال مسلمانوں نے ہی لڑنی ہے۔ سورۃ انفال میں اس کا تفصیل سے ذکر ہے۔

تاہم بدر کے متعلق فرمایا اذ تستغیثون ربکم فاستجب لکم انزلنا من السماء مائتے فریاد کر رہے تھے، تو اللہ نے تمہاری مدد کے لیے فرشتے اتار دیے، اور تمہارے حق میں ایسے حالات پیدا فرمادیے کہ تمہیں فتح مبین حاصل ہو گئی۔ فرشتے اللہ کی لطیف مخلوق ہے ان میں اللہ نے طاقت بھی بہت زیادہ رکھی ہے۔ جیسا کہ روایات میں آتا ہے۔ بدر کے مقام پر حضور علیہ السلام کے دائیں بائیں جبرائیل اور میکائیل علیہما السلام تھے۔ وہ براہ راست لڑائی میں شریک نہیں تھے۔ البتہ کاد کا ایسے واقعات کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ جن میں کافروں کو کچھ اذیت بھی پہنچائی گئی۔

تاہم من حیث الجماعت، لڑائی کمرہ نابل ایمان ہی کا کام ہے۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے یہاں پر نزول ملائکہ کا مقصد بھی بیان فرما دیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ لِيُضِلَّ الْمُشْرِكِينَ بِنِهَايَا اللّٰهِ تَعَالٰی سَنَزُوْلُ مَلَائِكَةً

اَلَا بُشْرٰى لَكُمْ مَكْرٌ مَّهَارٌ لِيَعْرِضَ لَكُمْ يَوْمَئِذٍ لِيُضِلَّ الْمُشْرِكِينَ بِنِهَايَا اللّٰهِ تَعَالٰی

مقصد
نزول ملائکہ

فرشتوں کی امداد تمہارے ساتھ ہے، تاہم فتح تو بہ صورت اللہ کے حکم سے ہی ہوگی، مگر اطمینان قلب کے لیے یہ بھی کافی ہے کہ مسلمانوں کو فرشتوں کی تائید بھی حاصل ہے دنیا کی اس زندگی میں اس قسم کے معاملات پیش آتے رہتے ہیں۔ اگر کسی کو حاکم اعلیٰ یا کسی بڑے چودھری کی حمایت حاصل ہو، تو اسے دل میں تسلی ہوتی ہے۔ کہ کوئی بات نہیں، فلاں بڑی ہستی میرے ساتھ ہے، مجھے کیا پروا ہے۔ اس پر قیاس کر کے سمجھا جا سکتا ہے۔ کہ ایک عام انسان کی حمایت دوسرے کے لیے تسلی و تشفی کا باعث ہوتی ہے تو جس کا حمایتی اور طرفدار خود احکم الحاکمین ہو اسے کس قدر سکون حاصل ہوگا۔ اسی لیے فرمایا کہ نزول ملائکہ کا مقصد ایک تو تمہیں بشارت سنانا ہے اور دوسرے ولتطمئنن ﴿فَلَوْ كُفِّرُوا بِلَدِهِمْ لَكُنَّ عَدُوًّا﴾ تاکہ تمہارے دل اطمینان پھل کریں۔ اور تم کسی غم و خوف میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔ جہاں تک نصرتِ غیبی کا تعلق ہے وہ تو منجانب اللہ ہی ہوتی ہے۔ سورۃ انفال میں موجود ہے۔ اِذْ يُوحِي رَسِيْلًا اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَلَيْكُمْ اللّٰهُ تَعَالٰی نے فرشتوں پر وحی نازل کی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اور ان کو حکم دیا۔ فَذَبِّتُوْا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَمَا اٰمَنَ الْاٰهْلُ الْاِيْمَانِ كَمَا دَلُوْا كَوْمُضِبُوْطٍ كَمِيْنَ مِنْدِ اِسْحٰدٍ كِي رُوٰيْتُمْ فِيْ اٰتَاہِ۔ کہ اللہ کے ملائکہ تو میرے بھی مؤمنوں کے دلوں میں اچھے خیالات القا کرتے ہیں۔ جس طرح شیاطین فرسوسازی کر کے انسان کو بڑے کاموں کی ترغیب دیتے ہیں، اسی طرح رحمت کے فرشتے اچھے کاموں کی طرف ابھارتے ہیں۔ بعض صحابہؓ نے فرشتوں کی تعریف کی کہ حضرت! ہم نے ایسی بات دیکھی ہے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا ذٰلِكَ مَدْرُجٌ مِّنَ السَّمٰوٰتِ اِلَیْكُمْ اللّٰهُ تَعَالٰی نے تمہاری مدد کے لیے یہ فرشتے تیسرے آسمان سے نازل فرمائے ہیں۔ بہر حال فرشتوں کے اتارنے کا مقصد مسلمانوں کو بشارت دینا اور ان کے دلوں کو مطمئن کرنا تھا، نہ کہ یہ راہِ راست جنگ میں شریک ہونا۔

غزوہ یموک کے متعلق حدیث شریفین میں آتا ہے۔ کہ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے اس جنگ کے لیے پانچ صحابہؓ کو کمانڈر مقرر فرمایا۔ ان میں

ابو عبیدہ بن جراح، خالد بن ولید، ابن حسنہ، یزید بن ابی سفیان اور عیاضؓ تھے۔ آپ نے حکم دیا تھا کہ کینحیثیت مجموعی پوری فوج کی کمان حضرت ابو عبیدہؓ کے پاس ہوگی تاہم باقی جرنیل اپنے اپنے دستوں کے سردار ہوں گے اور اپنے اپنے یونٹوں میں فوجی انتظامات کے ذمہ دار ہوں گے جب رومیوں کے ساتھ لڑائی شروع ہوئی تو مسلمانوں نے کچھ کمزوری محسوس کی، ان کے کئی مجاہد شہید ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے امیر المؤمنین کو مزید کمک کے لیے خط لکھا۔ حضرت عمرؓ نے جواباً لکھا کہ میں تمہاری راہنمائی اس ذات کی طرف کرتا ہوں جو کہ اعترافاً ہے یعنی جسکی نصرت سب پر غالب ہے۔ اور جس کا لشکر ہر وقت حاضر ہے۔ میں تمہاری راہنمائی اس خداوند قدوس کی طرف کرتا ہوں، جس نے مقام بدر پر اپنے بقی العدا میں لڑنے کے ساتھ ہی کو فتح عظیم سے نوازا۔ لہذا تم مدد کے لیے اسی مالک الملک کی طرف رجوع کرو، دشمن کے ڈٹ کر مقابلہ کرو، مجھے دوبارہ خطر نہ لکھنا۔ اللہ جل جلالہ نے بدر میں قبیل تعدا اور بے سر و سامانی کی حالت میں تمہاری مدد کی تھی، وہ زیادہ نصری اور وافر ساز و سامان کے ساتھ کیوں تمہاری مدد نہیں فرمائے گا۔ تم اسی کی طرف رجوع کرو، آئندہ میری طرف مراجعت نہ کرتا۔ اس روایت کے راوی حضرت عیاضؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا یہ خط جب مسلمانوں کو پہنچا، تو انہوں نے نصرت الہی پر مکمل بھروسہ کرتے ہوئے ایسا زبردست حملہ کیا کہ دشمن کو چاکر کر تک تیرھے بھگا دیا۔ ان کے پاؤں پھرنے لگے اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اس فتح نے شام اور فلسطین کو ہمیشہ کے لیے رومیوں سے پاک کر دیا، اور یہ علاقے مکہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ مدد تو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے۔ جو کہ غالب ہے۔ اور کمال حکمت کا مالک ہے۔

یہاں پھر وہی سوال دوبارہ ابھرتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے بدر کے میدان میں تو مسلمانوں کی بھرپور مدد فرمائی، لیکن احد کے میدان میں ایسا کیوں نہ ہوا۔ اس کا

بھی شامل تھے۔ بہت سے صحابہ کرام زخمی ہوئے۔ خود حضور نبی کریم علیہ السلام زخمی ہو گئے۔ ایک کافر تے تموار سے وار کیا۔ آپ کا خود کٹ گیا، اور سر کے نیچے پیشانی تک زخم آگیا۔ دائیں طرف کے پچھلے چار دانتوں میں سے دوسرا دانت بھی ٹوٹ گیا۔ زخم اتنا گہرا تھا کہ خون بند نہیں ہوتا تھا۔ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ و حال میں پانی لاتی تھیں۔ اور حضرت علیؓ زخم کو دھوتے تھے۔ پھر چٹائی جلا کر اُس کی راکھ زخم میں رکھی تو خون بند ہوا۔ ان حالات میں حضور علیہ السلام نے کافروں کے حق میں بدعما کرنے کا ارادہ فرمایا۔ آپ کی زبان مبارک سے نکلا **كَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ** وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا سر زخمی کر دیا، حالانکہ وہ انہیں اپنے رب کی طرف دعوت دیتا ہے۔ **تَا هُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی** نے بدعما کرنے سے منع فرما دیا اور فرمایا **لَيْسَ لَكَ هُنَا اَلْاَمْرُ شَيْءٌ** اس معاملہ میں آپ کے لیے کوئی چیز (یعنی اختیار) نہیں ہے۔ یعنی آپ کو حکم اور حکومت میں اختیار نہیں ہے۔ کسی کو ایمان کی توفیق عطا کرنے سے یا کسی کو کفر پر اڑا دینے سے، یہ سب اختیار اللہ کے پاس ہے۔ آپ کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ آپ کا کام دعوت دینا، جہاد کرنا اور صبر کا دامن تھامنا ہے۔ کسی کو منزل مقصود تک پہنچانا آپ کا کام نہیں ہے۔ آپ کا کام یہ ہے **وَ اِنَّكَ لَتَهْدِيْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ** آپ صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کر دیں۔ کسی کی کامیابی یا ناکامی اللہ مالک الملک کے اختیار میں ہے۔ آج کل لوگوں نے غلط عقیدے بنا کر رکھے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مختار کل ہیں، نہیں بھائی! اللہ نے صراحت کے ساتھ فرما دیا ہے۔ کہ اختیار آپ کا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا ہے **اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَاٰلِڪِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ** آپ اپنی خواہش کے مطابق کسی کو ہدایت نہیں دے سکتے، بلکہ ہدایت دینا تو اللہ کے اختیار میں ہے۔ اگر آپ کے بس میں ہوتا تو آپ اپنے مشفق ہمدرد اور خدمت گزار چچا ابوطالب کو دوزخ سے بچا لیتے۔ مگر اللہ نے یہ اختیار آپ کو عطا نہیں کیا۔

جزا اور منزل
اللہ کے پاس ہے

یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ نے کرنا ہے أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ یا اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے۔ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ یا ان کو سزا دے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا۔ کہ ان میں سے کتنے لوگ ایسے ہیں جو آگے چل کر ایمان کی دولت سے مشرف ہونے والے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو ان کے خلاف بددعا کرنے سے روک دیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ یہی لوگ جنہوں نے آپ کو اور اہل اسلام کو سخت آزمیتیں پہنچائیں، بعد میں اسلام لے آئے۔ چنانچہ ابوسفیانؓ، عکرمہؓ بن ابوجہل، خالد بن ولیدؓ، صفوان بن امیہؓ، عبید الرحمن بن ابی بکرؓ، انہی لوگوں میں شامل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرداً فرداً سب کو ایمان کی دولت عطا کی، ابوسفیانؓ اور عکرمہؓ فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوئے۔ خالد بن ولیدؓ اور صفوان بن امیہؓ فتح مکہ سے پہلے ہی اسلام لایچکے تھے۔ اور اسی طرح بعض دوسرے لوگ بھی حضور علیہ السلام کے جانثاروں میں شامل ہو گئے۔ اسی لیے فرمایا کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت میں ہے کہ کون اس قابل ہے کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے۔ اور کون ہے جو دائمی سزا کا مستحق ہے۔ چنانچہ بہت سے لوگوں کو ایمان کی توفیق نصیب نہیں ہوئی، وہ سزا کے مستوجب ٹھہرے۔ انہی کے متعلق فرمایا وَإِن تَهْتَبُوا ظِلْمًا ظلم کرنے والے وہی لوگ ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بددعا کرنے سے منع فرما دیا۔ بعض دوسرے مواقع پر حضور علیہ السلام کی بددعا کا تذکرہ ملتا ہے جبکہ ان لوگوں نے آپ پر بہت زیادتی کی، پھر جب اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا، تو آپ رُک گئے۔ کیونکہ کسی کو ہدایت دینا اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ وہ کسی وقت بھی ہدایت دے سکتا ہے۔ لہذا آپ کو بددعا سے روک دیا گیا۔

فَرَمَا بِاللَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ زمین و آسمان میں جو کچھ بھی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی ہی ملکیت ہے۔ ہر چیز پر اسی کا تصرف ہے۔ ہر ہر مقام پر حکم اور حکومت اللہ جل شانہ کی ہے۔ آپ تو اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرنے والے ہیں۔ خدا کی خوشنودی کے کام انجام دینے والے ہیں۔ آپ دربار

کے ذمہ دار نہیں ہیں لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيِّرٍ طَوِيلٍ اُن پر دروغہ نہیں ہیں کہ آپ اُن کو ایمان لانے پر مجبور نہیں بلکہ اِنَّكَ اَنْتَ مَذْكُورٌ آپ تو نصیحت کرنے والے ہیں۔ اِنَّكَ اَعْلَمُ الْبَاطِنِ آپ کے ذمہ ہماری شریعت اور دین اُن تک پہنچا دینا ہے۔ اس کے بعد وَعَلَيْكَ الْحِسَابُ اُن سے حساب ہم خود لیں گے۔

فرمایا چونکہ سب کچھ خدا تعالیٰ ہی کا ہے۔ اس لیے يَغْفِرْ لِمَنْ يَشَاءُ وہ جس کو چاہے معاف فرمائے۔ توبہ کی توفیق عنایت کرے اور وہ لوگ ایمان قبول کر لیں تو اُن کی بخشش کا سبب بن سکتا ہے۔ چنانچہ اکثر لوگ ایمان کی دولت سے مالا مال ہو کر بخشش کے مستحق بن گئے۔ اور پھر جنہوں نے ایمان قبول کیا۔ اُن کے متعلق فرمایا وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وہ جس کو چاہے سزا دے۔ آپ پر اس ضمن میں کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے آپ کو نسلی دہی کہ اگر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو آپ دل برداشتہ ہو کر ان کے لیے بددعا نہ کریں۔ وَاللَّهُ عَفُوفٌ رَّحِيمٌ اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا اور مہربان ہے۔ وہ جس کو چاہے گا، توبہ کی توفیق دے کر اس کے لیے بخشش کے دروازے کھول دیگا۔

لَنْ تَنَالُوا ۲

الْ عَمَلان ۳

درس چہل و شش ۴۶

آیت ۱۲، ۱۳، ۱۴

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا
 مُّضَاعَفَةً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۱۳۰﴾
 وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿۱۳۱﴾
 وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۱۳۲﴾
 وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ
 عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ لَا أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۱۳۳﴾
 الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكُظَّيْنِ
 الْغَيْظِ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ
 الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۳۴﴾ ج

ترجمہ: اے ایمان والو! امت کھاؤ سو روگنے پر روگن اور ذرہ اللہ سے تاکم

فلاح پا جاؤ ﴿۱۳۰﴾ اور ڈرو اُس آگ سے جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے ﴿۱۳۱﴾

اور اطاعت کرو اللہ کی اور اللہ کے رسول کی، تاکہ تم پر رحم کیا جائے ﴿۱۳۲﴾ اور

سبقت کرو جہنم کی طرف جو تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ اور جنت

کی طرف جس کا عرض آسمان اور زمین کی طرح ہے۔ وہ تیار کی گئی ہے متقیوں کے

لیے ﴿۱۳۳﴾ وہ جو خرچ کرتے ہیں خوشی کی حالت میں اور تکلیف کی حالت میں،

اور وہ جو غصے کو دباتے ہیں اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ

احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ﴿۱۳۴﴾

بطایا

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے مغز وہ احد کا ذکر فرمایا۔ اور اس ضمن میں

ابن ایمان کی تسلی کے لیے غزوہ بدر کا تذکرہ بھی ہوا۔ کہ اُس جنگ میں اللہ نے اپنی خاص مہربانی سے اہل ایمان کے اطمینان اور بشارت کے لیے فرشتوں کو نازل فرمایا۔ مگر غزوہ احد میں مسلمانوں کی طرف سے کمزوری واقع ہو گئی تھی لہذا اُس میں نقصان اٹھانا پڑا۔ پھر احد کی جنگ میں شریک ہونے والے مشرکین کے حق میں بددعا کرنے سے اللہ نے منع فرمایا۔

بریں کامیابی کا راز بتایا کہ مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات پر چل بھر و سہ کیا۔ اور صبر اور تقویٰ کو اختیار کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت تامہ اور حکمت بالغہ کے ساتھ کامیابی عطا فرمائی۔ ان غزوات کے تذکرہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے درمیان میں سود کی حرمت کا حکم نازل فرمایا ہے۔ اور ساتھ ہی انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی ہے۔ سود اور انفاق فی سبیل اللہ دو متضاد چیزیں ہیں۔ اول الذکر سے اخلاق بگڑتا ہے اور ثانی الذکر سے اخلاق میں

عمرگی آتی ہے۔ لہذا دونوں چیزوں کو اکٹھا بیان فرما کر ترہیب و ترغیب کا سامان پیش فرمایا، ارشاد ہوتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَأْكُلُونَ

الرِّبَاَ أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً مَّت كَمَا وَ سُدُّ كُنْتُمْ بِرِدْغَانٍ۔ یہاں پر لانا کُلُوا كَالْفِطْرِ استعمال کیا گیا ہے۔ جس کا معنی کھانا ہے۔ تو کیا سود کھانا ہی حرام ہے اور اس کا لینا دینا جائز ہے؟ ہرگز نہیں۔ چونکہ کھانا ایک اہم چیز ہے اس لیے اس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

ورنہ مراد لینا دینا ہی ہے۔ جس طرح کسی چیز کا کھانا حرام ہے اسی طرح اُس کا پینا بھی حرام ہوگا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ سود کی رقم سے خرید کر وہ غلہ تو حرام ہو مگر اسی رقم سے لیا گیا کپڑا حلال ہو۔ سود خواہ کسی بھی شکل و صورت میں ہو، حرام ہی ہوگا۔ لہذا لات کُلُوا سے مراد صرف کھانا ہی حرام نہیں ہوگا بلکہ سود کا استعمال ہر صورت میں حرام ہوگا۔

دوسری خاص چیز جو اس آیت کے میں بیان کی گئی ہے۔ وہ دُگنے کی قید ہے۔ کہ

دُگنے پر دُگنا سود نہ کھاؤ۔ یہ اَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً اس لیے فرمایا کہ عربوں میں بھی

ڈبل سود یعنی سود مرکب یا سود در سود کا رواج موجود تھا اور یہ سود کی بدترین صورت ہے

اس لیے اس کا ذکر کیا ہے۔ وگرنہ سنگل سود یا سود مفرد بھی اسی طرح حرام ہے جس

طرح سود مرکب، سود کا ذکر سورۃ بقرہ میں آچکا ہے۔ "وَاحِلَ اللّٰهُ الْبَيْعَ

وَحَرَّمَ الْبُزْجَا لَمْ يَنْتَهَ تِجَارَتِ كُو حَلَالٍ قَرَارِ دِيَا هِي اُو رُو دُو كُو حَرْمِ نُوَا هُو دُو مَفْرُو دُو
 هُو يَا مَرْكَبِ - شَاهِ وِلَى اللّٰهُ مُحَمَّدٌ دُو هُو يُو فَرَا تِي هِي . كِه حَقِيقَتِي سُو دُو هُو تَا هِي - هُو
 اُو صَا رُو يَ كُنِي رَقْمِ پَرِ حَا صِلِ كِيَا جَا نِي . يُو سُو دُو نُوَا لَقَدْرِي كِي صُو رَتِ مِي هُو سُو نَا چَا نَدْرِي
 يَا اِجْبَاسِ كِي شَكْلِ مِي وَصُو لِ كِيَا جَا نِي ، بَهْرِ حَالِ حَرَامِ هِي . حَدِيثِ شَرِيفِ مِي
 آتَا هِي - كِه اِيكِ جِنْسِ كُو دُو سُو رِي جِنْسِ كِي بَدَلِي مِي نِيَا دُو تِي يَا اُو صَا رُو كِي سَا تَهْرِ
 بِيْعِ كِه نَا حَرَامِ هِي - بَا قِي رَهِي يِي بَا تِ كِه سُو دُو مَرْكَبِ كِي سِي هُو تَا هِي - تُو اَسِ كِي
 صُو رَتِ اَنجِ بِي دُو سِي هِي هِي جِي سِي اُسِ زَمَانِي مِي بَحْتِي جِنْسِ كَا تَذَكْرَهْ قُرْآنِ پَا كِ
 نِي كِيَا هِي . كُو نِي رَقْمِ كَسِي خَاصِ دَرْتِ كِي لِي سُو دُو پَرِ لِي جَاتِي هِي - مَقْرُرِ دَرْتِ
 مِي اَكْمَدِ اَصْلِ رَقْمِ مَحْ سُو دُو وَا لِي سِي نِي كِي جَلِ سَكِي تُو سُو دُو كُو اَصْلِ زَرِي مِي شَا مِلِ كِه كِي كَلِ
 رَقْمِ كُو اَصْلِ شَا رُ كِه لِيَا جَا تَا هِي اُو رِ پِچَرِ اَسِ رَقْمِ پَرِ سُو دُو كِي مَقْرُرِ شَرْحِ عَا يِدِ كِه دِي جَاتِي
 هِي . سُو دُو كِي شَرْحِ عَامِ طُو رِ پَرِ سَا لَانِهْ هُو تُو تِي هِي - مَهْرِ سَا لِ اَصْلِ رَقْمِ پَرِ سُو دُو كَا حَسَابِ
 كِه كِي سِي اَصْلِ زَرِي مِي شَا مِلِ كِه لِيَا جَا تَا هِي اُو رِ اَسِ طَرِحِ كِچِ عَرَضِ بَعْدِ قَرْضِ كِي
 اَصْلِ رَقْمِ بُطْرَهْ كِه كِي گَنَّا هُو جَاتِي هِي - اَسِي كِي مَتَعَلِقِ فَرْمَا يَا كِه اِي اِيْمَانِ وَا لُو !
 دُكْنَا چُو كُنَّا سُو دُو مَتِ كَهَا دُو - وَاتَّقُوا اللّٰهَ اُو رِ اللّٰهَ سِي دُرْ جَا دُو كَعَلَّ كِه كِه
 تَفَلَّحُو نَا كِه تَمِ فَلَاحِ پَا جَا دُو -

جدید نفاص

غزوه احد میں مسلمانوں کو بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
 کو بڑی جسمانی تکلیف پہنچی۔ سر مبارک زخمی ہوا، دانت مبارک شہید ہوا، ستر صحابہ شہید
 ہو گئے اور بہت سے زخمی ہوئے۔ اس واقعہ کے درمیان سُو دُو كِي تَذَكْرَهْ كِي
 متعلق مولانا عبید اللہ سندھی فرماتے ہیں۔ كِه ہِم نِي پِنِي اَسَا دُ حَضْرَتِ مَوْلَانَا
 شَيْخِ اللّٰهِ سِي دَرِيَا فِتِ كِيَا كِه حَضْرَتِ اِغْزُو هِ اَحَدِ كِي دَا قِعَهْ كِي دَر مِيَا نِ
 حَرِيْمَتِ سُو دُو كِي اِيْمَتِ كَا كِيَا مَحَلِ هِي . تُو فَرْمَا يَا بَعْضِ اَوْقَاتِ رِبْطِ اِيَا تِ كُو سَمْعِنِي
 كِي لِي سِي بُطْرِي تَذَكْرَتِي هُو تُو تِي هِي - بَا تِ دَا صِلِ يِي هِي - كِه غَزُو هِ اَحَدِ
 مِي حَبِ مَسَا لُو لِ كُو شَكْتِ بُو كُنِي ، تُو اَزْ رِ كِي دُ . مِي مِي جَذْبِهْ اِتْمَا مِ جَبْ طَرِكِ اِطْحَا - چَا نِ چَا نِ

بعض روایات میں آتا ہے کہ مسلمانوں نے عہد کیا کہ اگر آئندہ ہم کفار پر غالب آئے تو ان سے دوبرا انتقام لیں گے۔ کافروں نے ہمارے شہدار کے ساتھ بڑھی تزییل کا کام کیا ہے۔ ان کے چہرے مسخ کیے، لہذا ہم بھی ان سے سخت انتقام لیں گے۔ تو مولانا فرماتے ہیں کہ اسی جذبہ انتقام کو کلمہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ اس آیت سود کو غزوہ احد کے واقعہ میں لائے ہیں جس طرح سود انسان کا اخلاق بگاڑتا ہے، اسی طرح جذبہ انتقام بھی بد اخلاقی پیدا کرتا ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو متنبہ فرمایا کہ وہ اپنے جذبات پر قابو رکھیں کیونکہ سود اور انتقام ایک ہی قبیل سے ہیں۔ اور ان کے سبب اصل مقصد سے توجہ مہٹ جاتی ہے۔ اسی آج کے درس میں آگے انفاق فی سبیل اللہ کی آیت بھی آرہی ہے۔

سود خوری اور انفاق دو متضاد چیزیں ہیں۔ سود خوری سے انسانی اخلاق فاسد ہوتا ہے اور انفاق فی سبیل اخلاق عالیہ کا نمونہ ہے۔ چنانچہ مستدرک حاکم کی روایت میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس قوم میں زنا اور سود خوری جیسی بیماریاں پیدا ہو جائیں اس قوم پر خدا کا غضب نازل ہو گا۔ کیونکہ یہ اخلاقی بیماریاں خدا کے غضب کو دعوت دیتی رہتی ہیں۔

سود خوری سے ممانعت کے بعد فرمایا وَاقْتَصُوا الشَّارَ الْبَيْتِ اَعْدَتِ لِّلْكَافِرِينَ اِسْ آگ سے ڈر جاؤ، جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم کی آگ بالذات کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ اس آیت میں ایمان والوں کو ڈرایا گیا ہے کہ اِس آگ سے بچ جائیں۔ اس ضمن میں تفسیر مدارک والے لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے فرمایا ہے کہ قرآن پاک میں سب سے زیادہ ڈرانے والی آیت یہ ہے۔ جس میں ایمان والوں کو دوزخ کی آگ سے ڈرایا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اگر اہل ایمان بھی کافروں والے کام کریں گے، کفر، شرک، بدعت اور معاصی میں مبتلا ہوں گے تو وہ بھی دوزخ کی آگ سے بچ نہیں سکیں گے۔

ڈرانے والی آیات

کامیابی
کارائے

آگے اہل ایمان کو دوزخ سے بچنے اور کامیابی حاصل کرنے کا راز بتایا جا رہا ہے
وَاطِيعُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولَ اللہ اور اس کے رسول کی تابعداری کرو وَلَعَلَّكُمْ تَرْحَمُونَ تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہی
 کامیابی کی کنجی ہے۔ غزوة احد میں اسی چیز کی کمی آگئی تھی جس کی وجہ سے مسلمانوں
 کو بہت بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔ آپ نے پچاس آدمیوں کے ایک دستہ کو
 پہاڑ کی چوٹی پر مقرر فرمایا تھا۔ اور واضح حکم دیا تھا کہ ہمیں فتح ہو یا شکست، تمہیں
 ہر صورت میں اس محاذ پر قائم رہنا ہے۔ مگر جب انہوں نے دیکھا کہ جنگ میں
 مسلمانوں کا پلہ بھاری ہو رہا ہے۔ تو وہ مورچہ چھوڑ کر پہاڑ سے نیچے اتر آئے، اللہ
 اور اس کے رسول کی اطاعت میں یہی کوتاہی ہوئی تھی جس کی وجہ سے مسلمانوں کو
 عظیم نقصان اٹھانا پڑا۔ لہذا اہل اسلام کو سمجھایا جا رہا ہے کہ آئندہ ایسی غلطی نہ کرنا
 بلکہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو ہمیشہ مقدم رکھنا۔ یہی کامیابی کا راز ہے اور
 اسی کی بدولت تم پر رحم کیا جائے گا۔

نیکی میں
سبقت

نیز فرمایا وَسَارِعُوا إِلَى مَعْرِفَةِ حَبِيبِكُمْ اور سبقت کرو، دوڑو
 اپنے رب کی مغفرت کی طرف مقصد یہ ہے کہ اگر اللہ اور اس کے رسول
 کا اتباع کرو گے، ایمان اور تقویٰ اختیار کرو گے، صبر کا دامن تھامے رکھو گے
 تو خدا تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لیے بخشش کی بشارت ہے۔ اور پھر
 بخشش کا نتیجہ ہوگا وَجَنَّتْ کہ تمہیں جنت میں داخلے کا ٹکٹ مل جائیگا۔
 اور وہ جنت ایسی ہوگی جسے دنیا کے کسی بڑے سے بڑے باغ پر بھی قیاس
 نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے جس جنت کا وعدہ فرمایا ہے عَرْضُهَا السَّمَوَاتُ
وَالْأَرْضُ وہ اتنی وسیع ہے کہ اس کا عرض یعنی چوڑائی ہی آسمانوں اور زمین کے
 برابر ہوگا۔ یہاں پر آسمان و زمین کی مثال اس لیے دی گئی ہے کہ انسانی ذہن میں
 زمین و آسمان سے وسیع کوئی چیز نہیں ہے۔ لہذا انہی چیزوں کا ذکر کیا ہے۔
 ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ رب العزت کی جنت آسمانوں اور زمین سے

کیس زیادہ وسیع ہے۔ اس کے نیچے سے لے کر اوپر تک آٹھ طبقات ہیں اور سب سے بالائی طبقے کا نام جنت الفردوس ہے اس میں ہر طرح کی نعمتیں میسر ہوں گی، ایسی نعمتیں جو اس وقت انسانی ذہن میں نہیں آسکتیں۔ اور یہ سب کچھ اَعِدَّتْ لِمُتَّقِيْنَ اُنْ مَتَّقُوْنَ کے لیے ہے۔ جو اللہ کے احکام کی پابندی کرنے والے ہیں۔ لہذا اپنے اندر وہ صفات پیدا کر دو، جو اللہ نے بیان فرمائی ہیں تاکہ تم جنت کے حقدار بن سکو۔

نیکی میں سبقت کرنے کے متعلق ترمذی شریفین کی روایت میں آتا ہے کہ سَادِعُوْا بِالْاَعْمَالِ سَبْعًا یعنی سات چیزیں پیش آنے سے پہلے پہلے اچھے اعمال انجام دے لو، ورنہ پھر موقع نہیں ملے گا۔ وہ سات چیزیں کونسی ہیں۔ فرمایا مَا يَنْتَظِرُ اَحَدٌ كُمْرًا لَّا يَغْنِيْ مُطْرَفِيًّا اِيسِي دولت مندی آجائے جو انسان کو سرکشی میں ڈال دے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ لوگ ناداری کی حالت میں دین دار ہوتے ہیں جب مال آجاتا ہے۔ تو بغاوت پر آمرا آتے ہیں۔ اس لیے فرمایا ایسی دولت مندی آنے سے پہلے پہلے اچھے اعمال کرو۔ فرمایا اَوْ فَتْرًا مُّسْتَبِيًّا يٰۤاَيُّهَا فَتْرٌ لَّا حَقُّهُ جَوَابٌ كَچھ فراموش کرانے۔ ناداری کی حالت میں بعض اوقات انسان متفکر اور مخموم ہو جاتا ہے۔ جسکی وجہ سے نیکی کے کام بھول جاتے ہیں۔ ایسی حالت وارد ہونے سے پہلے نیکی میں سبقت حاصل کر لو۔ تیسری چیز فرمایا اَوْ مَسْرَضًا مُّفْتِدًا يٰۤاَيُّهَا اِيسِي بیماری آجائے جو انسان کو فساد میں ڈال دے۔ بیماری میں بھی انسان نیکی سے محروم ہو جاتا ہے۔ چوتھی چیز فرمایا اَوْ هَكْرًا مُّفْتِدًا يٰۤاَيُّهَا اِبْرَھٰمَ يٰۤاَيُّهَا اَبُو جَعْفَرٍ لَّا حَقُّهُ جَوَابٌ کو عقل و فہم سے عاری کر دے۔ اسی لیے ایسے بڑھاپے سے بھی پناہ مانگی گئی ہے جو انسان کے قویٰ کو کمزور کر دیتا ہے پانچویں چیز فرمایا اَوْ مَوْتًا مُّجْهَرًا يٰۤاَيُّهَا اَبُو جَعْفَرٍ لَّا حَقُّهُ جَوَابٌ کا کوئی موقع باقی نہیں رہا۔ چھٹی چیز فرمایا اَوْ اَلْمَدَّجَالَ يٰۤاَبُو جَعْفَرٍ لَّا حَقُّهُ جَوَابٌ شَيْءٌ نَّارِيْبٌ يَنْتَظِرُ اور وہ حال

تو بڑی بری چیز ہے جس کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ دجال کا ظہور ہوگا، تو بڑے فتنے برپا ہوں گے۔ لہذا اس کے ظہور سے پہلے نیکی کہو۔ اور ساتویں چیز فرمایا اَوْ السَّاعَةَ یا پھر قیامت برپا ہو جائے۔ وَالسَّاعَةَ اَذْهَبُوا وَمَسَّ اور قیامت تو بڑی کٹھڑی اور تلخ ہے۔ اس کے بعد تو ہر چیز فنا ہو جائے گی۔ اور پھر حاب کتاب شروع ہو جائے گا۔ اسی لیے فرمایا کہ ان سات چیزوں کے ظہور سے پہلے نیکی میں بوقت کہو، ورنہ پھر موقع نہیں ملے گا۔

اتفاق فی سبیل اللہ

آگے اللہ تعالیٰ نے متیقن کی بعض صفات بیان فرمائی ہیں۔ فرمایا اُن کی پہلی صفت یہ ہے الَّذِينَ يَنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالصَّرَّاءِ وہ خرچ کرتے ہیں خوشی کی حالت میں بھی اور تکلیف کی حالت میں بھی۔ یہی چیز ہے۔ جو سود کی جگہ کو کاٹتی ہے۔ ایک طرف سود خور کسی غریب کی غربت سے فائدہ اٹھا کر قرضے پر سود در سود وصول کرتا ہے۔ اور دوسری طرف اہل ایمان ہیں۔ کہ وہ ایسے غریب و مساکین پر ہمیشہ خرچ کرتے ہیں۔ وہ خود خواہ آسائش میں ہوں یا تکلیف میں مبتلا ہوں، اُن کی طرف سے اتفاق فی سبیل اللہ جاری رہتا ہے اور یہی وہ عالی اخلاق ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش کا سبب ہے۔

متیقن کی صفات

متیقن کی دوسری صفت ہے وَالْكٰظِمِينَ الْغَيْظَ وہ غصے پر قابو پانے والے ہیں۔ یہ بھی بہت بڑی صفت ہے۔ بعض اوقات انسان غصے کی حالت میں دیوانہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ کچھ کمرہ بیٹھتا ہے۔ جس پر بعد میں ندامت اٹھانا پڑتی ہے۔ غصے کی حالت میں جو عرش انتقام میں مبتلا ہونے کی بجائے، اس پر قابو پالیتا ہی اصل مردانگی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے طے متیقن کی صفات میں شمار کیا ہے۔ سورۃ شوریٰ میں آتا ہے۔ وَالَّذِينَ اِذَا اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَدْتَصِرُوْنَ اِیْمَانُ وَاِلٰهُ هُمْ هِيَ۔ کہ دیگر صفات کے علاوہ ان میں ایک صفت یہ بھی پائی جاتی ہے کہ جب ان پر سرکشی کی جاتی ہے۔ تو وہ انتقام پر آمادہ ہو جاتے ہیں وہ تو انتقام کی بات ہے۔ اور یہاں غصے پر

تا لوپانے کی بات ہو رہی ہے کہ اہل ایمان غصے کو پی جاتے ہیں۔ یہاں پر یہ دو باتیں متقاضی معلوم ہوتی ہیں۔ یعنی ایک طرف تو مومن انتقام پر آمادہ ہو جاتے ہیں، اور دوسری طرف غصے کو دبا لیتے ہیں۔ اس ضمن میں مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ انتقام لینے والی بات کافروں اور منافقوں کے بارہ میں ہے۔ جب وہ کوئی غلط کام کرتے ہیں تو مسلمان بھی انتقام لینے کا حق محفوظ رکھتے ہیں۔ سورۃ مائدہ میں بھی آچکا ہے اَعِزَّةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ مسلمان کافروں کے مقابلے میں سخت ہیں۔ جب کہ مومنوں کے لیے نرم دل ہیں۔ مفسرین ایک دوسری توجیہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ جو شخص ظلم اور زیادتی پر ڈٹا ہوا ہے، اس کو معافی کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ معاف کرنے سے مزید شرابی پیدا ہوگی۔ البتہ جو شخص تائب ہو جائے اس سے انتقام لینا جائز نہیں ہے۔

فرمایا متقین کی تیسری صفت یہ ہے۔ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وہ لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں، مفسرین کلام نے حضرت علی بن حسین یعنی حضرت امام حسینؑ کے فرزند امام زین العابدینؑ کا یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ آپ وضو فرما رہے تھے۔ لونڈی پانی ڈال رہی تھی۔ اتفاق سے لٹے کا پانی آپ پر گھر پڑا۔ آپ کے کپڑے بھیسگ گئے۔ لونڈی کی غلطی تھی۔ جب اس نے آپ کو غصے کی حالت میں دیکھا تو اس کی زبان سے نکلا وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ یہ سن کر آپ غصے کو پی گئے اور فرمایا میں تم سے کوئی انتقام نہیں لوں گا۔ لونڈی صاحب علم تھی، کہنے لگی وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ یعنی مومنوں کی صفت تو یہ ہے کہ وہ نہ صرف غصے کو دبا دیتے ہیں بلکہ لوگوں کو معاف بھی کر دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، جاؤ میں نے تجھے معاف کیا۔ لونڈی نے مزید جبرأت کر کے آیت کا اگلا ٹکڑا پڑھ دیا۔ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ اللہ اعلیٰ درجے کی نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا جاؤ آزاد ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا نیکی ہو سکتی ہے۔ کہ لونڈی نے غلطی

کی محکمہ آپ نے اس کے ساتھ انتہائی درجے کی نیکی کی۔ لہذا مسلمانوں کو چاہیے۔
 کہ اپنے ایسی صفات پیدا کریں جن کا تذکرہ اس آیت میں کیا گیا ہے۔ اس
 کے برخلاف سو دہ کی لعنت کو چھوڑ دینا چاہیے۔ جو انتہائی درجے کی بد اخلاقی
 کا سبب ہے۔

لَنْ تَنَالُوا

ال عمران ۳

درس چہل ہفت ۴۷

آیت ۱۳۵ تا ۱۳۸

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ
 ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ
 يَغْفِرَ اللَّهُ ذُنُوبَهُ إِلَّا اللَّهُ قَدْ ظَلَمُوا
 أَنْفُسَهُمْ فَعَلُوا وَمَنْ يَعْلَمُونَ ﴿١٣٥﴾ أُولَئِكَ
 جَزَاؤُهُمْ
 مَغْفِرَةٌ مِّنْ رَبِّهِمْ وَجَنَّتْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا
 الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَنِعْمَ أَجْرَ الْعَمَلِينَ ﴿١٣٦﴾
 قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ لَا فِيسِيرُوا فِي الْأَرْضِ
 فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكْذِبِينَ ﴿١٣٧﴾ هَذَا
 بَيَانٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ﴿١٣٨﴾

ترجمہ: اور وہ لوگ کہ جب وہ کوئی بے حیائی کی بات کہہ بیٹھے ہیں یا اپنے
 نفسوں پر ظلم کرتے ہیں، تو یاد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو اور بخشش طلب کرتے ہیں
 اپنے گناہوں کے لیے۔ اور کون ہے جو گناہوں کو بخشتا ہے۔ سوائے اللہ تعالیٰ
 کے۔ اور وہ اصل رہنمائی کرتے ہیں جو انہوں نے کیا۔ اور وہ جانتے ہیں ﴿۱۳۵﴾
 یہی لوگ ہیں کہ ان کا بدلہ یہ ہے۔ کہ ان کے رب کی طرف سے بخشش ہوگی اور
 باغات ہوں گے جن کے سامنے نہریں بہتی ہوں گی۔ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔
 اور اچھا بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا ﴿۱۳۶﴾ تحقیق گمراہ چکے ہیں تم سے پہلے
 واقعات، پس چلو پھر زمین میں، دیکھو کیسے ہوا جھٹلانے والوں کا انجام ﴿۱۳۷﴾
 یہ لوگوں کے لیے بیان اور متقیوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے ﴿۱۳۸﴾

اس سے پیشتر سوہ خوری کی ممانعت کا تذکرہ ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دوزخ سے بچاؤ کا ذکر کیا۔ اپنے رسول کی اطاعت کا حکم دیا تاکہ لوگوں پر رحم کیا جائے پھر اللہ تعالیٰ نے بہشت، مغفرت اور بخشش طلب کرنے میں سبقت حاصل کرنے کا حکم دیا۔ یہ بہشت جن منتویوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ ان کے اوصاف کو بیان فرمایا یعنی متقی وہ لوگ ہیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہوئے رزق میں سے خوشی کی حالت میں بھی اور تکلیف کی حالت میں بھی حشر کر تے ہیں، غصے کو دباتے ہیں اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں۔ نیز یہ بھی ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کو پسند کرتا ہے۔ اب ان آیات میں دوسرے درجے کے لوگوں کا تذکرہ ہو رہا ہے کہ ان کے لیے بھی فلاح ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو برائی کھننے کے بعد اس پر نادم ہوتے ہیں آئندہ اس پر اصرار نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو بھی معاف فرمائے گا۔

ارشاد ہوتا ہے۔ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً اور وہ لوگ جو کوئی فحش بات کہتے ہیں أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ یا انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ مغفرتیں کراہ فرماتے ہیں کہ فحش بات سے مراد کبیرہ گناہ ہے اور جانوں پر ظلم کرنے سے مراد صغیرہ گناہ ہے۔ مقصد یہ کہ جن لوگوں نے خواہ کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا ہو یا صغیرہ گناہ کا، کبیرہ گناہ کی مثال زنا چوری وغیرہ ہے اور صغیرہ کسی غیر محرم کی طرف دیکھنا، یا اس کو ہاتھ لگا دینا۔ واقعات میں آتا ہے کہ ایک شخص نے غیر عورت کا بوسہ لے لیا۔ یہ بھی صغیرہ گناہ میں شامل ہے۔ عرصہ ارتکاب گناہ کے بعد ذَكَرُوا اللَّهَ وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ یاد کرنے کا مطلب اللہ کے حکم کی تعمیل کرنا، اس کی وعید سے ڈر جانا، اور اس کے جلال اور عظمت کو یاد کرنا ہے، اللہ تعالیٰ نے گناہ کے ارتکاب پر سخت وعید فرمائی ہے، اس سے ڈر کر وہ اپنے کئے پر نادم ہو جاتے ہیں فَاسْتَغْفَرُوا لِيَذُوبَ بِهِمْ ذُرِّيَّتُهُمْ مانگتے ہیں اپنے گناہوں کے لیے۔ اور یہ اچھی

صفت ہے۔ ایک دوسری روایت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد
 گمراہی ہے كُلُّكُمْ خَطَاؤُونَ تم میں سے ہر شخص خطا کار اور گنہگار
 ہے۔ کیونکہ کوئی نہ کوئی گناہ تو سرزد ہوتا ہی رہتا ہے۔ مگر فرمایا خَيْرُ الْخَطَايَا
التَّوَابُونَ بہترین خطا کار وہ ہیں جو خطا کے بعد توبہ کر لیتے ہیں توبہ کرنے سے
 اللہ تعالیٰ گناہوں سے پاک کر دیتے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے التَّائِبُ
مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا
 ہو جاتا ہے جیسے اُس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ اچھے انسان کی یہی صفت ہے
 کہ وہ گناہ پر اصرار نہ کرے بلکہ معافی مانگ کر اللہ تعالیٰ کو راضی کر لے۔ اسی
 میں انسان کی کامیابی ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ شیطان کا قول
 ہے۔ أَهْلَكَتُ النَّاسَ بِالدُّنُوبِ میں نے لوگوں کو گناہوں کی وجہ سے
 تباہ کر دیا ہے۔ میں اُن کے دلوں میں دوسرے ڈال کر اُن کو گناہ پر آمادہ فرما ہوں جس کی
 وجہ سے وہ ہلاک ہو لے ہیں۔ وَأَهْلَكَتُنِي بِالْإِسْتِغْفَارِ وَبِإِلَهِ إِلَّا اللَّهُ
 اور مجھے لوگوں نے تباہ کر دیا استغفار کرنے سے اور کلمہ طیبہ پڑھنے سے۔
 یعنی جب لوگ استغفار کرتے ہیں اور افضل ترین ذکر لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پڑھتے
 ہیں تو میرا منصوبہ ناکام ہو جاتا ہے۔ میں انہیں گناہوں کی وجہ سے ہلاک کرنا چاہتا
 ہوں مگر وہ مذکورہ دو اوصاف کی وجہ سے بچ جاتے ہیں، جبکہ وجہ سے میں تباہ
 اور ناکام ہو جاتا ہوں۔

فرمایا مَنْ يَغْفِرُ الذَّنْبَ إِلَّا اللَّهُ اور کون ہے اللہ کے سوا جو گناہوں
 کو معاف کرے۔ وہی مالک و مختار ہے۔ اُس کی حکمت و قدرت میں کسی کو
 دخل نہیں۔ انسان گناہ کرتے ہیں مگر وہ بھی غفور الرحیم ہے۔ معاف کرنے کے
 لیے اُسے ایک بہانہ چاہیے وہ قادر مطلق ہے اُسے کوئی نہیں پوچھ سکتا کہ
 اتنے بڑے پاپی کو کیوں معاف کر دیا ہے۔

کہ ابن ماجہ ص ۳۱۳ (فیاض)

استغفار
 کی برکات

فرمایا اللہ تعالیٰ ایسے گناہگاروں کو استغفار کرنے پر اس لیے معاف
 فرمادیتا ہے وَلَمْ يُصِصْ وَأَعْلَىٰ مَبَاقِعُنَا وہ غلطی کرنے کے اُس پر اصرار
 نہیں کرتے۔ گناہ کرنے کے سچے دل سے معافی مانگ لی، پھر اُس گناہ کے قریب
 نہیں جاتے۔ اسی لیے مفسرین کہتے ہیں کہ فَاتَّبَعْنَاهَا کبیرۃ بالاستغفار اگر انسان معافی
 مانگ لے تو پھر کبیرہ گناہ بھی کچھ نہیں۔ وہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ وَلَا صَفِيرَةٌ
مَعَ الْأَصُولِ اور اگر گناہ پر اصرار کرے گا، تو پھر صغیرہ گناہ بھی پہاڑ بن جائے گا۔ لہذا
 گناہ پر اصرار نہیں کرنا چاہیے بلکہ ہمیشہ اصلاح کے لیے آمادہ رہنا چاہیے۔
 اور ہر وقت استغفار کرتے رہنا چاہیے۔ استغفار کی مثال صابن کی ہے
 جس طرح صابن کپڑوں کی میل کچیل دُور کر دیتا ہے، اسی طرح استغفار
 دُلوں کو صاف کر دیتا ہے۔ اسی لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
 کہ استغفار کو لازم پکڑو۔ گناہ پر اصرار کرنے سے انسان ضدی اور معاند بن
 جاتا ہے۔ اس میں اصلاح کا مادہ ختم ہو جاتا ہے۔ دل میں کدورت اور تاریکی
 پیدا ہو جاتی ہے۔ اُس میں رنگ لگ جاتا ہے، اور جب وہ اصرار کی وجہ سے
 پختہ ہو جاتا ہے تو پھر اُس کا اترہ ہاشکل ہو جاتا ہے۔ لہذا غلطی پر اصرار نہیں کرنا
 چاہیے۔ وَهُمْ يَعْلَمُونَ اور وہ جانتے بھی ہیں یعنی نیکی اور برائی میں تمیز کرنا
 کوئی مشکل کام نہیں ہے، ہر انسان اس کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اس کے باوجود اگر
 غلطی پر اصرار کرتا ہے تو اس کے لیے تباہی ہے۔ اور جو لوگ گناہ پر اصرار نہیں کرتے
 بلکہ معافی مانگ کر پاک صاف ہو جاتے ہیں، فرمایا أُولَٰئِكَ جَزَاءُ ذَٰلِكَ
مَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ ایسے لوگوں کی جزا یہ ہے کہ اُن کے لیے اُن
 کے رب کی طرف سے مغفرت اور بخشش ہے۔ انہیں نجات کا پرمہ فراہم حاصل
 ہو جاتا ہے۔ اور اس کے علاوہ اُن کیلئے وَأَجَلَتْ تَجْرِبِي مِنْ
تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ایسے باغات ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔
 یہ باغات رہائش کے لیے نہایت قریب سے سجائے گئے ہوں گے۔

ان میں ہر قسم کی آسائش اور پیلوں کی فراوانی ہوگی۔ کامیاب لوگوں کا ٹھکانا وہاں عارضی نہیں ہوگا بلکہ خُلْدٌ بَيْنَ يَدَيْهَا اس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے، انہیں وہاں سے نکالا نہیں جائے گا۔ اور فرمایا کہ قانون خداوندی یہی ہے۔ وَكَفَوْا أَجْرَ الْعَمَلِينَ نیک اعمال کرنے والوں کے لیے یہ خوب اجر ہے۔ عمل بہت بڑی چیز ہے۔ ایمان اور عقیدے کی درستگی کے بعد فَلَا حِجَابَ کا دار و مدار عمل پر ہے۔ وَلِكُلِّ دَرَجَةٍ مِمَّا عَمِلُوا ہر ایک کو مرتبہ اس کے عمل کے مطابق ملے گا۔ لہذا نیک اعمال کرنے والے عزت کے مقام میں پہنچیں گے، خدا تعالیٰ کی طرف سے بخشش اور معافی ملے گی اور وہ ہمیشہ کے لیے معزز اور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے۔ یہ ان کی دائمی زندگی ہوگی اور اسکی نعمتیں بھی دائمی ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں سابقہ لوگوں کے تَبَتَّ حَبْتُهُ واقعات بیان فرمائے ہیں تاکہ آئندہ آنے والی نسلیں کو عبرت حاصل ہو۔ اسی لیے فرمایا فَدَخَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ تم سے پہلے بھی واقعات گزر چکے ہیں۔ ان میں اہل ایمان اور ان کو ملنے والے انعامات کا ذکر ہے۔ اور نافرمانوں کو ملنے والی سزاؤں کا بھی تذکرہ ہے۔ ان واقعات سے عبرت حاصل کرنے کے لیے فَتَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ زمین میں چلو پھرو۔ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكْذِبِينَ اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ قرآن پاک کے بیان کردہ واقعات کے عملی نشانات تمہیں جگہ جگہ ملیں گے، آپ کو پتہ چلے گا کہ نافرمانوں کا کیا حشر ہوا، کوئی پانی میں غرق ہوئے، کچھ آگ میں جل گئے، بعض کو آندھی نے آگھیرا اور بعض پر پتھروں کی بارش ہوئی یہ سب نشانات عبرت ہیں جو زمین میں سفر کرنے سے ملیں گے۔ لہذا عبرت کے لیے سفر اختیار کرنا اچھی بات کی علامت ہے۔

نشانات
عبرت

پرانے نشانات کے تحفظ کو آج بھی بعض صورتیں موجود ہیں۔ مگر ان سے

مقصود عبرت حاصل کرنا نہیں بلکہ محض استعجاب ہے جو کہ پسندیدہ چیز نہیں۔
 انگریزوں نے آثارِ قدیمہ کی حفاظت کا بندوبست کیا ہے۔ مگر کس مقصد کے لیے؟
 محض یہ جلنے کے لیے کہ کس زمانے میں کونسا طرزِ زندگی پایا جاتا تھا۔ پرانے
 زمانے کی عمارات، اوزار، برتن، کتے وغیرہ اُس زمانے کی تہذیب و ثقافت
 کی حفاظت کے نام پر محفوظ کیے جاتے ہیں۔ پرانی مورتیوں اور مجسموں کو بحفاظت
 رکھا گیا ہے۔ اس سے انسانیت کی کیا خدمت ہوتی ہے۔ اس سے تو بہتر
 تھا کہ انسانوں کی تعلیم و تربیت پر توجہ دی جاتی، اُن کے اذکار و قلوب کو
 زندہ کیا جاتا، مگر ایسا تو مقصود ہی نہیں ہے۔ سائنس کی ترویج و ترقی کے لیے
 بیشمار دولت صرف کی جا رہی ہے مگر انسانیت کی حقیقی فلاح کے لیے اس کا
 عشرِ عشر بھی خرچ نہیں کیا جاتا۔ سائنس نے جہاں بہت سی سہولتیں فراہم کی ہیں
 وہاں بہت سی تباہی کے سامان بھی پیدا کیے ہیں۔ ایک طرف آسمانوں تک
 پرواز کی جا رہی ہے اور دوسری طرف انسانوں کی تباہی کے لیے جدید ترین
 ہتھیار بھی ایجاد کیے جا رہے ہیں۔

بہر حال زمین میں عبرت کے لیے سفر کرنا چاہیے۔ تاکہ معلوم ہو سکے کہ
 اللہ کے احکام کو جھٹلانے والوں کا کیا حشر ہوا۔ اور اگر ہم بھی اُن کے نقشِ قدم
 پر چلیں گے، تو ہمارا حشر بھی ان سے مختلف نہیں ہوگا۔ اس کے بعد فرمایا
 هَذَا آيَاتُ اللّٰتِ اِنَّ فِيهَا لَعِبْرًا لِّمَنْ يَّرْتَعِلُهَا يَتَفَكَّرُ
 سٹیٹمنٹ (STATEMENT) ہے۔ اُن کو قانونِ قدرت بتلایا گیا ہے۔
 کہ فلاح و تقویٰ کا راستہ یہ ہے۔ اور تکذیب کا راستہ وہ ہے۔ وَهٰدِي
 وَهُوَ ظَلَمَ الْمُتَّقِينَ اللہ کی یہ آیات متقین کے لیے ہدایت اور نصیحت
 کا ذریعہ ہیں۔ اور متقین وہ ہیں جو کفرِ شرک اور مخاصی سے بچتے ہیں۔ خدا کی عظمت اور
 جلال ہمیشہ اُن کے سامنے ہوتا ہے۔ وہ حد و شرح کی حفاظت کرتے ہیں،
 قرآن پاک سے ہی لوگ فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔

لَنْ تَنَالُوا

ال عمران ۳

درس چل مرتبہ ۴۸

آیت ۱۳۹ تا ۱۴۳

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ
 مُؤْمِنِينَ ﴿۱۳۹﴾ إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ
 قَرْحٌ مِّثْلُهُ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ
 وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ
 وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿۱۴۰﴾ وَلِيَمَحَّصَ اللَّهُ الَّذِينَ
 آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِينَ ﴿۱۴۱﴾ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا
 الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ
 وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ
 الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ
 وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿۱۴۳﴾

ترجمہ: اور نہ است ہو اور نہ غم کھاؤ، اور تم ہی بلند ہو گے اگر تم ایمان لائے ہو ﴿۱۳۹﴾
 اگر پینچا ہے تم کو، نہ تم میں سے ایک پینچا ہے۔ ان لوگوں کو بھی زخم اس جیسا۔ اور یہ زمانے
 کے دن ہیں۔ جن میں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے ہیں۔ اور تاکہ اللہ تعالیٰ
 امتا کرے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور تاکہ بنائے تم میں سے شہید۔ اور اللہ
 ظلم کرنے والوں کے ساتھ محبت نہیں کرتا ﴿۱۴۰﴾ اور تاکہ اللہ تعالیٰ پاک کرے
 ان لوگوں کو جو ایمان لائے۔ اور مٹا دے اللہ تعالیٰ کفر کرنے والوں کو ﴿۱۴۱﴾
 کیا تم گمان کرتے ہو کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ اور ابھی تک اللہ نے
 ظاہر نہیں کیا ان لوگوں کو جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا۔ اور ظاہر نہیں کیا ان

لوگوں کو جنہوں نے صبر کیا (۴۲) اور البتہ تحقیق تم تمنا کرتے تھے موت کی قبل اس کے کہ تم اس سے ملتے۔ پس بیشک تم نے دیکھ لیا اس کو، اور تم آنکھوں کے سامنے اس کو تک ہے ہو (۴۳)

ربط آیات

غزوہ احد کے موقع پر مسلمانوں میں جو کمزوری واقع ہو گئی تھی اس کے ازالے کے لیے اللہ تعالیٰ نے بعض احکام نازل فرمائے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے سو دشمنوں سے منع فرمایا۔ غلطیوں اور کوتاہیوں سے بچنے کی تلقین فرمائی۔ غصے کو دبانے اور لوگوں کو معاف کرنے کی تعلیم دی۔ ہر خوشی اور تکلیف میں راہ خدا میں خسرو چ کرنے کی ترغیب دلائی۔ اور پھر گمراہی کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس سے تائب ہونے کا طریقہ بتلایا۔ کہ انسان اللہ تعالیٰ اور اس کی وعید کو یاد کرے اس سے بخشش طلب کرے، گناہ کی معافی مانگے اور آئندہ کے لیے ایسی برائی سے بچ کر جائے، اس پر اصرار نہ کرے۔ جو کوئی ان احکام پر عمل پیرا ہو گا اللہ تعالیٰ کی بخشش نصیب ہوگی اور اللہ کی ہر نعمت اس کے شامل حال ہوگی۔

مسلمانوں کی
حوصلہ افزائی

آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔ کہ اگر کسی وقت کوئی کمزوری واقع ہو جائے، کوئی غلطی سرزد ہو جائے، تو انسان کو دل نہیں ہار دینا چاہیے، کہ جہاد سے ہی منہ موڑ لے۔ بلکہ اُسے نئے دلوں اور نئے جوش و خروش کے ساتھ جہاد کی تیاری کرنی چاہیے۔ ارشاد ہوتا ہے۔
وَلَا تَهِنُوا اَوْسُتْ نَهْ جَوَاؤُ عَرَبِي زَبَانٍ مِّنْ وَهْنٍ سِسْتِي اَوْ كَمْزُورِي كُو
کہا جاتا ہے۔ اور دین کے معاملے میں یعنی جہاد کرنے یا کسی دوسری نیچی کرنے کے سلسلے میں وہن کو اختیار کرنا اچھی صفت نہیں ہے۔ حدیث شریف میں وہن کی مذمت آئی ہے۔ حضور بنی مکہ پر علیہ السلام نے فرمایا، جب تمہارے اندر وہن پیدا ہو جائے گا، تو تمہاری حالت تنزل اور پستی میں چلی جائے گی۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم نے عرض کیا، حضور! وہن کیا چیز ہے۔ فرمایا، حب الدنيا وکل ہیتہ الملویت۔ یعنی جب لوگوں کے دلوں میں دنیا کی محبت اور موت سے کراہت پیدا

ہو جائے گی، تو تم نہایت پستی میں چلے جاؤ گے۔ مقصد یہ کہ وہیں کو اختیار نہ کرو۔
دین کے معاملہ میں کمزوری اور سستی کا مظاہرہ نہ کرو۔

فرمایا وَلَا تَخْزَنُوا اور جو نقصان ہو چکا ہے۔ اس پر غمگین نہ ہو۔ جو ختم
غزوہ احد میں لگ چکا ہے۔ بڑے بڑے اکابر صحابہؓ شہید ہوئے ہیں۔ خود نبی کریم
علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تکلیف پہنچی ہے۔ اس پر غمگین نہ ہو۔ اور نہ سستی دکھاؤ۔
یہ درست ہے کہ اس موقع پر بڑی تکلیف پہنچی ہے۔ مگر اس وقتی شکست
میں بھی اللہ تعالیٰ کی بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں جو تمہاری بالآخر کامیابی پر منج
ہوگی۔ لہذا یاد رکھو! وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ اگر تم ایمان
پر قائم رہے تو دشمن کے مقابلے میں تم ہی بلند رہو گے۔ اللہ تعالیٰ کا تمہارے
ساتھ وعدہ ہے۔ کہ ایمان کے تقاضوں کو تم پورا کرتے رہو اور وہ تمہیں دشمن
پر غالب کر دیگا۔

اصول کے طور پر یہ بات سمجھ لینی چاہیے۔ کہ اہل اسلام کو جب کبھی کوئی
پریشانی لاحق ہو جائے، تو انہیں فوراً اپنا محاسبہ کرنا چاہیے کہ ایمان کے تقاضے
میں کمال کمزوری واقع ہوئی ہے۔ لازماً کوئی نہ کوئی عطلی سرزد ہوئی ہوگی۔ قادیسیہ
کی جنگ کے سال حضرت سعد بن ابی وقاصؓ تھے۔ دوران جنگ جب
بعض مورچوں پر مسلمانوں کو کچھ پریشانی لاحق ہوئی تو آپ نے مجاہدین کو جمع فرمایا
اور کہا، اے لوگو! میں سمجھتا ہوں کہ ہماری یہ کمزوری کسی گناہ کی وجہ سے واقع ہوئی
ہے۔ ضرور ہم سے کوئی کوتاہی ہوئی ہے۔ جس کی ہمیں تلافی کرنی چاہیے۔
آؤ سب مل کر اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں۔ مجھے یقین ہے
کہ اللہ تعالیٰ کامیابی عطا فرمائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ تین دن رات تک متواتر
جنگ ہوئی۔ آخر اللہ نے فتح عظیم عطا فرمائی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے
فرمایا کہ اگر تم ایمان پر قائم رہے۔ تو تم ہی غالب رہو گے۔

اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔ دیکھو ان یحتمسکوا

قَسْرَحُ اگر تمہیں غزوہ احد میں زخم پہنچا ہے۔ بڑے بڑے عظیم المرتبت ستر صحابہ کرام
 شہید ہوئے اور بہت سے زخمی بھی ہوئے ہیں۔ تو یہ کوئی ایسی تکلیف نہیں جو صرف
 تمہیں پہنچی ہے۔ اس قسم کا زخم کافروں کو تو پہلے ہی لگ چکا ہے۔ فَتَدُ
 مَسَّ الْقَوْمِ قَسْرَحٌ مِّثْلَهُ جگہ بدر میں ان کے بھی ستر گمردہ آدمی مائے
 گئے تھے اور اتنے ہی قیدی بنے۔ پھر ان کو فدیہ دینا پڑا اور بڑی ذلت اٹھانا
 پڑی۔ یاد رکھو! انسان کبھی ایک حالت پر قائم نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت
 اور مصلحت کے مطابق حالات میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ بخاری شریف
 میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ جب ہرقل نے ابوسفیانؓ
 سے پوچھا کہ تمہارے اور مسلمانوں کے درمیان معاملات کیسے ہتے ہیں، ان کے
 ساتھ کبھی مٹھ بھیسڑ بھی ہوئی ہے۔ اور اس کا کیا نتیجہ نکلا ہے۔ تو ابوسفیانؓ نے
 جواب دیا الحرب سجال بیننا و بینہم یعنی ہمارے اور ان کے
 درمیان لڑائی کا معاملہ پانی کے ڈول کی مانند ہوتا ہے۔ کبھی کسی نے ڈول گزریں
 میں ڈال کر پانی نکال لیا اور کبھی کسی نے۔ یعنی لڑائی کی صورت میں کبھی ہم غالب
 آتے ہیں اور کبھی مسلمان غالب آتے ہیں۔ ہرقل نے کہا کہ اللہ کے رسولوں کا معاملہ
 ایسا ہی ہوتا ہے۔ انہیں دشمن کے مقابلے میں کبھی فتح ہوتی ہے اور کبھی شکست
 مگر بالآخر اللہ اپنے رسولوں کو غالب عطا کرتا ہے۔ عنرضیکہ اللہ تعالیٰ نے منسرایا
 کہ اے مسلمانو! احد کی عارضی شکست سے گھبرو نہیں وَتِلْكَ الْآيَاتُ تَدْوُلُهَا
 بَيْنَ السَّائِسِ یہ دن ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گمراہی دیتے ہتے ہیں۔
 ہمیشہ ایک سی حالت نہیں رہتی کہ ہمیشہ فتح ہو یا ہمیشہ شکست ہو، بلکہ یہ دونوں
 چیزیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ اگر اب تکلیف پہنچی ہے۔ تو اس کا اچھا بدلہ ملیگا
 تکلیف پہنچنے میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکمت رکھی ہے کہ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ
 السَّيِّئِينَ اَمْشُوا تا کہ اللہ تعالیٰ جان لے ان لوگوں کو جو ایمان لائے۔
 امام بیضاویؒ اور بعض دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں پر يَعْلَمُ سے مراد

آزمائش اور
 اسی حکمت

محض جاننا نہیں، کیونکہ خدا تعالیٰ کا علم تو انہی اہل ایمان پر یہ لفظ علم ظہور کا معنی دیتا ہے۔ تو مطلب یہ ہو گا۔ تاکہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے سامنے ظاہر کرنے، اُن لوگوں کو جو ایمان لائے لوگوں کو پتہ چل جائے کہ اہل ایمان تکلیفیں اٹھا کر بھی ایمان پر قائم رہتے ہیں اور حق کے راستے کو ترک نہیں کرتے۔

عزیزہ احد کی وقتی شکست کی دوسری حکمت یہ ہے وَيَتَّخِذُ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ اور تاکہ تم میں شہید بنائے جو لوگ بوجہ عزوہ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے، اُن کی انتہائی خواہش تھی کہ اللہ تعالیٰ انہیں راہ حق میں جہاد کی شہادت نصیب کرے اور وہ بھی اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر کے مرتبہ شہادت پر فائز ہوں۔ چنانچہ اُن کی اس خواہش کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں شہادت بھی عطا فرمائی۔ یہ بھی سراسر نفع کا سودا تھا۔ فرمایا وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔ محبوب خدا بننے کے لیے ایمان اور نیکی کی ضرورت ہے۔ بشرک اور کفر کرنے والے اللہ کی نگاہ میں کبھی محبوب نہیں بن سکتے یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے۔ کہ اگر کسی وقت اہل اسلام کو شہادت ہو جائے، اُن پر غیر مسلم غالب آجائیں، تو اس کا یہ مطلب نہیں ہو گا۔ کہ مسلمان اللہ کی نگاہ میں گھر گئے ہیں۔ اور کافر محبوب بن گئے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں۔ انسانیت کے تقاضے کے مطابق کبھی پیش ہو سکتی ہے مسلمان آزمائش میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ مگر خدا کا دشمن کافر اور مشرک اس کا محبوب ہرگز نہیں بن سکتا۔ وقتی طور پر اس دنیا میں کافر خوشحال ہو سکتا ہے اُسے کامیابی بھی حاصل ہو سکتی ہے، اُسے استدرج کہتے ہیں۔ مگر آخرت میں کافر لازماً پھٹا جائے گا۔ اور اُسے کفر کا بدلہ چکانا ہو گا۔ اسی لیے فرمایا کہ اللَّهُ تَعَالَىٰ ظَلَمَ كَرْنَهُ والوں سے ہرگز محبت نہیں کرتا۔ محبت کے لائق اس کے وہ بندے ہیں۔ جو اُس پر ایمان لائے۔ اور اعمالِ صالحہ انجام دیئے۔

مومنوں کا
تذکرہ فیض

ہے۔ وَلِيْمَحْصَلِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تاکہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو پاک کرے
ان کا تزکیہ کفص کرے۔ اصل پاک تو روح اور جان کی پاکی ہوتی ہے۔ مشاہدہ اللہ
اس کو نسمہ کہتے ہیں۔ شاہ اسماعیل نے اپنی معرکہ الاراکتاب عبادت میں لکھا ہے
کہ انسان کے نسمے کا پاک ہونا ضروری ہے۔ عبادت، ریاضت، ذکر و اذکار
اسی مقصد کے لیے کیے جاتے۔ خصوصاً عبادت میں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور
حج وغیرہ نسمہ کی پاکیزگی کا سبب بنتے ہیں۔ جہاں ایک اتنا بڑا عمل ہے جس
کے ذریعے انسان اپنے جسم و جان تک کو راہ خدا میں لگا دیتا ہے۔ مفسرین کرام
فرماتے ہیں، کمر جہاد میں مومن کو لگنے والی ایک ٹھوکر یا اس کے جسم پر آنیوالی
ایک ضرب اس کے نسمہ کو پاک کر کے اسے حظیرۃ القدس کا اہل بنا دیتی ہے
دشمن کی تلوار کا ایک وارحقوق العباد کے سوا اس کے تمام گناہوں کی معافی کا
ذریعہ بن جاتا ہے۔ مقصد یہ کہ اہل ایمان کو تکلیف پہنچنے پر بھی اُس کے لیے
بہت سی فائدے کی چیزیں ہیں۔

مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرماتے ہیں۔ کہ برصغیر میں مسلمانوں پر جب زوال
آیا، تو وہ دل برداشتہ نہیں ہوئے، بلکہ انگریز جیسی جاہل طاقت کے سامنے
ڈٹ گئے۔ انہوں نے مسلمانوں کو ہر طریقے سے تنگ کیا، وہ طرح طرح کی
آزمائشوں میں مبتلا ہوئے۔ مگر دین کا دامن تھامے رہے اور ایمان کی حقانیت
پر حریف نہیں آنے دیا۔ یہی وہ صفت ہے جس کے ذریعے انسان کا نسمہ پاک ہوتا
ہے۔ اور وہ بارگاہِ خداوندی میں پہنچ کر اس کے فیضان سے مستفید ہوتا ہے۔

فرمایا کفر و اسلام کے درمیان جنگ و جدال کا ایک مقصد تو مومنوں کا تزکیہ ہے
اور دوسرا وَيَمْحَقُ الْكٰفِرِيْنَ اس کے ذریعے وہ کافروں کو مٹاتا ہے۔
کفر و اسلام کی بڑی جنگیں ہوئیں۔ کبھی مسلمانوں کو فتح ہوئی اور کبھی کفار کا پلہ بھاری رہا۔
مگر حتمی نتیجہ کیا نکلا۔ اللہ تعالیٰ نے کفر کو ایسا مٹایا کہ پورے عرب کو کافروں سے
پاک کر دیا۔ اور مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ مراکز اسلام بن گئے۔ فتح مکہ کے دن حضور علیہ السلام

نے فرمایا کہ آج کے بعد مکہ پر چڑھائی نہیں کی جائیگی۔ بلکہ مکے والے دیگر ممالک پر چڑھائی
کریں گے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ ایسا ہی ہوا۔ محوٹے ہی عرصہ میں آدھی دنیا پر
اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے جہاد کے ذریعے کفر کو یامیٹ کر دیا۔

جہاد اور
صبر

اہل ایمان کی کامیابی کے لیے جہاد اور صبر بہترین ہتھیار ہیں۔ جب تک انسان
میں جذبہ قربانی پیدا نہ ہو، اس کے ایمان کی تکمیل ممکن نہیں۔ اور پھر اگر تکلیف پہنچنے
پر صبر کا دامن چھوڑے تو یہ بھی اس کے ایمان کی کمزوری کی علامت ہے۔ آگے
اللہ تعالیٰ نے ان دونوں چیزوں کی اہمیت تنبیہ کے انداز میں بیان فرمائی ہے
کہ لے اہل اسلام! اَوْ حَسَبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ كَمَا تَمُكَّمَان
رکھتے ہو کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے وَلَمْ يَاعْلَمِكُمْ اللهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا فِيْهِ
حالانکہ ابھی تک اللہ تعالیٰ نے تم میں سے مجاہدین کو ظاہر نہیں کیا۔ جان کی بازی
لگانے والوں کا پتہ تو جب چلے گا، جب جہاد کا موقع آئے گا۔ جہاد کرنے
والے لوگ اس وقت ظاہر ہوں گے، جب وہ دشمن کے مقابلے میں آئیں گے۔
محض زبان سے کلمہ پڑھ لینے سے جنت کا ٹکٹ نہیں مل جائے گا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ
جہاد کا موقع فراہم کر کے تمہیں آزمائیں گے، کہ وہ کون لوگ ہیں، جو جان کی بازی
بھی لگا سکتے ہیں۔ دوسرے مقام پر فرمایا وَلَنْ يَلْبُوَكُمْ فِيْ شَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ
وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ يَعْنِيْ هُمْ تَمِيْمٌ مَّخْتَلِفٌ الْأَنْوَاعِ الْأَنْثُوْنِ
میں ڈال کر دیکھیں گے کہ تم میں سے کون ہیں جو ان آزمائشوں پر پورا اترتے ہیں۔
خوف اور بھوک برداشت کرنا پڑے گا اور اس کے ساتھ ساتھ مال و جان کی
قربانی بھی دینا ہوگا۔

فرمایا پہلی آزمائش تو یہ ہوگی کہ جہاد کے لیے کون تلوار لے کر میدان میں
اترتا ہے۔ اور پھر جب میدان جنگ میں تکلیف پہنچتی ہے۔ تو یہ بھی دیکھنا ہے
وَ يَعْلَمُ الصَّابِرِيْنَ كَمَا صَبَرَ كَمَا تَابَهُ۔ تکالیف و مصائب کو برداشت
کرنے کی ہمت کس میں ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ تمہیں جنت میں داخلہ یونہی

موت کی
تمنا

تہیں مل جائے گا۔ ابھی تو ہم نے مجاہدین اور صبر کرنے والوں کو ظاہر ہی نہیں کیا۔
آگے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یاد دلایا وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَتُّونَ
الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْهُ تم موت آنے سے پہلے اس کی
 تمنا کیا کرتے تھے۔ جو لوگ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ ان کے
 جذبات بڑے تیز تھے۔ وہ دشمن سے دوبارہ ٹکرائے جانے کے لیے بیتاب
 رہتے تھے۔ اور غمگین ہوتے تھے۔ کہ جہاد کا موقع آئے تو انہیں بھی شہادت
 جیسا بلند مقام نصیب ہو۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ صحابہ کرام نے حضور
 علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کرتے ہوئے عرض کیا تھا۔ حضور! ہم
 دین حق کی خدمت کرتے رہیں گے وَلَقَدْ نَفْسًا اور بھانگیں گے نہیں یہاں
 تک کہ ہمیں موت آجائے۔ صحابہ کرام نے اللہ کے رسول سے جو وعدہ کیا تھا،
 اُسے نبھا کر دکھایا۔ انہوں نے جہاد کے میدانوں میں وہ معرکے دکھائے جو ہمیشہ
 یادگار رہیں گے۔ ان کی فتوحات کا راز اس بات میں مضمر تھا، کہ انہوں نے
 موت کا چیلنج قبول کر لیا تھا۔ حضرت زبیرؓ معرکہ مصر میں شریک تھے جب
 قلعہ کا محاصرہ طویل پکڑ گیا۔ تو فرمایا اے لوگو! آؤ سب سے پہلے میں اپنی جان کا نذرانہ
 پیش کر تا ہوں۔ مجھے ٹوکری میں ڈال کر رسی کے ذریعے قلعہ کے اندر اتار
 دو۔ جب اندر پہنچ کر میں نمرہ بکیر بلند کروں، تو تم بھی باہر سے جواب دینا۔ اللہ کو منظور
 ہوا تو ہم کامیاب ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا حضرت زبیرؓ کو اندر اتار دیا گیا، کچھ
 اور لوگ بھی دیوار پر چڑھ گئے۔ آپ نے قلعہ میں داخل ہو کر تلوار چلائی شروع کر دی اور اندر
 سے دروازہ کھول دیا۔ اسلامی فوج اندر داخل ہو گئی معرکے کا رن پڑا اور قلعہ فتح
 ہو گیا۔ یہ ہیں وہ قربانیاں جن کے ذریعے مسلمانوں نے شجر اسلام کی آبیاری کی۔
 حضرت زبیرؓ کو چھوڑ کر لوگوں کی لڑائی میں دشمن کی دو لاکھ کی تعداد کی فوج میں ایک
 گھس گئے تھے۔ صفوں کو پھرتے ہوئے ایک سکر سے دوسرے سکر تک
 چلے گئے۔ بہادری کے غب غب جو ہر دکھائے جسم کا کوئی حصہ زخموں سے

خالی نہیں تھا۔ کندھے پر اتنا بڑا زخم کا نشان تھا کہ اس کا کٹا بن گیا تھا جس میں بچے
 ہاتھ ڈال کر کھیلتے بہتے تھے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو یاد دلایا کہ
 تم جہاد اور شہادت کی تمنا کرتے تھے۔ تو اب یہ موقع تمہیں فراہم کیا جا رہا ہے
 فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ جَسَمًا نَمَّ كَرْتَمٍ نَمَّ كَرْتَمٍ وَانْتُمْ تَنْظُرُونَ اور تم
 اسے اپنی آنکھوں کے سامنے تک رہے ہو۔ لہذا اب جان کی بازی لگانے کے
 لیے تیار ہو جاؤ۔ اور ہر قسم کی مشکلات کو سینے سے لگا لو۔ آخر کار کامیابی تمہاری
 ہی ہوگی۔

درس چہل و نہ ۴۹

آیت ۱۴۲ تا ۱۴۵

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ
 أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ
 وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقْبَيْهِ فَلَنْ يَصُرَ اللَّهُ شَيْئًا
 وَسَيَجْزِيَهُ اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴿۱۴۲﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ
 أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كَتَبَ مُوَجَّلَاءُ وَمَنْ يُرِدْ
 ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ
 الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا وَسَيَجْزِيَهُ الشَّاكِرِينَ ﴿۱۴۵﴾

ترجمہ: اور نہیں ہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول تھے۔ پہلے ہیں
 ان سے پہلے بھی رسول۔ اگر وہ مر جائیں یا شہید کر دیے جائیں، تو کیا تم اٹلے پاؤں پلٹ
 جاؤ گے۔ اور جو شخص اٹلے گا، اپنی اڑیوں پر، پس ہرگز وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں
 پہنچا سکیگا۔ اور اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو بدلہ دیتا ہے ﴿۱۴۲﴾ اور نہیں ہے
 کسی جان کے لیے کہ وہ مرے مگر اللہ کے حکم سے۔ ایک مقرر کیا ہوا نوشتہ ہے
 اور جو شخص دنیا کا ارادہ کرتا ہے۔ ہم اس کو بدلہ دیتے ہیں اس میں سے۔ اور جو آخرت
 کا ارادہ کرتا ہے۔ ہم اس کو اس میں سے بدلہ دیتے ہیں۔ اور ہم شکر ادا کرنے والوں
 کا بدلہ دیں گے ﴿۱۴۵﴾

سلسلہ کلام مغز وہ احد کے متعلق ہی چل رہا ہے۔ اس سے پہلے ارشاد رہا آیات
 ہو چکا ہے کہ دشمن کے مقابلے میں سستی نہ دکھاؤ۔ اور کوئی تکلیف پہنچنے پر
 تنگیں بھی نہ ہو۔ اگر تم ایمان کے تقاضوں پر پورا اترو گے، تو غلبہ تمہیں ہی حاصل
 ہوگا، تم حدیں تکلیف پہنچنے پر رنجیدہ خاطر ہو، تو اس قسم کی تکلیف تو دشمنوں کو بھی پہنچ

چکی ہے۔ فرمایا کہ ہم زمانے کے دنوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں۔ کبھی کسی گمراہہ کا پلہ بھاری ہوتا ہے، کبھی کسی کا۔ اللہ تعالیٰ نے اذیت پہنچنے میں بھی حکمت رکھی ہے۔ اس میں بھی بہت سی مصلحتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو ممتاز کرنا چاہتا ہے۔ اور بعض کو شہادت کے درجے پر فائز کرنا چاہتا ہے یہ نہ سمجھو کہ اس میں کافروں کو بڑائی حاصل ہوتی ہے۔ اللہ ان سے ہرگز محبت نہیں کرتا۔ اس کے علاوہ یہ بھی مصلحت ہے کہ آزمائش میں ڈال کر اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو، ان کی جانوں اور لیسوں کو پاک کرنا چاہتا ہے۔ اور کافروں کو مٹانا چاہتا ہے۔ ایسی آزمائشوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ جہاد اور صبر کرنے والے لوگوں کو ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ تم دشمن کے ساتھ ٹکریلے کے لیے بیتاب تھے۔ اب اللہ نے موقع فراہم کیا ہے۔ تم پھیرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ثابت قدمی سے مقابلے پر آؤ۔

سائیکھو
 آج کی اس آیت میں بھی اُس خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو غزوہ احد میں پیش آیا۔ جنگ کی حکمت عملی کے طور پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تیراندازوں کی ایک جماعت کہ پہاڑ کے درے پر تقرر فرمایا تھا اور حکم دیا تھا کہ یہاں فتح ہو یا شکست تم نے اس درے کو نہیں چھوڑنا۔ لڑائی شروع ہوئی۔ مسلمانوں کا پلہ بھاری تھا۔ دشمن بھاگ نکلا، اس دوران کچھ مجاہدین نے کفار کا تعاقب کیا۔ اور بعض دو سکر مال غنیمت اکٹھا کرنے لگے۔ اس موقع پر درے پر مامور تیراندازوں نے غلطی کی۔ حضور علیہ السلام کے حکم کے برخلاف ان کی اکثریت پہاڑ سے نیچے اتر کر مال غنیمت پر متوجہ ہو گئی، صرف دس آدمی مقررہ مقام پر باقی رہ گئے۔ اُس وقت دشمن کی کمان خالد بن ولیدؓ کے ہاتھ میں تھی۔ جب انہوں نے جنگی اہمیت کے حامل اُس درے کو خالی پایا تو گھڑ سواروں کی عسارت کے ساتھ وہاں پہنچ گئے اور مسلمانوں پر عقب سے حملہ کر دیا۔ بھاگنے والے مشرکین نے جب دیکھا کہ ان کی فوج مسلمانوں کے عقب میں پہنچ گئی ہے۔ تو وہ بھی پلٹ آئے۔ اور اس طرح اہل اسلام کفار کے دو لشکروں کے درمیان

آگئے۔ درے پر موجود دس آدمی پہلے ہی شہید ہو چکے تھے۔ بہت سے دوسرے مسلمان بھی شہید ہوئے۔ عتبہ بن ابی وقاص نے حضور علیہ السلام پر پتھر پھینکا جس سے نمودیں لگی ہوئی دو کھڑیاں حضور علیہ السلام کے رخسار مبارک میں دھسن گئیں۔ آپ شدید زخمی ہوئے۔ ابن قمیہ نے نبی علیہ السلام پر حملہ کیا۔ جس سے آپ کے دانت مبارک شہید ہو گئے۔ آپ کے جسم اطہر سے کافی مقدار میں خون بہ گیا۔ حضرت مصعب بن عمیر حضور کا دفاع کر رہے تھے۔ پرچم اسلام بھی اُن کے ہاتھ میں تھا انہوں نے بھی اپنی جان حضور پر قربان کر دی۔ ابن قمیہ نے شور مچا دیا کہ اُس نے خود حضور علیہ السلام کو شہید کر دیا ہے۔

یہ سن کر مسلمانوں میں بددلی پھیل گئی۔ بہت سے ہمت ہار بیٹھے۔ بعض نے تجویز کیا کہ عبداللہ بن ابی کوکبہ کو اہل بیت سے امان حاصل کر لینی چاہیے۔ مگر بعض دوسرے جانثاروں نے کہا۔ کہ جب حضور علیہ السلام ہی ہم میں موجود نہ ہے۔ تو ہماری زندگیوں کس کام کی ہیں۔ ہمیں بھی دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو جانا چاہیے۔ حضرت انس بن مالکؓ کے چچا انس بن نضرؓ بنی نجار میں سے تھے کتنے لگے۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہید کر دیے گئے ہیں تو رب محمدؐ تو زندہ ہے۔ ہمیں اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے راستے پر اپنا سفر جاری رکھنا چاہیے۔ یہ کچھ دشمنوں پر حملہ آور ہوئے اور جام شہادت نوش فرمایا۔

اس موقع پر پورے لشکر اسلام میں افراتفری پھیل گئی۔ سب لوگ اِدھر اُدھر بھاگ گئے، صرف کاترہ یا پچیس آدمی ثابت قدم رہے۔ اُن میں حضرات ابو بکرؓ، عمرؓ، علیؓ، طلحہؓ، ابوطالبؓ، ابو جہلؓ، سعدؓ وغیرہ شامل تھے۔ ایک صحابی نے حضور علیہ السلام کو زخمی حالت میں پہچانا اور لوگوں کو آواز دی کہ حضور علیہ السلام زندہ سلامت ہیں۔ آپ نے اُسے آواز نپست رکھنے کا حکم دیا۔ پھر آپ نے فرمایا۔ اللہ کے بندو! تم کدھر بھاگ گئے ہو۔ آپ کے ارشاد پر لوگ پھر اکٹھے ہو گئے۔ انہوں نے دشمن کا مقابلہ کیا اور دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے۔

آج کی آیت میں حضور علیہ السلام کی شہادت کی افواہ پھیلنے سے جو بددلی
ذاتِ خداوندی پیدا ہو گئی تھی، اس کی طرف اشارہ ہے۔ اور مسلمانوں کو تبتیہ کی جا رہی ہے کہ
اس قسم کے واقعات سے بد دل نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ یہ ایک فطری عمل ہے
جو ہمیشہ سے ہوتا رہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَكَمَا هُمْ كَمَا رَأَوْا الرَّسُولَ لَا يَنْبَغِي

ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مگر اللہ کے رسول۔ آپ رسول ہیں۔ خود خدا تو
نہیں جو ازلی ابدی ہستی ہے۔ کج حیثیت رسول آپ کو بھی وہ آزمائشیں آسکتی
ہیں جو آپ سے پہلے رسولوں پر آئیں۔ اللہ کے بہت سے رسول طبعی موت
کے ذریعے اپنے رب کی بارگاہ میں پہنچے اور ان میں سے بہت سے کافروں
کے ہاتھوں شہید بھی ہوئے۔ لہذا رسول کی موت کے بعد مسلمانوں کا دین سے
پلٹ جانا بگڑتا رہتا ہے۔ نبی اور رسول کی زندگی بھی ایک نہ ایک دن ختم ہونے
والی ہے۔ اور وہ صرف خدا کی ذات ہے جو ازلی ابدی، حسی اور قیوم ہے
لہذا کسی ایسی متوقع صورت میں اہل ایمان کو بد دل نہیں ہونا چاہیے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حضور علیہ السلام کی ذات اقدس اپنی
جانوں سے بھی زیادہ عزیز تھی۔ بعض اوقات ان ان اپنی جان مینے کے لیے
تیار ہو جاتے ہیں مگر اپنے پیروں و مرشد یا برگزیدہ ہستی کے متعلق بہت زیادہ حساس
ہوتے ہیں لہذا ان کی تکلیف کے مقابلے میں اپنی جان کی بازی لگا دینے
سے بھی گریز نہیں کرتے، جو لوگ راسخ العقیدہ اور ثابت قدم تھے، ان میں کسی
قسم کی بددلی پیدا نہیں ہوئی۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر حضور علیہ السلام ہم میں موجود نہ
بھی رہیں، دین تو تب بھی قائم رہیگا۔ اور اس دین کے لیے محنت اور کوشش
کرنا اولین فرض ہوگا۔ دین تو سبحان اللہ ہی ہے۔ جو ازلی ابدی ذات ہے۔
لہذا اس دین کی حفاظت لازم ہے۔ لہذا راسخ العقیدہ مسلمان پھر اپنے پاؤں
پر کھڑے ہو گئے۔

فرمایا قَدْ حَكَتُ مِنْ قَبْلِكَ الرَّسُولُ أُبَّيْ مِنْ قَبْلِكَ مِنْ قَبْلِكَ مِنْ قَبْلِكَ

سے رسول گزر چکے ہیں اَقْتَابِنَ صَاکَاتِ وہ اپنی طبعی موت سے وفات پا کر اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہوں اَوْ قُتِلَ یا شہید کر دیے جائیں اِنْقَلَبْ کُمْ عَلٰی اَعْقَابِكُمْ تو اے ایمان والو کیا تم اپنے اٹھے پاؤں پلٹ جاؤ گے کیا اپنے دین کو چھوڑ دو گے۔ اللہ تعالیٰ نے تینہ فرمائی کہ رسول کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد دین تو ختم نہیں ہو جائے گا۔ اس لیے تمہیں اپنے دین پر قائم رہنا ہو گا۔ یہ خیال دل سے نکال دو کہ جب حضور علیہ السلام تم میں موجود نہیں رہیں گے۔ تو تم دین اسلام ترک کر کے پھر اپنے پرانے دین کی طرف پلٹ جاؤ گے۔ فرمایا وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلٰی اَعْقَابَيْهِ اور جو کوئی اپنی اڑیوں پر پلٹے گا۔ فَكَانَ يَضِيَّ اللّٰهَ شَيْدًا پس وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ دین سے مرتد ہو کر وہ اپنا ہی نقصان کمرے گا۔ اور یاد رکھو! وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ اللہ تعالیٰ شکر ادا کرنے والوں کو بدلہ اور ثواب عطا کرے گا۔

قَدْ خَلَقْنَا مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلَ سے مرزا میوں نے غلط استدلال کیا ہے۔ کہ حضور علیہ السلام سے پہلے سب کے سب رسول گزر چکے ہیں جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی شامل ہیں۔ اس سے وہ آپ کی موت ثابت کمرے اپنے جعلی مسیح مرزا قادیانی کے لیے راہ ہموار کرتے ہیں۔ حالانکہ عبداللہ بن مسعود کی روایت کے مطابق الرسل سے مراد سائے رسول نہیں بلکہ کچھ رسول گزر چکے ہیں۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں۔ کہ اگر الرسل سے سائے رسول بھی مراد لیے جائیں تو بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ آسمان پر اٹھایا جانا بھی گزر جانے کے مترادف ہے۔ اس دنیا سے تو وہ ایک دفعہ گزر کر ہی آسمان پر گئے ہیں جہاں وہ زندہ ہیں اور قرب قیامت میں دوبارہ نزول فرمائیں گے۔ مرزا میوں کا سختیہ محض دجل، احقاد اور کفر ہے۔ اس آیت سے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت ثابت نہیں ہوتی۔

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے تمہیں کمرے والوں کا تذکرہ کیا ہے کہ انہیں

اچھا بدلہ دیا جائے گا۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں۔ کہ یہاں شکر ادا کرنے سے مراد دین پر ثابت قدم رہنا ہے۔ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ اور امیر المومنینؓ تھے کیونکہ وہ جنگ احد کے موقع پر ثابت قدم رہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات پر جب صحابہ کرامؓ سخت پریشانی کے عالم میں تھے۔ تو صدیق اکبرؓ نے یہی آیت تلاوت کی تھی۔ وَمَا مَحْضِدُ إِلَّا رَسُولٌ ۖ سَلَّمَ الْأَلْبَابُ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ کہ حضور علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔ اسلام کی نعمت پر ثابت قدم رہنا ہی شکر گزاری کی علامت ہے اور سب سے بڑھی نعمت ایمان ہے، جسے نصیب ہو جائے۔ جو شخص ایمان پر ثابت قدم ہے گا۔ اس کے پاؤں میں لغزش نہیں آئیگی۔ یقیناً وہ شکر گزار ہو گا۔ احد کے میدان میں جب مسلمان کفار کے دو گمراہوں کے درمیان گھبر گئے، حضور علیہ السلام کی شہادت کی افواہ اڑ گئی تو کئی صحابہؓ تتر بتر ہو گئے۔ پھر جب آپؐ کو زندہ سلامت پایا گیا تو صحابہ کرامؓ دوبارہ آپکے گرد جمع ہو گئے۔ وہ اپنی لغزش پر ناام ہوئے اور پھر ثابت قدم ہو گئے۔ آگے آئیگا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس لغزش کو معاف فرما دیا۔ الغرض یہاں پر شکر گزاری سے مراد ایمان پر ثابت قدمی ہے۔

ابن قیم نے حضور علیہ السلام کا دفاع کرنے والے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو شہید کر کے حضور علیہ السلام کی شہادت کی افواہ اڑا دی تھی۔ آپ نے اس پر سخت کے متعلق فرمایا تھا۔ خدا تیری جڑ اکھاڑے۔ اس شخص کی سزا کے متعلق دو روایات ملتی ہیں۔ ایک روایت تو یہ ہے۔ کہ اس لڑائی میں حضرت ابو جہارؓ نے اس کا سر قلم کر دیا تھا۔ اور دوسری روایت یہ ہے۔ کہ یہ شخص کہیں پہاڑوں کے درمیان ہنفر کر رہا تھا۔ اچانک ایک جنگلی بکرا جسے عربی میں وعل کہتے ہیں نمودار ہوا، اور اس نے ابن قیمہ پر حملہ کر کے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اس وقت اسلام کے اور بھی بڑے بڑے دشمن تھے۔ حضرت خالد بن ولید اور ابو سفیانؓ اور بعض دوسرے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے بعد میں ایمان کی دولت نصیب فرمائی۔ جنگ بدر میں حضرت حمزہؓ نے ہندہؓ کے بیٹے کو قتل کیا تھا،

ہے عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ فِى دُنْيَاكَ مِنْ خَواہِشٍ لِّئَلَّا يَمَسَّكَ مِنَ الْعَذَابِ شَيْءٌ لِّمَنْ يَشَاءُ اللَّهُ فَاغْنِي عَنْكَ اللَّهُ طاعت اور فرمانبرداری کی منشاء ہے، جتنا چاہے عطا کر دے۔ بر خلاف اس کے وَمَنْ يُؤْتِكُمْ ثَوَابَ الْجَنَّةِ جِو کوئی آخرت کے ثواب کا طلبگار ہے تَوَكَّلْ عَلَيْهِمْ لَعَلَّكُمْ تَهْتَكُونَ میں سے بدلہ دیں گے۔ ظاہر ہے کہ کوئی شخص دنیا کی خواہش کرتا ہے وہ غرض فانی کے لیے کرتا ہے، جو چند روز بعد ختم ہو جانے والی ہے اور جو کوئی آخرت کی خواہش کرتا ہے۔ تو اس سے مراد خدا تعالیٰ کی رضا ہے، جو دائمی ہے آخرت کی خواہش کے ذریعہ سے ہی انسان اپنی جان کی بازی لگا دیتا ہے۔ جس سے دین قائم ہوتا ہے۔ اسلام کو غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ یہی چیز روحانی ترقی کا ذریعہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت و کامیابی کی دلیل ہے۔ اس خواہش کا مقصد حیدر ہے کہ ان حنیفۃ القدر کا ممبر بن جائے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچ جائے۔

فَرِيَا وَ سَيَجْزِي اللَّهُ الشُّكْرِيْنَ ہم شکر ادا کرنے والوں کو پورا پورا بدلہ دیتے ہیں۔ اور شکر گزار ہی یہ ہے کہ انسان ایمان، توحید، اطاعت اور فرمانبرداری کے کاموں پر ثابت قدم ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔ سب سے پہلی ثابت قدمی حضور علیہ السلام کے صحابہ کرامؓ کو حاصل ہوئی، جو براہ راست حضور کے فیض یافتہ تھے۔ جو تھوڑی بہت کمزوریاں رہ گئیں تھیں، وہ بھی دفع ہو گئیں۔ ان کی غلطیاں معاف ہو گئیں اور وہ لوگ مجموعی طور پر شکر گزار بن گئے۔ یہی لوگ ایمان کی دولت کے محافظ تھے ایمان ہی ان کی سب سے قیمتی متاع تھی جسے انہوں نے آئندہ نسلوں کو منتقل کیا۔ ایمان کے علاوہ باقی سب چیزیں فانی اور بے حقیقت ہیں۔

لن تنالوا ۴

الاعصران ۳

درس پنچاھ ۵۰

آیت ۱۴۶ تا ۱۴۸

وَكَانَ مِنْ نَبِيِّ قُتِلَ مَعَهُ رِبِّيُونَ كَثِيرٌ فَمَا
وَهُنَالِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا

وَمَا اسْتَكَانُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ ﴿۱۴۶﴾ وَمَا كَانَ
قَوْلَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَ
إِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبَّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا
عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿۱۴۷﴾ فَآتَاهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا

۵۸۵

وَحَسَنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۴۸﴾

ترجمہ: اور بہت سے نبی ایسے گزے ہیں کہ ان کے ساتھ مل کر بہت سے
اللہ والوں نے جنگ کی۔ پس وہ ہمت نہیں ہارے اس پر جو بھی ان کو اللہ کے
راستے میں تکلیف پہنچی اور نہ وہ ضعیف یا سست ہوئے اور نہ وہ دشمن

کے سامنے (ہیے)۔ اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ﴿۱۴۶﴾

اور نہیں تھی ان کی بات مگر یہ کہ انہوں نے کہا اے ہمارے پروردگار! ہمارے
لیے ہمارے گناہ بخش دے اور ہمارے معاملے میں ہماری زیادتی کو (بھی بخش دے)

اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھ۔ اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما ﴿۱۴۷﴾
پس اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کا ثواب بھی دیا اور آخرت کا اچھا بدلہ بھی عطا فرمایا

اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ﴿۱۴۸﴾

ربط آیات

غزوہ احد میں اہل اسلام کو نقصان اٹھانا پڑا حتیٰ کہ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کی شہادت کی خبر اڑ گئی اور مسلمانوں میں بددلی پیدا ہو گئی تھی۔ گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ
نے مسلمانوں کو تبیہ فرمائی۔ کہ ایسے مواقع پر ایمان پر مضبوط رہیں اور حضور کی احسان

پیدا نہ ہونے دیں۔ بات سمجھائی کہ اللہ کا رسول خدا نہیں ہے، جواز لی ابدی ہو۔
 بلکہ عام انسانوں کی طرح رسول نے بھی موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ اگر اللہ کا رسول
 تم میں موجود نہ ہے، تو کیا تم دین کو چھوڑ جاؤ گے دین تو اللہ کا ہے۔ جو وحی اور قیوم
 ہے، قائم و دائم ہے، لہذا اُس کے دین کی جدوجہد ہمیشہ جاری رہنی چاہیے۔
 آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے گذشتہ ایثار اور ان کے ساتھ شریک جہاد

لوگوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ کہ وہ لوگ قربانیاں دے کر دین کی تقویت کا باعث
 بنتے رہے لہذا وہ لوگ مسلمانوں کے لیے اچھا نمونہ ہیں ان کی اقتدا کرنی چاہیے
 سورۃ بقرہ میں اسرائیلی پیغمبر حزقیل علیہ السلام کا ذکر آچکا ہے۔ آپ کے پیروکاروں کی
 ایک جماعت حضرت طالوتؑ کی سرکردگی میں دشمن سے نبرد آزما ہوئی۔

یہی واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے
فَاَيُّكُمْ مَنِ اتَّبَعَ اور اللہ کے کہنے ہی نبی ایسے گنہگار ہیں جنہوں نے
 جنگ کی، اس حالت میں صَعَلَةَ رِجْلَيْكَ كِذِّبَتْكَ اُن کے ساتھ کثیر تعداد
 میں رب والے یا اللہ والے بھی شامل تھے۔ مسلمانوں کو بتلانا یہ مقصود ہے۔ کہ
 جہاد کا حکم صرف آخری امت کے لیے ہی مخصوص نہیں۔ بلکہ سابقہ انبیاء کے
 لیے بھی جہاد کا حکم اسی طرح تھا اس طرح نبی آخر الزماں اور آپ کے صحابہ کو اللہ کے
 لیے ہے۔ حق اور باطل کی کشمکش ہمیشہ سے ہے۔ لہذا ہر امت کے لیے
 جہاد کو مانفوری رہا ہے۔ اے مسلمانو! تسلی رکھو کہ جہاد ہی میں تمہاری اور تمہارے
 دین کی بقا ہے۔ جو قوم جہاد ترک کر دیتی ہے وہ صفحہ ہستی سے مٹ جاتی ہے
رَبِّنِي اس کا لفظ اسی سورۃ کے آکھٹوں رکوع میں بھی آچکا ہے وہاں
 بھی عرض کیا تھا کہ رَبِّي يَا رَبَّانِي سے مراد رب والے یا اللہ والے ہیں۔ یہ وہ

جہادِ
 انبیاء ہے

لوگ ہیں جو اپنے انبیاء پر ایمان رکھنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت
 کو تسلیم کرتے ہیں۔ سچے دین کی تعلیم پر عمل کرتے، اخلاص اور صداقت سے معمور ہیں،
 یہی لوگ کہانی ہیں جن کی نسبت اپنے رب کی طرف سے، چونکہ یہ لوگ اپنے انبیاء

کے بھی متبع ہیں اس لیے یہ ان کے صحابہ میں شمار ہو گئے۔ اور ایسے لوگ ہمیشہ بچائی کے راستے پر نہایت قدم بہتے ہیں۔ اور ہندوئی یا لے صبری کا مظاہرہ نہیں کرتے۔ ان میں کسی قسم کی گجھڑاہٹ پیدا نہیں ہوتی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ رومیوں میں علماء فقہاء اور دین میں سمجھ رکھنے والے لوگ بھی شامل ہیں۔ کیونکہ انبیاء کے متبع ہمیشہ ایسے ہی لوگ ہوا کرتے ہیں۔ جیسے فرمایا علیؑ بَصِيرَةٌ اَنَا وَصَنِ السَّبْعِيْنِ یعنی میں بھی بصیرت پر ہوں اور میرے متبع بھی بصیرت پر ہیں۔ انہیں دین کے کسی معاملہ میں اشتباہ نہیں۔ حقیقت حال ان پر آشکارا ہے۔ اور وہ اسی کا اتباع کرتے ہیں فرمایا جن اللہ والوں نے نبیوں کے ساتھ ملکر جہاد کیا فَكَاهَسُوا

مومن ثابت
قدم رہتا ہے

لِعَمَّا اصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اللّٰہ کے راستے میں انہیں جو بھی تکلیف پہنچی اُس پر انہوں نے کمزوری نہیں دکھائی۔ ان لوگوں پر بڑی بڑی آزمائشیں آئیں، مال ضائع ہوا، گھبراہٹ پڑنا پڑا، آدمی شہید ہوئے مگر ان کے پاؤں میں لغزش نہیں آئی۔ دو سر پارے میں ذکر آچکا ہے۔ کہ انہوں نے یوں کہا۔

وَقَالُوا مَا كُنَّا اَلَّا نَقْتَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَقَدْ اَخْرَجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَاءِنَا هُم اللّٰہ کے راستے میں کیوں جہاد نہ کریں جب کہ ہمیں ملک بدر کیا گیا۔ اور ہماری اولاد ہم سے چھین لی گئی۔ ہمارے بچوں کو غلام بنایا گیا اور ہماری بچیوں کو لونڈیاں بنالیا گیا، لہذا ہم ضرور دشمن کے ساتھ جہاد کریں گے جب اس عزم باجزم کے ساتھ میدان جہاد میں اترے تو پھر کسی مشکل سے مشکل وقت میں بھی انہوں نے کمزوری نہیں دکھائی، وَكَاهَسُوا اور نہ وہ ضعیف یا ست ہوئے وَكَاهَسْتُمْ كَا نُوْا اور نہ وہ دشمن کے سامنے مغلوب ہوئے۔ استکانت کا معنی ایست ہو جانا، دب جانا ہے مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ استکانت میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ انہوں نے زبان سے بھی کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے ان کی کمزوری یا لپستی ظاہر ہوتی ہے۔

صبر بہترین
ترہ ہے

فرمایا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ اہل اسلام کو سمجھایا جا رہا ہے کہ جس طرح اُن لوگوں نے صبر کیا۔ اسی طرح تم بھی مشکلات پر صبر کے ذریعے قابو پاؤ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شہادت کی خبر پر دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیے تھا بلکہ ثابت قدمی کے ساتھ دشمنوں کا مقابلہ کرنا چاہیے تھا۔ مَلَّتْ اِبْرٰهِيْمُ فِيْ صَبْرٍ کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے عبادات کی ادائیگی۔ اور مصائب و مشکلات اور نفسانی خواہشات کے مقابلہ کے لیے صبر ہی بہترین ذریعہ ہے۔ دو کس پارہ میں گزر چکا ہے اِسْتَعِيْنُوْا بِالصّٰبِرِيْنَ وَالصَّلٰوةِ صبر اور نماز کے ذریعے مشکلات کا مقابلہ کرو۔ جس قدر تعلق باللہ قائم ہوگا۔ اسی قدر مصائب کم ہو جائیں گے۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے سابقہ لوگوں کی مشکلات کا ذکر فرمایا کہ اہل ایمان کو ثابت قدمی کی ترغیب دلائی۔ اور نصیحت کی کہ ایسے اوقات میں کمزوری اور سستی دکھانے کی بجائے تعلق باللہ کو مضبوط بنانا چاہیے۔

مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے۔ لَا تَمْتَوِا لِمَتَا الْعَدُوِّ اے ایمان والو! دشمن سے ٹکر لینے کی تمنا نہ کرو۔ الْبَتَّةَ اِذَا لَقِيْتُمْهُمْ فَاَصْبِرُوْا اور جب ٹھٹھ بھیر ہو ہی جائے، تو پھر صبر کا دامن نہ چھوڑو و اعلموا ان الجنة تحت ظلال السعوف یاد رکھو! جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔ کمزوری دکھانے کی بجائے صبر کا دامن تھامے رکھو۔ کیونکہ جنت کا راستہ تلواروں کے سائے میں سے گزر کر جاتا ہے۔ محدثین فرماتے ہیں کہ بیماری کا بھی یہی حکم ہے۔ کسی موٹن کے لیے لائق نہیں کہ وہ بیماری کی خواہش کرے۔ ہاں اگر بیماری آجائے، تو پھر واویلا کرنے کی بجائے صبر کرنا چاہیے۔ اسی میں خدا تعالیٰ کی رضا ہے۔

فرمایا صبر کے علاوہ مجاہدین کا دوسرا حربہ اُن کی دُعا ہے۔ جب وہ میدان جہاد میں اترتے ہیں وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اَلَّا اَنْ قَالُوْا اِنَّ اَنْزِلْنَا ان کی زبان پر یہ

اس کے سوا کوئی اور بات نہیں ہوتی۔ وہ یوں کہتے ہیں رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا
 اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہ معاف فرما۔ دوسرے پائے میں گنہ چکا ہے
 حضرت طاہرؑ کے ساتھیوں نے بھی یہی دُعا کی تھی۔ کہ اے اللہ! ہمارے
 گناہوں کو بخش دے۔ یہاں پر بھی یہی الفاظ ہیں اللہ والوں کا ہمیشہ سے یہ شیعہ
 رہا ہے کہ جب میدان جنگ میں دشمن سے مقابلہ ہوتا ہے۔ تو وہ اپنے پروردگار
 سے دُعا نہیں کرتے ہیں۔ دُعا اللہ تعالیٰ سے تعلق کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس
 کو مومن کسی وقت ترک نہیں کرتا۔ دُعا عبادت کا پختہ اور خلاصہ ہے۔ خود حضور
 علیہ السلام انیس سو عزوات میں بنفین بنفین شریک ہونے جن میں سے آٹھ
 عزوات میں بالفعل لڑائی ہوتی۔ حضور نے مسلمانوں کو یہی دُعا سکھائی اللھم
 ما نزل الکتب ماجی السحاب۔ ہازم الاحزاب اھزمہم
 رانصنا علیہم اے مالک الملک جو کتاب کو نازل فرماتا ہے اور
 بادلوں کو اٹھاتا ہے، دشمنوں کے قدموں کو اکھاڑ دے اور ہماری مدد فرما۔
 فتح مکہ کے دن آپ نے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر فرمایا تھا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَخْرَجَ
 وَعَدَّ وَوَصَّی عِبَادَهُ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَوَحَّدَهُ اَسْخَاوُذِ قُدُوسِ كَالاَكْحَامِ
 شکر ہے جس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندے کی مدد فرمائی اور دشمنوں کو شکست
 دی، وہی اللہ وحدہ لا شریک ہے۔ اس کے سوا کوئی مددگار نہیں۔ آپ نے
 مجاہدین کو سکھایا کہ میدان جنگ میں جا کر یوں دُعا کیا کہ وَاَللّٰهُ اَمِنْ مَّوْعِدَتِنَا
 اے اللہ! خوف کی حالت میں ہیں ہمیں امن نصیب فرما۔ وَاَسْمِعْ نَعْوَالَتِنَا
 اور ہماری کمزوریوں کی پردہ پوشی فرما۔

جنگ کے موقع پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف دُعا میں صحابہؓ
 کو سکھائیں تاہم جو دُعا یہاں قرآن پاک نے بیان کی ہے، وہ بڑی اہم دُعا ہے۔
 فرمایا کہ مجاہدین کی زبان پر یہ دُعا ہوتی ہے۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا اے اللہ
 ہمارے گناہ بخش دے۔ ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما، جنگ احد میں تھوڑی

سی کو نہا ہی ہوگی تھی، اسی لغزش کی معافی مانگی جا رہی ہے۔ وَلَا تَسْرَابِنَا یعنی اَھم کا ہمارے معاملات میں جو زیادتیاں ہوئی ہیں۔ حدود استعمال سے جو تجاوز ہوا ہے، ہم ان کی بھی معافی مانگتے ہیں وَوَسَّيْتُ لَهُمُ الْاَقْدَامَ اور ہمارے قدموں کو مضبوط فرما۔ ان میں لغزش نہ آنے پائے۔ اور ہم تیرے دین کی سر بلندی کے لیے ڈٹے رہیں۔ جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے جس طرح اہل ایمان کے قدموں کو مضبوط کیا اُس کا ذکر سورۃ انفال میں آتا ہے وَيُثَبِّتُ بِهِ الْاَقْدَامَ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یاد دلایا کہ وہ وقت یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے عنودگی کی شکل میں تم پر اطمینان کی کیفیت طاری کر دی۔ تمہارے لیے آسمان کی طرف سے پانی اتارا تاکہ تمہیں پاک کرے، تم سے شیطان کی سجاوٹ دُشیمان کی وسوسہ اندازیم کو دور کرے۔ تمہاری ہمت بندھائے۔ اور اس کے ذریعے تمہارے قدم جمائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر فرشتوں سے بھی کہا اِنِّيْ صَعَكُمُ فِيْ قَدَمَيْكُمْ ساتھ ہوں فَثَبَّتْهُمُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اہل ایمان کے قدم مضبوط کر دو۔ مقصد یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کے قدم مضبوط کرے تو پھر کامیابی یقینی ہے۔ اور اگر خدا کسی قوم کے قدم اکھاڑ دے۔ تو کہیں پناہ نہیں مل سکتی۔

مجاہدین کی دُعا کا چوتھا جزو ہے وَاصْحُوا عَلَي الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ اے اللہ! کافروں کی قوم کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔ کیونکہ ہم تو تیرے دین کی خاطر جنگ لڑ رہے ہیں۔ اور کافر تیرے دین کی نافرمانی کا پیغام دنیا میں پہنچا رہے ہیں۔ ہم تیری اطاعت اور فرمانبرداری کو دنیا میں غالب کرنا چاہتے ہیں، ہم مدد کے مستحق ہیں، لہذا ہماری مدد فرما۔ مجاہدین کی اس دُعا میں ہمارے لیے بھی تعلیم ہے۔ کہ ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کے حضور ایسی ہی دُعا کرنی چاہیے۔ جب بھی میدان جہاد میں اتریں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت کی دُعایں کریں۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے سابقہ انبیاء اور ان کے مجاہدین کا تذکرہ کر کے ہمارے لیے مشعل راہ قائم کر دی۔

فرمایا جو لوگ اپنے انبیاء کی تعظیم میں جہاد کرنے والے تھے، اور اُس کے حضور دعائیں مانگنے والے تھے فَاتَّهَمُوا اللَّهَ ثَوَابَ الدُّنْيَا اِنَّ كَوَاللَّهِ تَعَالَى نے دنیا کا ثواب عطا کیا یعنی انہیں دنیا میں فتح عطا کی جیسے سورۃ صاف میں فرمایا وَاحْزَنِي لِحُبُّوْنَهَا كَصَحْبِهِ مِنَ اللّٰهِ وَفَتَحَ قَرِيْبٌ جب دشمن سے ٹرھ بھٹیڑ ہو، تو مسلمان کی خواہش یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اُسے فتح نصیب فرمائے۔ تاکہ خدا کا دین غالب ہو۔ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُدْيَا تاکہ اللہ کی بات بلند ہو جائے۔ اور اس کے دین کے دشمنوں کے ارادے ناکام ہو جائیں۔ چنانچہ دنیا کے ثواب سے مراد فتح و نصرت اور بالفتح مالِ غنیمت ہے مگر سب سے بڑی کامیابی اللہ کے کلمے کی بلند ہی ہے۔ باقی سب چیزیں اس کے تابع ہیں۔

فرمایا اللہ تعالیٰ نے انہیں نہ صرف دنیا کا ثواب عطا کیا بلکہ وَجَحَنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ یعنی آخرت کا بہتر اجر بھی دیا اور یہ بہتر اجر اخروی کامیابی، نجات اور جنت میں داخلہ ہے۔ ظاہر ہے کہ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ درجہ اللہ تعالیٰ نے بیٹھنے والوں کے مقابلے میں جہاد کرنے والوں کو فضیلت بخشی ہے۔ فرمایا جنت کے سورجے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجاہدین کو بلند سے بلند درجہ عطا فرمائے گا۔ وہ مجاہدین جو دین کی اشاعت اور کفر کو مغلوب کرنے کے لیے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان جہاد کی طرف چلتے ہیں۔ یہ کم کی معمولی عمل نہیں ہے۔ بہت بڑی ہمت ہے جس کی تفصیلات قرآن پاک اور احادیث میں جگہ جگہ موجود ہیں۔

فرمایا یاد رکھو! وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ اللہ تعالیٰ نیکو کاموں کو پسند کرتا ہے۔ اُن سے محبت رکھتا ہے۔ نیکی کے کاموں میں جہاد، دین کی افامت، صبر، خدا کی فرمانبرداری، اطاعت رسول۔ دنیا میں حدود اللہ کا اجراء، مصائب پر صبر، بلند ہمتی، اللہ کے دین کی سر بلندی کے لیے ہر وقت تیاری یہ سب باتیں شامل ہیں۔ اگر کبھی وقتی طور پر مسلمانوں کو نقصان پہنچا اور

کافروں کو عارضی کامیابی بھی حاصل ہو گئی تو اس سے کافر اللہ کے محبوب نہیں بن
 سکتے بلکہ خدا کے محبوب ہمیشہ نبی کریم نے والے ہی ہوتے ہیں۔ دنیا کا آثار چھوڑنا
 محض آزمائش کے لیے ہوتا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ اس میں کبھی بہت سی مصلحتیں
 ہیں جن میں سے چارہ کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نبی کریم نے
 والوں کو ہی محبوب بنا آئے۔

لَنْ تَنَالُوا

ال عمران ۳

آیت ۱۴۹ تا ۱۵۱

درس پنجاہ یک ۵۱

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا
يُرَدُّوكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خِسْرِينَ ﴿١٤٩﴾
بَلِ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ ۖ وَهُوَ خَيْرُ النَّاصِرِينَ ﴿١٥٠﴾ سَنُلْقِي
فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللَّهِ
مَا لَمْ يَنْزِلْ بِهِ سُلْطَانٌ ۖ وَمَا وَهُمْ بِالْمُبْتَازِ
وَبِئْسَ مَثْوَى الظَّالِمِينَ ﴿١٥١﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم ان لوگوں کی بات مانو گے جنہوں نے کفر کیا، تو وہ تم کو پٹا دیں گے تمہاری ایڑھیوں پر، پھر تم پلٹ جاؤ گے نقصان اٹھانے والے ہو گے ﴿۱۴۹﴾ بلکہ اللہ تمہارا مددگار ہے اور وہ بہتر مدد کرنے والا ﴿۱۵۰﴾ عقرب ہم ان لوگوں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے جنہوں نے کفر کیا اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ شریک بنایا ہے ایسی چیزوں کو جن کے بارے میں اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظلم کرنے والوں کا بہت بُرا ٹھکانا ہے ﴿۱۵۱﴾

رابط آیت

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے سابقہ انبیاء اور ان کے پیروکاروں کا نمونہ بیان فرمایا اور اہل ایمان کو ترغیب دی کہ وہ بھی انہی لوگوں کا طریقہ اختیار کریں جو سابقہ انبیاء کے تبعین نے اختیار کیا انہوں نے دشمن کے ساتھ جہاد کیا اور ثابت قدم رہے ان کے پائے استقلال میں لغزش نہیں آئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو کامیابی عطا کی اور دنیا و آخرت کا ثواب عطا کیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ سچی کرنے والوں

اور صبر کرنے والوں کو پسند کرنا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ کے نبیوں اور ان کے ماننے والوں کا راستہ اختیار کرنا ضروری ہے۔ برخلاف اس کے نافرمانوں اور منافقین کے اقوال و افعال سے بچنا بھی ضروری ہے۔ دشمن کے غلط پراپیگنڈا سے اہل ایمان میں بددلی پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ لہذا دشمن کی چالوں سے ہمیشہ ہوشیار رہنا چاہیے۔ جنگ احد کے واقعہ میں بیان ہو چکا ہے کہ جب حضور علیہ السلام زخمی ہو کر گر گئے، تو مشرک حملہ آور نے مشورہ کر دیا کہ خود باللہ آنحضرت علیہ السلام کو نشیہ کر دیا گیا ہے۔ اس غلط پراپیگنڈہ کی بنا پر مسلمانوں میں بددلی پیدا ہو گئی، ہنر فقیہین کو موقع مل گیا۔ وہ کہنے لگے کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہمارے درمیان موجود نہیں ہے۔ تو پھر ہمیں ان کا دین چھوڑ کر اپنے پرانے دین کی طرف لوٹ جانا چاہیے۔ بعض نے کہا کہ البوسفیان سے امان حاصل کر لی جینی چاہیے یہ سب پراپیگنڈا تھا، تاکہ مسلمان اپنے دین سے پھر جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی باتوں کا رد فرمایا ہے۔ اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اللہ نے فرمایا **وَمَا كُمْ مَدْرًا لِّرَسُولٍ** یعنی حضور نبی کریم علیہ السلام اللہ کے رسول ہیں۔ وہ خود خدا نہیں جو انہی ابری ہے۔ بلکہ وہ توفیقی ہیں۔ اگر موت یا شہادت کی بنا پر وہ اس درخانی سے نصرت ہو جائیں تو کیا تم آپ کے لائے ہوئے دین کو ترک کر دو گے۔ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین قیامت تک قائم ہے گا۔ مسلمانوں کو منافقین کے پراپیگنڈا سے متاثر نہیں ہونا چاہیے۔

ارشاد مہربان ہے۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اٰلِ الْاٰمِنِ وَالْوَالِاٰئِنَ تَطِيْعُوْا**
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اگر تم کافروں کی بات مانو گے اور منافق بھی کافروں میں شامل ہیں۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ **يَسْرُدُّوْكُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ** کہ وہ تمہیں پٹا دیں گے تمہاری ایڑیوں پر۔ مراد یہ کہ ان کی کوشش یہ ہوگی کہ وہ تمہیں دین حق سے دوبارہ جاہلیت کی طرف لے جائیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا **فَتَنَقَّلِبُوْا**
خِسْرِيْنَ کہ تم سخت نقصان اٹھانے والے بن کر پلٹ جاؤ گے۔ مقصد یہ

عظیم نقصان

کہ اپنے دین پر قائم رہو۔ ہر حالت میں دین کی حفاظت کرو۔ تمہیں وقتی طور پر فتح ہو یا شکست اپنے دین پر ہر صورت میں قائم ہو۔ اگر تم نے دین کے پاکیزہ نظریات کو ترک کر دیا، تو پھر کفر اور جہالت کی طرف پلٹ جاؤ گے۔ اور یہ سب بڑا نقصان ہوگا۔

لہذا مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا ہے۔ کہ کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانیں ورنہ وہ تمہیں دوبارہ جاہلیت کی طرف پھردیں گے۔ حدیث شریف میں آتے ہیں کہ جس مؤمن کے دل میں ایمان راسخ ہو گیا ہے، اس کو اگر آگ کے شعلوں میں بھی ڈال دیا جائے تو وہ کفر کی طرف پلٹنا پسند نہیں کریگا۔ وہ ہر قسم کی مشکلات برداشت کر لے گا مگر ایمان کو ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہوگا۔ پہلے بھی گھڑ چکا ہے کہ اے ایمان والو! لَا تَخْتَدُوا بِطَانَةِ كُفْرٍ عَنِ الْإِيمَانِ وَاللَّوْلِ كُجُوهُ كَمُ دُوسروں کو اپنا دلی دوست نہ بناؤ۔ کافروں کو اپنے معاملات میں ذخیل نہ ہونے دو۔ ورنہ وہ تمہیں کفر کی طرف لے جائیں گے۔ یہود و نصاریٰ ان سے بھی بدتر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَ لَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ مِنْ دُونِ اللّٰهِ تَعَالَىٰ نے اہل ایمان کو ثابت قدمی اور دشمن کی سازشوں سے ہوشیار رہنے کی تلقین کی ہے۔

اس وقت دنیا میں مسلمان جس تنزل کا شکار ہیں اسکی اسٹی فیصد وجہ کفار کی مداخلت ہے۔ یہ لوگ مسلمانوں کے قوانین، سیاست، تجارت، تعلیم، ٹیکس وغیرہ میں ذخیل ہیں۔ غیر مسلم کافر ہوں یا مشرک، یہودی ہوں یا نصرانی، کیمونسٹ ہوں یا دہریے وہ ہمیشہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی تدابیر کرتے ہیں۔ اپنے ملکوں میں تعلیم کے نام پر ایسے شاگرد بنا کر بھیجے ہیں جو مسلمانوں کے نظریات کو جڑ بنیاد سے اکھیڑ کر رکھ دیں۔ ڈاکٹر فضل الرحمن ایک صالح آدمی مولوی شامی اللہ کا بیٹا تھا جو کہ شیخ الحدیث کا شاگرد تھا۔ مگر یہ یہودیوں کے ہتھے چڑھ گیا۔ اسمتھ کا شاگرد

مسلمانوں کے
تنزل کی وجہ

تھا جس نے اُس کے ذہن کو بگاڑ کر رکھ دیا۔ صدر ایوب کے زمانے میں اُس نے کتاب لکھی تھی جس میں قرآن پاک کے وحی الہی ہونے کا انکار کر دیا تھا۔ اس میں لکھا تھا کہ پورے کا پورا قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں بلکہ اس میں آدھا یا کچھ کلام حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ مقصد یہ کہ غیر مسلم لوگ مسلمانوں کو اپنے اہل تعلیم سے کہہ کر اُن کے بنیادی نظریات پر اثر انداز ہوتے ہیں اور پھر انہی کے ہاتھوں ان کی قوم کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

روس کیا کہ رہا ہے۔ افغانستان اور ایران وغیرہ میں اپنے نظریات پھیلا رہا ہے۔ مسلمانوں کی آج زلزلہ حالی یہ ہے کہ اُن کی مرکزیت ختم ہو چکی ہے۔ رسوخ عقیدہ محفوظ ہے۔ قرآن پر عزم و تدبیر کرنا چھوڑ دیا ہے۔ حضور علیہ السلام کی تعلیمات سے دلچسپی نہیں رہی۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارا دین اور اخلاق دونوں بگڑ چکے ہیں۔ کفار ہمارے تمام معاملات میں دخل ہیں۔ ترکی کے معاملات میں امر بچہ دخل انداز کر رہا ہے۔ عرب اُس کے مشورہ کے بغیر کوئی بات نہیں کر سکتے، ترقی پذیر ممالک میں ایڈوائزر وہاں سے آتے ہیں۔ لہذا مسلمان ترقی کی بجائے تنزل کی طرف جا رہے ہیں۔ اللہ نے اس لیے خبردار کیا ہے کہ اگر اُن کی بات مانو گے تو وہ تمہیں دوبارہ کھنکھن کی طرف لے جائیں گے عیسائی مشنریاں اس پر مستزاد ہیں۔ مسلمان ممالک میں خاص طور پر کام کر رہی ہیں۔ تیس تیس سال تک کام کرنے کے بعد رپورٹ دیتی ہیں کہ اگرچہ مسلمانوں کو عیسائی تو نہیں بنایا جا سکا۔ مگر اُن کے نظریات اس قدر بگاڑ دیے گئے ہیں۔ کہ وہ مسلمان بھی باقی نہیں رہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ان خطرات کو محسوس کریں۔ اپنے کام خود انجام دیں اور غیر مسلم اقوام کی مداخلت بند کریں ورنہ وہ کفار کے چنگل سے کبھی آزاد نہ ہو سکیں گے۔

فرمایا اختیار سے منہ موڑ کر صرف اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے بَلِ اللّٰهُ
 مَوْلَاكُمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ اِنَّ تَتَّقُونَ۔ مولا کے بہت سے معنی آتے ہیں
 جیسے آقا، سید، ناصر، معین، ساتھی، آزاد کیا ہوا غلام، چچا زاد بھائی وغیرہ

تقریباً پچیس معنی ہیں۔ مگر یہاں پر مولانا سے مراد مددگار ہے۔ خود اللہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا اَنْتَ مَوْلَانَا یہ لفظ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ اقدس کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ سیدنا اور مولانا یعنی حضور ہمارے آقا، سرور اور راہنما ہیں۔ تاہم اس مقام پر اہل اسلام کہہ تلی دی کہ اختیار کی تمام تر سازشوں کے خلاف تمہارا مددگار اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ یقیناً تمہاری مدد کرے گا وَهُوَ خَيْرُ النَّاصِحِينَ وہ بہتر مدد کرنے والا ہے۔ تمہارا کام یہ ہے۔ کہ تم اس کی وحدانیت پر صدقِ دل سے ایمان لاؤ۔ اُس نے ہمیشہ اہل ایمان کی مدد فرمائی ہے وَكَفَدْنَا نَفْسَكُمْ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَاَنْتُمْ اَذْلٰهُ اُس نے تمہاری غزوہ بدر میں مدد فرمائی حالانکہ تم اس موقع پر بہت کمزور تھے۔ اُس نے خین کے موقع پر بھی تمہاری مدد فرمائی اس کی مدد ایسے طریقے سے شامل حال ہو جاتی ہے کہ انسان اُس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

اسلام
کا رعب

اہل اسلام کی مزید تسلی کے لیے فرمایا سَنَلِقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَالْمُرْتَدِّبِمْ كَافِرُوں كے دلوں میں عنقریب رعب ڈال دیں گے۔ جنگ احد کے موقع پر ایسا ہی ہوا۔ بظاہر کافروں کو کامیابی حاصل ہوئی۔ بہت سے اکابر مسلمان شہید ہوئے۔ مگر پھر کافروں کا فروہاں بھٹہ نہ سکے۔ انہیں واپس ہی جانا پڑا۔ ایک موقع پر ابوسفیان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ مسلمان تعداد میں حقوڑے سے تو تھے۔ ان میں سے شہید اور زخمی بھی ہوئے۔ مگر ہم پھر بھی واپس پلٹ رہے ہیں۔ واپس آئے۔ اُن کا کام تمام کہہ دینا چاہیے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں میں ایسا رعب ڈالا کہ انہیں دوبارہ حملہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی اور واپس مکے لوٹ گئے۔ البتہ نبی کریم علیہ السلام اور آپ کے زخمی صحابہؓ نے آٹھ میل تک کفار کا تعاقب کیا۔

فرمایا اُن پر رعب اس لیے مسلط کہہ دیا اِنَّكُمْ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ شریک بنائے ہیں۔ اور شرک سے ضعف پیدا ہوتا ہے۔ اور حمیت

درجے کے مجرم ہوں گے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے والے سب
 سے بڑے مجرم ہیں۔ اُن کا اعتقاد فاسد ہے۔

لَنْ تَنَالُوا

اِلَ عَمْرَان ۳

درس پنجاہ و دو ۵۲

آیت ۱۵۲ تا ۱۵۳

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحْسَبُونَهُمْ
بِأَذْنِهِمْ حَتَّىٰ إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ
وَعَصَيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا أَرَاكُمْ مَا تُحِبُّونَ

مِنْكُمْ مَّنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُرِيدُ
الْآخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ
وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى
الْمُؤْمِنِينَ (۱۵۲) إِذْ تَصْعَدُونَ وَلَا تَلُونَ
عَلَىٰ أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أُخْرَابِكُمْ
فَأَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلًا تَحْزَنُوا عَلَىٰ
مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا
تَعْمَلُونَ (۱۵۳)

ترجمہ: اور البتہ تحقیق اللہ نے تمہارے ساتھ اپنا وعدہ سچ کر دکھایا تھا جب کہ تم ان (دشمنوں) کو کاٹ رہے تھے اللہ کے حکم سے۔ یہاں تک کہ جب تم نبرد ہو گئے اور تم نے معاملہ میں جھگڑا کیا۔ اور تم نے نافرمانی کی اس کے بعد کہ اللہ نے تمہیں وہ چیز دکھائی، جسے تم پسند کرتے ہو۔ تم میں سے بعض وہ ہیں جو دنیا کا ارادہ کرتے ہیں۔ اور بعض وہ ہیں جو آخرت کا ارادہ کرتے ہیں۔ پھر پھر دیا تم کو ان سے تاکہ تم کو آزمائش دے۔

میں ڈالے۔ اور البتہ تحقیق اللہ نے تم کو معاف کر دیا ہے۔ اور اللہ فضل والا ہے اہل ایمان پر (۱۵۲) جب کہ تم اُدبہ جاہے تھے اور حسی کی طرف نہیں پلٹتے تھے۔ اور اللہ کا رسول تم کو بیکار آتا تھا تیجھے سے، پس پہنچایا اللہ تعالیٰ نے تم کو غم پر غم۔ تاکہ تم اُس چیز پر غم نہ کہو۔ جو تم سے فوت ہو گئی ہے۔ اور نہ اُس پر جو تم کو پہنچی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اُن کاموں کی خبر رکھنے والا ہے، جو تم کہتے ہو (۱۵۳)

رہنمائیات

گزشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین اور منافقین کی بات ماننے سے منع فرمایا۔ اور اس سے پہلے سابقہ انبیاء کو تم اور اُن کے متبعین کا سوہ اختیار کرنے کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ نے خبردار کیا کہ اگر تم کافروں اور منافقوں کی بات مانو گے تو وہ تمہیں اٹا جاہلیت کی طرف لے جائیں گے۔ اور تمہیں تمہارے پاکیزہ نظریات سے برگشتہ کر دیں گے جو کہ تمہارے لیے سخت نقصان کا باعث ہو گا۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ تمہیں مخالفین کے پراپیگنڈا سے متاثر نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی نصرت پر مکمل بھروسہ کرنا چاہیے۔ وہی تمہارا آقا اور مددگار ہے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی بیان ہو چکا ہے۔ کہ کفار و مشرکین کے نظریات باطل ہیں وہ وہم میں مبتلا ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کے دلوں میں تمہارا رعب ڈالنے کا۔ وہ جہنم کے مستحق ہیں، لہذا اُن کی بات کسی طور تسلیم نہیں کرنا۔

غزوہ احمد
سرسری جائزہ

گزشتہ درس میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بیان ہو چکا ہے۔ کہ اے اہل ایمان! اگر تم تقویٰ اور صبر کی راہ پر مستقیم رہو گے، تو یقیناً تم کو بلندی حاصل ہوگی۔ چنانچہ جنگِ احمد کے ابتدائی حصہ میں حالات مسلمانوں کے حق میں تھے۔ کافر تعداد میں بھی زیادہ تھے، اور اُدھر مسلمانوں کے ایک ہزار مجاہدین میں سے تین سو کا لشکر عبداللہ بن ابی منافق کی معیت میں پہلے ہی حملہ ہو گیا۔ کافروں کے پاس سامانِ حرب کی بھی فراوانی تھی مگر مسلمانوں کے پاس محض واجبہ سامان تھا۔ اس کے باوجود ابتدائے جنگ میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا اور اللہ نے غلبہ

عطا فرمایا۔ میں کے قریب کافر واصل بن گئے۔ دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ دوڑتا بھاگتا چلے گئے۔ بہتر مسلمانوں کی ایک کوتاہی کی وجہ سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور اہل اسلام کی فتح شکست میں تبدیل ہو گئی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک پہاڑی پر حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کی قیادت میں پچاس تیر اندازوں کی ایک جماعت مقرر کی تھی اور انہیں حکم دیا تھا کہ ہمیں فتح ہو یا شکست تم اپنے مورچے کو مت چھوڑنا۔ جب تیر اندازوں نے دیکھا کہ نیچے مسلمانوں کو فتح حاصل ہو گئی ہے دشمن بھاگ نکلا ہے، تو ان میں اختلاف لڑنے پیدا ہوا کہ آیا انہیں اپنے مورچے کو چھوڑ دینا چاہیے۔ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق وہیں لڑتے رہنا چاہیے۔ ان کے قائد کی رائے یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق انہیں یہیں موجود رہنا چاہیے۔ تاہم اکثریت کی رائے تھی کہ حضور کا موجود رہنے کا حکم مسلمانوں کی فتح تک کے لیے تھا۔ اب جب کہ فتح حاصل ہو گئی ہے تو اب وہاں ٹھہرنا کچھ ضروری نہیں رہا۔ چنانچہ تیر اندازوں کی اکثریت پہاڑ سے نیچے اتر کر مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گئی۔ اور پہاڑی پر حضرت عبداللہؓ کے ہمراہ صرف دس آدمی باقی رہ گئے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مذکور ہے الحرب تخذ عتہ یعنی لڑائی اور بیعت سے ہوتی ہے۔ اس ہتھیار کو کفار کے رسالہ کے کمانڈر حضرت خالد بن ولیدؓ نے آزمایا، جو ابھی تک دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ وہ اپنے دستہ کے تین سو گھوڑے سواروں کے ہمراہ اس پہاڑی پر حملہ آور ہوئے جسے مسلمان تیر انداز چھوڑ چکے تھے۔ پہاڑی پر موجود دس گیارہ مجاہدین کی جماعت حملہ کی تاب نہ لاتے ہوئے شہید ہو گئی۔ کفار کے بھاگتے ہوئے سپاہیوں نے جیب دیکھا کہ ان کا رسالہ مسلمانوں کے ہتھ میں پہنچ گیا ہے، تو وہ بھی واپس لوٹے اور اس طرح مسلمان جو پہلے ہی قبیل تعلق میں تھے کفار کے دو لشکروں کے درمیان گھبر گئے۔ ان میں ایسی افراتفری پھیلی کہ خود مسلمان مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہونے لگے۔

حضرت حذیفہؓ کے والد حضرت یمانؓ اسی افتخاری میں شہید ہو گئے، خود حضور علیہ السلام کا رشار مبارک زخمی ہوا۔ ہونٹ پھٹ گیا۔ اور نیچے کا ایک دانت مبارک شہید ہوا۔ خود کی کمرٹیاں ٹوٹ کر سر مبارک میں داخل ہو گئیں۔ خون بہنے لگا۔ آپ علیہ السلام پر بے ہوشی طاری ہو گئی اور آپ زمین پر گر گئے۔ آپ کا دفاع کرنے والے دن میں سے نو مسلمان شہید ہو گئے۔ بعض مجاہدین نے زبردست جرات کا مظاہرہ کیا۔ حضرت طلحہؓ کے ہاتھ پر نیزے اور تیر کے زخم آئے جس سے ہاتھ شل ہو گیا۔ ابو دجانہؓ نے اپنی پشت کو ڈھال بنا کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کیا۔

مسلمانوں کو
تنبیہ

ان حالات کے پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ان کی غلطی پر تنبیہ فرمائی ہے۔ اور ساتھ تسلی بھی دی ہے۔ کہ یہ واقعہ تمہارے لیے آزمائش تھی۔ اس ابتلا سے دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا إِذْ تَخْسَرُونَ مَعَهُ يَازَيِّنِي جب تم اللہ کے حکم سے کافروں کو کاٹ رہے تھے ان کو تہ تیغ کر رہے تھے۔ اور وہ وعدہ یہی تھا۔ کہ اگر تم تقویٰ اور صبر سے کام لو گے تو تمہاری مدد کی جائیگی۔ چنانچہ ابتداءً جنگ میں اللہ نے تمہاری مدد فرمائی تم ان پر غالب آئے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے حسن کا معنی انجوس کہنا، پشت پر مالش کہنا، کاٹنا، استیصال کہنا وغیرہ آتا ہے۔ یہاں پر کاٹنا یا استیصال کہنا زیادہ مناسب حال ہے، مقصد یہ کہ ابتداءً جنگ میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں کفار پر غلبہ عطا کیا حَتَّىٰ إِذَا فَشِلْتُمْ حتیٰ کہ جب تم بزدل ہو گئے۔ وَتَنَادَيْتُمْ فِي آلَمَاتٍ اور تم نے آپس کے معاملہ میں جھگڑا کیا یعنی بعض نے کہا کہ ہمیں اس پہاڑی پر قائم رہنا چاہیے۔ جب کہ دوسروں نے کہا کہ اب اس کی ضرورت نہیں ہے لہذا انہوں نے مورچہ چھوڑ دیا۔ جنگ کے موقع پر اختلاف رائے ہی نقصان کا باعث ہوتا ہے۔ پوری فوج کو

یک جان ہو کر دشمن کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ آگے سورۃ انفال میں آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپس میں تنازعہ نہ کیا کرو۔ اس سے تقرقہ پڑکھنا کامی کام نہ دیکھنا پڑتا ہے فوج بزدل ہو جاتی ہے۔ اس کی ہوا اکھڑ جاتی ہے۔ دشمن پر اُس کا رعب ختم ہو جاتا ہے۔ لہذا جنگ کے دوران مکمل یک جہتی کی فضا برقرار رہنی چاہیے۔

غزوہ احد کے موقع پر یہ حالت برقرار نہ رہ سکی تین سو افراد کا گروہ مدینہ سے روانگی کے وقت ہی علیحدہ ہو گیا تھا اس کے علاوہ مقام جنگ کے متعلق بھی مسلمانوں میں اختلاف رائے پیدا ہوا۔ کچھ لوگ شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہتے تھے اور بعض دو شہر کے اندر مورچہ بندی کرنا چاہتے تھے اور پھر آخری اختلاف یہ ہوا کہ حضور علیہ السلام کی مقرر کردہ سپاس تیر اندازوں کی جماعت اپنے مورچہ پر قائم نہ رہی۔ درحقیقت یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نافرمانی تھی۔ چنانچہ اسی چیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَعَصَيْتُمْ اور تم نے نافرمانی کی لَقَدْ مَارَكُم مَّا مَجْتَمِعُونَ بعد اس کے کہ اللہ نے تمہیں وہ چیز دکھا دی جو تم پسند کرتے تھے، تمہاری پسندیدہ چیز تو فتح تھی جو تم نے دیکھ لی۔ دشمن بھاگ رہا تھا اور تم مال غنیمت اکٹھا کر رہے تھے۔ اس کے بعد تم نے نافرمانی کی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فوج میں ابتری پھیل گئی۔ اور تمہاری فتح شکست میں تبدیل ہو گئی۔

فرمایا یہ صورت حال اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ مِنْكُمْ مَنْ يُدْرِئُ الدُّنْيَا تم میں سے بعض لوگ ایسے تھے جو دنیا کے طالب تھے یہ اپنی تیر اندازوں کی طرف اشارہ ہے، جو مورچہ کو چھوڑ کر مال غنیمت اکٹھا کرنے لگے، مال غنیمت کے اسی تعاقب کو حصول دنیا سے تعبیر کیا گیا ہے وَمِنْكُمْ مَنْ يُدْرِئُ الْآخِرَةَ اور تم میں سے بعض دو شہر تھے جو آخرت کے طالب تھے، سپاس میں سے صرف دس گیارہ آدمی رہ گئے تھے جو حضور علیہ السلام کے حکم کی تعمیل میں مورچہ پر قائم رہے اور شہید ہو گئے۔ بلاشبہ انہوں نے دنیا کے مقابلے میں آخرت سے

طلب دنیا اور
طلب آخرت

کو ترجیح دی۔ یہی لوگ آخرت کا ارادہ کرنے والے تھے۔ فرمایا تَعَصَّفْكُمْ عَنْهُوَ پھر تم کو اُن سے پھیر دیا۔ ابتداء میں تم کافروں پر غالب آچکے تھے مگر اُس نافرمانی کی وجہ سے تم کو تیسپہ مہٹنا پڑا۔ کافروں کے ایک لشکر نے تیسپہ سے حملہ کر دیا اور دو کھنڈر لشکر نے واپس ہلٹ کر مسلمانوں کو گھیرے میں لے لیا۔ فرمایا یہ سب کچھ اس لیے ہوا۔ لِيَبْتَلِيَكُمْ تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں آزمائش میں ڈال دے۔ مقصد یہ کہ میدان احد میں کفار کا جو پلہ بھاری ہو گیا تھا۔ یہ مسلمانوں کی آزمائش تھی کہ وہ اس قسم کے نامساعد حالات میں بھی کس حد تک ثابت قدم ہوتے ہیں۔ انسانوں کو اپنی غلطیوں کا خمیازہ بھگتنا ہی پڑتا ہے۔

اس مقام پر بعض حضرات نے غلطی کھائی ہے کہ کیا بعض صحابہ کرام واقعی دنیا کے طالب تھے۔ سچی بات یہ ہے کہ تمام صحابہؓ سچے اور مخلص اہل ایمان تھے ان میں محض دنیا کا طالب کوئی بھی نہیں تھا۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مالک الملک ہے وہ اپنے مقربین کی معمولی سی نغزش کا بھی ٹوٹس لیتا ہے صحابہ کرامؓ بڑے پائے کے ربی لوگ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی اس معمولی سی غلطی پر بھی انہیں آزمائش میں ڈال دیا۔ اس موقع پر انکا مالِ غنیمت کا تعاقب بھی محض دنیا کے لیے نہیں بلکہ آخرت ہی کے لیے تھا۔ شرعی قانون کے مطابق مالِ غنیمت میں سے ہر مجاہد کو حصہ ملتا ہے، خواہ وہ خود اسے جمع کرے یا کوئی دوسرا یہ فرض انجام دیتا ہے۔ لہذا ان صحابہؓ کا مورچہ چھوڑ کر مالِ غنیمت جمع کرنا اس وجہ سے نہیں تھا۔ کہ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو حصہ سے محروم ہو جائیں گے، بلکہ یہ فریضہ بھی وہ تمام مسلمانوں کے مشترکہ مقصد کی خاطر ہی ادا کر رہے تھے۔ لہذا مالِ غنیمت کے تعاقب کو طلبِ دنیا سے تعبیر کرنا درست نہیں ہے۔ اُن کے دو کھنڈر ساکتی جو مورچے پر قائم رہے اور غنیمت کا کچھ خیال نہ کیا، وہ دنیا کی طلب کے بغیر محض آخرت کے طالب تھے۔ گویا دونوں گروہ درحقیقت آخرت ہی کے طلبگار تھے۔ ایک گروہ دنیا کے راستے

آخرت کا طالب تھا اور دوسرا براہ راست آخرت چاہتا تھا۔ دنیا سے غربت کسی کو نہ تھی چونکہ اس وقت مالِ غنیمت سامنے موجود تھا، اس لیے اسے طلبِ دنیا سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بایں ہمہ صحابہ کرامؓ کی دنیا داری سے مراد وہ دنیا طلبی نہیں ہے جو ہماری اور بعد میں آنے والے لوگوں کی ہے۔ ہم لوگ دنیا کے خواہشمند بالذات ہیں جب کہ صحابہ کرامؓ طالبِ دنیا بالذات نہیں تھے۔ بلکہ طالبِ بالعرض تھے یعنی آخرت کی خاطر دنیا کے طالب تھے۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے اس پر بھی تہنید فرمادی۔ یہ ایک آزمائش تھی۔

اس آزمائش کے بعد فرمایا وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ اللہ تعالیٰ نے تمہاری غلطیوں کو معاف فرمایا۔ ظاہر ہے کہ جسے اللہ نے معاف فرمائے، وہ پاک ہو گیا۔ یہ غلطی کوئی قصداً یا عمدتاً نہیں ہوئی۔ بلکہ اجتہادی غلطی تھی جسے اللہ نے معاف کر دیا۔ صحابہؓ کا مقصد یہ تھا کہ دشمن کو ڈرانا بھی ضروری ہے اور مالِ غنیمت اکٹھا کرنا بھی لازم ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل ہو۔ چنانچہ اس بات پر اللہ تعالیٰ نے تہنید فرمادی اور ساتھ تسلی بھی فرمادی کہ اللہ نے تمہاری غلطی معاف کر دی ہے کیونکہ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ اللہ تعالیٰ اہل ایمان پر فضل کرنے والا ہے

اگے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی اس زبوں حالی کا تذکرہ فرمایا ہے۔ جب کہ وہ سخت افراتفری کے عالم میں مبتلا ہو گئے تھے ارشاد ہے إِذْ تَضَوُّونَ جب تم اوپر جا رہے تھے۔ صحوود کا معنی اوپر چڑھنا بھی ہے اور دور چلے جانا بھی۔ مقصد یہ ہے کہ جب کفار نے تم پر دو طرف سے حملہ کر دیا، تو تم دباؤ میں آگئے اور ان کے سامنے پھرنہ سکے۔ تم دو طرفہ چلے گئے حتیٰ کہ پلٹ کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ وَلَا تَتَوَّنَ عَلَى أَحَدٍ کسی کی طرف توجہ نہیں کر رہے تھے۔ حالانکہ

وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أَخْلَابِكُمْ اللہ کا رسول تمہیں پیچھے سے پکار رہا تھا۔ آپ فرماتے تھے إِنِّي يَا عِبَادَ اللَّهِ اللہ کے بندو! میری طرف آؤ، میں تو یہاں ہوں جسور علیہ السلام کی شہادت کی افواہ نے لوگوں میں

غلطی تھی
ہو گئی

مسلمانوں کو
زبوں حالی

سخت بددلی پیدا کر دی تھی۔ کافروں کا دباؤ پڑا۔ تو مسلمان بھاگ نکلے اور ان میں حضرت عثمانؓ بھی شامل تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے سب کو معاف کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے اُس واقعہ کو یاد دلاتے ہوئے فرمایا فَاثَابَكُمْ عَمَّا بَعْضِهِمْ تمہیں عزم پر عزم دیا۔ ایک شکست کا عزم، دوسرے حضور علیہ السلام کی شہادت کا عزم تھا فرمایا یہ آزمائش اس لیے ڈالی گئی تھی لِكَيْ لَا تَحْزَنُوا عَلٰی مَا فَاتَكُمْ تاکہ تم اس چیز پر عزم نہ کرو اور جو تم سے فوت ہو گئی ہے۔ یہ تو اتنا تھی۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح کوئی استاذ اپنے شاگرد کی اصلاح کے لیے اُسے سزا دیتا ہے مقصد تہدیی اصلاح تھا تاکہ آئندہ اس قسم کی غلطی سے بچ جائے۔ نیز فرمایا ایسی چیز پر بھی غمگین نہ ہو وَلَا مَا اَصَابَكُمْ جو تم کو پہنچی ہے۔ یعنی جو تکلیف اور پریشانی تمہیں آئی ہیں۔ نہ ان پر زیادہ فکر مند ہو اور نہ اس چیز پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل گئی ہے۔ یعنی اگر فتح حاصل نہیں ہو سکی۔ تو کوئی بات نہیں۔ حکمت کر وہ اللہ تعالیٰ آئندہ بہتر فتوحات عطا کرے گا۔ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام کاموں سے باخبر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات موجود ہے۔ کہ تمہاری غلطی محض اجتہادی غلطی تھی، لہذا اللہ نے اس غلطی کو معاف کر دیا آئندہ محتاط رہو۔

مسلمانوں پر عقوبت سے حملہ ہونے کی وجہ سے جب یہ افواہ اڑھی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں اور لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔ تو اللہ کے رسول نے آواز دی کہ بھئی! میں تو یہاں ہوں۔ پہلے تو کھئی نے آپ کو پہچانا ہی نہیں۔ مگر بعد میں آپ کے صحابی حضرت کعبؓ نے آپ کو پہچان لیا اور مسلمانوں کو آواز دے دی کہ اللہ کے رسول یہاں زندہ سلامت موجود ہیں۔ اس پر لوگ پھر آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ اُس موقع پر ابو سفیان نے پکار کر کہا ابن ابی بکرؓ کہاں ہے۔ قریش مکہ حضور علیہ السلام کو خاندان رضاعت کی بنا پر یہ لقب دیتے تھے۔ اور اس سے آپ کی (نعوذ باللہ) تحقیر مقصود ہوتی تھی۔ پھر ابو سفیان نے کہا ابن ابی مخنف کہاں

کفر اسلام
میں مکالمہ

ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی کنیت تھی۔ وہ سمجھا کہ سب شہید ہو گئے ہیں آگے سے کوئی جواب نہیں آ رہا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے جواب دیا، اللہ کے دشمن! ہم سب یہاں موجود ہیں۔ اللہ کا رسول بھی ہے۔ ابو بکرؓ بھی ہے اور میں عمرؓ بھی ہوں۔ ابو سفیان نے نعرہ مارا اُعلِ صبل یعنی صبل کی بجئے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے جوابی نعرہ لگایا اللہ اعلیٰ واجل اللہ ہی سب سے بڑا اور بزرگ ہے۔ ابو سفیان نے پھر کہا لئنا العزلی ولا عنزی لکہ ہمارا حامی عنزی ہے۔ اور تمہارا کوئی عنزی نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ تم یوں کہو اللہ مولانا ولا مولانا لکہ ہمارا مولانا اللہ ہے۔ اور تمہارا کوئی مولا نہیں۔ اُس نے پھر کہا۔ کہ ہم نے تمہارے شہیدوں کے ناک کان کاٹ ڈالے ہیں۔ نہ میں نے اس کا حکم دیا ہے اور نہ میں اس پر ناراض ہوں۔ غرض میدان جنگ میں اس قسم کے مکالمے کا تبادلہ ہوا۔ مسلمانوں نے ان پر دوبارہ حملہ کیا اور وہ واپس لوٹ گئے۔

باقی تفصیلات اگلی آیات میں دو تین رکوع تک آئیں گی۔

لَنْ تَنَالُوا مَعَهُ

درس پنجاہ و سہ ۵۳ آیت ۱۵۴، ۱۵۵

ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمْنَةً نَوَاسًا
يُغْشَى طَائِفَةً مِنْكُمْ وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ
أَنْفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ
يَقُولُونَ هَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ إِنَّ
الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ يُخْفُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ مَا لَا
يُبْدُونَ لَكَ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ
شَيْءٌ مَّا قَتَلْنَا هُنَا قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي
بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ
إِلَى مَضَاجِعِهِمْ وَلِيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ
وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ
الصُّدُورِ ﴿١٥٤﴾ إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى
الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا
وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٥٥﴾

۱۶
ع

ترجمہ: پھر اتار اللہ نے تمہارے اوپر غم کے بعد امن اور نیک جوڑ صاحبِ رحمت ہی ایک
گمروہ کو تم میں سے۔ اور ایک گمروہ ایسا تھا کہ ان کو فریضہ منہ کیا تھا ان کی جانوں نے
وہ گمان کرتے تھے اللہ کے بارے میں ناحق خیال، جاہلیت کا خیال۔ وہ کہتے تھے
کیا معاملے میں ہمارے لیے بھی کچھ ہے؟ آپ کہہ دیجئے۔ معاملہ سب کا سب اللہ

کے ہاتھ میں ہے۔ یہ اپنے نفسوں میں اُن باتوں کو چھپاتے ہیں، جن کو آپ کے سامنے ظاہر نہیں کرتے۔ کہتے ہیں اگر معاملے میں ہمارے لیے کچھ ہوتا، تو ہم یہاں قتل نہ کیے جاتے۔ آپ کہ دیجئے، اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تو وہ لوگ نکلے جن پر قتل کیا جانا لکھ دیا گیا ہے اپنی قتل گاہوں کی طرف تاکہ اللہ تعالیٰ آزمائے اُس چیز کو جو تمہارے باطن میں ہے۔ اور تاکہ صاف کر دے اللہ تعالیٰ اُس چیز کو جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ تعالیٰ دلوں کے رازوں کو جانتا ہے (۱۵۲) بیشک تم میں سے وہ لوگ جنہوں نے پشت پھیری جس دن دو جماعتوں کی آپس میں بٹکر ہوئی۔ بیشک اُن کو پھسلا یا شیطان نے اُن کے بعض گناہوں کی وجہ سے۔ اور البتہ تحقیقاً اللہ نے اُن کو معاف کر دیا ہے بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا اور بہ دبار ہے (۱۵۵)

ان آیات کا تعلق بھی غزوہ احد ہی سے ہے۔ اس جنگ کی تفصیلات بیان ہو چکی ہیں۔ گذشتہ آیات میں بیان ہو چکا ہے کہ اس جنگ کے دوران مسلمانوں کی کوتاہی کی بنا پر اُن پر عزم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ ابتدائی فتح حاصل ہونے کے بعد مسلمانوں کو سخت نقصان اٹھانا پڑا بہت سے اکابر صحابہ شہید ہوئے خود حضور علیہ السلام زخمی ہو گئے حتیٰ کہ اپنی شہادت کی خبر بھی مشہور ہو گئی۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کی غلطی کو معاف فرما دیا۔ کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور وہ فتح حاصل کرنے کے باوجود وہاں بھٹرنے لگے بلکہ واپس بھاگ گئے۔ آج کے درس میں اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر مہربانی فرما کر کس طرح اُن کے عزم و اندازہ کو اطمینان میں بدل دیا۔

ارشاد ہوتا ہے۔ ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمْنًا

پھر اللہ تعالیٰ نے عزم کے بعد تم پر امن کی حالت نازل فرمائی۔ اور وہ امن کیا تھا نَفَاسًا اَوْ كَمُحَضِّقِي، جو تم پر طاری ہو گئی۔ امام ابو بکر جصاص فرماتے ہیں کہ دوران جنگ یمند یا اوجھ کا درد ہو جانا حضور علیہ السلام کی نبوت و صداقت کی عظیم دلیل

اور معجزہ ہے۔ اس وقت مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ بہت سے مجاہدین شہید ہو چکے تھے۔ بہت سے زخمی حالت میں تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غور زخمی تھے۔ یہ تو سخت پریشانی کا عالم تھا۔ انسان کو نیند تو کجا ذرا سا چین بھی نصیب نہیں ہو سکتا ایسی حالت میں نیند کا آجانا اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی تھی۔ اور عام قانون بھی یہی ہے۔ کہ اگر لڑائی کی حالت میں نیند طاری ہو جائے تو مستح و کامیابی کی علامت ہوتی ہے۔ یہ ایک نیک فال ہوتا ہے۔ کیونکہ تھکے ماندے پریشان حال شخص کو کچھ دیر کے لیے نیند آجائے، تو اُسے سکون حاصل ہو جاتا ہے۔ پریشانی دُور ہو جاتی ہے۔ اور پھر لطف کی بات یہ ہے کہ نیند کی حالت صرف خالص ایمان والوں پر طاری ہوتی تھی۔ منافق اس نعمت سے محروم ہے۔ صحابہ کرام فرماتے ہیں۔ کہ نیند یا اذکھ بھی ایسی طاری ہوتی کہ ہاتھ سے تلوار گمراہ لپٹی تھی جسے پھر اٹھانا پڑتا تھا، غرض اللہ تعالیٰ نے نیند کے ذریعے اہل ایمان کا عزم دُور کر دیا، اُن کا بوجھ ہلکا کر دیا اور وہ پھر سے تازہ دم ہو گئے۔ سورۃ بنامیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا** اور ہم نے تمہاری نیند کو باعث سکون بنایا ہے۔ اور یہ سکون اہل ایمان کو عین جنگ کی حالت میں حاصل ہوا۔ **يَغْتَشَىٰ طَائِفَةٌ مِّنْكُمْ** یہ اذکھ ڈھانپ رہی تھی تم میں سے ایک گمراہ کو جو چپکے چپے مسلمان تھے۔ منافقوں کو یہ چیز نصیب نہیں ہوتی۔

منافقوں کے
شبہات

فرمایا منافقوں کی حالت اُس وقت یہ تھی **وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ** کہ اُس گمراہ کو اُن کی جانیں حکم مند کر رہی تھیں اُن کو چین نصیب نہیں ہوا۔ بلکہ وہ تو خوفزدہ ہو رہے تھے۔ کہ اب پتہ نہیں کیا ہو گا۔ ہم اس مشکل سے نکل سکیں گے یا نہیں۔ اُن کے دلوں میں طرح طرح کے باطل خیالات آ رہے تھے **يَظُنُّونَ بِاللَّهِ عَيْنَ الْحَقِّ** وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ناحق گمان کرتے تھے۔ غلط خیال قائم کرتے تھے۔ کہ شاید اللہ اُن کی مدد نہیں کرے گا۔ اور انہیں مستح حاصل نہیں ہوگی۔ اور یہ گمان ایسے ہیں **ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ** جاہلیت کے گمان ہیں۔ اور ساتھ ساتھ عھتیدہ تقدیر کی تکذیب بھی کرتے ہیں۔ کیونکہ جو کچھ ہو

رہے یا آئندہ ہونے والا ہے وہ مثبت الہی کے مطابق ہے جو کچھ اللہ کی تقدیر میں موجود ہے، وہ ہو کر ہے گا۔ تقدیر ٹل نہیں سکتی۔ مومن تو اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ جو بھی خیر و شر آتا ہے، اللہ تعالیٰ کی حکمت، ارادے اور مشیت سے آتا ہے۔ مگر منافقین زمانہ جاہلیت کے گندے عہدہ رکھتے ہیں اور کہتے ہیں يَقُولُونَ هَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ کیا معاملے میں ہمارے لیے بھی کچھ ہے؟ یعنی ہمیں تو نعم پر غم پڑ رہا ہے کیا ہمارے لیے اچھائی میں بھی کچھ حصہ ہے؟ اس کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے قُلْ إِنْ الْأُمَمُ كَانَتْ لِلَّهِ تَبَعًا اللہ نے نبی علیہ السلام آپ کو بھیجے کہ سارے کاسار معاملہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اُسکے ارادے اور مشیت میں کسی کو مجاز دخل نہیں وہ جو چاہے کرتا ہے اللہ تعالیٰ بتلا ہے میں کہ ان منافقوں کی حالت یہ ہے کہ يُحْفَوْنَ فِي أَنْفُسِهِمْ مَا لَا يَبْدُونَ لَكَ یہ لوگ اپنے نفسوں میں منافقانہ سازشوں اور گندے خیالات کو چھپاتے ہیں جو آپ پر ظاہر نہیں کرتے۔

موت کا وقت
مقرر ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہیں۔ کہ یہ بد بخت اپنی منافقت کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔ يَقُولُونَ كَوَ كَان لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَا قَاتَلْنَا ہم ہمتا کھتے ہیں۔ کہ اگر معاملے میں ہمارے لیے بھی کچھ ہوتا، تو ہم یہاں قتل نہ کئے جاتے۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ کو ہماری بھلائی منظور ہوتی تو ہمارے اتنے آدمی شہید نہ ہوتے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ ان کا یہ خیال باطل محض ہے۔ کہ اگر جنگ میں شریک ہوتے تو بچ جاتے۔ بلکہ فرمایا قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ اگر تم اپنے گھروں میں بھی پڑے ہوتے لہذا یہ ان کی خام خیالی ہے کہ اگر گھروں میں بیٹھ رہتے تو قتل نہ ہوتے تو جن لوگوں کی تقدیر میں موت لکھی جا چکی ہے وہ اپنے قتل کا وہ کی طرف ضرور نکل آتے۔ یہ تو خدا تعالیٰ کے علم میں ہے کہ فلاں شخص کی موت کس مقام اور کس وقت پر واقع ہوگی۔ لہذا یہ ان کی خام خیالی ہے کہ اگر گھروں میں بیٹھ رہتے تو قتل نہ ہوتے جس خداوند کریم نے ان کے قتل کا مقام مقرر فرما دیا وہ اُنکے اس مقام پر پہنچ جانے کا انتظام بھی فرما دیتا۔ لہذا اس قسم کے باطل خیالات دل میں نہیں لانے چاہئیں بلکہ تقدیر خداوندی پر راضی ہو جانا چاہیے۔

مؤمن کی
آزمائش

تقدیر پر ایمان لانا ایک مؤمن کا جزو ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی منشاء کے بغیر کوئی چیز واقع نہیں ہوتی۔ جو انسان پیدا کیے گئے ہیں۔ ان کے حوادث بھی ان کے ساتھ مقدر ہیں۔ مغز وہ احد میں جو تکلیف پہنچی وہ مسلمانوں کے مقدر میں لکھی جا چکی تھی۔ ناہم اللہ تعالیٰ نے اس کی حکمت یوں بیان فرمائی وَلِيَكْبِتَ لِلَّهِ مَا فِي صُدُورِكُمْ تاکہ اللہ تعالیٰ آزمائے اُس چیز کو جو تمہارے دلوں میں ہے ایسی ہی مشکل صورت حال میں کھڑے اور کھوٹے کی پہچان ہوتی ہے۔ مقصد یہ تھا کہ آزما کر دیکھا جائے کہ ان میں سے کون سچے مؤمن ہیں اور کون کے دلوں میں کھوٹ موجود ہے۔ چنانچہ منافقین کا ایک گمراہ لوہا کی طرف آتے ہوئے راستے سے ہی واپس ہو گیا۔ اور جو میدان جنگ میں پہنچ گئے، ان میں سے بعض کے دلوں میں مختلف دوسوے پیدا ہونے لگے۔ کہ ہمیں فتح کیوں نہیں حاصل ہو رہی ہے اور یہ کہ اگر ہم اس جنگ کے لیے باہر نہ نکلتے تو شاید قتل ہونے سے بچ جاتے وغیرہ وغیرہ، اس طرح گویا اللہ تعالیٰ نے کھڑے اور کھوٹے کی آزمائش فرمائی۔ کیونکہ جو راسخ العقیدہ مسلمان تھے وہ ہر حالت میں ثابت قدم رہے۔

اس آزمائش کی دوسری حکمت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَلِيَصْحَبَ حِصَصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ اور تاکہ اللہ تعالیٰ اُس چیز کو صاف کر دے جو تمہارے دلوں میں ہے۔ مطلب یہ کہ دلوں میں جو مختلف دوسوے اور شبہات پیدا ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو دور کر کے اہل ایمان کے دلوں کو ایسی اشیاء سے پاک صاف کر دیا۔

اس مقام پر آزمائش کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے صدور کا لفظ فرمایا کہ تمہارے سینوں میں جو بات پوشیدہ ہے اس کو آزمائے۔ اور آگے جہاں پاک صاف کرنے کا ذکر ہے وہاں قلوب کا لفظ آیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عقیدہ، ایمان اور اخلاص کا مرکز دل ہے لہذا اس کی پاکیزگی کی ضرورت ہے۔ تاکہ انسان کا عقیدہ اور ایمان درست ہو جائے اور اس میں دین کے لیے اخلاص پیدا ہو جائے

یہی وجہ ہے۔ کہ مومن لوگ امتحان میں بالکل پاک صاف ہو کر نکلتے ہیں۔ جب کہ روگی دل طے تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ اس آزمائش کے ذریعے ہم نے تمہارے دلوں میں موجود میل چھیل کر صاف فرما دیا۔ تمہیں احساس ہو گیا کہ فلاں غلطی کی وجہ سے ہم پر یہ سختی آئی ہے۔ لہذا آئندہ کے لیے خبردار اور مستعد ہو گئے۔ اسی لیے علامہ اقبال کہتے ہیں "مرد را روزِ بلا روزِ صفا است" یعنی مرد مومن کے لیے مصائب و مشکلات کا دن اس کے لیے بھلی صفائی کا دن ہوتا ہے۔ اسی طرح پرانے شعرا بھی کہتے ہیں

حوادثات اور مصائب کی خوبی اللہ ہی کے لیے ہے کیونکہ یہ مصائب کچھنوں کے لیے زنگ آلودگی اور شریف لوگوں کے لیے دلوں کی صیقل کا باعث ہوتے ہیں۔ اسی طرح لوہے کی زبان سے کھلویا۔

میں تو فقط ایک ٹکڑا تھا۔ پھر تو نے مجھے مصائب میں ڈال کر تلوں بنا دیا۔ اور حوادثات کی گرد و کش نے میری دھار کو تیز کر دیا۔ مطلب یہ کہ انسان مصائب کی بھٹی سے کندن بن کر نکلتا ہے۔ جب آزمائش آئے تو اس پر جزع فرج کرنے کی بجائے اُسے خوش دلی سے قبول کرنا چاہیے۔ اور اپنے عقیدے پر ثابت قدم رہنا چاہیے۔

اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ریاضت و عبادت کا مقصد انسان کے نسمہ کی پاکیزگی ہے۔ نسمہ سے مراد روح ہے۔ جو مصائب و مشکلات میں پاک صاف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے نسموں کو پاک کر دیا۔ اُن کے دلوں کی کجیاں دور ہو گئیں۔ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کے رازوں کو جاننے والا ہے۔ اس سے تمہاری کوئی چیز پوشیدہ نہیں، خواہ وہ زبان پر ہو یا سینے میں ہو۔ لہذا اپنے نسمہ کو پاک صاف رکھو۔ اس میں بڑے خیالات کو جگہ نہ دو۔ ہر اچھائی اور تکلیف اللہ کی مقرر کردہ تقدیر کے مطابق واقع ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے مطابق وقتاً فوقتاً تمہارا امتحان

لیتا رہتا ہے۔ اور مبارک باد کے مستحق ہیں وہ لوگ جو اس امتحان میں پورا اترتے ہیں
 اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دوسرے گروہ کا ذکر فرمایا جو اس امتحان میں
 پورا نہ اتر سکے۔ اور پھر اس لغزش کی وجہ بھی بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہے۔

شیطان کا
 پھسلاؤ

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مَتَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَيْنِ تَمَّ مِنْ سِوَاكُمْ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ
 پشت پھیری اُس دن، جس روز دو جماعتوں کی ٹڈ بھیسٹر ہوئی۔ اور یہ جنگ اہل اسلام
 اور کفار کے درمیان تھی۔ اس جنگ میں مسلمان سخت افراتفری کے عالم میں مبتلا
 ہو گئے اور اُن کی اکثریت میدان جنگ سے بھاگ نکلی۔ صرف قبیل تعدا میں
 مخلص لوگ ثابت قدم رہے۔ اللہ نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ تھی لَقَدْ كُنْتُمْ يَوْمَ
الْمُؤْتَةِ بِرِجَالِكُمْ كَمَا كُنْتُمْ يَوْمَ الْمُنَادِيَاتِ یعنی بعض اعمال یعنی کوتاہیوں کے سبب
 شیطان نے انہیں پھسلا دیا۔ تمام مسلمان بد دل نہیں ہوتے تھے بلکہ ان میں سے
 بعض نے کمزوری دکھائی حالانکہ اس سے پہلے اسلام کے لیے اُن کی بڑی
 بڑی قربانیاں موجود تھیں۔ ان میں حضرت عثمانؓ بھی شامل ہیں جو سابقین الاولین اور
 پہلی ہجرت یعنی حبشہ کی ہجرت کرنے والوں میں سے ہیں۔ مگر اس موقع پر ثابت قدم
 نہ رہ سکے۔ بعض بزرگان دین فرماتے ہیں کہ اس موقع پر آپ کے دل میں کچھ کدورت
 پیدا ہو گئی تھی۔ بہت سے اکابر صحابہؓ تنہید ہوئے۔ خود حضور علیہ السلام کو زخم آئے بلکہ
 شہادت کی خبر مشہور ہوئی۔ افراتفری کے عالم میں حضرت عثمانؓ کے پاسے ثبات
 میں لغزش آگئی، جبئی وجہ سے شیطان محل ہوا۔ اُس نے موسمہ ڈالا اور پھر آپ تک
 نہ سکے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ مگر جلد ہی دل کی وہ میل کچیل صاف ہو گئی۔ حضور علیہ السلام
 کے زندہ ہونے کی خبر ملی اور آپ واپس آ گئے۔ اس کے بعد پھر گھمان کی لڑائی ہوئی
 اور کافروں کو بھاگتے بنی۔ اس طریقے سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو پھر راست قدم
 کھنڈ دیا۔

پھر حال صحابہ کو کہہ نام کی یہ لغزش تھی کہ وہ ثابت قدم نہ رہ سکے، اللہ کا نبی
 زخمی حالت میں موجود ہے، وہ پکار رہا ہے۔ کہ اللہ کے بندو! کدھر جا رہے ہو،

اس طرف اور یہ یقیناً غلطی تھی، جو بعض کو ناہیوں کی وجہ سے واقع ہوئی۔ شیطان نے دوسرا انداز ہی کی۔ مگر اس کے باوجود وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ فرمایا۔ پہلے بھی گنہگار چکا ہے۔ ”وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ“ اب پھر دہرایا جا رہا ہے کہ اللہ نے ان غلطیوں سے درگزر فرمایا۔ اکتفا تکید کے لیے ہوتا ہے۔ البتہ تحقیق اللہ ان کو معاف فرما چکا ہے۔ صحابہ کی اس عام معافی کے بعد اب کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان پر نکتہ چینی کرے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں آتا ہے کہ لوگوں نے حضرت عثمانؓ پر اعتراض کیا کہ آپ جنگ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ واقعہ ایسا ہی ہے مگر اسی وجہ سے کہیں۔ وہ تو بخوشی شریک جہاد ہونا چاہتے تھے مگر حضور علیہ السلام نے منع فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی اور آپ کی زوجہ بیاتھیں۔ اللہ کے رسول نے حضرت عثمانؓ کو حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی کی تیمارداری کے لیے مدینہ میں ٹھہر جائیں آپ نے ان کی تسلی کے لیے فرمایا کہ آپ کی اس جنگ میں عدم شرکت کے باوجود اللہ تعالیٰ آپ کو شریک ہونے والوں جیسا اجر عطا کرے گا۔ اور اللہ کا رسول غنیمت میں ویسا ہی حصہ عطا کرے گا، جیسا کہ جہاد میں شرکت کرنے والوں کو ملیگا۔ بات واضح ہو گئی۔ کہ جنگ بدر میں حضرت عثمانؓ کی عدم شرکت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی وجہ سے تھی۔ حضور علیہ السلام کی لخت جگر اسی دوران فوت ہو گئیں۔ اور حضور علیہ السلام نے حضرت عثمانؓ کو مال غنیمت سے برابر کا حصہ دیا۔ چنانچہ حدیث میں حضرت عثمانؓ کا نام بدری صحابہ میں موجود ہے۔

آپ پر یہ بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ بیعت رضوان حدیث میں بھی شریک نہیں ہوئے۔ اس کے جواب میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ حضرت عثمانؓ کو حضور علیہ السلام نے کفار مکہ کی طرف قاصد بنا کر بھیجا تھا۔ اس وقت اس کام کے لیے آپ سے بہتر کوئی شخص نہیں تھا۔ اور بیعت رضوان کی ضرورت اس وقت پیش آئی جب حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر مشہور ہو گئی۔ رضوان

تو ان کی شہادت کا بدلہ لینے کے لیے سر دھڑکی بازی لگانے کے لیے مہربانی تھی
لہذا اس واقعہ میں ان کی شرکت کیونکر ممکن تھی۔ غرضیکہ لوگوں کا یہ اعتراض بھی قابل
قبول نہیں۔

حضرت عثمانؓ اور دیگر صحابہؓ کی ان لغزشوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان
کی معافی کا اعلان فرمایا۔ لہذا جو شخص اس کے بعد بھی صحابہ کبارؓ پر طعن تشنیع کا مرتکب
ہوگا، اس کے اپنے ایمان میں فتور ہوگا۔ حضور علیہ السلام کے صحابہ کرامؓ کے متعلق
تو خود قرآن پاک میں ارشاد فرمایا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ اللَّهُ تَعَالَى
ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ صحابہ کرامؓ کو رضا الہی کی
درجہ ہی حاصل ہو چکی ہے۔ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ بِشَيْءِ اللّٰهِ تَعَالَى
بخشش کرنے والا اور بربود بار ہے۔ وہ فوراً گرفت ہمیں کھڑا۔ بلکہ اہل ایمان
کو موقع دیتا ہے۔ کہ اس قسم کی لغزشوں سے پرہیز کریں۔

لَنْ تَنَالُوا ۲

ال عمران ۳

درس پنجاہ و چہار ۵۴

آیت ۱۵۶ تا ۱۵۸

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا
 وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا
 عِزًى لَوْ كَانُوا عِنْدَنَا مَا تَوَأَّمُوا وَمَا قَتَلُوا لِيَجْعَلَ
 اللَّهُ ذَلِكُمْ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ
 وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝۱۵۶ وَلَئِنْ قَتَلْتُمْ فِي
 سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مِتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ
 خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ۝۱۵۷ وَلَئِنْ مِتُّمْ أَوْ قَتَلْتُمْ
 لَا إِلَى اللَّهِ تَحْشَرُونَ ۝۱۵۸

ترجمہ
 اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جنہوں نے کفر کیا اور اپنے بھائی بنوں سے
 کہا جب کہ انہوں نے زمین میں سفر کیا یا وہ مجاہد تھے کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے
 تو نہ مرتے یا نہ مارے جاتے، تاکہ کفر سے اللہ اس بات کو حسرت ان کے دلوں
 میں۔ اور اللہ تعالیٰ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے جو کچھ
 تم کام کرتے ہو ۝۱۵۶ اور اگر تم اللہ کے راستے میں مارے گئے یا مار گئے
 البتہ بخشش اللہ کی جانب سے اور مہربانی بہتر ہے اس چیز سے جس کو
 یہ جمع کرتے ہیں ۝۱۵۷ اور اگر تم مر گئے یا مارے گئے تو البتہ اللہ تعالیٰ کی
 طرف تم سب اکٹھے کئے جاؤ گے ۝۱۵۸

بطایات
 گذشتہ دروس میں گذر چکا ہے اللہ تعالیٰ نے دو باتوں کی خاص طور پر تلقین فرمائی ہے۔
 ایک بات یہ کہ اے مسلمانو! صبر و استقلال سے کام لینا اور اللہ کے فرستادہ

انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کا اسوہ اختیار کرنا۔ اور دوسری بات یہ کہ کافروں کا کتنا نہ ماننا۔ اس بات میں اللہ تعالیٰ نے کفار اور خاص طور پر منافقین کے عطا پر پکینڈا سے متاثر نہ ہونے کی تلقین کی ہے۔ غزوہ احد میں تین سو منافق ابتداء ہی میں لشکر اسلام سے علیحدہ ہو گئے جو کہ صریح غداری تھی۔ پھر ان میں سے جو لوگ شریک جنگ بھی ہوئے، وہ بھی دل شکستگی کے ساتھ، گذشتہ آیات میں بیان ہو چکا ہے کہ کس طرح انہوں نے ہندلی کا مظاہرہ کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی وقتی شکست کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند کی صورت میں امن نازل فرمایا جب کہ منافق اس نعمت سے محروم ہے۔ انہیں اپنی جانوں کی فکر لاحق ہو رہی تھی۔ وہ ایسا محسوس کر رہے تھے کہ شاید وہ اب زندہ سلامت واپس نہیں جاسکیں گے۔ بہر حال آج کے درس کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی توجیہ منافقین کی ایک اور سازش کی طرف لگا کر اسے بچنے کی نصیحت فرمائی ہے۔

منافقین کی تدبیر

ارشاد ہوتا ہے۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا** لے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا۔ ان کفار میں منافقین کا گمروہ بھی شامل ہے۔ خاص طور پر اعتقادی منافق اس جماعت کے بدترین لوگ ہوتے ہیں، جن کے متعلق خود قرآن پاک کا فیصلہ ہے **الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَجَةِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ** یعنی ایسے منافقین کا ٹھکانا جہنم کے سب سے نیچے والے خطرناک گمراہے میں ہوگا۔ ان کی سازش اب یہ ہے۔ **وَقَالُوا لَا تَحْزَنْهُمْ** کہ انہوں نے اپنے بھائی بندوں کے بارے میں کہا تھا۔ اور بھائی بندوں سے مراد مسلمان ہیں۔ اور یہ بات انہوں نے اس وقت کہی **إِذَا صَبَّحُوا فِي الْأَرْضِ** جب انہوں نے یعنی مسلمانوں نے زمین میں سفر کیا **أَوْ كَانُوا عِزِّي** یا جب وہ جہاد میں شریک ہوئے۔ مطلب یہ کہ جب کبھی مسلمان تجارتی یا دیگر سفر پر گئے اور وہاں موت آگئی۔ یا پھر کسی جہاد میں شریک ہوئے تو شہادت نصیب ہوگئی۔ ایسی صورت حال میں منافقین کتنے

لگے تو کون اوعندنا اگر یہ مسلمان ہمارے پاس ہوتے یعنی مذکورہ سفر پر نہ جاتے یا جنگ میں شریک نہ ہوتے تو کیا ہوتا ہما ماکوا وما قتلتوا نہ وہ سرتے اور نہ مارے جاتے یعنی ان کی جان بچ جاتی۔ دراصل منافق مسلمانوں کو مضر اور جہاد سے بظن کمزور ناچاہتے تھے۔ کہ یہی چیزیں ان کی موت کا سبب بن رہی ہیں، لہذا ان کو نہ کسی سفر پر جانا چاہیے۔ اور نہ کسی جہاد میں شریک ہونا چاہیے۔ اس آیت کرمہ میں احوالہم کا لفظ ترجمہ طلب ہے۔ منافقین اور مسلمانوں کو بھائی بند کہا گیا ہے۔ اور یہ اس اعتبار سے کہ مدینے میں ہونے والے سارے قومی بھائی تھے۔ مختلف خاندانوں سے تعلق رکھنے کے باوجود یکجہت قوم یہ لوگ بھائی بھائی تھے۔ ایسا بھی تھا کہ ایک ہی خاندان کے افراد ہونے کے باوجود بعض لوگ مسلمان ہو گئے، بعض منافق اور کافر رہے اور انہیں سے بعض یہودی تھے۔ لہذا یہ سب لوگ آپس میں ایک ہی برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ اور پھر ان میں رشتہ داری اور قرابت بھی تھی، اس واسطے اخوان کا لفظ استعمال ہوا ہے کہ منافق کافروں نے اپنے مسلمان بھائی بندوں سے کہا کہ تم خواہ مخواہ دور دراز کا سفر لگاتے ہو اور جہاد میں شریک ہو کر اپنی موت کو دعوت دیتے ہو۔ ہماری طرح گھسریں بیٹھے بہتے تو تمہاری جان بچ جاتی۔

حسرتوں
ایسی بات کرنے سے منافقین کا مقصود یہ ہے۔ لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَلِكُمْ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ تاکہ اللہ تعالیٰ ان (مسلمانوں) کے دلوں میں حسرت پیدا کر دے۔ ان کے دل میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ منافقین بات تو صحیح کہتے ہیں۔ واقعی اگر جہاد میں شریک نہ ہوتے تو ہمارے آدمیوں کی جان بچ جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی ہے۔ کہ منافقین کی ایسی مالوس کن باتوں میں نہ آئیں۔ بلکہ اللہ کے حکم کے مطابق جہاد میں بڑھ چڑھ کر شریک ہوں کیونکہ دین اسلام اور مسلمانوں کی بقا اسی راز میں مضمر ہے۔

حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ

منافقین کے دلوں میں حسرت پیدا کر دے۔ اگر مسلمان کفار و منافقین کی اس چال میں نہ آئیں اور وہ مسافر اور جہاد میں برابر شریک ہوتے رہیں تو یہ چیز خود منافقین کے لیے باعث حسرت ہوگی کہ ان کی تمام تر سعی کے باوجود مسلمان ان کے بہکاوے میں نہیں آئے، لہذا ان کے دلوں میں حسرت ویاس پیدا ہوگی اور وہ خود اپنی ہی لگائی ہوئی آگ میں جلتے رہیں گے۔

موت و حیات
کا سرشتہ

گذشتہ آیات میں بیان ہو چکا ہے کہ موت و حیات کا سرشتہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے کوئی شخص اپنے مقررہ وقت سے پہلے نہیں مرنے والا جس شخص کی جس وقت موت مقرر ہو چکی ہے، لامحالہ اس میں سرفورق نہیں آسکتا، کوئی گھس میں بیٹھا ہے یا مسافر و جہاد میں شامل ہو، موت کا وقت بہر حال معین ہے۔ کوئی بھی اس سے بچ نہیں سکتا۔ لہذا کفار و منافقین کا یہ کہنا کہ مسلمان جہاد میں شریک ہو کر خود موت کے منہ میں جاتے ہیں۔ ناقابلِ فہم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بات سمجھا دی کہ اگر اس قسم

کا عقیدہ مسلمانوں میں بھی پیدا ہو جائے تو یہ بہت بُری بات ہے۔ انہیں اپنے عقیدہ موت و حیات پر ثابت قدم رہنا چاہیے۔ کینزکھ واللہ عجیب و کیمعدت و زندہ کرنا اور موت دینا تو اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔ موت و حیات کا مالک تو وہ ہے جب تک چاہے کسی کو زندہ رکھے اور جب چاہے اسے اپنے پاس بلا لے۔ اس کی حکمت کو وہی مالک الملک جانتا ہے۔ محض جہاد میں شرکت موت کو دعوت دینے والی بات، بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ دیکھیے حضرت خالد بن ولیدؓ اسلام کے عظیم سپاہی اور قابلِ جرنیل تھے۔ انہوں نے یرموک اور موتہ جیسے عظیم معرکے سر کیے۔ ان کے جسم کا ایک بالشت بمقام بھی لیا نہیں تھا۔ جہاں پر تیر، تلوار یا نیزہ کا زخم نہ آیا ہو مگر میدانِ جہاد میں شہادت نصیب نہیں ہوتی۔ زندگی کے آخری حصہ میں انہوں نے اظہار کیا کرتے تھے کہ بے شمار جنگوں میں حصہ لیا۔ مگر تمام تر خواہشات کے باوجود شہادت نصیب نہیں ہوئی اور موت بستر پر آرہی ہے فرماتے تھے فَلَا قَسْرَتْ أَعْيُنُ الْجَبَّتِ لَهَا اس بزدل کی آنکھیں ٹھنڈی نہ کھمے

جو موت کے ڈر سے جہاد میں شریک نہیں ہوتا۔ اسے میری حالت سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ میں نے کتنے جہاد کیے بسا اوقات دشمن کے زرع میں رہا ہوں مگر اُنکے ہاتھوں موت نہیں آئی۔ لہذا جہاد سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔ موت کا خوف فلانا منافقین کی چال ہے اس سے خبردار رہنا چاہیے۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔ اور اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے جو کچھ تم کام کرتے ہو۔

شہداء کے لیے العمام

آگے ارشاد ہوتا ہے وَلٰكِن قَاتَلْتُمْ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ اَکْرَمَ اللّٰهِ کی راہ میں شہید ہو گئے اَوْ مَاتُمْ یا طبعی موت مرے تو اس کا حاصل یہ ہوگا۔ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری بخشش کا اعلان ہو جائے گا۔ تمام گناہ معاف ہو جائیں گے۔ غلطیاں قلم زد کر دی جائیں گی۔ اور یہ

بہت بڑی کامیابی ہے۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ کسی شخص کی عبادت کے پس منظر میں تین نظریات ہوتے ہیں پہلی صورت یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے ہوئے اس کی عبادت کرنا ہے۔ وہ مامورات اور مننیات کو اس لیے انجام دیتا ہے کہ کہیں خدا کی گرفت میں نہ آجائے۔ اُس کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہوتا ہے فَمَنْ زُحِّقَ عَنِ النَّارِ وَاَدْخَلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ کہ جس شخص کو دوزخ کی آگ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر لیا گیا، وہی کامیاب و کامران ہے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر کر عبادت گزار کو خدا کی جانب سے مغفرت حاصل ہوتی ہے۔ اللہ کہتا ہے جاؤ تمہاری غلطیاں معاف کر دی گئی ہیں۔ غزوہ احد میں مسلمانوں سے غلطی ہوئی مگر وہ حاصل خدا پرست لوگ تھے۔ جو نبی غلطی کا احساس ہوا، پھر اکٹھے ہو گئے اور جاننا زہی کا ثبوت ہوا۔ انہوں نے بلاشبہ اللہ کی مغفرت حاصل کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے اسلطان فرما دیا وَلَقَدْ صَحَّتْ لِّلّٰهِ عَنْهُمْ۔ اللہ نے اُن کو معاف فرما دیا۔

مولانا تھانوی فرماتے ہیں کہ عبادت کرتے وقت کسی شخص کے پیش نظر جو دوسری چیز ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی نعمتیں حاصل ہوں، اُس کی خوشنودی اور تقرب حاصل ہو اور اس کے صلہ میں اُسے بلند درجہ نصیب ہو۔ فرمایا ایسے شخص

کا مقام رحمت ہے۔ اسی لیے فرمایا اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کا صلہ مغفرت اور رحمت ہے۔ بہر حال یہ مسئلہ سمجھا دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحمت خیرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ اُن چیزوں سے بہتر ہے جن کو یہ دنیا میں اکٹھا کرتے ہیں۔ یہ چند روزہ دنیا ہے۔ اس کا مال و اسباب اور روپیہ پیسہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی کے مقابلے میں صفر ہے۔ اصل چیز ایمان اور نیکی ہے۔ لہذا اس کو اختیار کرنا چاہیے۔ اور منافقوں کی چال میں نہیں آنا چاہیے۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ کسی عبادت گزار کے پیش نظر تیسرا مقصود یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے وہ یہی دعا کرتا ہے اَسْئَلُكَ بِرَضَائِكَ اے مولا اکرم! میں تیری رضا چاہتا ہوں۔ اور یہ بہت سے بلند مقام ہے

اللہ کے
حضور پیشی

آگے ارشاد ہوتا ہے **وَاَيُّنْ مُمْتَنًا اَوْ قَتَلْتُمْ** اگر تم طبعی موت مرو یا شہید ہو جاؤ **اِلَى اللّٰهِ تَحْسَبُوْنَ** تو لا محالہ تم سب خدا تعالیٰ کی طرف ہی اکٹھے کیے جاؤ گے۔ مومن کا یہ ایمان ہے کہ مرنے کے بعد اُسے براہ راست خدا تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے بعثت بعد الموت پر اُس کا یقین ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ زندہ بہتے میں ہی تمہارا فائدہ ہے، مرنے کے بعد محروم ہو جاؤ گے۔ بلکہ یاد رکھو اتمہیں بہر حال اللہ کی عدالت میں پیش ہونا ہے۔ اور وہ باز پرس بھی کر سکتا ہے۔ لہذا تمہارے کے ڈر سے جہاد سے اجتناب نہ کرو۔ مجرم اور گنہگار بن کر رب العزت کے حضور پیش نہ ہونا بلکہ ایسے اعمال لے کر حاضر ہونا جن کی وجہ سے تمہیں اللہ کی مغفرت اور مہربانی حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو منع فرمادیا کہ کافروں اور منافقوں کی مشابہت اختیار نہ کریں۔ اُن کی سازش کا شکار نہ ہوں اور اپنے دین پر قائم رہیں۔

لن تنالوا ۴

ال عمران ۳

درس پنجاہ و بیخ ۵۵

آیت ۱۵۹، ۱۶۰

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا
 غَلِيظَ الْقَلْبِ لَأَفَضُوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ
 وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا
 عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿١٥٩﴾
 إِنْ يَتَصَرَّكُمْ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَإِنْ يَخْذُكُمْ
 فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ وَعَلَى اللَّهِ
 فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١٦٠﴾

ترجمہ: پس اللہ کی رحمت سے آپ ان کے لیے نرم خو ہیں۔ اور اگر آپ سخت مزاج اور تنگ دل ہوتے، تو یہ لوگ آپ کے ارد گرد سے پرانگڑھ ہو جاتے پس ان کو معاف کر دیں اور ان کے لیے اللہ سے بخشش مانگیں اور معاملے میں ان سے مشورہ کریں۔ پس جب آپ نے سچتہ ارادہ کر لیا، تو اللہ پر بھروسہ کریں۔ بیشک اللہ تعالیٰ بھروسہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ﴿۱۵۹﴾ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا، پس تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ اور اگر وہ تمہیں سوا کر دے تو کون ہے۔ جو اس کے سوا تمہاری مدد کرے۔ اور چاہیے کہ ایمان والے اللہ ہی پر بھروسہ کریں ﴿۱۶۰﴾

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو خبردار کیا کہ کافروں کے ساتھ مشابہت نہ کریں۔ وہ تمہیں بزدل بنا کر دین اسلام سے برگشتہ کرنا چاہتے ہیں۔ زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ جہاد میں شریک ہونے والا لازماً ہی

رابط آیت

شہید نہیں ہوگا، بلکہ اگر اس کی زندگی باقی ہے، تو وہ میدان جنگ سے بھی زندہ مٹتا واپس آئے گا۔ اور جس شخص کی موت لکھی جا چکی ہے وہ اگر اپنے گھر میں بھی بیٹھا ہوگا تو نین موقع پر اپنی قتل گاہ پر پہنچ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ بھی یاد دلایا کہ اگر وہ راہِ خداوندی میں شہید ہو گئے تو اللہ کی مہربانی ان کے شامل حال ہوگی۔ اور دنیا کے اس مال و متاع سے بستر ہوگی جسے لوگ زندگی بھر اکٹھا کرتے بستے ہیں۔ فرمایا لونی طبعی موت مرے یا رُو حق میں شہید ہو جائے، سب کو اللہ رب العزت کی بارگاہ میں اکٹھا ہونا ہے، جہاں تمہاری بہتری کے وافر سامان موجود ہیں، لہذا موت سے گھبرانا نہیں چاہیے۔

اب آج کے درس کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام کی تعریف فرمائی ہے۔ کہ اللہ کے فضل سے آپ نہایت ہی نرم دل، ہنشنیق اور مہربان ہیں۔ اپنے صحابہ کے ساتھ حسن سلوک فرماتے ہیں۔ مغز وہ احد کے موقع پر انہوں نے غلطی ضرور کی۔ جس کی وجہ سے بہت سی تکلیف اٹھانا پڑی۔ مگر بہر حال یہ لوگ مخلص تھے۔ آپ ان کی غلطیوں کی اصلاح فرماتے اور آپ تنگ دل ہو کر ان پر ناراض نہ ہوں۔ اگر ایسا ہوا تو دین کی ترقی رک جائے گی اور مسلمانوں کی جو محظوظی سی جماعت قائم ہو گئی ہے۔ اس کے ٹوٹ جانے کا خطرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے اخلاقِ حمیدہ اور اپنی خصوصی عنایت کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہے: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِيَسَّرَ لَكَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ مِّنْهُ سُبُوٰبًا۔ گویا اللہ تعالیٰ کی یہ خاص مہربانی ہے کہ آپ کو اپنے صحابہ کے لیے نرم بنایا۔ یہاں پر فَبِمَا میں مکا زاید ہے۔ عربی زبان میں یہ تاکید کے لیے آتا ہے اور اس کی مثالیں قرآن پاک میں مختلف مقامات پر موجود ہیں۔ جیسے فَبِمَا نَقْضُهَا لَهُمْ مِيثَاقَهُمْ پس بسبب بنی اسرائیل کے عہد و پیمان ٹوٹنے کے ہم نے ان پر سختیاں کیں اور ان کو گرفت میں لیا۔ عربی کا مشہور شاہِ فرسخی اپنی کلام میں مکا کا لفظ اپنی

نبی علیہ السلام کی نرم مزاجی

معنوں میں استعمال کرتا ہے۔

اذھبی مالیک ادرکتی الملقہ
عدائی عن ھیکم اشفاقی

جاؤ اب میرے اندر بردباری آگئی ہے۔ تم جس شوق و محبت سے مجھے ابھارتی تھی اب مجھ سے دُور ہو گئی۔ مجھے خود بھی خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔

بیر حال یہ ہکا تاکیدی ہے۔ اگر اس کو درمیان سے ہٹا بھی دیا جائے تو معنی میں خاص فرق نہیں آئے گا جیسے فَبَرَحْمَتِ رَبِّكَ الْكَافِرِ اللہ کی مہربانی سے لَسْتَ لَهُمْ آپ اُن کے لیے نرم ہیں۔ وَلَوْ كُنْتَ فَظًا لَكُنَّ آبًا نازخ ہوتے یا سخت مزاج ہوتے، یا پھر عَلِيٌّ ظَنُّوا أَنَّهُ لَقَفْظٌ مِنْ حَوْلِكَ تو یہ لوگ آپ کے ارد گرد سے پر اگندہ ہو جاتے۔ یہ اللہ کا فضلِ عظیم ہے کہ آپ عالی اخلاق اور نرم مزاج ہیں۔ آپ کی رحم دلی کا یہ عالم ہے کہ غزوہ احد میں جلیل القدر صحابہؓ کے تتر بتر ہو جانے کے باوجود آپ نے اُن کو ملامت نہیں کی اور نہ اُن کے سختی سے پیش آئے۔ آپ نے ہر ممکن حد تک صحابہ کی اصلاح فرمائی ہے۔ اگر آپ دنیوی سلاطین کی طرح صاحب اقتدار ہوتے تو صحابہؓ کی اس غلطی کا سختی سے نوٹس لیتے اور اُن کو سزا دینا شروع کرتے۔ مگر ایسی کوئی بات نہیں ہوئی کیونکہ آپ نرم دل اور شائستہ مزاج تھے۔ اگر آپ میں یہ عالی ظرفی نہ ہوتی، تو لوگ آپ کے گرد جمع نہ ہوتے۔

بخشش معانی اور مشورہ
اس بات کا امکان تھا کہ حضور علیہ السلام کے دل میں کچھ رجحان باقی رہتی کہ صحابہ کو اہم نے خلافت تو قیام عمل کیوں کیا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے سفارش کر کر دی فَاعْفُ عَنْهُمْ اے نبی کریم! اپنے صحابہ کی یہ لغزش معاف کر دیں۔ دل میں اُن کے متعلق کسی قسم کا رنج نہ رکھیں بلکہ وَاسْتَعْفُوا عَنْهُمْ ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے بخشش طلب کر دی۔ ظاہر ہے کہ جس شخص کے لیے اللہ کا رسول بخشش طلب کرے گا۔ وہ ضرور فائز المرام ہوگا۔

اس بات کا بھی امکان تھا کہ حضور علیہ السلام کے دل میں کوئی رنج تو باقی نہ ہے مگر ان کی لغزش کی وجہ سے آئندہ آپ صحابہ سے مشورہ ہی نہ کیا کریں۔ جیسے عزوہ احد کے موقع پر کیا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں بھی صاف فرمایا وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ اور معاملات میں ان سے مشورہ فرمایا کہ میں حضور علیہ السلام کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ جنگ یا دیگر معاملات میں صحابہ سے مشورہ کر لیا کرتے تھے۔

۱۸۔ مشورہ کی ضرورت ان امور میں پیش آتی تھی جن میں وحی الہی کے ذریعے واضح حکم موجود نہیں ہوتا ہے کیونکہ جہاں اللہ کا حکم موجود ہو۔ وہاں اس کا اتباع لازم ہے، جیسا کہ نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ جیسے فرائض میں احکام الہی کا اتباع ضروری ہوتا ہے۔ اور اگر وحی نہ آئے تو پھر بغیر علیہ السلام اجتہاد بھی کرتے ہیں اور مشورہ بھی انکے معاملہ میں مہینہ بھر وحی نہ آنے کی وجہ سے آپ پریشان تھے۔ آپ ہنبر پر کھڑے ہو کر فرماتے تھے يَا أَيُّهَا النَّاسُ اسْتَشِيرُوا عَلِيًّا لوگو! مجھے مشورہ دو کہ اس معاملہ میں کیا کرنا چاہیے، میں نے تو اپنی بیوی میں کوئی بُرائی نہیں دیکھی مگر بعض لوگ بُرائی کا خیال ظاہر کرتے ہیں۔ پھر جب وحی نازل ہو گئی تو سارے اہم اور بہتان ختم ہو گئے، آپ کی تسلی ہو گئی اور مجرموں کو سزا دی گئی۔ منافقوں کو ہمیشہ کے لیے جہنمی قرار دے دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ کے متعلق دو رکوع نازل فرمائے۔

مشاورت
کی مثالیں

حضور علیہ السلام نے بہت سے معاملات میں اپنے صحابہ کو ارشاد سے مشورہ کیا۔ غزوہ خندق کے موقع پر خندق کھودنے کا مشورہ سلمان فارسی نے دیا تھا۔ انہوں نے عرض کیا حضور! میں نے اپنے ملک میں دیکھا ہے کہ جب دشمن ہجوم کرتا ہے۔ تو بے اوقات اپنے شہروں اور بستوں کے ارد گرد خندق کھود کر دفاع کیا جاتا ہے۔ آپ نے اس مشورہ کو شرف قبولیت بخشا اور خندق کھودنے کا حکم دیا۔ چنانچہ مدینہ کی تین اطراف میں خندق کھود دیا گیا۔ اور ایک طرف خود دشمن کا دفاع کیا۔ مجاہدین صرف تین چار ہزار تھے۔ جب کہ مقابلے میں پچیس ہزار کا جم غفیر تھا۔ مگر کن نے بڑی تیاری اور ساز و سامان کے ساتھ حملہ کیا مگر ناکام ہے

آپ نے فرمایا، مشرکوں کا یہ آخری حملہ تھا، آئندہ وہ حملہ کرنے کی جرأت نہیں کریں گے بلکہ اللہ کے فضل و کرم سے ہم ہی ان پر حملہ آور ہوں گے۔

اسی جنگ کے دوران جب دشمن کا دباؤ زیادہ بڑھ گیا تو حضور علیہ السلام کا خیال ہو ا کہ قبیلہ غطفان کے بعض سرداروں سے معاہدہ کر لیا جائے۔ آپ کا خیال تھا کہ مدینے کے درختوں کی آمدنی یا پھل کا کچھ حصہ اس قبیلہ کو پیش کر دیا جائے اور اس کے بدلے میں ان سے عہد لیا جائے کہ وہ مشرکوں کا ساتھ نہ دیں۔ معاملہ بڑا ہی نازک تھا۔ خطرے کی وجہ سے مسلمانوں کے دل اچھل کر گئے تاکہ آپ سے تھے۔ اس منظر کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ احزاب یوں بیان فرمایا بَلَّغْتَ الْفُرُوقَ الْمُنْتَجِرِ اَسْ تَمَامِ تَرِ دِباؤ کے باوجود مدینے کے انصار صحابہ حضرت سعد بن معاذؓ اور حضرت سعد بن عبادہؓ نے حضور علیہ السلام کی رائے سے اتفاق نہ کیا بلکہ عرض کیا، حضور! ہم اپنے دفاع کی سرٹوڑ کو کشتش کریں، ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے بہتری کا سامان پیدا کرے گا، مگر مدینے کی آمدنی کا کچھ حصہ قبیلہ غطفان کو دینا منظور نہیں ہے۔ حضور علیہ السلام نے ان صحابہ کی رائے سے اتفاق کیا۔ آپ نے مجوزہ معاہدہ نہ کیا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کی مدد فرمائی اور مشرک ناکام و نامراد واپس لوٹ گئے۔

اسی طرح غزوہ بدر کے موقع پر جناب بن منذر نے مشورہ دیا تھا کہ اگر ہم فلاں مقام پر پڑاؤ کریں تو ہمیں پانی اور دیگر ضروریات کے حصول میں سہولت ملے گی۔ آپ نے اس رائے کو قبول فرماتے ہوئے اسی مقام پر ڈیرا اچھایا۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی مسلمانوں کی مدد فرمائی اور انہیں فتح عظیم سے نوازا۔ غرضیکہ اس قسم کے اور بھی بہت سے واقعات ہیں جن میں نبی کریم علیہ السلام نے صحابہ سے مشورہ فرمایا۔ جب اللہ تعالیٰ کا واضح حکم بذریعہ وحی نہیں ملتا تھا تو آپ مشورہ بھی کرتے تھے اور اجتہاد بھی فرماتے تھے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے مشورہ کا قانون بھی سمجھا دیا۔

مشورے کی فقہی حیثیت کے متعلق بعض مفسرین کو روم فرماتے ہیں۔ کہ یہ نبی علیہ السلام کے لیے مستحب تھا۔ مگر بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ

مشاورت کا حکم صیغہ ہے۔ لہذا حضور علیہ السلام کا صحابہ سے مشورہ فرمانا
 واجب کا درجہ رکھتا ہے۔ جو حضرات مستحب ہونے کے قابل ہیں وہ فرمانے
 ہیں۔ کہ آپ کے لیے مشورہ کہنا ضروری نہیں تھا۔ بلکہ صحابہ کرام کی طیب خاطر کے
 لیے تھا۔ امام ابو بکر جصاص بہت بڑے مفسر قرآن ہوئے ہیں۔ انہوں نے قرآن کے
 احکام پر عظیم کتاب لکھی جس میں صرف احکام پر بحث کی گئی ہے۔ آپ حنفی امام تھے
 رنی کے رہنے والے تھے۔ یہ علاقہ بڑا مردم خیز خطہ ہوا جس میں امام عبدالقادر رازی
 عبداللہ بن مبارک، امام فخر الدین رازی وغیرہ ہوئے ہیں۔ امام ابو بکر جصاص فرماتے
 ہیں۔ کہ مشاورت کا حکم جو جیسا کہ معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل نہ ہو
 اس معاملہ میں حضور کا صحابہ سے مشورہ کرنا واجب تھا۔ البتہ یہ بات قابل غور ہے کہ
 مشورہ کن صحابہ سے کیا جائے۔ ہر شخص تو مشورہ دینے کا اہل نہیں ہوتا۔ اس کا الگ
 قانون موجود ہے۔ تاہم حضور علیہ السلام اکثر معاملات میں کبار صحابہ سے مشورہ فرمایا
 کرتے تھے۔ آپ نے بدر کے قیدیوں کے متعلق مشورہ کیا اور پھر حضرت ابو بکر صدیق
 کی رائے کو تسلیم کیا اگرچہ حضرت عمرؓ کی رائے مختلف تھی۔ مسند احمد کی حدیث میں
 یہ الفاظ آتے ہیں۔ کہ حضور علیہ السلام نے حضرت صدیق اکبرؓ اور عمر فاروقؓ سے
 فرمایا لو جتمعتما ما خالفتكما اگر تم دونوں کسی معاملہ میں متفق ہو جاؤ۔
 تو میں تمہارے خلاف نہیں کہوں گا۔ یعنی تمہاری رائے کو اختیار کر لوں گا۔ شیخان
 اور بعض دوسرے صحابہ نہایت ثقہ لوگ تھے، صاحب فہم، موقع شناس
 اور سمجھدار تھے۔ لہذا آپ ایسے ہی لوگوں سے مشورہ فرمایا کرتے۔ غرضیکہ اکثریت
 کی رائے یہ ہے۔ کہ مشورہ کا حکم وجہی ہے۔

مولانا عبداللہ سندھی بھی فرماتے ہیں کہ مشورہ واجب ہے اور یہ صحابہ کرام
 لوگوں سے ہونی چاہیے۔ مگر آج کے مسلمان امرا، ملوک اور سلاطین صحیح لوگوں سے
 مشورہ کہنا ترک کر چکے ہیں۔ برعکس اس کے من مانی کارروائیاں کر رہے ہیں
 جبکہ جسے قوم و ملت کو بڑا نقصان پہنچا ہے۔ جب خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ڈاکٹر طیب
 شاہد ہاشمی

مشورہ کرنے کے پابند تھے۔ تو کسی حاکم کو یہ حق نہیں پہنچتا وہ اصحابِ مل و عتقت سے مشورہ کیے بغیر اپنی خواہشات نفسانیہ کے پیچھے چلنا ہے۔ ہماری تاریخ میں بنو عباس کے زمانے سے یہ مصیبت چلی آرہی ہے۔ کہ ملوک مشورہ سے معاملہ سلجھانے کی بجائے من مانی کرتے ہیں۔ اور اگر مشیر رکھے ہوئے ہیں تو ایسے جو محض اُن کی ہاں میں ہاں ملانے والے ہوں، جو کچھ صاحبِ اقتدار نے کہ دیا انہوں نے اُس پر ہر تصدیق ثبت کر دی۔ یہی چیز قوم کو تباہی کی طرف لے جانے والی ہے۔

حضرت علیؓ کی روایت میں آتا ہے۔ کہ انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا حضور! جو بات ہمیں قرآن و سنت میں نہ مل سکے اُس کے متعلق کیا طریقہ اختیار کیا جائے آپ نے فرمایا شاور و افتھا العابدین یعنی دین میں سمجھ رکھنے والے اور نیک لوگوں سے مشورہ کیا کہ وہ ولا تصورا یدلہ الخاصۃ اور کسی خاص ٹکے و ڈکے کی بات کو نہ مانو کسی فاجر فاسق کو اپنا مشیر نہ بناؤ بلکہ نیک اور صالح لوگوں سے مشورہ کیا کہ وہ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں میں برکت ڈالے گا۔

انہی کی روایت کا سلسلہ پیدا ہوا تو حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا اس کا حل میں قرآن و سنت میں تو نہیں پاتا لہذا لوگوں سے مشورہ کروں گا۔ آپ نے اس کے لیے اعلان فرمایا۔ پھر جس کے پاس علم تھا اُس نے آکر گواہی دی تو معاملہ طے ہوا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ بھی اہل لوگوں سے مشورہ کیا کرتے تھے حتیٰ کہ بعض معاملات میں عورتوں کی رائے بھی لے لیتے تھے۔

الغرض! اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم ﷺ رؤف الرحیم سے فرمایا کہ آپ کے لیے معاملات میں مشورہ کر لیا کریں فَذَاذَاعَرَّ مَتَّ پھر جب آپ سخت ارادہ کر لیں۔ آپ معاملہ کے متعلق کسی نتیجہ پر پہنچ جائیں مشورہ کے ذریعے کوئی بات طے ہو جائے فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْ تُو اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اُس معاملہ میں عمل پیرا ہو جائیں اور کوئی حکم ہو تو اُس کو جاری کر دیں۔ اس سے مفسرین کرام نے قانون اخذ کیا ہے کہ اگر کسی معاملہ میں آراء مختلف ہوں تو پھر امیر کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اکثریت کے

فیصلہ کو قبول کرے یا اقلیت کی رائے کو تسلیم کرتے ہوئے اپنا آخری فیصلہ جاری کرے۔ عام دنیوی امور میں کثرت رائے کے مطابق فیصلہ کیا جاتا ہے۔ مگر اسلام کا اصول یہ ہے کہ اگر کوئی معاملہ اتفاق رائے سے طے ہوتا ہے تو اسے بعینہ تسلیم کر لیا جائے اور اگر اس میں اختلاف رائے واقع ہو جائے تو پھر امیر اسنی صوابدید سے اکثریت یا اقلیت میں سے کوئی بھی رائے تسلیم کر کے فیصلہ دے سکتا ہے وہ کثرت رائے کو تسلیم کرنے کا پابند نہیں ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ اے نبی کریم! جب آپ کسی کام کا پختہ ارادہ کر لیں، تو پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے اس کو پختہ تکمیل پر پہنچادیں، کیونکہ معاملہ جنگ کا ہونا کوئی اور ہوا اس کا بناؤ یا بگاڑ اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ وہ سبب الاسباب ہے۔ آپ اس کے بھروسہ پر کام شروع کر دیں کیونکہ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ، بیشک اللہ تعالیٰ انہی کو پسند فرماتا ہے جو اس پر بھروسہ کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ مشوکل علی اللہ وہی لوگ ہوتے ہیں جو اپنے معبود حقیقی کو پہچانتے ہیں۔

نصر الہی

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے دوسرا قانون یہ بیان فرمایا إِنْ يَنْصُرْكُمْ اللَّهُ فَلاَ جَائِزَ لَكُمُ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْمَدْفُوعِينَ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے گا تو کوئی دوسرا تم پر غالب نہیں آسکتا۔ اللہ تعالیٰ ایسی جگہ کے کاموں میں مدد کرے گا۔ فسق و فجور، عیاشی، فحاشی اور فیشن کے کاموں میں مدد نہیں کرے گا اور نہ وہ ایسے لوگوں کو غالب کرے گا۔ اور دوسری بات یہ وَإِنْ يَجْعَلْ لَكُمْ وَاوَدًا وَخَازِنًا اور وہ برائی، بیجائی، ظلم اور کھٹ کرنے والوں کو ذلیل و خوار بھی کر دیتا ہے اگر ایسی صورت پیدا ہو جائے تو فرمایا يَا دَرَكْهُمُ! مَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ پھر اس کے سوا تمہاری کون مدد کرے گا۔ کوئی بڑے سے بڑا حاکم بادشاہ یا دیکھ کر کوئی بھی ہو تمہاری مدد کو نہیں پہنچ سکتا کیونکہ احکم الحاکمین نے تمہاری مدد روک لی ہے اور اس سے بڑی سپر پاور اور کوئی نہیں جو اس کے حکم کو اڑا دے کو بھی جیلے سکتا، لہذا تمہیں اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہوگا، اس کی مشد

خلافت کوئی بھی تمہاری مدد کو نہیں پہنچے گا۔ فرمایا جب یہ اصول اٹل ہے تو پھر یہ بھی
 حقیقت ہے۔ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ کہ جن لوگوں کے دل
 نور ایمان سے منور ہیں وہ اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ وہ ادھر ادھر اندھیرے
 میں ٹھکریں نہیں مارتے۔ بخیر اللہ کے دروازوں پر نہیں جاتے بلکہ فقط اسی ذات
 وحدہ لا شریک پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنے معاملات اسی کے سپرد کرتے ہیں۔

لن تنالوا ۴

ال عمران ۳

درس پنجاہ و شش ۵۶

آیت ۱۶۱ تا ۱۶۳

وَمَا كَانَ لِنَبِيِّ أَنْ يَغْلِبَ وَمَنْ يَغْلِبْ يَأْتِ بِمَآلٍ
يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ
وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٦١﴾ أَفَمَنْ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللَّهِ
كَمَنْ أَبَاءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَا وَدَّ جَهَنَّمَ وَيَبُوءُ
الْمَصِيرَ ﴿١٦٢﴾ هُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ اللَّهِ وَاللَّهُ
بِصِيرٍ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿١٦٣﴾

ترجمہ: اور نہیں لائق نبی کے یہ بات کہ وہ خیانت کرے۔ اور جو شخص خیانت
کرے گا، تو وہ لایکا امت چیر کر جو اس نے خیانت کی قیامت کے دن۔ پھر لوہا لوہا
پلہ دیا جائے گا ہر نفس کو جو اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿۱۶۱﴾ بھلا
جس شخص نے اللہ کی رضامندی کی تابعداری کی، کیا وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا
ہے جو اللہ کی ناراضگی اور غضب لے کر لڑتا ہے۔ اور اس کا ٹھکانا جہنم میں ہے
اور وہ لوٹ کر جانے کی بہت ہی بڑی جگہ ہے ﴿۱۶۲﴾ اللہ کے نزدیک یہ
مختلف درجات ہیں۔ اور اللہ نگاہ میں رکھتا ہے ان کاموں کو جن کو یہ لوگ

کرتے ہیں۔ ﴿۱۶۳﴾

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخلاق عالیہ ربط آیات
کا تذکرہ فرمایا تھا کہ آپ کا حسن اخلاق کامیابی کی دلیل ہے۔ اسلام کی تبلیغ کے
سلسلہ میں بھی اللہ کا عام قانون یہی ہے اُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ
وَالْمَعْرُوفَةِ کہ تبلیغ اسلام کا فریضہ اچھے طریقے سے اور خوش اخلاقی سے

چھری بعد نہیں کیونکہ انہیں تو بات کرنے کا کوئی نہ کوئی بہانہ چاہیے۔ البتہ اگر کسی مسلمان نے یہ بات کی ہوگی تو یہ سمجھ کر کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کوئی بھی چیز حاصل کرنے کا مکمل حق حاصل ہے۔ لہذا اسی حق کی بنا پر آپ نے یہ چادر لے لی ہوگی۔ یاس مہمہ اللہ تعالیٰ نے نبی کی طرف سے ایسے فعل کے ارتکاب کی سہمتی سے تمہیں فرمائی۔ اور لوگوں کو خبردار کیا کہ تمہارا نبی اخلاق کے عالی مرتبہ پر فائز ہے۔ لہذا یہ گمان بھی نہ کرنا کہ مسلمانوں کی اطلاع کے بغیر خود بخود بھی کوئی چیز اپنے لیے رکھ لے گا۔

غلول کا
مفہوم

غلول اصل میں مال غنیمت میں سے کسی چیز کے چھپا لینے کو کہتے ہیں اس کے علاوہ غلول کا اطلاق مطلقاً خیانت پر بھی ہوتا ہے۔ یہ لفظ کسی دوسرے کے حق کے ضیاع پر بھی بولا جاتا ہے۔

ترمذی شریعت میں حضور علیہ السلام کی حدیث مبارکہ ہے ان اللہ لا یقبل صلوٰۃ بغیر طہور، ولا صدقۃ من غلول یعنی اللہ تعالیٰ طہارت کے بغیر نماز قبول نہیں کرتا اور خیانت کے مال میں سے صدقہ قبول نہیں کرتا۔ مقصد یہ کہ غلول مطلقاً خیانت پر بھی بولا جاتا ہے اور مال غنیمت میں سے کسی چیز کے چھپا لینے کو بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ بھی جملہ مسلمانوں کے ساتھ خیانت کا ارتکاب ہوتا ہے اسلام نے اس ضمن میں بڑی واضح ہدایات دی ہیں۔

خیانت کبیرہ
گناہ ہے

حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے لا یحل لامرء مسلم مالاً اخیلاً الا بطیب نفسہ کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں ہے۔ کہ کسی دوسرے مسلمان کے مال کو اس کی اجازت کے بغیر قبضہ میں لے۔ اگر اپنی خوشی سے ایک مسلمان دوسرے کو کوئی چیز دیتا ہے، تو وہ جائز ہے اور چوری، خیانت، دغا بازی یا فراڈ سے کوئی چیز حاصل کرنا دوسرے بھائی کا حق ضائع کرنا ہے۔ مسلم شریعت کی حدیث میں تو یہ بھی آتا ہے۔ کہ اگر کچھ آدمی اکٹھے کھجوریں کھا رہے ہوں۔ تو کسی کے لیے رو انہیں کہ وہ ایک کی بجائے دو دو کھجوریں کا لقمہ بنائے البتہ اگر اس کے

شریکِ طعام اُس کو اجازت فرمادیں، تو پھر جائز ہے۔ غرضیکہ کسی مسلمان کے لیے مناسب نہیں کہ وہ کسی دوسرے بھائی کا حق بغیر اُس کی اجازت کے حاصل کرے چہ جائیکہ اللہ کا بتی ایسا کام کرے۔

ترمذی شریف میں غزوة خیبر یا کسی اور جنگ سے متعلق واقعہ آتا ہے حضور علیہ السلام کا کمرہ نامی ایک غلام تھا۔ وہ جنگ میں مارا گیا۔ لوگوں نے کہا کہ اُس کے لیے شہادت مبارک ہو۔ اس پر نبی علیہ السلام نے فرمایا کتلا ہرگز نہیں، وہ تو جہنی ہے۔ اُس غلام نے غنیمت کے مال میں سے ایک چادر غصب کی تھی، وہ اس پر شعلے بن کر چمٹ رہی ہے۔ یہ سن کر لوگ سخت خوفزدہ ہوئے۔ اور جس کسی نے کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی مالِ غنیمت میں سے تقسیم کے بغیر حاصل کی ہوئی تھی سب واپس کر دی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اگر کسی شخص نے جوئے کا ایک تمہہ یا دو تمہے بھی ناحق وصول کئے ہیں۔ تو وہ بھی دوزخ میں لے جانے کا باعث ہیں۔ آپ نے فرمایا شرکاً فی النار و بشی اسکان فی النار ایک شخص نے مشترکہ مال میں سے ایک معمولی دھاگا رکھ لیا تھا۔ جب حضور علیہ السلام کی وعید سنی تو وہ دھاگا لے کر حاضر ہو گیا۔ آپ نے فرمایا، اب تو وہ مال تقسیم ہو چکا ہے۔ اس دھاگے کو میں اب باقی مسلمانوں میں کیسے تقسیم کروں۔ تم نے غلط کام کیا ہے غرضیکہ آپ نے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ گویا خیانت کیسہ گناہ ہے۔

ترمذی شریف میں حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا من خرج روحہ الجسد و هو بیری من ثلاث دخل الجنة الکبیر والفلول والذین یعنی جس شخص کی روح اس حالت میں اُس کے جسم سے جدا ہوئی کہ وہ تین چیزوں سے پاک ہے یعنی تکبر، خیانت اور قرض، تو وہ شخص جنت کا حقدار ہے۔

تکبر، غلول اور قرض

تکبر صرف ذاتِ باری تعالیٰ کو ہی سزاوار ہے۔ کسی انسان کے لیے یہ بہت ہی بُری تھمت ہے۔ تکبر کا عام معنی ہے بطل الحق و غمط الناس

یعنی سچی بات کو ٹھکرا دینا اور لوگوں کو حقیر جاننا۔ طاقت، دولت، اقتدار، قومیت وغیرہ کی بنا پر دوسرے کو حقیر جاننا اور سچی بات کو ٹھکرا دینا تکبر کی نشانی ہے۔ یہ وہی بیماری ہے۔ جو ابلیس کو لاحق ہوئی اَلْبَاطِلُ وَاسْتَكْبَرُ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ“

ابلیس نے انکار کیا اور تکبر کیا جبکہ وحی و خبر سے وہ جہنمی بھڑا۔ اُس نے کہا کہ میں ناری ہو کر خاکی کے سامنے کیسے جھک سکتا ہوں، میں آدم کی تعظیم نہیں کر سکتا، کیونکہ اَنَا خَيْرٌ مِنْهُ میں اُس سے اعلیٰ ہوں۔ تکبر بہت بُری بیماری ہے۔ اور اس کا علاج اس سے زیادہ مشکل ہے۔ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ ایک پہاڑ کو سوئی کے ساتھ اٹھا کر دوسری جگہ منتقل کرنا آسان ہے مگر تکبر کو کسی کی طبیعت سے نکلانا بہت مشکل ہے، بزرگان دین لوگوں کی نرہیت کرتے وقت سب سے آخر میں تکبر کو ان کے دل و دماغ سے نکالتے ہیں۔ یہ ایسی بیماری ہے۔ جس کا علاج بڑا مشکل ہے

فرمایا دوسری چیز غلول یعنی خیانت ہے جس کی وجہ سے لوگ جنت سے محروم ہو کر دوزخ میں چلے جائیں گے۔ خیانت خواہ مال غنیمت سے ہو یا مطلق خیانت، یہ بہر حال بہت بُری خصلت ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جنت میں داخلہ کے لیے اس سے پرہیز ضروری ہے تیسری اہم چیز قرض ہے۔ فرمایا کسی شخص کے ذمہ قرض نہ ہونا چاہیے جب کہ وہ زندگی کی آخری سانس لے رہا ہو۔ قرض دوسرے کا حق ہوتا ہے جسے لازماً واپس لوٹانا چاہیے اسے اور کیے بغیر جان نہیں بچ سکتی، آخرت میں پچھا جائے گا۔ خود تو دل کا مہر بھی انسان کے ذمہ قرض ہوتا ہے۔ جو لوگ ادا نہیں کرتے وہ مجرم ہیں۔ اگر معاف بھی کر لیا ہے تو عورت خوشی سے معاف ہو گئی۔ اگر محض رواجی طور پر معافی کا لفظ ادا کر دیا، تو اس کا کچھ اعتبار نہیں۔ انہوں کا مقام ہے کہ پڑے پڑے مالدار لوگ مہر ادا نہیں کرتے اور معافی کے چکر میں پڑے بہتے ہیں۔ انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ قرض کو خدا بھی معاف نہیں کرتا جب تک حقدار اُسے معاف نہ کر دے۔ اسے معمولی بات سمجھ کر اس سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔ بہتر ہے کہ ہر مسلمان

صحیح الامکان قرضہ لینے سے اجتناب کرنے۔ اسکی بجائے تکالیف برداشت کرنے صبر کر کے سگھ قرض نہ لے کیونکہ اس کی ادائیگی میں بڑی مشکلات پیش آتی ہیں۔ جب قرض ادا نہیں کرتا اور ڈال مٹول اور جھوٹے وعدے کرتا ہے تو مزید جرم کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس سے بچنا چاہیے۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو ان تین چیزوں یعنی تکبر، خیانت اور قرضہ سے بچ کر آگیا، وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

عائق کی سزا
الغرض! فرمایا کسی نبی کے یہ لائق نہیں کہ وہ خیانت کرے وَمَنْ يَغْتَلِبْ
اور جو کوئی خیانت کا ارتکاب کرے گایاتِ بِسْمَاعِلٍ يَكْفُرُ الْفِتْمَةَ تو وہ خیانت شدہ چیز کو قیامت کے دن اپنے ساتھ لے کر آئے گا۔ اور پھر اس کی سزا ہوگی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے۔ اے لوگو! میں نے تم کو خبردار کر دیا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کا اونٹ چوری کرے گا، تو قیامت کے دن اُسے اپنی گردن پر اٹھا کر لائے گا۔ حتیٰ کہ اگر کسی نے کسی دوسرے کی زمین پر ناجائز قبضہ کیا ہے۔ تو زمین کا وہ ٹکڑا ساتوں زمین نیچے تک اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔ جو اُسے کھینچتا بولا لائے گا۔ اسی طرح فرمایا۔ اگر کسی نے سونو اونٹ چوری کیے ہیں، تو سب کے سب اپنی گردن پر اٹھا کر لائے گا۔ بعض لوگوں نے اس اشکال کا اظہار کیا ہے۔ کہ زمین جیسی بڑی چیز یا سوا اونٹ ایک آدمی کیسے اٹھا کر لائے گا۔ اس ضمن میں مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ ایسی باتیں مغربی ذہن کے انجمنی دان لوگ کرتے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ یہی سوال بھی صحابی نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز کفار کے جسم اتنے بڑے بڑے ہو جائیں گے کہ ان کی ایک داڑھی امد پھاڑ کے برابر ہوگی اور ان کے پیٹھنے کی جگہ مدینہ سے ریزہ تک یعنی چھتیس میل لمبی چوڑی ہوگی۔ تو اتنے بڑے جسم کے لیے سوا اونٹ یا کوئی اور بڑی چیز اٹھانا کیسے مشکل ہوگا۔ اس کے علاوہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اٹھائی جانے والی چیز حقیقی نہ ہو بلکہ مثالی ہو۔ اونٹ سو ہوں یا ہزار مثال رنگ میں پیش کرنا کون سا مشکل ہے۔ اور اگر کپڑے کا ایک گٹھا ہے تو بھی گھسید

کمر لانا ہوگا بمقصد یہ ہے۔ کہ اُس دین ہر بڑا فعل ظاہر کر دیا جائے گا۔ انسان جس چیز کو زندگی بھر چھپانے پھرتا رہا، قیامت کے دن سب کے سامنے ہوگی، بہر حال حضور علیہ السلام نے فرمایا: بیچ جاؤ! میں نے تم کو خیر وار کر دیا ہے۔ جو کوئی خیانت سے کسی چیز پر قبضہ کرے گا۔ وہ سب قیامت کو ظاہر ہو جائے گا۔

بھڑکنے کا عمل

فرمایا قیامت کے دن تمام پرشیدہ اعمال ظاہر کر دینے کے بعد
 تَحْرُوقِي كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ هِرْفَسُهَا كَمَا كَسَبَتْ هِرْفَسُهَا كَمَا كَسَبَتْ هِرْفَسُهَا
 بدلہ دیا جائے گا۔ وَهِيَ لَا يُظْلَمُونَ اور کسی پر کسی قسم کی زیادتی نہیں ہوگی۔
 اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ کہ یہ تمہارے خود کردہ اعمال ہیں، میں نے ان کو شمار کر رکھا ہے
 اب اس کا جھگان کر دو۔ ہر شخص اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہوگا۔ کسی کا عمل کسی دوسرے
 کے ذمے نہیں لگایا جائیگا۔ اور ہر جرم کی منہاجرم کی سنگینی کے مطابق دی جائے گی۔
 کسی کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی مہربانیاں بے حد و بیشمار ہونگی
 اس کی رحمت کے دروازے کھلے ہوں گے۔ نیکی کا اجر کم از کم دس گنا ہوگا جو
 بڑھ کر سات سو تک یا لاکھوں گنا تک بھی ہو سکتا ہے۔

نیک اور
 براہر نہیں

اگر ارشاد ہوتا ہے۔ اَقْصِرْ اَتْبَعِ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْ اَبَاوْ بِسَخَطِ
 وَنَ اللّٰهِ کیا وہ شخص جو اللہ کی رضا چاہتا ہے اُس شخص کی مانند ہے جو اللہ کی ناراضگی
 لے کر لوٹا ہے۔ کفر، شرک، نافرمانی، حق تلفی، چوری، خیانت وغیرہ خدا کی ناراضگی کے کام
 ہیں۔ جو شخص عمر بھر ان کاموں میں لگا رہا وہ اُس شخص کی طرح کیسے ہو سکتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ
 کی وحدانیت کو تسلیم کرتا ہے، اُس کے احکام پر عمل کرتا ہے۔ اور مخلوق خدا کی خدمت
 کرتا ہے۔ اللہ کی ناراضگی مول لینے والے کے متعلق فرمایا وَمَا وَدَّ جَهَنَّمَ
 ایسے شخص کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ وَيَسَّ الْمَصِيْبِ اُوْرِي لُوْطُ كَرِجَانِ كِي
 نہایت ہی بُری جگہ ہے۔

نیکی اور
 برائی کے درجے

ہر نیک و بد کے متعلق فرمایا هُمْ دَرَجَاتٍ عِنْدَ اللّٰهِ اللّٰهِ كِي
 اُن سب کے درجات ہیں۔ نیکی کے بھی درجات ہیں اور بُرائی کے بھی درجات

ہیں۔ جس قسم کا عمل ہوگا، اسی قسم کی عجزا ہوئی۔ مجرمین میں سے پورا ڈاکو اور خائن وغیرہ کا درجہ الگ ہوگا۔ کافر الگ ہوں گے، مشرک اور بدعتی اپنے درجے میں ہوں گے عیاشی، فحاشی اور شراب نوشی کرنے والے اس درجہ میں ہوں گے۔ اور ان سے ایک ایک جرم کا مواخذہ کیا جائے گا۔ اور درجہ بدرجہ سزا دی جائیگی۔ اسی طرح نیچے کے بھی درجات ہوں گے۔ اللہ نے فرمایا وَلِكُلِّ دَرَجَةٍ مِمَّا عَمِلُوا مِنْ شَخْصٍ كَے درجات اس کے عمل کے مطابق ہوں گے۔ جس طرح دنیا میں اونچ نیچ ہے اسی طرح آخرت میں بھی تفاوت ہوگا۔ بعض لوگ نہایت بلند درجوں میں ہوں گے اور بعض نہایت ہی پستی میں ہوں گے۔ فرمایا وَاللّٰهُ يُصَيِّبُ بِمَا يَكْمَلُونَ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ اس کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔ لہذا وہ اعمال کے مطابق ہی جزا اور سزا کا فیصلہ کرے گا۔

آل عمران ۳

آیت ۱۶۴

لن تنالوا

درس پنجاہ و ہفت ۵۷

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا
مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَ يُزَكِّيهِمْ
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَنفِي
ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿١٦٤﴾

ترجمہ: تحقیق اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے اندر انہی میں سے ایک رسول بھیجا ہے۔ وہ ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تنکیر کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور بیشک اس سے پہلے یہ لوگ گھلی گھری میں تھے ﴿۱۶۴﴾

ربطی

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے اس چیز کی وضاحت فرمائی تھی۔ کہ نبی کی شان کے شایاں نہیں کہ وہ مال غنیمت میں سے کوئی چیز از خود اپنے پاس رکھے۔ وہ تو جماعت کا سربراہ ہے۔ اس کو اللہ نے اجازت دی ہے کہ جو چیز چاہے سرعام اپنی تحویل میں لے۔ لہذا اُسے کیا ضرورت ہے کہ کوئی چیز تحنیہ طور پر لے۔ اللہ کا پیغمبر ایسا نہیں کر سکتا۔ اللہ نے ان لوگوں کی تردید فرمائی جو اس قسم کا گمان کر رہے تھے۔ آج کے درس میں کہ اللہ جل جلالہ نے اپنے رسول کو اہل ایمان کے لیے بطور نعمت پیش کیا ہے۔ آپ کے اوصاف حمیدہ اور آپ کے فرائض کا تذکرہ کیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ

نے ایمان والوں پر بڑا احسان کیا ہے۔ مَنَّ کا عام فہم معنی احسان کرنا ہے۔ جب کہ اس کا اصل معنی قطع کرنا ہے۔ عربی محاورے کے مطابق جس شخص کو نعمت حاصل ہو جائے اس کی تکلیف قطع ہو جاتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہوتا ہے۔ چنانچہ

جزائے عمل کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”فَلَهُمْ أَجْرٌ وَعَيْنٌ مِّمَّنْ مَّوْنٍ“۔ اُن کے لیے ایسا اجر ہوگا جو منقطع نہیں ہوگا۔ کبھی زائل نہیں ہوگا بلکہ ابدی ہوگا۔ اونٹوں کے چلنے سے جو گدو وغیرا اٹکتا ہے اُسے منین کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی آہستہ آہستہ منقطع ہوتا رہتا ہے۔ غرضیکہ مَنْ کا لفظ منی قطع کرنا اور اصطلاحی معنی احسان کرنا آتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر بڑا احسان فرمایا ہے۔

قرآن پاک کو اللہ تعالیٰ نے عام لوگوں کے لیے عموماً اور متقین اور مومنین کے لیے خصوصاً ذریعہ ہدایت فرمایا ہے۔ جیسے ”هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ“ متقیوں کے لیے ہدایت ہے۔ ”هُدًى وَبُشْرَىٰ لِّلْمُؤْمِنِينَ“ مومنوں کے لیے ہدایت اور بشارت ہے۔ نیز ”هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ“ عام لوگوں کے لیے منبع ہدایت ہے اس طرح حضور علیہ السلام کی یہ دو حیثیتیں بھی بیان فرمائی ہیں۔ جیسے آپ کی زبان سے اُھلوا قُلُوبًا يَا أَيُّهَا النَّاسُ الرَّاحَةُ مَسْئُولٌ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا۔ اے نبی علیہ السلام! آپ فرمادیں کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں۔ سب کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔ اور آپ کی لائی ہوئی ہدایت و راہنمائی سے سب سے زیادہ مستفید اور مومنین ہی ہوتے ہیں۔ لہذا حضور علیہ السلام کی رسالت کا زیادہ احسان بھی انہی پر ہے اور وہ احسان یہ ہے اذْذِعَتْ فِيهِمْ رَسُولًا كَمَا ان میں ایک رسول بھیجا اور رسول بھی وہ جو عظیم الشان، عالی مرتبت اور کمال عظمت والا ہے اللہ تعالیٰ کی دو عظیم نعمتوں میں سے پہلی نعمت حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وجود مبارک ہے۔ جو تمام انسانیت کے لیے بالعموم اور اہل ایمان کے لیے بالخصوص بہت بڑی نعمت ہے۔ کسی انسان کو جس قدر کمالات حاصل ہو سکتے ہیں، وہ صرف پیغمبر علیہ السلام کے واسطے سے ہی حاصل ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ پیغمبر کی ذات ایک مومن کے لیے حصول کمال کا ذریعہ بھی ہے اور تقرب الی اللہ کا بھی اور پھر بالآخر نجات کا ذریعہ بھی ہی ہے۔ لہذا عظیم ترین نعمت یہی ہے

بھرنی کرامتِ ام جعفرہ کا قول بیان کرتے ہیں۔ کہ دنیا کی مادی نعمتیں تو عام ہیں۔ کوئی انسان ان سے خالی نہیں۔ اَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعْمَةَ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً اللہ نے تمہیں ظاہر و باطن کی تمام نعمتیں عطا کی ہیں۔ اور ان کی تعداد اس قدر ہے کہ تمہارے احاطہ شمار سے باہر ہے اسی لیے فرمایا **وَإِنْ تَعَدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا** اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو، تو ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ اس کی نعمتیں شمار سے باہر ہیں۔ انسان کے اپنے وجود اور اس کی باطنی قوتوں سے لے کر ظاہری جسم کے تمام تعلقات اور اس کے ارد گرد اللہ کی اتنی نعمتیں موجود ہیں۔ کہ وہ ان سے ہر وقت استفادہ کرتا رہتا ہے۔ اہم صاحب فرماتے ہیں کہ اتنی کثیر تعداد میں نعمتیں موجود ہونے کے علاوہ دو نعمتیں ایسی ہیں جو ان سب سے بڑھ کر ہیں۔ فرمایا ایک نعمت پیغمبر خدا کا وجود ہے اور دوسری اللہ کا کلام قرآن پاک ہے اور یہ دونوں نعمتیں صرف ایمان والوں کو حاصل ہیں۔ مادی نعمتیں تو بعض اوقات ایمان سے محروم لوگوں کو اہل ایمان سے بھی زیادہ حاصل ہوتی ہیں۔ بلکہ عظیم ترین نعمتیں یعنی پیغمبر خدا اور قرآن پاک صرف اہل ایمان کا حصہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیا کو نسل انسانی میں پیدا کر کے ان کے عروج، ترقی اور اعلیٰ مراتب کا بندوبست کر دیا ہے اور قرآن پاک جو اللہ کا کلام اور اس کی صفت ہے، اُسے نازل کر کے انسانیت کی عظمت کو مزید بلند کر دیا ہے۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے متعلق اُس کا عام قانون یہ ہے **لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ** اگر حصول نعمت پر میرا شکر ادا کرو گے تو میں انعامات میں اضافہ کرونگا **وَإِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ** اگر کفران نعمت کرو گے تو میرا عذاب بھی بڑا شدید ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر احسان فرمایا کہ ان میں ایک عظیم الشان رسول مبعوث فرمایا **وَإِنِّي أَنفَسُهُمْ** انہی میں سے یعنی ان لوگوں میں سے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو ملائکہ یا جنات میں سے نہیں بنایا بلکہ اہل ایمان کی جنس انسانی میں سے اٹھایا ہے۔ صحیح حدیث میں آتا ہے۔

پیغمبر اور جنس
انسانی

کہ عرب و عجم میں سے اللہ نے آپ کو عربوں میں پیدا فرمایا۔ اور پھر عربوں کے قبائل میں سے بہتر قبیلے میں پیدا کیا، یعنی اللہ نے آپ کو عرب کے سب اشرف قبیلے میں اٹھایا گویا اس لفظ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء انان اور بشر ہیں بلکہ سید البشر ہیں یعنی آپ تمام انسانوں کے سردار ہیں اور اسی نسل انسانی میں سے ہیں کسی دوسری جنس سے نہیں ہیں۔

سید محمود آکوسی بغدادی مستوفی ۱۲۶۰ھ آخری دوہ کے عظیم مفسر گز سے ہیں۔ آپ نے روح المعانی جیسی عظیم تفسیر تیس جلدوں میں قلمبند کی ہے۔ اور کمال یہ ہے کہ یہ تفسیر انہوں نے جوانی کے عالم میں لکھی ہے۔ آپ شاہ عبدالعزیز دہلوی کے ہم عصر تھے۔ شاہ صاحب نو ۱۲۳۹ھ میں ہی وفات پانگے، تاہم آپ کا زمانہ ۱۲۶۰ھ تک جاتا ہے۔ علم تفسیر کے ساتھ ساتھ آپ کو فقہ اور علم حدیث پر بھی عبور حاصل تھا۔ آپ نے اپنی تفسیر میں یہ واقعہ بیان کیا ہے۔ کہ کسی نے امام عراقی سے دریافت کیا کہ حضرت ایمان کے صحیح ہونے کے لیے کیا یہ شرط ہے کہ اللہ کا رسول بشر ہے، عربوں میں ہے اور عجمی نہیں ہے؟ آپ نے جواب دیا بیشک شرط ہے۔ جو شخص حضور علیہ السلام کے متعلق یہ عقیدہ نہ رکھے اس کا ایمان صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ اس پر نصوص قرآنی کا انکار لازم آئیگا۔ اور آدمی کافر ہو جائے گا۔ تو گویا من انفسہم میں یہ تمام متعلقات شامل ہیں۔ اگر اس معاملہ میں کوئی ناواقف ہے۔ مسئلے کا پوری طرح علم نہیں تو اسے بتانا پڑے گا کہ بھائی اچھی طرح سمجھ لو کہ ہمارے نبی انان تھے اور عربوں میں سے تھے اور عجمی نہیں تھے۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص آپ کی بشریت یا عربی ہونے کا انکار کرتا ہے تو وہ دائرہ کفر میں داخل ہو جاتا ہے۔

بڑے افسوس کا مقام ہے کہ اس زمانے میں لوگوں نے عیسائیوں کی طرز پر نور من عتقہ نور من نور اللہ کا عقیدہ وضع کر لیا ہے۔ گویا انہوں نے وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادِهِ جُنُودًا اللہ کے رسول کو اس کا جزو بنا دیا ہے۔ عیسائیوں کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ جو بیٹا ہوتا ہے وہ باپ کا جزو ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس چیز سے پاک ہے۔ انہوں نے بیٹا بنا کر خدا کا جزو بنایا، ہم نے اللہ کے نور میں سے نور کو کو جزو

ہونے کی تصدیق کر دی۔ فرق کیا رہ گیا؟۔ ہاں بھی! حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نور ہدایت یقیناً ہیں۔ آپ کے نور ہدایت کی روشنی چار دانگ عالم میں بھیلی۔ مگر آپ انسان اور بشر ہیں اور بڑے بڑے عالمی مرتبے والے ہیں حضور علیہ السلام کی بشریت کا اقرار قطعاً باعث توہین نہیں بلکہ اشرف المخلوقات میں سے ہونے کی بنا پر آپ کی عظمت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق پر اللہ نے بطور انعام اس بات کا اعلان فرمایا کہ دیکھو میں نے مسیٰ سے کس قدر باکمال ہستی کو پیدا کیا ہے۔ میر تقی میر نے اس بات کی ترجمانی یوں کی ہے

میرے مالک نے میرے حق میں یہ جان کیا

خاکِ ناپہیز تھا میں سو مجھے انسان کس

لہذا بشر ہونا کمال کی علامت ہے نہ کہ توہین کی۔ صحابہ کرامؓ بھی حضور علیہ السلام کے متعلق یہی بھتیرہ کھتے تھے۔ اُن کے زمانہ میں نور من نور اللہ کا کوئی ٹھنڈہ موجود نہیں تھا۔ آپ نور ہدایت ہیں مگر انسان ہیں۔ عائشہ صدیقہؓ سے بالکل بالوضاحت مروی ہے کہ ان رسول اللہ بشیٰ من البشیٰ حضور علیہ السلام انسانوں میں سے ایک انسان تھے۔ مسلم کی روایت میں موجود ہے۔ کہ نبی علیہ السلام نے خود فرمایا میں بھی انسان ہوں۔ میں بھی کبھی کبھی بھول جاتا ہوں۔ اگہ نماز میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلا دیا کرو۔ وہاں پر ذکر ہو جانی کے الفاظ موجود ہیں۔ ظاہر ہے کہ خطا اور لغیان انسان سے ہی سرزد ہوتی ہے۔ انسانی زندگی کے تمام لوازمات کھانا پینا، قضائے حاجت بیوی بچے، صحت، بیماری، زندگی اور موت وغیرہ تمام انبیاء کے ساتھ بھی یکساں ہیں۔ امور طبعیہ روزانہ ہنسنا وغیرہ انبیاء کے ساتھ بھی لازم ہے۔ البتہ یہ ہے کہ انبیاء کا ایمان، اعتقاد، اور اخلاق غایت درجے کا ہوتا ہے اور وہ حد کمال تک پہنچے ہوئے ہیں، مگر میں بہر حال انسان۔

آیت کے الگ حصے میں اللہ نے اپنے نبی کے وہ کام بیان فرمائے ہیں، بروہ انجام دیتا ہے۔ پیغمبر خدا علیہ السلام کا پہلا فریضہ یہ ہے کہ یٰٰسَلٰوْا عَلٰی سَلٰوٰتِہٖ

وہ لوگوں کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے۔ وہ لوگوں کو اللہ کے کلام اور اس کے احکام سے آگاہ کرتا ہے۔ یہ تلاوت پاک ہے اور اس لحاظ سے حضور علیہ السلام اولین مبلغ اسلام ہیں۔ تلاوت قرآن عموماً دو مقاصد کے لیے ہوتی ہے۔ پہلا مقصد اَنْتَلِّمُوا اَوْحٰی الْیٰسٰرَ مِنْتَ الْکِتٰبِ میں ہے کہ آپ لوگوں کے سامنے اس کی تلاوت کریں تاکہ لوگوں کو اللہ کے احکام و فرامین کا علم ہو سکے۔ اس کو تلاوت برائے تبلیغ بھی کہہ سکتے ہیں۔ تلاوت کا دوسرا مقصد یہ ہے۔ کہ انسان خود تلاوت کر کے قرب الہی حاصل کر سکے۔ نماز کے دوران تلاوت کلام پاک بہترین عمل ہے۔ اور اس کا اجر کی گنا بڑھ جاتا ہے۔ اس وقت انسان اللہ کی صفت کے ساتھ متعلق ہوتا ہے اور اسے درجہ کمال حاصل ہوتا ہے۔

۱۔ اعتبار در تلاوت قرآن سب سے اعلیٰ درجہ ہے حضور علیہ السلام نے تلاوت قرآن کو افضل الاولاد فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو شخص ایمان کی حالت میں نیک نیکی کے ساتھ تلاوت قرآن کرے گا۔ میں اسے مانگنے والوں سے زیادہ دوں گا۔ اگرچہ وہ مجھ سے کوئی سوال نہ کرے۔ تلاوت کلام پاک کا اجر اس قدر زیادہ ہے۔ کہ ایک ایک حرف کے بدلے اللہ تعالیٰ دس دس نیکیاں عطا فرمائے گا۔ یہ شرف صرف قرآن پاک کو ہی حاصل ہے کہ کوئی اسے سمجھ کر پڑھے یا بغیر سمجھے۔ احب سے مومن نہیں رہے گا۔ یہ ہے وہ قرآن مجید جس کے متعلق فرمایا کہ اللہ کا نبی اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے۔

فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا فریضہ یہ ہے وَمَنْ كَتَبَهُمْ اور ان کا تکریم کرنا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس لحاظ سے امت کے لیے مرشد ہیں کیونکہ تذکیہ نفس کرنا مرشد کا کام ہے۔ تذکیہ کا مطلب یہ ہے۔ کہ سب سے پہلے انسان کی باطنی گندگی دور ہو جائے۔ اس عمل کو بزرگان دین تخلیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ کہ انسان کی تمام رذائل خصلتیں دور ہو جائیں، کفر، شرک، انفاق اور بدعت لاتی وغیرہ سے پاک ہو جائے۔ اور اس کے بجائے انسان اوصاف حمیدہ سے متصف۔

مرشد گاہ

ہو جائے۔ شرک کی جگہ توحید آجائے، کفر کی بجائے ایمان چاہل ہو۔ اور بد اخلاق بنی خلاق میں بدل جائے یہ ہے وہ تم کہیے جسے مرشد بہ حق انجام دیتا ہے۔ جب یہ عمل پائے تکمیل کو پہنچتا ہے تو معصیت کی بجائے عبادت کی صفت آجاتی ہے۔ اور تمام کمزور تین دور ہو کر انسان کا عقیدہ اور دل و دماغ بالکل پاک صاف ہو جاتا ہے حضور علیہ السلام تمام کائنات کے لیے بالعموم اور اہل ایمان کے لیے بالخصوص مرشد کامل ہیں۔ آپ نے اپنے صحابہؓ کی تربیت اسی طریقہ پر فرمائی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخلاق حمیدہ اور تربیت خاصہ سے متعلق بہت سے واقعات ملتے ہیں۔ حضرت معاویہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نماز میں کلام کرنا ہوا داخل ہوا۔ کچھ لوگوں نے اشارے کرنا شروع کیا۔ مجھے ڈانٹا۔ مجھے بھی غصہ آیا۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو حضور علیہ السلام نے نہایت شفقت سے میرے پاس بلا کر فرمایا دیکھو! نماز میں انسانی کلام کی گنجائش نہیں ہوتی۔ نماز تو اللہ کے ذکر کے لیے ہے۔ اس میں تسبیح و تہلیل قرآن کی تلاوت اور لا الہ الا اللہ کے سنا سنا جاتا ہوتی ہے۔ لہذا نماز میں کوئی دوسرا کلام نہیں کرنا چاہیے۔ آپ نے نہ مجھے سرزنش کی اور نہ برا بھلا کہا بلکہ نہایت مشفقانہ انداز میں بات سمجھا دی۔ فرماتے ہیں۔ خدا کی قسم مَآءِ آيَاتٍ مُّعَلَّصًا میں نے کبھی ایسا شفیق معلم نہیں دیکھا۔

اسی طرح ایک آدمی نے مسجد میں پیشاب کر دیا۔ لوگوں نے اس شخص کی طرف قہر آورہ نظروں سے دیکھا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اُسے کچھ نہ کہو، یہ دوسرا دوسرا بھاگے گا تو باقی مسجد کو بھی آلودہ کرے گا۔ جب وہ شخص پیشاب کر چکا تو آپ نے فرمایا یہاں پانی بہا کر حجے کو صاف کر دو۔ ابو داؤد شریف کی حدیث میں آتا ہے کہ آپ نے وہاں سے تھوڑی سی مٹی بھی نکلوا دی اس کے بعد آپ نے اس آدمی کو نرمی سے سمجھایا کہ یہ اللہ کا گھر ہے۔ یہاں تلاوت قرآن پاک، نماز اور دیگر عبادت ہوتی ہیں۔ یہاں گندگی پھیلانا مناسب نہیں۔

ایک شخص نے آکر عرض کیا۔ حضور! میں ایمان قبول کرنے کے لیے تیار ہوں
 لے مسلم ۱۲/۳، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸،

مگر مجھے زنا کی لت پڑ چکی ہے جو مجھ سے چھوٹی نہیں۔ حضور علیہ السلام نے اُسے اِس قریب بلایا۔ اُس پہ اپنا دست شفقت رکھا اور دعا فرمائی کہ اے اللہ! اِس کو ہدایت نصیب فرما۔ پھر آپ نے اُس شخص کو سمجھایا کہ دیکھو اگر کوئی دوسرا شخص تمہاری ماں یا بہن یا بیٹی کے ساتھ ایسی حرکت کرے، تو کیا تم پسند کرو گے۔ عرض کیا حضور! ہرگز نہیں، آپ نے فرمایا کہ جن کے ساتھ تم زیادتی کرتے ہو، وہ بھی کسی کی ماں، بہن یا بیٹی ہوتی ہے۔ یہ سن کر وہ شخص سخت ناوم ہوا اور اِس قبیح فعل سے ہمیشہ کے لیے نابت ہو گیا۔ اسی چیز کا نام ہے کہ انسان سے برائی خصلتوں کو نکالا جائے اور اِس میں اچھی خصلتیں پیدا کی جائیں۔ یہی وہ فریضہ ہے۔ جو بنی علیہ السلام انجام دیتے ہیں۔

فرمایا اللہ کا نبی تیسرا کام یہ کہہ تا ہے وَلِكَلِمَهُمُ الْكِتَابُ وہ لوگوں کو کتاب کی تعلیم دیتا ہے۔ کتاب سے مراد قرآن پاک ہے قرآن پاک اگرچہ عربی زبان میں نازل ہوا اور اِس کے اولین مخاطبین بھی عرب ہی تھے، اِس کے باوجود اِس کے روزگار کی وضاحت کی ضرورت پیش آتی تھی۔ بعض اوقات بعض امور کو سمجھنے میں اہل زبان بھی وقت محسوس کرتے ہیں۔ لہذا یہ بھی نبی کے فرائض میں داخل ہے کہ وہ امت کو منزل من اللہ کتاب کی تعلیم دے۔ قرآن پاک کی یہ آیت جب نازل ہوئی تھی يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كَلِمَةُ الْوَعْدِ الَّتِي بَيْنَ يَدَيْكُمْ الَّتِي كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ کہ تم نے جو عہد کیا ہے، اسے پورا کرو۔ تو سحری کھانا بند کر دو۔ تو بعض اہل زبان نے بھی سفید اور سیاہ دھاگے سے ظاہر ہو جانے۔ تو سحری کھانا بند کر دو۔ تو بعض اہل زبان نے بھی سفید اور سیاہ دھاگے پاس رکھ لیے، تاکہ اختتام سحری کا تعین کر سکیں۔ جب یہ بات حضور علیہ السلام کے پاس بیان کی گئی تو آپ مکہ لے اور فرمایا تمہارا تاجیہ بڑا لمبا چوڑا ہے جس میں تم نے رات اور دن کو لپیٹ کر رکھ لیا ہے۔ فرمایا سیاہ اور سفید دھاگے سے ملو رات اور دن ہیں۔ یہ عام دھاگے مل رہے ہیں۔ چنانچہ اِس اشتباہ کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مَنْ لَمْ يَلْبَسْهُ کے الفاظ کا اضافہ فرما دیا۔

اِس اور ہدایت پانے والے لوگوں کی یہ صفت بیان ہوئی الَّذِينَ آمَنُوا

وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ ۗ أُولَٰئِكَ هُمُ الْبَاطِلُونَ
 نہیں کی ہے اس پر بھی صحابہؓ کو اشتباہ پیدا ہوا۔ کہ ایسا کونسا آدمی ہے جس نے
 اپنے نفس پر کوئی زیادتی نہ کی ہو۔ وہ متفکر ہو گئے کہ اس طرح تو نجات بہت مشکل ہے
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہؓ کی اس تشریح کا علم ہوا تو فرمایا کہ یہاں پر ظلم سے مراد ہم گناہ
 نہیں ہے، معمولی لغزشیں تو لوگوں سے ہر وقت سرزد ہوتی رہتی ہیں۔ بلکہ بعض کبیر
 گناہ بھی سرزد ہو جاتے ہیں اچھ تو بے سے معاف ہو جاتے ہیں تاہم یہاں پر ظلم سے
 مراد شرک ہے جسکی کوئی معافی نہیں۔ لہذا جو کوئی شرک سے محظوظ رہا، اس کی نجات
 ممکن ہے۔ اسی لیے تو حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی تھی۔
 يَا بَنِيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ۗ اے بیٹے! اللہ کے
 ساتھ شریک نہ ٹھہرانا کیونکہ شرک گناہ عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے
 کہ ہر خطا معاف فرما دوں گا۔ سوائے شرک کے۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ کا نبی لوگوں
 کو تڑپان کی تعلیم دیتا ہے۔

تعلیم حکمت

چوتھی چیز فرمایا **وَالْحِكْمَةُ تَغْيِرُ خُلُقَ الْوَالِدِ** کو حکمت کی تعلیم بھی دیتا ہے۔ حکمت
 کا عام فہم مطلب دانائی، دانشمندی یا گہری سمجھ کی باتیں ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
 نے ایک جاہل قوم کی تربیت اس طریقے سے کی کہ انہیں دنیا کی تمدن قوموں کی صف
 میں لاکھڑا کیا یہ لوگ علم و حکمت اور اخلاق سے عاری تھے، مگر یہ حضور علیہ السلام کی تعلیم
 حکمت کا نتیجہ تھا کہ انہیں علم و حکمت کے باہم عروج تک پہنچا دیا۔ اور اسی کے لانے
 والے لوگ دنیا کے معلم بن کر ابھرے۔

حکمت سے مراد حضور علیہ السلام کی سنت مبارکہ بھی ہے۔ مولانا گنجوی فرماتے
 ہیں کہ ہر صحیح حدیث جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، وہ قرآن کی
 شرح ہے۔ جو چیز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل یا تقریر سے ثابت
 ہو وہ سب اہمیت ہے۔ حکمت کی تشریح پہلے اور دوسرے پارے میں بھی تفصیل
 کے ساتھ آچکی ہے۔

فرمایا وَأَنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ كَفَىٰ ضَلَالٍ مُّبِينٍ بیشک حضور کی بعثت سے
 قبل یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے یعنی اس قدر بھٹی ہوئی قوم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے
تعلیم قرآن و حکمت، تزکیہ نفس اور تلاوت قرآن کے ذریعے ایک باخلاق
 اور تمدن قوم بنا دیا۔ اُس زمانے میں جگہ جگہ بت رکھے ہوئے تھے حتیٰ کہ خود بیت اللہ
 شریف میں ۳۶۰ بت تھے، پوری کی پوری قوم مشرک کی لعنت میں گرفتار تھی تو حید
 کا تصور رکھنے والا کوئی اکاؤنٹ آرمی ہی ملتا تھا۔ انہوں نے ملتِ ابراہیمہ کے اصولوں
 کو بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔ گزشتہ چار پانچ صدیوں سے پوری دنیا مشرک کی لپیٹ میں آچکی
 تھی۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص احسان فرمایا کہ ایک عظیم الشان رسول مبعوث
 فرما کر ایمان اور نیکی کی دولت عطا فرمائی۔ قرآن و سنت جیسی عظیم نعمتیں عطا کیں۔ اس
 سے زیادہ اللہ کا کیا احسان ہو سکتا ہے۔

لَنْ تَنَالُوا

الْعَمْرَانَ ۳

درس پنجاہ و ہشت ۵۸

آیت ۱۶۵ تا ۱۶۸

أولمَّا أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَدَّاصِبْتُمْ مِثْلَهَا
 قُلْتُمْ أَلَىٰ هَذَا قُلٌ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ إِنَّ
 اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٦٥﴾ وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ
 الْتَقَى الْجَمْعَيْنِ فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٦٦﴾
 وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا ^ص وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا
 قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ ادْفَعُوا قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ
 قِتَالًا لَا تَبْعُنَاكُمْ هُمْ لَكَفُورٌ يَوْمَئِذٍ اقْرَبُ
 مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ
 فِي قُلُوبِهِمْ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ﴿١٦٧﴾
 الَّذِينَ قَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوا لَوْ أَطَاعُونَا مَا
 قُتِلُوا قُلْ فَادْرءُوا عَنَ أَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِنْ
 كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٦٨﴾

ترجمہ یہ کیا جس وقت پہنچے تم کو مصیبت، تو تم سے پہنچانی تھی اس سے دو گنی۔ تم نے کہا یہ کہاں سے آئی ہے۔ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے، وہ تمہارے نفسوں کی طرف سے آئی ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ﴿۱۶۵﴾ اور جو کچھ تم کو اس دن پہنچا جس جن دو جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں، پس اللہ کے حکم سے اور تاکہ اللہ تعالیٰ متاثر نہ کرے ایمان والوں کو ﴿۱۶۶﴾ اور تاکہ متاثر نہ کرے ان لوگوں کو جنہوں نے منافقت اختیار کی۔ اور ان سے کہا گیا اڈ لٹو واللہ کے راستے میں یا دشمن کا دفاع

کہو تو وہ کہنے لگے کہ اگر ہم جانتے کوئی لڑائی تو ضرور تمہارا اتباع کرتے۔ وہ لوگ کفر بن
 طرف اس دن زیادہ قریب تھے نسبت ایمان کے۔ اپنے مومنوں سے وہ بات
 کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اُس چیز کو
 جس کو وہ چھپاتے ہیں (۱۶۷) وہ لوگ جنہوں نے اپنے بھائی بندوں کے بارے
 میں کہا اور خود بیٹھے گئے، اگر یہ ہماری بات مان لیتے تو نہ مائے جلتے۔
 اے پیغمبر! آپ کہ دیجئے پس ہٹاؤ تم اپنے نفسوں سے موت کو اگر تم پیچھے
 ہو (۱۶۸)

رابطہ آیات
 اس درس کی آیات بھی واقعہ احد کے سلسلہ ہی کی کڑیاں ہیں۔ پہلی آیات
 میں گنہگار چکا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے منافقوں یا کافروں کی بات ماننے سے
 منع فرما دیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے فرمایا کہ جن لوگوں سے
 غلطی مسزود ہو گئی تھی ان کے ساتھ نرمی اختیار کریں اور ان کی غلطیوں اور کوتاہیوں
 کی اللہ رب العزت سے معافی طلب کریں اور آئندہ اس کے ساتھ مشورہ
 کیا کریں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مالِ عظیمت میں خیانت کے سلسلہ کو
 بیان فرمایا۔ پھر خداوند کریم نے اپنے اُس عظیم احسان کا تذکرہ فرمایا جو اُس نے
 بنی نوح النان پر بالعموم اور اہل ایمان پر بالخصوص کیا۔ اور وہ احسان یہ ہے۔
 کہ انہی کی نسل اور خاندان میں سے ایک عظیم الشان رسول مبعوث فرمایا، جو
 اللہ کا پیغام ان تک پہنچاتا ہے۔ ان کا تزکیہ کرتا ہے اور کتاب و حکمت
 کی تعلیم دیتا ہے۔

آج کے درس کی آیات بھی خزوہ احد کے ضمن میں ہی ہیں۔ اس
 جنگ میں مسلمانوں کی کوتاہی کی وجہ سے فتح شکست میں تبدیل ہو گئی۔ شکرستہ
 مسلمان شہید ہوئے اور بہت سے زخمی ہوئے۔ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
 کے جسمِ اطہر پر چوٹیں آئیں۔ ان تمام عوامل کا مسلمانوں کو بہت صدمہ تھا۔ لہذا
 اللہ تعالیٰ نے انہیں مختلف طریقوں اور مختلف الفاظ سے تسلی دی اور

آئذہ کے لیے محتاط رہنے کی تعلیم دی۔ ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتا دیا کہ اگر کسی پر اس واقعہ میں اہل ایمان کو تکلیف پہنچی ہے۔ مگر اس تکلیف میں بھی بہت سی نعمتیں ہیں جن کا تذکرہ آگے کر رہا ہے۔

مسلمانوں کے
لیے تسلی

اس مقام پر اللہ جل شانہ نے اہل ایمان کی تسلی کے لیے ارشاد فرمایا
اَوْ لَمَّا اَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ عَزَّوَجَلَّ فِي بَلَدٍ مِّنْهُمْ لَمَّا يَدْعُونَ الْبِلَادَ الَّتِي لَمْ يَكُنْ لَكُمْ فِيهَا شَيْءٌ سَلْمًا وَلَا حَرْبًا لَقَدْ يَدْعُونَهَا لِيُجِيبَهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَتِهِ الْعَظِيمَةِ
 تمہیں یاد ہونا چاہیے وَإِذْ اَصْبَحْتُمْ مَثَلَكُم تم اس سے پہلے دشمن کو دیکھی تکلیف پہنچا چکے ہو۔ اُحد کے مقام پر تو مسلمانوں کے صرف ستر آدمی شہید ہوئے ہیں۔ مگر بدر کی جنگ میں کفار کے نہ صرف ستر اکابر مارے گئے تھے بلکہ اتنی ہی تعداد میں وہ قیدی بھی بنے تھے۔ گویا تم ان کو دیکنا نقصان پہنچا چکے ہو۔ لہذا اُحد کی شکست سے دل برداشتہ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی شکست کے باوجود ان پر بہ احسان فرمایا کہ کافروں کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا۔ وہ نہ تو مسلمانوں کو قیدی بنا سکے اور نہ خود وہاں زیادہ دیر ٹھہر سکے بلکہ اپنی عاقبت اسی میں سمجھی کر سکے واپس پلٹ جائیں۔

آگے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی اُس وقت کی کیفیت بیان فرمائی ہے کہ جب شکست ہوئی، تکلیف پہنچی قُلْتُمْ اَلَيْهَذَا اَتَمَّ بِكُمْ یہ کیا ہو گیا ہمیں شکست کیسے ہو گئی۔ ہم تو حق پر تھے۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے والے ہیں۔ ہمیں کیوں شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَوْلَا الَّذِي نَسَا فِي ذِكْرِ الْاَوَّلِينَ لَمَا كُنْتُمْ اُمَّةً اگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ تو تم لوگ بھی اسی نفسوں کی طرح پہنچی ہو۔ تم نے اللہ کے رسول کی حکم عدولی کی، اُس کے مقرر کردہ مورچہ کو چھوڑ دیا۔ جسی جسے شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ لہذا یہ تکلیف تمہاری اپنی ہی غلطی کا نتیجہ ہے۔

دنیا کے جنگی ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ السلام کا جنگی پلان بالکل درست تھا۔ اور اس میں کوئی خالی نہیں تھی۔ انجمن کینیڈا اور یہودی مورخین بھی تسلیم

کہتے ہیں کہ غزوة احد کے موقع پر سب سال اللہ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی حکمت عینی نہایت اعلیٰ درجے کی تھی۔ مگر یہ بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی غلطی تھی۔ کہ وہ پہاڑی درہ پر قائم نہ رہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ اس درے کو کسی صورت میں بھی ترک نہیں کرنا۔ مگر ان کی اکثریت نہ صرف پہاڑ سے نیچے اتر آئی بلکہ آپس میں جھگڑا بھی کیا جس کی وجہ سے اہل ایمان کو مجموعی طور پر نقصان اٹھانا پڑا۔ بہر حال ہمیں مسلمانوں کی غلطی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تکلیف تمہارے ہی نضول کی طرف سے پہنچی تھی اس میں تمہارا اپنا ہی قصور تھا۔ اور یہ بھی یاد رکھو۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ جو مالک الملک، فتح سے بہنکار کر سکتا ہے، وہ فتح کو شکست میں تبدیل کرنے پر بھی قادر ہے۔ اور وہ تمہیں تمہاری غلطیوں پر تنبیہ بھی کر سکتا ہے۔

شکست کی حکمت

اگے اللہ تعالیٰ نے اس شکست کی حکمت بھی بیان فرمائی ہے ارشادِ باری ہے وَمَا اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَيْنِ دُونِ الْجَمْعَيْنِ یعنی اہل کفر و اہل اسلام کے اکٹھا ہونے کے دن یعنی غزوة احد کے موقع پر جو تکلیف تمہیں پہنچی ہے اس میں کفار نے کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا۔ بلکہ فَاِذْنِ اللّٰهِ اللہ کے حکم سے ہی ایسا ہوا ہے۔ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی تقدیر، اس کی مشیت اور ارادے کے بغیر واقع نہیں ہو سکتی۔ لہذا اس پر افسوس کا زیادہ اظہار نہ کر دو۔ اللہ تعالیٰ کو ایسا ہی منظور تھا۔ اور اس میں حکمت یہ تھی وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ کہ اللہ تعالیٰ معلوم کرے کہ مومن کون کون لوگ ہیں۔

بمفسرین کلام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تو ہر چیز ہر وقت موجود ہے۔ اسے تکلیف میں مبتلا کرنے کے اہل ایمان کا ایمان چیلنے کی ضرورت نہ تھی، بلکہ یہاں پر علم کا معنی امتیاز کرنا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو باقی لوگوں سے ممتاز کرنا چاہتا تھا۔ اس قسم کی آزمائش آئی تو سب لوگوں کو علم ہو گیا۔ کہ پچھے سے مومن کوا

نے انہیں کمزور ایمان والوں سے علحدہ کر دیا۔

فرمایا اللہ تعالیٰ کا اس واقعہ سے یہ منشا رہی تھا وَلَيَعْلَمَنَّ الَّذِينَ تَافَقُوا
تہا کہ منافقوں کو بھی ممتاز کر دے، اہل ایمان سے علحدہ کر دے کہ یہ ہیں وہ لوگ جو مومن
نہیں بلکہ کافر ہیں اور آئندہ اہل ایمان اُن کے دھوکے میں نہ آئیں۔ منافقین نے
اپنے نفاق کا اظہار تو ابتدائے غزوہ میں ہی کر دیا تھا جب کہ اُن کا ایک جھٹہ راستے
ہی سے واپس لوٹ گیا تھا۔ اقرہ۔ _____ میدان
احد تک پہنچا ہی نہیں۔ اُن میں سے جو میدان جنگ میں پہنچ گئے وہ بڑے فخر مند
تھے۔ انہوں نے طرح طرح کی باتیں بنائیں جن سے اُن کی بندگی کا اظہار ہوتا تھا
مسلمانوں کی تسلی کے لیے اللہ تعالیٰ نے میدان جنگ میں اُن پر نیند طاری کر دی
جسکی وجہ سے وہ تازہ دم ہو گئے اور اُن کے تمام تفکرات رفع ہو گئے۔ مگر
منافقوں کو یہ سعادت بھی نصیب نہ ہوئی۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے مختلف مواقع
پر واضح کر دیا کہ اہل ایمان کون ہیں اور منافق کون۔ تو یہاں پر بھی ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں
کے گروہ کو تکلیف پہنچنے میں ایک حکمت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ مومنوں اور منافقوں
کو ایک دوسرے سے ممتاز کر دے۔

جہاد کا نام
دفاعی جنگ

اگے اللہ تعالیٰ نے منافقین کے تعلق سے جنگی حکمت عملی کا تذکرہ فرمایا ہے
ارشاد ہوتا ہے وَقِيلَ لَهُمْ اذِ انْ مَافِقُوْنَ سَے کہ ایا کَافِرًا فَاتَّقُوا
فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَوْ اللّٰهِ کے راستے میں جہاد کرو۔ اَوَادُ فَعُوْا يَادْفَاعُ كَرُو۔
جنگ دو ہی طریقوں سے لڑائی جاتی ہے اقدامی جنگ (OFFENSIVE W
ہوتی ہے یا دفاعی جنگ (D FENSIVE WAR) ہوتی ہے۔ اسلام میں دونوں قسم
کے جہاد روا ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اسلام نے جنگ میں پل
کرنے کا حکم بھی دیا ہے۔ اگر کسی علاقے میں دشمن نے ظلم و ستم اور فتنہ و شاد کا بازار
گرم کر رکھا ہو، شرفا کی عزت و مال محفوظ نہ ہو۔ اسلام کے خلاف سازش کا گڑھ بنا
ہوا ہو، تو ایسی صورت میں گندے مختصر کا تہ مع ضروری ہو جاتا ہے۔ اور اسلام جنگ

میں اقدام کی اجازت دیتا ہے۔ دوسری صورت اس وقت پیدا ہوتی ہے۔ جب دشمن خود چلنے کی کوشش کرے جیسا کہ جنگ خندق کے موقع پر ہوا تھا۔ تو ایسی حالت میں دفاعی جنگ لڑی جاتی ہے۔ ایسے موقع پر مرد، عورت، جوان، بوڑھا سب پر فرض عاید ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنا دفاع کرے عام حالات میں تو جہاد فرض کفایہ ہے۔ مسلمانوں کی فوج موجود ہے وہ دشمن کے ساتھ نبرد آزما ہو، باقی لوگوں کو میدان جنگ میں جانے کی ضرورت نہیں ہوتی، مگر جب دشمن اہل اسلام پر چڑھ دوڑے تو یہ جنگ فرض عین بن جاتی ہے۔ اس میں ہر مرد و زن کی شرکت لازم ہوتی ہے۔ تو یہاں پر منافقوں سے کہا جا رہا ہے کہ أَوَلَمْ تَرَ كَيْفَ جَاءَ لَكُمْ مِنَ الْمَدِينَةِ لُطُوفٌ کم از کم دفاع میں ہی شریک ہو جاؤ۔ بعض اوقات بھری دفاعی طاقت دیکھ کر بھی دشمن مرعوب ہو جاتا ہے۔ لہذا اے گمراہ منافقین اگر تم حملہ کرنے کے لیے باہر نہیں نکل سکتے تو کم از کم دشمن کے حملہ کو روکنے کے لیے تو مسلمانوں کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر کھڑے ہو جاؤ۔

منافقوں کی
جیلہ سازی

فرمایا اس کے جواب میں منافقین اپنے نفاق کا اظہار یوں کرتے ہیں فَمَا لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ سَعْيَكُمْ لِدَالَةِ الدُّنْيَا تو ضرور تمہارا اتباع کرتے یعنی تمہارے ساتھ جنگ میں شریک ہو جاتے۔ مگر یہ تو کسی ڈھب کی لٹائی ہی نہیں۔ دشمن کی تعداد زیادہ ہے اور ہم قلیل تعداد میں۔ یہ تو اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے، لہذا ہم اس لٹائی میں تمہارے ساتھ شامل ہونے کو تیار نہیں۔ اس طرح منافقین جنگ سے بچنے کے لیے جیلہ سازی کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ أَسْ دِينَ ان کے نفاق کا پل کھل گیا۔ اور ان کی حالت یہ ہو گئی۔ هُمْ لَكَفَرٍ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلدِّيمَانِ وہ لوگ اس دن ایمان کی نسبت کفر کے زیادہ قریب ہو گئے۔ پہلے تو یہ لوگ صرف دول سے منافق تھے اور زبان سے ایمان کا دعویٰ کرتے تھے مگر اس دن انہوں نے زبان سے بھی ایسی بات کہ دی جس کی وجہ سے ظاہری طور پر بھی کفر کے قریب تر ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اِن کی خصالت یہ ہے يَقُولُونَ يَا قَوْمِ اِهْمُ بِكُمْ اپنے
 مومنوں سے ایسی بات کہتے ہیں مَا لَيْسَ فِدْوَتُكُمْ دِيْهِمْ جو ان کے
 دلوں میں نہیں ہے۔ زبان سے تو مسلمانوں کی حمایت کا دم بھرتے ہیں مگر دل
 میں نفاق بھرا ہوا ہے۔ کہ کسی طرح جنگ میں شریک ہونے سے بچ جائیں۔
 دل و زبان کا یہی تضاد منافقت کی نشانی ہے۔ عَجِبَ لِمَنْ ابَى نے بھی یہی بات
 کی تھی۔ کہ ہماری تو بات ہی نہیں مانی گئی۔ ہم کہتے تھے شہر میں رہ کر دفاع کریں گے
 مگر یہ باہر نکل گئے، لہذا ہم ایسی جنگ میں شریک نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ ان
 کی منافقت کا پردہ یہ کہ کفر فاش کر دیا وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ اللہ تعالیٰ
 خوب جانتا ہے جس چیز کو جو وہ چھپاتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں چھپے
 ہوئے رازوں سے بھی واقف ہے۔ لہذا اللہ کو دھوکا نہیں مے سکتے بلکہ خود ہی
 نقصان اٹھائیں گے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے منافقین کی ایک اور خصالت کا تذکرہ کیا ہے اَلَّذِيْنَ
قَالُوْا لَوْ جَوَّانِهٖمْ وَقَعْدُوْا وہ لوگ جنہوں نے اپنے بھائی بندوں یعنی
 مسلمانوں کے متعلق یوں کہا اور خود بیٹھ رہے لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قَتَلُوْا
 اگر یہ ہماری بات مان لیتے، تو قتل نہ ہوتے۔ یعنی ہم تو شہر میں رہ کر دفاع کے حق
 میں تھے۔ مگر انہوں نے ہماری بات نہیں مانی لہذا باہر میدان میں جا کر مارے گئے۔
 غرضیکہ طرح طرح کے چیلے بہانے کیے کہ مسلمانوں کو اس وجہ سے شکست ہوئی ہے
 ان کی جنگی حکمت عملی درست نہیں تھی یا انہی صفت بندی اور مورچہ بندی کمزور تھی۔
 اللہ نے فرمایا کہ یہ سب ان کی بہانہ سازی ہے۔ اصل میں یہ لوگ اسلام کے دشمن ہیں
 اور اُسے پھلتا پھولتا دیکھنا نہیں چاہتے۔

موت قرار
 ممکن نہیں

اللہ تعالیٰ نے ایسے بد باطن لوگوں کو مرنے کا حکم دیا

قُلْ اِنَّ نَبِيَّ عَلِيْهِ السَّلَامُ، اِنْ سَمِعْتُمْ قَوْلَهُ فَاَدْرَعُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمْ اَلْمَوْتِ
 میں روک لو اپنے آپ سے موت کو۔ انہوں نے کہا تھا۔ کہ اگر مسلمان باہر نکل کر

نہ لڑتے تو شہید نہ ہوتے، ہم جنگ میں عدم شرکت کی بنا پر بچ گئے۔ اللہ نے فرمایا
 اگر تم موت کو وارد ہونے سے اس طرح روک سکتے ہو، تو روک کر دکھا دو۔ تم خواہ
 گھر میں بیٹھے رہو یا کہیں چلے جاؤ، موت بہر صورت اپنے وقت پر آکر ہے گی تم اُسے
 ٹال نہیں سکتے، کیونکہ موت و حیات قبضہ قدرت میں ہے۔ اُس کا پروگرام یقیناً
 اٹل ہے۔ "اِذَا جَاءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاخِرُونَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُونَ"
 جب کسی کی موت کا معین وقت آجاتا ہے تو پھر ایک سیکنڈ بھی آگے پیچھے
 نہیں ہو سکتا۔ لہذا یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ کہ تم گھر میں بیٹھے ہونے سے موت کو ٹال سکتے
 ہو۔ لبا اوقات جنگ میں شریک لوگ بخیر و عافیت واپس آتے ہیں۔ اور پیچھے
 رہ جانے والے سر جاتے ہیں۔ شیخ سعدیؒ نے ایک شخص کا واقعہ بیان کیا ہے۔ کہ
 ساری رات بیمار کے پاس بیٹھا رونا رہا کہ بیچارہ بہت جلد مر جائیگا۔ مگر جب صبح
 ہوئی تو خود لقمہ اجل بن گیا جب کہ مر لیکن ابھی زندہ تھا۔ غرضیکہ اللہ نے فرمایا
 اِنَّكُمْ مَصْدِقِيْنَ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو یعنی گھر بیٹھے کہ موت
 کو وارد ہونے سے روک سکتے ہو، تو اسے روک کر دکھا دو۔ مگر تم ہرگز ایسا نہ
 کر سکو گے۔

الغرض! غزوہ احد میں مسلمانوں کی شکست میں جو حکمتیں پوشیدہ تھیں اللہ نے
 اُن کو بیان فرمادیا۔ منجملہ اُن کے ایک حکمت یہ بھی تھی کہ منافقوں کا طرز عمل واضح
 ہو جائے۔ اس طرح اللہ جل جلالہ نے اس ایک واقعہ کے ذریعے ہزاروں اصول
 سمجھائیے۔ اور آئندہ کے لیے مسلمانوں کو مستعد رہنے کی تعلیم دی۔

لَنْ تَنَالُوا

الْعَمَلِ ۳

درس پنچواں ورقہ ۵۹

آیت ۱۶۹ تا ۱۷۱

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قَاتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا
بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِينَ
بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ
لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ ۗ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةِ اللَّهِ وَفَضْلِهِ
وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۷۱﴾

ترجمہ و تفسیر

ترجمہ: اور نہ خیال کریں آپ ان لوگوں کے بارے میں جو مارے گئے اللہ تعالیٰ
کی راہ میں مرنے، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے پاس، ان کو روزی دی جاتی ہے ﴿۱۶۹﴾
وہ خوش ہونے لگے ہیں اس پر جو اللہ نے ان کو دیا ہے اپنے فضل سے۔ اور
وہ بشارت حاصل کرتے ہیں ان لوگوں کے بارے میں جو ابھی تک ان سے نہیں ملے
ان کے پیچھے سے۔ یہ کہ نہیں ہوگا ان پر کوئی خوف اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿۱۷۰﴾ وہ
خوشخبری حاصل کرتے ہیں اللہ کی نعمت اور اس کے فضل سے اور یہ کہ بیشک اللہ تعالیٰ
نہیں ضائع کرتا ایمان والوں کے اجر کو ﴿۱۷۱﴾

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی تہنیت فرمائی۔ کہ وہ منافقوں، یہود اور
اور نصاریٰ کی مشابہت اختیار نہ کریں۔ جو روکش انہوں نے غزوہ احد کے موقع پر اختیار
کی تھی اس سے منع فرمایا۔ نیز منافقین کے شہداء نے احد کے متعلق کہا تھا لو گے انہو
عِنْدَنَا مَا تَدْعُوا وَمَا قَاتَلُوا لِيَوْمِئِذٍ اَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ كِتَابٌ
ہم سے ساتھ پڑے رہتے تو نہ مارے جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دعوے
کی بھی تردید فرمائی۔ دوسری بات اللہ نے یہ بھی بیان فرمائی کہ جب منافقین سے کہا گیا

تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ اذْقِعُوا أَوَّلَ الشَّرِّ كَيْ رَأَيْتُمْ فِي جِهَادِكُمْ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ هُمْ يَدْعُونَ لَا يَرْجِعُونَ إِلَى اللَّهِ وَمَا لَهُمْ لَدَيْهِ مِنْ حِصَّةٍ وَلَا يَتَذَكَّرُونَ

دشمن سے دفاع ہی کرو۔ تو انہوں نے یوں حیلہ سازی کی کہ یہ تو کوئی ڈھب کی لڑائی نہیں ہے جس میں ہم شریک ہوں۔ یہ تو خودکشی کرنے کے مترادف ہے۔ اگر کسی ڈھب سے جگ کی منصوبہ بندی کی جاتی تو ہم ضرور اس میں شامل ہوتے۔ بلکہ شہدائے احد کے متعلق انہوں نے کہا لَوْ اَطَاعُوا مَا قَتَلْتُمَا لَآ اَكْرَهُ اَلْجِهَادَ اَلَّذِي نَبَايَا بَابَهُ مَنَّا لَقَدْ كُنَّا فِيهِ كِافِرًا

اللہ تعالیٰ نے ان تمام باتوں کی تردید فرمائی۔

جاری ہے

آج کے درس میں اللہ کے راستے میں شہید ہونے والے لوگوں کی فضیلت اور ان کا درجہ بیان فرمایا ہے۔ اور ان کو مردہ کہنے سے منع فرمایا ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنی زندگی جیسی قیمتی منافع کا نذرانہ پیش کرتے ہیں انہیں حقیقی زندگی حاصل ہو جاتی ہے۔ اور وہ بلند ترین مراتب پر فائز ہو جاتے ہیں۔ لہذا فرمایا۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قَاتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اَمْوَاتًا بَلْ هُمْ اَحْيَاءٌ لَدَيْ رَبِّهِمْ

میں شہید ہو گئے انہیں مردہ مت مانو۔ اللہ کی راہ سے مراد جہاد فی سبیل اللہ، دین کی اقامت اور اللہ اور اس کے رسول کے مشن کا قیام ہے۔ نیکی کے تمام امور فی سبیل اللہ ہی تصور ہوتے ہیں تاہم ان سب میں جہاد کا مرتبہ بلند ترین ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ عام نیکی کا معیار یہ ہے کہ جو شخص اللہ کی راہ میں خلوص نیت کے ساتھ ایک پیسہ خرچ کرے اللہ تعالیٰ اس کو دس گنا اجر عطا فرماتا ہے۔ سورۃ انفاس کے آخری رکوع میں موجود ہے مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَكَأَنَّهُ عَشْرُ امْتِنَانٍ جَوَّوْا لَهَا جَوَّوْا لَهَا جَوَّوْا لَهَا

دس گنا ہے۔ اور مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ میں خرچ کئے کا ثواب کم از کم سات سو گنا ہے اسکے بعد واللہ یضاعف لمن یشاء اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہے گا دس گنا۔ یہ اپنی اپنی استعداد کے مطابق ہو گا۔ ایک دوسری صحیح حدیث میں نماز کے متعلق فرمایا کہ یہ عباد اللہ یعنی دین کا ستون ہے اور جہاد کے متعلق فرمایا کہ جو مان کی بلندی جہاد ہے

معاف نہیں کرے گا۔ اس سے خلاصی نہیں ہوگی۔ مؤظا نام مالک کی روایت میں آتا ہے کہ شہدار کی ارواح سبز رنگ کے پرندوں کے جسموں میں سوار ہو کر تیسری حجۃ الحجاب تک حاکمیت کیسٹ آئے جہاں چاہتے ہیں سیر و تفریح کرتے ہیں، کھاتے پیتے ہیں اور پھر ان قبیلوں کی طرف آجاتے ہیں جو عرش الہی کے ساتھ لٹک رہی ہیں۔ روایات میں آیا ہے کہ جنت الفردوس جنت کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے اور عرش الہی اس کے اوپر ہے۔ جس کے ساتھ قبیلے ہیں جن میں شہدار بسیرا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اتنا اعلیٰ مقام عطا کیا ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنے وقت کے فقیہ، محدث اور نہایت صالح آدمی تھے۔ ساری عمر علم اور مخلوق خدا کی خدمت میں گزار دی۔ آپ شاہ ولی اللہ کے شاگرد ہیں۔ شاہ عبدالعزیز نے آپ کے متعلق فرمایا کہ آپ وقت کے بہت ہی ہیں۔ اہم بیعت چوتھی صدی میں گزرے ہیں۔ آپ اہم شافعی کے مقلد تھے۔ آپ نے حدیث کی بہت کتابیں جمع کی ہیں، جن میں سنن کبریٰ آپ کی بڑی مشہور کتاب ہے۔ قاضی ثناء اللہ کے پیر منظر جان جانان تھے جو عالمگیر کے خالہ زاد بھائی تھے۔ شاہ ولی اللہ کے ہم عصر تھے شاہ صاحب نے اسی بڑی تعریف کی ہے۔ انہوں نے بھی شاہ صاحب کے متعلق بڑے تعریفی کلمات کہے ہیں۔ آپ بڑے کامل وجہ کے مرد مومن تھے۔ آپ رض کے بڑے خلاف تھے۔ اس لیے رافضیوں نے آپ کو گولی مار کر شہید کر دیا تھا۔ اُس زمانے میں رافضیوں کا بڑا دور دراز تھا۔ دسویں صدی ہجری کے بعد جب صفوی خاندان ایران میں آیا، اُس وقت سے اس لعنت کو بڑا عروج حاصل ہوا اب رض کے ساتھ ساتھ خارجیت بھی پھیل رہی ہے۔ ہمارے ملک میں ایسے ہی حالات ہیں۔ ہر روز کوئی نہ کوئی نیا فتنہ کھڑا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ان فتنوں سے محفوظ رکھے۔ اب تو عقیدے کی حفاظت بڑا مشکل کام ہو گیا ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی بہت سی کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ فارسی زبان میں آپ کی کتاب صلابہ منہ در سر نظامی میں پڑھائی جاتی ہے۔ یہ فقہ کی مستند

کتاب مانی جاتی ہے۔ آپ کی سب سے زیادہ محرومت، تالیف تفسیر منظر ہی ہے۔ جو آپ نے اپنے پیرو مشد مزام نظر جاننا ان کی طرف منسوب کی۔ قاضی صاحب نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ میرے مرشد نے فرمایا کہ میں کشفی نگاہ سے دیکھ رہا ہوں کہ شہدار پر اللہ کی ذاتی تجلیات پڑ رہی ہیں۔ انہیں یہ انعام اس لیے حاصل ہوتا ہے۔ کہ انہوں نے اپنی سب سے قیمتی متاع یعنی جان اللہ کی راہ میں قربان کر دی۔ یہ عنایت صرف شہد تک ہی محدود ہے۔ کیونکہ مقررین فرشتوں پر بھی خداوند تعالیٰ کی ذاتی تجلیات نہیں پڑتیں، ان پر صفاتی تجلیات ہی پڑتی ہیں۔ ذاتی تجلیات صرف انسان کے لیے خاص ہیں۔ شہیدوں کے بعد صدیقوں کا درجہ ان سے بھی بلند ہے۔ اور پھر انبیاء کا درجہ سب سے اعلیٰ وارفع ہے۔ بہر حال قاضی صاحب نے لکھا ہے کہ ان کے مرشد نے بیان کیا کہ میں کشفی نگاہ سے دیکھ رہا ہوں کہ شہداء پر اللہ تعالیٰ کی ذاتی تجلیات پڑ رہی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔ شہداء کی زندگی عام مومنین کی نسبت بہت اعلیٰ درجے کی زندگی ہے۔

جہاں تک برزخی زندگی کا تعلق ہے، وہاں تو ہر شخص کسی نہ کسی صورت میں زندہ ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام، صدیقین اور شہداء کا درجہ تو بلند ہے، عام مومنین کو بھی برزخ میں زندگی حاصل ہوتی ہے، جس میں انہیں راحت کا احساس بھی ہوتا ہے اسی طرح کافروں اور منافقوں کی ارواح بھی برزخ میں زندہ ہوتی ہیں۔ جیسی تو انہیں عذاب کا احساس ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے شہدار کے متعلق خاص طور پر فرمایا کہ انہیں مردہ گمان نہ کرو، بلکہ وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں اور وہاں انہیں روزی دی جاتی ہے۔ صرف معتزلہ فرقہ ایسا ہے جو برزخی زندگی کا قائل نہیں، ان کے نزدیک اس دنیا کی زندگی کے بعد بس آخرت کی زندگی ہے۔ حالانکہ یہ بات غلط ہے حقیقت یہ ہے کہ شہدار کو اس زندگی کے منقطع ہونے کے فوراً بعد برزخ کی زندگی حاصل ہو جاتی ہے۔ جہاں انہیں روزی ملتی ہے اور دیگر خوشیاں بھی حاصل ہوتی ہیں، تاہم اہل ایمان کو حقیقی انعامات حشر کے بعد حاصل ہوں گے برزخ میں اس کا

برزخ کی
زندگی

کچھ نمونہ حاصل ہوتا ہے۔ وہاں جو کچھ بھی انہیں حاصل ہوتا ہے۔ اس کے متعلق فرمایا
فَسَرِحِينَ بِمَا أَنَّهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ اللہ نے جو کچھ انہیں اپنے فضل سے
 عطا کیا ہے، اُس پر خوش ہونے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ نعمات پر وہ
 خوش ہو رہے ہیں۔

پچھلاوں کے
 متعلق بشارت

اگے اللہ تعالیٰ نے دو بشارتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ جو شہدار کو عالم برزخ میں
 حاصل ہوتی ہیں۔ پہلی بشارت کے متعلق فرمایا وَلَيْسَتْ بَشِيرًا وَلَا بِالَّذِينَ كَفَرُوا اُن کے متعلق انہیں یہ خوشخبری ملتی
 نہیں ہے۔ یعنی شہدار کے عزیز واقارب، رشتہ دار، احباب وغیرہ جو ایماں دار
 ہیں اور ابھی تک دنیوی زندگی بسر کر رہے ہیں، اُن کے متعلق انہیں یہ خوشخبری ملتی
 ہے الْأَخْوَفُ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ کھان پر بھی خوف نہیں
 ہوگا اور وہ بھی غمگین نہیں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں خوشخبری دی
 جاتی ہے کہ تمہارے فلاں فلاں اعزہ واقارب بھی تمہاری طرح دنیا میں نیکی کے
 راستے پر چل رہے ہیں۔ اور اسی صراطِ مستقیم پر چلتے ہوئے وہ بھی تمہاری طرح راحت
 کے مقام میں پہنچیں گے۔ چنانچہ یہ خوشخبری شہدار کے لیے مزید خوشی کا باعث
 ہوتی ہے۔ فرمایا دوسری بشارت یہ ہے يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةِ
مِّنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت اور احسان حاصل ہے
 اور اللہ تعالیٰ کا فضل بھی اُن کے شامل حال ہے۔ قیامت کے بعد تو سب
 لوگوں کو انعام و اکرام سے نوازا جائے گا مگر شہدار کو یہ نعمتیں فی الوقت مل رہی
 ہیں۔ اور اب انہیں یہ یقین حاصل ہو گیا ہے وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِلُّ عِبْدَهُ
الْمُؤْمِنِينَ بیشک اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔
 اہل ایمان اپنے اور اچھے عقیدے کے ساتھ جو نیک عمل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ
 اس کا ضرور بدلہ دے گا۔ یہ تو عام مومنین کے متعلق ہے مگر شہدار کو تو نہایت اعلیٰ مقام
 حاصل ہے۔ انہوں نے اپنی عزیز ترین متاع اللہ کی راہ میں قربان کر دی، اللہ کے

دس کے قیام کے لیے سردھڑکی بازی لگا دی، لہذا اللہ تعالیٰ نے ان کو بہترین اجر عطا فرمایا۔
 حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ کافروں کے ہاتھوں شہادت پانے والے شہیدوں کو غسل دینے کا حکم نہیں ہے۔ ان کو اسی طرح خون میں لت پت قبر میں اتار دیا جائے شہدائے اہل حق کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا ان کے ہتھیار زردہ وغیرہ زاید لباس میں آتے ہیں یہ ان کے جسم سے آثار دو اور ان کے اصل لباس کھرتہ، قمیض، تہبندہ پاجامہ وغیرہ سمیت دفن کر دو۔ فرمایا شہدار کا خون قیامت کے دن دوبارہ تروازہ ہو جائے گا۔ جس سے کستوری جیسی خوشبو آئیگی اور یہ ایسی حالت میں خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوں گے۔ البتہ فقہانے کرام، محدثین، مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ اگر کوئی شخص جنابرت کی حالت میں شہید ہو جائے تو اس کے غسل کے مسئلہ میں اختلاف رائے ہے۔ امام مالک اور امام شافعی فرماتے ہیں۔ کہ ایسی حالت میں بھی شہید کو غسل دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ امام ابوحنیفہ اور امام احمد فرماتے ہیں کہ جنبی شہید کے لیے غسل ضروری ہے۔ دلیل کے طور پر فرماتے ہیں۔ کہ حضرت حنظلہ جنابرت کی حالت میں شہید ہوئے تھے، انہوں نے اپنی بیوی سے ہم بستری کی جنگ زوروں پر تھی۔ انہیں غسل کا موقع نہ ملا۔ اسی حالت میں میدان جنگ میں کود گئے اور شہید ہو گئے۔ حضور علیہ السلام نے ان کے بارے میں فرمایا تھا۔ کہ میں نے دیکھا ہے کہ فرشتے بارش کے پائیزہ پانی سے چاندی کے برتن میں زمین و آسمان کے درمیان حضرت حنظلہ کو غسل دے رہے تھے، لہذا ثابت ہوا کہ جنبی شہید کا غسل ضروری ہے۔

شہد کا جنازہ پڑھنے کے متعلق امام شافعی فرماتے ہیں کہ ان کا جنازہ پڑھنے کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ ان کی مغفرت تو ہو چکی ہے۔ تاہم امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد کی رائے ہے کہ جنازہ پڑھا جائے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ جنازہ صرف گناہوں کی معافی کے لیے ہی نہیں بلکہ درجات کی بلندی کے لیے بھی پڑھا جاتا ہے۔ شہد کا جنازہ پڑھنے کا مقصد یہ ہوگا۔ کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ بیہ معونہ کے مقام پر پست صحابہ کرام، جو قرار، فضلا اور منتخب بزرگوار تھے، شہید

کر دیے گئے۔ یہ کفار کی سازش تھی۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔
 کہ ملک نجد میں تعلیم اسلام کے لیے مبلغین کی ضرورت ہے۔ چنانچہ آپ نے
 شہر صحابہ کرامؓ ان کے ساتھ بھیج دیے۔ جب یہ قافلہ بصرہ مغزہ کے مقام پر پہنچا، تو
 انہیں دھوکے سے شہید کر دیا گیا۔ ان شہداء اور شہداء کے متعلق بنجاری شریف
 میں روایت ہے کہ انہوں نے عالم بزرگ میں اپنی اچھی حالت اور اللہ کی طرف
 سے انعام و اکرام کے متعلق تمنا کی تھی کہ ان کی اس حالت کا علم دنیا میں پہنچنے
 والے ان کے بھائیوں کو ہو جائے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں
 تمہاری حالت کو تمہارے بھائیوں تک پہنچاتا ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان
 سے وحی نازل فرمائی بلغوا عننا قومنا انا لاقینا ربنا فرضی عنا و یضی عنہ
 ہماری قوم تک یہ بات پہنچا دو کہ ہم اپنے رب سے ملے ہیں۔ وہ ہم سے راضی ہو گیا
 اور ہم اسے راضی ہو گئے ہیں یہ قرآن پاک کی آیت تھی، جو کافی عرصہ پڑھی جاتی رہی، بعد میں منسوخ ہو گیا
 الغرض! اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر شہداء کی فضیلت بیان فرمائی ہے اور
 خوشخبری سنائی ہے۔ کہ وہ مومنوں کے نیک اعمال کو ضائع نہیں کرتا بلکہ ان کا بہتر
 اجر عطا کرتا ہے۔

لَنْ تَنَالُوا ۴

الِ عَمْرَانَ ۳

درس شصت ۶۰

آیت ۱۴۲ تا ۱۴۵

الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ
الْقَرْحُ ۚ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقُوا أَجْرٌ
عَظِيمٌ ﴿۱۴۲﴾ الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ
قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَعَلَى
وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ﴿۱۴۳﴾ فَانْقَلَبُوا
بِنِعْمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ لَمْ يَمَسَّهُمْ سُوءٌ ۚ
وَاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللَّهِ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ ﴿۱۴۴﴾
إِنَّمَا ذَلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ ۚ فَالْخَافُونَ
وَالْخَافُونَ إِنَّ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۴۵﴾

ترجمہ: وہ لوگ جنہوں نے حکم مانا اللہ کا اور رسولی کا بعد اس کے کہ ان کو زخم پہنچا۔

ان لوگوں کے لیے جنہوں نے نیکی کی ہے اور ڈرتے ہے ہیں بہت بڑا اجر ﴿۱۴۲﴾
وہ لوگ جن کے لیے لوگوں (یعنی کافروں) نے کہا کہ بیک لوگوں (یعنی مکے والوں) نے
تہلے سے لیے اٹھا لیا ہے (لشکر) پس ان سے ڈرو۔ پس (اس بات نے) ان
کے ایمان کو زیادہ کیا۔ اور انہوں نے کہا، کافی ہے ہم کو اللہ اور وہ بہتر کارکن ہے ﴿۱۴۳﴾
پس وہ لوگ اللہ کی نعمت اور فضل کے کہہ کر نہ پہنچی ان کو کوئی برائی۔ اور انہوں
نے اللہ کی خوشنودی کی پیروی کی۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے ﴿۱۴۴﴾
بیک یہ بات کہ شیطان ہے جو ڈرتا ہے اپنے دوستوں کو۔ پس ان سے
نڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو ﴿۱۴۵﴾

یہ آیات بھی غزوہ احد ہی کے ضمن میں ہیں۔ سابقہ درس میں اللہ تعالیٰ نے شہداء کی فضیلت بیان فرمائی اور ان منافقوں کی مذمت کی جو کہتے تھے کہ اگر مسلمان ہماری بات مانتے، اطاعتی کے لیے باہر نہ نکلتے، تو نہ مائے جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے شہداء کو مردہ کہنے سے منع فرمایا، بلکہ ان کی حیات جاودان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ انہیں روزی دی جا رہی ہے اور وہ صدق اور قرب کے مقام پر فائز ہیں۔ اپنے پس ماندگان کے متعلق انہیں بشارت ملتی ہے کہ اگر وہ بھی صراطِ مستقیم پر گامزن رہے، تو شہداء کے ساتھ آئیں گے۔ اللہ نے واضح فرمایا کہ وہ ایمان والوں کے اجر کی صورت میں عطا فرمائیں گے۔ یہ بات بھی گزشتہ درس میں بیان ہو چکی ہے کہ غزوہ احد میں مشرکین کے سالار لشکر ابوسفیانؓ تھے۔ بڑے بڑے امم کھڑے تو جنگ بدر میں ہی مائے گئے تھے اور اب سیادت ابوسفیانؓ کو حاصل تھی۔ اگرچہ مسلمانوں کو ابتدائی طور پر فتح حاصل ہوئی مگر بعض صحابہ کی غلطی کی وجہ سے یہ فتح شکست میں تبدیل ہو گئی۔ مسلمانوں کو بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کی، کافروں کے دلوں میں رعب ڈالا اور وہ فتح حاصل کرنے کے باوجود پس پا ہونے پر مجبور ہو گئے۔ تاہم ابوسفیانؓ نے لوٹتے وقت اعلان کیا۔ کہ مسلمانوں کے ساتھ اگلے سال پھر بدر کے مقام پر محرم ہو گا۔ گویا اہل اسلام کو چیلنج کیا۔ کہ اگلے سال بدر کے مقام پر پھر مقابلہ کے لیے تیار ہو کر آئیں۔

آج کے درس کی پہلی آیات دو مختلف واقعات سے متعلق ہیں اور اس لحاظ سے ان کے شان نزول بھی مختلف ہیں۔ پہلی آیت میں ان صدیقین کا ذکر ہے جنہوں نے تکلیف کے باوجود اللہ اور اسکے رسول کی آواز پر لبیک کہا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف بیان کی ہے۔ مفسرین کہیں اس آیت کا پس منظر غزوہ احد ہی بیان کرتے ہیں۔ مشرکین اہل اسلام کو کاری ضرب لگانے کے بعد جب واپس ہوئے تو راستے میں ابوسفیانؓ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ کہ مسلمانوں پر غلبہ حاصل کرنے کے باوجود نہ انہوں نے کوئی قیدی بنائے ہیں اور نہ ہی کوئی اور مفاد حاصل کر سکے ہیں۔

مٹھی بھر مسلمان ہیں۔ اب بھی پلٹ کر ان کا صفایا کر دینا چاہیے۔ اہل مکہ کے اس

بڑے ارادے کی خبر جب حضور علیہ السلام کو پہنچی۔ تو اپنے بچے کچھ زخمی صحابہ کو جمع فرمایا اور اس خبر سے مطلع فرمایا، اس کے ساتھ ہی یہ مشورہ بھی کیا کہ بیشتر اس کے کہ مشرکین پلٹ کر ہم پر حملہ کریں، کیوں نہ ہم خود ان کا تعاقب کر کے ان کے ناپاک ارادے کو خاک میں ملا دیں۔ صحابہ کو لڑنا اگرچہ تھکے ماندے اور زخم خوردہ تھے مگر وہ حضور علیہ السلام کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے مشرکین کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے۔ مسلمان مدینہ طیبہ سے آٹھ میل دور حجاز الاسد کے مقام تک کفار کے پیچھے گئے، جب مشرکین کو علم ہوا، تو انہوں نے پسائی میں ہی اپنی خیر منائی اور اس طرح دونوں لشکروں کی دوبارہ ^{بڑھتی} تصادم ہو سکی۔ حضور علیہ السلام کا لشکر وہاں تین دن تک عرصہ رہا، وہاں پر تجارتی لین دین میں منافع بھی حاصل کیا اور پھر باعزت مدینہ لوٹ آئے۔ تو پہلی آیت میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ کہ زخم خوردہ اہل ایمان نے نبی علیہ السلام کے حکم کو بسر و چشم تسلیم کیا اور اس کی تعمیل کی۔

آج کے درس کی دوسری آیت کا پس منظر ^{۱۳} کا واقعہ ہے۔ احد کے موقع پر ابوسفیانؓ کو حلیج کو گیا تھا کہ آئندہ سال پھر ہمارا ہمارا بدر کے مقام پر مقابلہ ہوگا۔ اس پلان کے تحت ابوسفیانؓ دو ہزار کا لشکر لے کر جس میں پنجاس کے قریب مخصوص سوار بھی تھے مکہ سے نکلا۔ مسلمانوں کا رعب تو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی ان کے دلوں میں ڈال دیا تھا۔ جب یہ لشکر روحا کے مقام پر پہنچا، تو انہوں نے مسلمانوں کو بدل کرنے کے لیے ایک اور منصوبہ بنایا۔ اور وہ یہ تھا کہ کسی طرح مدینہ میں یہ خبر بڑھا چڑھا کر پہنچائی جائے کہ اہل مکہ بہت بڑے لشکر اور ساز و سامان کے ساتھ مقابلہ کے لیے آ رہے ہیں۔ اب مسلمان ان سے بچ نہیں سکتے۔ کفار کا خیال تھا کہ اس قسم کے پراپیگنڈہ سے مسلمان ہر عجب ہو کر خود ہی ہتھیار ڈال دیں گے۔ اور مقابلے کی جرأت نہیں کر سکیں گے۔ چنانچہ اس مقام پر مشرکین کو معجزہ نامی ایک شخص ملا جو مدینہ کی طرف جا رہا تھا۔ انہوں نے پراپیگنڈہ کا کام اس سے لینا چاہا۔ وہ شخص اگرچہ اس وقت تک ایمان نہیں لایا تھا۔ مگر دل سے حضور علیہ السلام کا طرفدار تھا۔ اس شخص نے مشرکین کو بتایا کہ وہ مسلمانوں کی

طاقت اور جذبہ ایمانی سے واقف ہے، تم ان کا مقابلہ نہیں کر سکو گے، لہذا بہتر ہے کہ ہمیں سے واپس چلے جاؤ، ورنہ سخت نقصان اٹھاؤ گے۔ اس سے کفار کے دلوں میں مسلمانوں کا مزید رعب داخل ہو گیا۔ محترم وہ جس قید مقصد کے لیے آئے تھے اُس سے دست بردار ہونے کے لیے بھی تیار نہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے مطلوبہ پراپگنڈہ کے لیے دو سکر لوگوں کی خدمات حاصل کیں۔ قبیلہ عبد القیس کا ایک قافلہ مدینے کی طرف رواں تھا، اس کے قائدین کی کچھ محنت سماجت کی، کچھ لالچ دیا اور انہیں اپنے حق میں پراپگنڈہ کرنے پر آمادہ کر لیا۔ چنانچہ جب یہ قافلہ مدینہ پہنچا اور انہوں نے لشکر کفار کو ٹھہرا کر بیان کیا۔ تو اہل اسلام پر اس پراپگنڈہ کا اثر یہ ہوا۔ کہ جذبہ شہادت سے سرشار ہو کر ان کی قوت ایمانی میں اور اضافہ ہو گیا۔ آج کی دوسری آیت کھڑی میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

پراپگنڈہ کو ہمیشہ سے ایک مؤثر ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ معاملہ مذہبی ہو یا سیاسی، معاشی ہو یا معاشرتی ہر صورت میں پراپگنڈہ کو کافی اہمیت حاصل ہے۔ سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنانے میں پراپگنڈہ اہم کردار ادا کرتا ہے۔ خاص طور پر جنگ کے دوران اپنی قوم کی حوصلہ افزائی اور دشمن کی اعصاب شکنی کے لیے پراپگنڈہ بہترین ہتھیار ثابت ہوا ہے۔ اس زمانے میں پراپگنڈہ کی ابتداء تو انگریزوں نے کی تھی۔ اس کا اصول یہ تھا کہ اگر کئے کو بھی مارنا مقصود ہو تو پہلے سخت پراپگنڈہ کر دو کہ یہ باور لائے، اس کے بعد اس کو گولی مار دو۔ آج کل اس ہتھیار کا سب سے زیادہ استعمال اشتراکی ممالک خصوصاً روس کے ہاں ہوتا ہے۔ اس پراپگنڈہ کی ابتدا مغرب کی حمایت سے ہوتی ہے۔ لوگوں کے ذہنوں کو مریہ داری کے خلاف تیار کیا جاتا ہے۔ جب لوگوں کے دلوں میں اشتراکیت کے لیے نرم گوشہ پیدا ہو جاتا ہے، تو پھر ہمسایہ ملک پر حملہ کرنے دیا جاتا ہے اور اُسے ہمیشہ کے لیے اشتراکیت کے جنم میں جھڑک دیا جاتا ہے۔ بہر حال کفار مکہ نے بھی اسی ہتھیار کو آزمایا مگر اہل ایمان کے ناقابل شکست ایمان پر اس کا کوئی منفی اثر

پراپگنڈہ بطور
مؤثر ہتھیار

مرتب نہ ہو، بلکہ ان کے ایمان مضبوط سے مضبوط تر ہو گئے۔

الغرض! اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں صحابہ کرامؓ کے ایمان کی پختگی کا ذکر فرمایا ہے۔ الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ وہ لوگ جنہوں نے اللہ اور رسول کا حکم مانا، بَعْدَ مَا اصَابَهُمُ الْقَسْحُ بعد اس کے کہ وہ زخم خوردہ تھے انہیں احد کے مقام پر سخت جانی نقصان اٹھانا پڑا، ہتھیار صحابہ کرامؓ شہید ہو چکے تھے باقیوں میں پیشتر زخمی تھے مگر جب اللہ کے رسول نے منشا لے کر اترنے کے مطابق دشمن کے

تلقاب کا حکم دیا، تو

پچھلے کچے زخمی صحابہؓ نے اس حکم پر دل و جان سے لبیک کہا اور دشمن کے تعاقب میں پہلے چلے گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر صحابہؓ کی مرح بیان فرما کر تمام اہل اسلام کو ترغیب دی ہے۔ کہ وہ بھی اسلام کے اولین جانثاروں کی تقلید میں اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی تعمیل کے لیے ہمیشہ تیار رہیں۔ اللہ نے فرمایا الَّذِينَ احْسَنُوا مِنْهُمْ ان میں سے جن لوگوں نے نیکی کا راستہ اختیار کیا وَاتَّقُوا اور پرہیزگاری اختیار کی اجْزِئْهُمْ ایسے لوگوں کے لیے اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح پہلے نیک لوگوں کو انعامات سے نوازا ہے آئمہ بھی نیکی کرنے والوں کو بلند درجات عطا فرمائے گا۔

ایمان میں
بہانہ

اب اگلی آیت میں دو کسر واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ وہ لوگ کہ جن کو لوگوں نے کہا یہاں پر اناس سے مراد وہی تاجر لوگ جن کا تعلق قبیلہ عبدالقیس سے تھا اور وہ مدینہ کی طرف جا رہے تھے اور انہوں نے مشرکین کے کہنے پر مسلمانوں کے خلاف پراپیگنڈا کیا۔ مفسرین کو کم فرماتے ہیں کہ اس ناس سے مراد جماعت بھی ہو سکتی ہے اور فرد واحد بھی۔ کیونکہ عربی زبان میں اس لفظ کا اطلاق دونوں معانی پر ہوتا ہے۔ چنانچہ فقہانے اصناف بیان کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کہے لَا اَكْلَمُ النَّاسَ وَاللَّهَ یعنی اللہ کی قسم میں ان لوگوں سے کلام نہیں کروں گا۔ اور اس کے بعد وہ شخص اگر کسی ایک آدمی سے بھی کلام کر لے گا تو

حَسْبُنَا اللَّهُ وَفِعْمَ الْوَكِيلِ حصولِ مقصد کے لیے بڑا اچھا وظیفہ ہے۔

صحابہ کرامؓ کی فضیلت کی فضیلت

امام ابو بکرؓ جیسا کہ فرماتے ہیں کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ اور عام اہل ایمان کو یہ بات سمجھائی ہے کہ تم بھی انہی کا طریقہ اختیار کرو۔ ان مجاہدوں کو تکلیف بھی آتی ہے تو جزع جزع نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اللہ کے دین پر مزید جہم جلتے تھے۔ احد کے موقع پر فراسی اجتماع ہی غلطی ہوئی تھی، مگر فتحِ نبوت میں تبدیل ہو گئی۔ انہوں نے اُسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تہنیت سمجھا اور پھر جان فروشی پر مستعد ہو گئے۔ اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر زخم خوردہ صحابہؓ نے دشمن کا آٹھ میل تک تعاقب کیا اور تین دن تک وہاں بٹھرتے۔ اگلے سال ۶۳۰ء میں جب ابوسفیانؓ کے لشکر کی خبر ملی تو حضور علیہ السلام پندرہ سو جانثاروں کے ساتھ بدر کے مقام پر پہنچے وہاں پر آٹھ دن تک انتظار کیا مگر ابوسفیانؓ کو سامنے کی بہت نہ ہوئی۔ یہ غزوہ بدر صغریٰ کہلاتا ہے۔ وہاں پر جنگ تو نہ ہوئی۔ البتہ صحابہؓ نے وہاں کی منڈی میں تجارت کی جس سے کافی نفع حاصل ہوا۔ جسے تمام مجاہدین میں برابر برابر تقسیم کر دیا گیا۔ اسی مالی فائدے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَاَنْقَلِبْهُمْ اِلَيْهِمْ بِمَنْعَةٍ رَّحِمَ اللَّهُ وَفَضَّلَ لِسْ وہ اللہ کا انعام اور فضل ہے کہ وہ اِس لوٹے۔ اس انعام سے تجارتی منافع اور آخری ثواب دونوں مراد ہیں۔ اور فضل سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ خاص مہربانی ہے جو ان کے شامل حال تھی۔ اس کے علاوہ وہ بالکل صحیح سلامت واپس آئے لَكُمْ كَيْفَ مَسَّهْمُ سُوْرَةٍ اور اہل ایمان کو کوئی تکلیف بھی نہ پہنچی اور ان کی خصوصیت یہ ہے وَأَسْبَغُوا بِرِضْوَانِ اللَّهِ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی پیروی کی۔ اللہ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ جب انہوں نے اپنے آپ کو اللہ کی رضا کے تابع کر لیا تو پھر وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ اللہ تعالیٰ بھی بہت بڑے فضل والا ہے۔ اُس نے دنیا میں بھی ان کو غالب کیا۔ اور آخرت میں بھی ان کو

واقف حصہ عطا کرے گا۔
مشرکین کی اس سازش کے متعلق آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا إِنَّمَا ذَلِكُم

الشَّيْطَانُ يَخْوَفُ أَوْلِيَاءَهُ الشَّيْطَانُ ہے جو اپنے دوستوں کو ڈراتا ہے یعنی اس
 جھوٹے پوپا پگنڈا سے شیطان کے اپنے دوست (یعنی کمزور لیان والے اور سائقِ قسم
 لوگ) کو ڈر سکتے ہیں۔ مگر اہل اسلام پر اس کا کچھ اثر نہیں ہو سکتا۔ امام شاہ ولی اللہ نے اسی تغیر
 کو اختیار کیا ہے، دیکھو فتح الرحمن اور امام بیضاوی نے دونوں تفسیروں کو اختیار کیا ہے
 اس کا رد و سزا معنی ایہ بھی ہو سکتا ہے کہ شیطان نے اپنے حواریوں کے ذریعے جھوٹا
 پوپا پگنڈا کہہ دیا تاکہ مسلمان ڈر جائیں۔ اور مشرکین کی اطاعت قبول کر لیں۔ اللہ تعالیٰ

نے مسلمانوں کو فرمایا فَلَا تَخَافُوهُمْ تم ان سے مت ڈرو، ان کے مقابلے میں
 اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا۔ اس کے بجائے وَخَافُونَ ان کو تم سے ڈرنا چاہیے
 اگر تم بچے بچے مومن ہو تو مجھ سے ڈرو کہ کہیں میرے حکم کی خلاف ورزی نہ ہو جائے
 اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں صحابہ کرام کا نمونہ بیان فرمایا کہ ان کے بعد آنے
 والے مسلمانوں کو نصیحت فرمائی ہے۔ کہ تم کو بھی صحابہ کی طرح تکلیف کے باوجود دین
 کی خاطر ہمت تیار رہنا چاہیے اور تمہاری زبان پر بھی حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ
 کے الفاظ ہونے چاہئیں۔ اگر اللہ کی ذات پر بھروسہ کر کے دشمن کے مقابلے میں
 جاؤ گے تو فتح و نصرت تمہارا استقبال کرے گی، جب کوئی انسان اپنے آپ کو
 ہمہ تن اللہ کے سپرد کر دیتا ہے تو پھر فَانْقَلَبُوا کا مصداق بن جاتا ہے اللہ تعالیٰ
 کے انعام اور فضل اس کے شامل حال ہو جاتے ہیں گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کا
 وعدہ گنہ چکا ہے۔ کہ اگر تم ایمان اور اخلاص سے قائم رہو گے تو ہم کافروں کے دلوں میں
 تمہارا رعب ڈال دیں گے۔ مگر انفس کا مقام ہے کہ آج کافروں کے دلوں میں مسلمانوں
 کا رعب باقی نہیں رہا، کیونکہ مسلمان اپنے مرکنہ کو ترک کر چکے ہیں۔ آج ہم امریکہ اور روس
 کے آکر کاربٹے ہوئے ہیں۔ ہم ان کی مادی مدد کے محتاج ہو کر رہ گئے ہیں۔ ہمارا رعب
 ان پر کیسے وار ہو سکتا ہے۔ آج مسلمانوں میں صحابہ کرامؓ والی جانفشانی کا کچھ روال حصہ
 بھی باقی نہیں رہا۔ کیونکہ ہمارا ایمان کمزور ہو چکا ہے۔ اور دنیا صرف ایمان سے ڈرتی
 ہے! الغرض! اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کا نمونہ بیان فرمایا کہ آئندہ آنے والے مسلمانوں
 کے لیے راعی عمل متعین کر دی ہے۔

وَلَا يَحْزَنُكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا يُرِيدُ اللَّهُ أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْآخِرَةِ ۗ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۷۶﴾ إِنَّ الَّذِينَ اسْتَرَوْا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا ۗ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۷۷﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمَلِّ لَهُمْ خَيْرًا لِّأَنفُسِهِمْ ۗ إِنَّمَا نُمَلِّ لَهُمْ لِيُذَاقُوا آثَمًا ۗ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿۱۷۸﴾

ترجمہ :- اور آپ کو وہ لوگ غم میں نہ ڈالیں جو کفر کی طرف دوڑتے ہیں۔ بیشک یہ لوگ اللہ کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے۔ کہ ان کے لیے آخرت میں حصہ نہ بنائے اور ان لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے ﴿۱۷۶﴾ بیشک وہ لوگ جنہوں نے ایمان کے بدلے کفر کو فرمایا، اللہ تعالیٰ کو ہر کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ﴿۱۷۷﴾ اور نہ گمان کریں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ بیشک جو مملکت ہم ان کو دے رہے ہیں، وہ ان کے نفسوں کے لیے بہتر ہے۔ بیشک ہم مملکت دیتے ہیں تاکہ وہ مزید گناہ کرتے ہیں۔ اور ان کے لیے ذلت ناک عذاب ہے ﴿۱۷۸﴾

مشہورہ کے فضائل بیان کرنے کے بعد گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کی فضیلت بیان فرمائی تھی۔ غزوہ احد کے اختتام پر صحابہؓ کے زخموں کے ابھی خون بھی بند نہیں ہوئے تھے کہ وہ اللہ اور رسول کے حکم کی تعمیل میں کفار کے تعاقب میں نکل

کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے اجرِ عظیم کی بشارت سنائی۔ پھر مشرکین نے
 نے مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لیے جو پراپیگنڈا کا ہتھیار استعمال کیا تھا، اہل ایمان
 نے اس کا بھی کوئی اثر قبول نہ کیا، بلکہ اُن کے ایمان مزید مضبوط ہو گئے۔ اُن کی زبان پر
 حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ کے الفاظ تھے، گویا انہوں نے دشمن
 سے خوفزدہ ہونے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسے کا عملی نمونہ پیش کر دیا۔ اس
 کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیوی انعام سے بھی مالا مال کیا اور آخرت میں اُن
 کے لیے واقفِ حصہ مقرر کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے پراپیگنڈا کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا اِنَّكُمْ اِلَيْهِ
 الشَّيْطَانُ يَتَّبِعُهُ لِيُخَلِّقَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنَ الْاَشْيَاءِ يُخَلِّقُهَا لِمَنْ يَشَاءُ
 سَكْتًا ۗ اِنَّكُمْ لَعِنَآ اِنَّكُمْ لَكَاٰفِرُوْنَ
 اس کا ترجمہ یوں کیا ہے ”یہ جو ہوسو شیطان ہے، کہ ڈرا آٹاپنے دوستوں سے“۔ یعنی
 اپنے حواریوں کے ذریعے اہل ایمان کو ڈراتا ہے۔ موجودہ زمانے میں بھی دشمن کو مغلوب
 کرنے کے لیے اس قسم کے ذرائع اختیار کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ آج کی سرد جنگ
 (COLD WAR) اور اعصابی جنگ (NEUROS WAR) اسی قبیل سے ہیں۔ مگر جن
 لوگوں کو خدا کی ذات پر بھروسہ ہے وہ مادی اسباب کو بھی جانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ
 کی صفات سے بھی واقف ہیں۔ انہیں علم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہر چیز پر
 حاوی ہے۔ مومن اللہ کے حکم کے مطابق اسباب کو اختیار کرتے ہیں مگر وہ خوب
 سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بغیر اسباب کے بھی کامیابی عطا کر سکتا ہے۔ بہر حال مخالفین
 کا پراپیگنڈا شیطانی فعل ہے، جس کے ذریعے وہ اہل ایمان کو خوفزدہ کرنا چاہتے ہیں۔
 مگر اہل ایمان پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس لیے اللہ نے فرمایا کہ شیطانی تدابیر سننے
 ڈرو بلکہ محض میری نافرمانی سے ڈرو۔

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے اُن منافقین کا تذکرہ فرمایا ہے۔ جو مشرکین کے
 غلط پراپیگنڈا سے متاثر ہو کر کفر کی طرف بڑھتے ہیں تاکہ اُن کے ساتھ تعلقات

خوگر کے کسی آئندہ مصیبت سے مامون رہیں۔ اللہ نے ایسے لوگوں کی ندمت بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَا يَحْزُنُكَ الَّذِينَ كُفِرُوا عَنِ الْكُفْرِ اے پیغمبر علیہ السلام! وہ لوگ آپ کو غم میں نہ ڈالیں جو کافروں کی طرف دوڑ کر جاتے ہیں تاکہ ان کے ساتھ دوستانہ مراسم قائم کر سکیں۔ فرمایا آپ دین کے معاملہ میں فکر مند نہ ہوں اِنَّهُمْ لَكُنُفُؤٌ وَاللّٰهُ شَهِيدٌ اے لوگ اللہ کو نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ یہاں پر اللہ کو نقصان پہنچانے سے مراد اللہ کے دین کو نقصان پہنچانا ہے۔ اس قسم کا طرز کلام قرآن پاک کی مختلف سورتوں میں آتا ہے۔ جیسے سورۃ حج میں آتا ہے وَكَيْتَبُورُ الْاَللّٰهُ مَنْ يَنْصُرُهُ اَوْر اللّٰهُ تَعَالٰى اِسْ كِي مَدْر كرنے گا، جو اسی مدد کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کی مدد کی کیا ضرورت ہے، وہ تو خود مدد کرنے والا ہے اور ہر چیز سے بے نیاز ہے۔ مگر مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کے دین کی مدد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے گا۔

لفظ لَنْ مستقبل کے لیے نفی تاکیدی کا ہے۔ یعنی یہ لوگ آئندہ زمانہ میں بھی اللہ کے دین اور اہل ایمان کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے بشرطیکہ اہل ایمان اپنے ایمان پر پوری طرح قائم رہیں۔ اس مقام پر تو منافقین کی بات ہو رہی ہے تاہم اللہ تعالیٰ نے یہ اصول بتلا دیا کہ سچے مومنوں کے خلاف یہود، نصاریٰ، مشرکین یا کسی بھی دشمن دین کی سازش کامیاب نہیں ہو سکیگی خصوصاً صلوات اللہ علیہم کے زمانہ مبارک سے لیکر آج تک پیغمبر مسلم مسلمانوں کے خلاف، ہمیشہ سازشیں کرتے رہے ہیں۔ خصوصاً گزشتہ چار صدیوں میں تو اہل اسلام کے خلاف اس قدر طوفان برپا کیا گیا ہے کہ بچائے اجتماعی طور پر مغلوب ہو گئے ہیں۔ تاہم دین اور اہل اسلام کو جس قدر بھی نقصان پہنچا ہے یہ ہماری اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کا نتیجہ ہے۔ اگر مسلمان صراطِ مستقیم پر قائم رہیں تو اللہ کا وعدہ آج بھی موجود ہے کہ تمام حربے استعمال کرنے کے باوجود یہ کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

فرمایا ان کی سازشوں کے صلے میں یَسِيْدُ اللّٰهُ اَلَا يَجْعَلْ لَّهُمْ

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّهُمْ ابْتِغَاءَ لِقَاءِ اللَّهِ تَعَالَى
 نے ایمان والوں کے ساتھ سودا کیا ہے کہ ان کی جان اور مال خرید کر اُس کے بدلے
 میں جنت عطا فرمائی ہے۔ مقصد یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زندگی اور مال جیسی
 قیمتی پونجی عطا کر کے فرمایا کہ اس کے بدلے میں مہنگا سودا یعنی جنت خرید لو اللہ تعالیٰ
 نے انسان کو عقل و فہم کی قوت بخشی، احساس عطا کیے اور بقول امام بیضاوی انسان
 کی ہدایت کے لیے تمام اندرونی اور بیرونی ذرائع مہیا کیے۔ اپنے رسول بھیجے، معلم
 اور مبلغ مقرر کئے تاکہ انسان نیچے کو اختیار کر لے۔ اور پھر اس قیمتی پونجی کے بدلے
 میں جنت جیسی اعلیٰ چیز خریدے۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔ کہ انسانی زندگی ہے
 تو بڑی قیمتی پونجی مگر جلد ختم ہو جانے والی ہے۔ فرماتے ہیں۔

عمر برفت ست و آفتاب تموز
 اندکے نماند بو خواہم غم غم ہونو

انسان کی عمر کی مثال برف کی ٹلی جیسی ہے اور اُدھر بھادوں کا سورج بھی نکلا ہوا ہے
 جب کہ سورج کی تپش اپنے سورج پر ہوتی ہے۔ ایسے وقت میں برف جلدی جلدی پگھل
 جاتی ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ برف یعنی عمر کھڑوڑی رہ گئی ہے۔ اور صاحب دھوکے
 میں پڑے ہوئے ہیں۔ اس پونجی سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا ہے ہیں۔ اس قیمتی
 پونجی کے بدلے ایمان خریدو جو کہ تمہارے لیے فلح و فلاح کا سامان ہو گا۔

مسند احمد، ترمذی اور دارمی میں حضرت صدیق اکبرؓ سے مروی ہے۔ کہ حضور
 نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا گیا، حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نسا آدمی
 بہتر ہے۔ فرمایا صَ طَال عُمْرُهُ وَحَسَنَ عَمَلُهُ جس کی عمر دراز ہو اور اعمال
 اچھے ہوں۔ آپسے پھر پوچھا گیا، حضور! (صلی اللہ علیہ وسلم) بڑا انسان کون ہے۔
 فرمایا صَ طَال عُمْرُهُ وَكَسَا عَمَلُهُ، جس کی عمر زیادہ ہو مگر اعمال بُرے
 رہوں۔ انسان کی عمر، احساس، تندرستی قیمتی پونجی تھی مگر اُس نے اس سے برائی خریدی
 فرمایا اس برائی کا وبال انہی پر ہو گا۔ وہ ان قبیح عمارتوں کو دیکھو واللہ شکیلاً

امتحان کا وقت آئیگا تو پھر تم سے منٹ لوں گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی فرماتے ہیں کہ تمہیں جو ڈھیل دی جا رہی ہے یہ تمہارے فائدے کے لیے نہیں اٹھا نَصَلِيْ لَهُمْ لِيَخِيْ دَاوُدُ وَاٰثِمًا بَلْكَرَ اس واسطے کہ تم مزید گناہ میں مبتلا ہو جاؤ۔ اور پھر جب میری پکڑ آئیگی تو تم ذلیل و خوار ہو کر رہ جاؤ گے۔ سورۃ الرحمن میں جنوں اور انسانوں سب کو مخاطب کر کے فرمایا سَتَفْرَحُ بِكُمْ آيَةُ الثَّقَلَيْنِ اہم تمہاری خبر لینے کے لیے عنقریب فارغ ہوا چاہتے ہیں۔ تمہارے کئے کی سزا تمہیں مل کہہ رہیگی۔ یہاں بھی یہی چیز سمجھانی جا رہی ہے۔ کہ زندگی کی قیمتی پونجی کو اچھی تجارت میں لگا کر اس سے آخرت کا سامان خرید لو۔ اس عمر کو عنینت جانو۔ صحت سے فائدہ اٹھاؤ مال کو اچھے مصروف میں لگاؤ۔ اگر اس پونجی سے فائدہ نہ اٹھایا تو یاد رکھو! وَكَلِّمُوا كَذٰبًا مَّرْهٰنًا ایسے لوگوں کے لیے ذلت ناک عذاب بھی تیار ہے۔ وہ بچ نہیں سکیں گے۔

لَنْ تَتَّالُوا ۲

درس شخصیت دو ۶۲

الِ عِمْرَانَ ۳

آیت ۱۴۹

مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ
عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۗ وَمَا
كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي
مَنْ يُرِيدُ مَنْ يَشَاءُ ۗ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ ۗ
وَإِنْ تَوَلَّوْا فَسَوْفَ يَكْفُرُ اللَّهُ بِكُمْ ۗ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿١٤٩﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ تمہارے لئے جو تمہاری حالت میں چھوڑ دے جس پر تم ہو، یہاں تک کہ تمہارے لئے نبی کا کوئی ایک سے۔ اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ تم کو خبیث پر مطلع کرے۔ مگر اللہ منتخب فرماتا ہے جس کو چاہے اپنے رسولوں میں سے۔ پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور اگر تم ایمان لاؤ گے اور سچے رہو گے،

پس تمہارے لیے بہت بڑا اجر ہے ﴿۱۴۹﴾

ربطائیات گذشتہ درس میں نافرمان لوگوں کی مالی آسودگی اور ان کو اللہ کی طرف سے مہلت دینے کا تذکرہ تھا۔ اللہ کریم نے فرمایا کہ اگر ایسے لوگوں کو دنیا کی نعمتیں حاصل ہو جائیں، لمبی عمر مل جائے اور وہ کفر، شرک اور جہالت کا ارتکاب کرتے رہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اللہ کے محبوب بن گئے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات اللہ تعالیٰ اس لیے مہلت دیتا ہے تاکہ وہ معصیت میں دوڑنا چلے جائیں، اور پھر اس کی انتہا یہ ہوگی کہ وہ عذابِ مہین کا شکار ہو جائیں گے۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے متعلق فرمایا کہ اگر انہیں کسی وقت تکلیف آجائے وہ مصیبت کا شکار ہو جائیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اللہ کے مقبول بندے نہیں ہیں، بلکہ خداوند تعالیٰ کی نگاہ میں ان کی بڑی قدر و منزلت ہے اور وقتی

تکلیف محض اُن کا امتحان ہے۔

شکست کی
تکوینی حکمت

پہلے بیان ہو چکا ہے۔ کہ غزوہ احد میں مسلمانوں کی شکست کی وجہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی نہ تھی، بلکہ اس کی بہت سی حکمتیں تھیں، جن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کے دلوں کا امتحان لینا چاہتا تھا اور اُن کے اخلاص کو ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ وَلِيْمُحِصَّ مَا فِي قُلُوْبِكُمْ کے الفاظ پہلے آچکے ہیں۔

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو نقصان پہنچنے کی تکوینی حکمت بیان فرمائی ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلص مومنوں اور منافقوں کے درمیان واضح امتیاز پیدا کرنا چاہتا ہے، تاکہ پتہ چل جائے کہ کون خالص مومن ہیں اور کون منافق، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ یکے کے مسلمان منافقین کی سازشوں سے اپنا دفاع کر سکیں گے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے مَا كَانَ اللَّهُ لِيُنزِلَ الْكُفْرَ مِنْ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے۔ کہ مومنوں کو اس حالت پر چھوڑ دے جس پر تم ہو۔ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ یہاں تک کہ ناپاک کو پاک سے ملغزہ کر دے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ پسند نہیں ہے۔ کہ خالص مومن اور منافق آپس میں ملے جلے بلا امتیاز چلتے رہیں۔ جو لوگ ایماندار ہیں اور اپنی فکر، ذہن اور عمل کے لحاظ سے پاک ہیں۔ وہ فکری، ذہنی اور عملی لحاظ سے ناپاک لوگوں کے ساتھ یکے لکھے رہ سکتے ہیں۔ انہیں تو بہر حال میسر ہونا چاہیے۔ بد عقیدتی، کفر اور شرک گندگی ہے۔ قرآن پاک نے صاف فرمایا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ جِثْسٌ مِّثْرُكٌ بلاشبہ پلید ہیں۔ اللہ نے منافق کو بھی ناپاک فرمایا ہے۔ مگر مومن کی شان یہ ہے۔ کہ وہ جنابت میں بھی ناپاک نہیں ہوتا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ الْمُؤْمِنُونَ لَا يَجْسُ مِثْرُكٌ مومن کبھی نجس نہیں ہوتا، اسی روح ہمیشہ پاک رہتی ہے وقتی طور پر اس کا جسم ناپاک ہو جاتا ہے، اُس کے لیے غسل فرض ہو جاتا ہے، مگر ایسی حالت میں بھی وہ دوسرے شخص کو سلام کر سکتا ہے۔ اس سے مصافحہ کر سکتا ہے۔ لوگوں سے میل ملاپ کر سکتا ہے، اللہ کا ذکر کر سکتا ہے جس

روح میں ایمان اور توحید بھری ہوئی ہے، وہ ہاپاک نہیں ہوتی۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کی یہ
تجویزی حکمت ہے کہ وہ مخلصین کو منافقین سے الگ کر دے۔

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کیا یہ ضروری تھا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو شکست

دے کر ہی منافقوں کو ممتاز کرے، وہ مالک الملک ہے۔ وحی کے ذریعے بھی منافقوں

کی نشاندہی کرنے پر قادر تھا۔ بعض دیگر مواقع پر اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے ہی

بتلایا کہ فلاں فلاں شخص منافق ہے۔ سورۃ توبہ میں اس کی مثال موجود ہے اولاد بروا

اِنَّهُمْ يَفْتِنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مِّمَّةً اَوْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ
رسوئی ہوتی ہے۔ جس سے پتہ چل جاتا ہے کہ کون کون منافق ہے بعض منافقین

کے متعلق صریح آیات بھی نازل ہوتی ہیں۔ مگر یہ لوگ بھر بھی نہ اپنے نفاق کا اقرار

کرتے ہیں اور نہ توبہ کرتے ہیں۔ اگر غزوہ احد کے موقع پر ان کو محض وحی کے

ذریعے علحدہ کیا جاتا تو یہ لوگ اعتراض کر سکتے تھے کہ ہم تو بچے مسلمان ہیں، ہمیں

کیوں جدا کیا گیا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے وحی کی بجائے مومنوں کو بالفعل مشاہدہ

کرا دیا۔ کہ دیکھ لو یہ لوگ منافق ہیں۔ ان میں سے تین سو کے قریب تو راستے ہی سے

عبداللہ بن ابی کی معیت میں واپس چلے گئے، اور جو جنگ میں شریک بھی ہوئے

انہوں نے ہنر کی بعض ایسی باتیں کہیں جس سے ان کا نفاق ظاہر ہو گیا۔ بہر حال اللہ

نے فرمایا کہ وہ اب عذر نہیں کر سکیں گے کہ انہیں بلا وجہ جدا کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ

نے منافقوں کو اہل ایمان سے جدا کرنے کی تجویزی حکمت بیان فرمادی۔

غیب کی
شہرہ

آگے دوسری بات اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ

عَلَى الْغَيْبِ اللہ تعالیٰ ایسا بھی نہیں ہے کہ ہر ایماندار کو غیب پر مطلع کر دے۔

یعنی اللہ پر یہ لازم نہیں ہے کہ ہر ایک کو دروہ کے حال سے واقف کر دے۔

کہ فلاں مومن یا فلاں منافق ہے۔ فلاں توحید پرست ہے اور فلاں مشرک ہے

اس کے بجائے وَلَٰكِنَّ اللَّهَ لَيَجْتَبِيْ مِنْ تَرْتِيْلِهِ مَنْ يَّشَاءُ اللہ تعالیٰ اپنے

رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے۔ بلاشبہ رسول اللہ کے

منتخب لوگ ہوتے ہیں ” اِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفٰۤیْنَ الْاٰخِیَارِۙ یَعْنٰی
 ہوئے لوگ ہوتے ہیں جن کے اندر اللہ تعالیٰ خاص صلاحیت اور استعداد رکھتا ہے
 اور پھر ان کو غیب کی بات بتلاتا ہے۔ اور اس میں کسی دوسرے کو دخل نہیں ہونے
 دیتا۔ جب وحی آتا ہے تو فرشتوں کا پہرا لگ جاتا ہے۔ سورۃ جن میں موجود ہے
 فَاِنَّهٗ یَسْئَلُكَ مِنْ اَبۡیۡنِ سِیۡدَیۡکَ وَمِنْ خَلْفِہٖ رَصَدًاۙ تُوۡرِدُوۡلِہٖۙ وَحٰیۙ
 وقت اللہ تعالیٰ آگے پیچھے پہرہ لگا دیتا ہے۔ اور مطلوبہ چیز براہ راست
 نبی کے قلب پر وارد ہوتی ہے۔ اور یہ وحی انبارِ غیب یعنی غیب کی خبریں جاتی
 ہے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا اِنَّہٗۙ مِنْ اَنْۢبِیَآءِ الْغٰیۡبِۙ تُوۡحِیۡہٗۙ اِلَیۡکَ
 یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ اسی طرح نبوی علیہ السلام
 کے واقعات کے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی کی اور ان کو نبوت عطا کی
 مگر اے پیغمبر! آپ خود تو وہاں موجود نہیں تھے۔ یہ سب خبریں ہم نے آپ کو
 وحی کے ذریعے بتائیں۔ یہ چیزیں اخبارِ غیب کہلاتی ہیں

غیب کا مفہوم

غیب کا معنی مخفی اور پوشیدہ ہے۔ عربی زبان میں پست جگہ کو بھی غیب
 کہتے ہیں۔ گھر کے اندر جو دبا ہوا حصہ ہوتا ہے اس کو بھی غیب کہتے ہیں۔
 علامہ میضائی نے غیب کا مفہوم یہ بھی بیان کیا ہے صَالَ لَا یُدْرِکُہُ الْحِسُّ
 ایسی چیز جسے حواس کے ذریعے معلوم نہ کیا جاسکے، حواس ظاہرہ ہوں یا باطنہ
 لَا تَقْتَضِیۡہٗۙ بِدَاہِۃِ الْعَقْلِۙ وَہَاۤیۡنَ تَمَّ عَقْلُۙ کِیۡ رَسَالِیۡہٗۙ نَبِیِّہٖۙ۔ جو چیز عقل
 اور حواس کے ذریعے معلوم ہوگی، وہ غیب نہیں ہوگی بلکہ اخبارِ غیب بن جائیگی۔
 غرض غیب وہ چیز ہے جو نہ حواس سے معلوم ہو سکے اور نہ عقل کا وہاں تک
 اور راک ہو۔

غیر خاص
 خداوندی ہے

غیب اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کے دو حصے
 ہیں۔ پہلا یہ کہ غیب لذاتہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا ذاتی ہے۔ کسی کا عطا کردہ
 نہیں۔ اس کے علاوہ مخلوق کے پاس جس قدر علم ہے وہ سب اللہ کا دیا ہوا

ہے کسی فرد کے پاس ذاتی علم غیب نہیں ہے۔ یہ تو یہ جاسا مسئلہ ہے کہ مخلوق میں سے کسی کی ذات اور ہستی بھی اس کی ذاتی نہیں بلکہ عطائی ہے تو علم جو صفت ہے وہ کیسے ذاتی ہو سکتا ہے۔ جب کہ ہر صفت بشمول علم اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ علم محیط بھی اللہ کی ذات کے ساتھ مختص ہے۔ اس کے سوا کسی کا علم، علم محیط نہیں۔ قرآن پاک میں بار بار آیا ہے۔ "وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ" یعنی اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے۔ نیز "وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ" ازل سے لے کر اب تک کے ذرہ ذرہ کا احاطہ صرف خدا تعالیٰ کی ذات کو ہے۔ اس کے علاوہ نہ کسی کو ذاتی علم ہے اور نہ وہ ہر چیز پر محیط ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے سب سے زیادہ علم انبیاء علیہم السلام کو عطا کرتا ہے۔ اور پھر تمام انبیاء میں سے سب سے زیادہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا ہے۔ لیکن آپ کا علم بھی نہ ذاتی ہے اور نہ محیط ہے۔ آج کے دور میں تو کہا جاتا ہے کہ نبی علیہ السلام ذرے ذرے کا علم جانتے ہیں۔ اہل بدعت نے اس آیت کو غلط معنی پہنائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نبی کو علم غیب عطا کر دیتا ہے۔ یہ عقیدہ کتاب، سنت اور اجماع امت کے خلاف ہے لہذا باطل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کُلِّ علم کسی کو نہیں دیا۔ قرآن پاک میں بیسیوں آیات ہیں جو اس مسئلہ کو واضح کرتی ہیں۔ قرآن پاک نے تو صاف لہ دیا ہے "وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا نَسِيءٌ يَذَّابُنِي" کہ نہ شعر و شاعری سکھائی ہے اور نہ یہ اس کی شان کے شایان ہے شاعری کتنا بڑا فن ہے۔ دنیا میں اس کی لاکھوں کتابیں موجود ہیں مگر یہ چیز نبی کو نہیں سکھائی گئی۔ دنیا میں کتنے علوم ہیں جن سے شریعت نے منع فرمایا ہے جیسے جادو، کمانت، شتر وغیرہ۔ کیا ہم ہر علم کو نبی کی ذات میں جمع کریں گے۔ نبی علیہ السلام نے تو خود دعا کی "اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُنِي" اے اللہ! میں بغیر نفع بخش یعنی مضر علم سے تیری پناہ چاہتا ہوں، وہ مجھے نہ دیا جائے۔ تو ایسی صورت میں نبی علیہ السلام کے لیے علم محیط کیسے تسلیم کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ انبیار کو وہ علم دیتا ہے جس سے اُس کے دین، شریعت اور انسانوں کی تکمیل مقصود ہوتی ہے۔ ہر ہر بات کا علم نہ نبی کے لیے ضروری ہے اور نہ اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے۔ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ نبی اکرم صابن بنانا نہیں جانتے تھے یا وہ مشین فرٹ نہیں کر سکتے تھے تو یہ ہیودہ اعتراض ہوگا۔ جس علم کی نبی کو ضرورت تھی اللہ نے پورا پورا دے دیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرما دیا **أَلَيْسَ أَمَّا كَلَّمْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَقَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي** آج میں نے تمہارا دین مہکل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔ اہل بدعت نے انبیار کے لیے علم غیب اور علم محیط ثابت کرنے میں لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔ وہ بھی مجبور ہیں جب تک انبیار کے لیے علم غیب ثابت نہیں ہوگا، یہ سلسلہ اولیا اور پیروں تک کیسے پہنچے گا۔ یہ عیسائیوں والا عقیدہ ہے جو مسلمانوں میں بھی عود کر آیا ہے قرآن نے تو صاف فرما دیا **قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ** اللہ کے سوا ارض و سما میں کوئی ذات نہیں جو غیب جانتی ہو

تفسیر مارک والے امام عبد اللہ نسفی مسطورین صدی ہجری میں حنفی امام گمراہے ہیں۔ آپ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ قرآن کریم کی یہ آیت فرقہ باطنیہ کے خلاف نص ہے۔ جو واضح کرتی ہے۔ کہ اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا اور نبی کے سوا کوئی معصوم نہیں۔ فرقہ باطنیہ والے حسن ابن صباح کے پیروکاروں میں سے ہیں۔ آغا خانی بھی انہی کی ایک شاخ ہے۔ شاہ عبد العزیز نے رافضیوں اور شیعوں کے اڑتالیس اقسام بیان کیے ہیں جن میں سے بعض گمراہ ہیں اور بعض قطعی طور پر کافر۔ ان باطنیہ فرقے والوں کا عقیدہ ہے کہ ان کے امام معصوم بھی ہوتے ہیں اور غیب دان بھی۔ تو امام عبد اللہ نسفی نے اسی بات کی تردید کی ہے۔ ان کا دوسرا عقیدہ یہ بھی ہے کہ وہ میلون مایشاء وون و یحدمون مایشاء وون ان کے امام جس چیز کو چاہیں حلال قرار دے دیں اور جس کو چاہیں حرام کر دیں۔ یہ بھی باطل عقیدہ ہے۔ کبھی چیز کی حلت و حرمت صرف

معصوم صرف
نبی ہوتا ہے

اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ یہ اختیار نبی کو بھی حاصل نہیں۔ وہ بھی اللہ کے حکم کے مطابق حلال و حرام اشیا کی وضاحت کرتا ہے، نہ کہ حلت و حرمت کا اختیار خود رکھتا ہے جب نبی کو یہ اختیار حاصل نہیں تو اماموں کو کیسے حاصل ہو گیا۔

بہر حال امام بیضاویؒ آیت وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے منتخب رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے بعض الغیوب یعنی غیب کی بعض باتیں بتلا دیتا ہے۔ اور یہ بعض بہت ہے۔ کل نہیں ہوتا۔ تقریباً ہی جملہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ غیب کی بعض خبریں اپنے انبیاء کو وحی کے ذریعے بتا دیتا ہے۔ جتنی ضرورت ہوتی ہے، اس سے مطلع کر دیتا ہے سَمِعَ مَا نَدَىٰ عَالَمِ يَوْمَئِذٍ یا علم محیط صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہی ہے فرمایا فَأَمَّا سُوْرَةُ اللَّهِ وَرُسُلِهِ تمہارا فرض ہے کہ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔ کیونکہ اسی میں تمہاری فلاح ہے وَلَا تَقْوُصُوا اور اگر کما حقہ ایمان لاؤ گے وَتَتَّقُوا اور تقویٰ کی راہ اختیار کرو گے۔ کھڑا شرک، بدعت، معاصی اور ذنوب سے بچتے رہو گے۔ اللہ کی مقرر کردہ حدوں کی حفاظت کرو گے فَلَكُمْ جَزَاءٌ عَظِيمٌ تو تمہارے لیے بہت بڑا اجر ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی کتاب الطواف القدس میں فرماتے ہیں کہ تقویٰ "محافظة بر حدود شرع" کا نام ہے۔ شریعت کی حدود میں بہتے ہوئے حلال و حرام کا امتیاز نہ کرنا، صحیح اور غلط میں فرق نہ کرنا ہی تقویٰ کہلاتا ہے۔ جو شخص تقویٰ کے معیار پر پورا اترتا، اللہ تعالیٰ نے اُس کے لیے بہت بڑے انعام کا وعدہ فرمایا ہے۔

ابن عظیم

لَنْ تَنَالُوا

الْعَمَلان ۳

درس شصت و سومہ ۶۳

آیت ۱۸۰

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخُلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاللَّهُ مِيرَاثُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ①

ترجمہ ہے: پورا نہ خیال کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اُس چیز پر جو اللہ نے ان کو دی ہے اپنے فضل سے کہ وہ ان کے لیے بہتر ہے، بلکہ وہ ان کے لیے بُری ہے۔ ان کے گلے میں وہ چیز طوق بنا کر ڈالی جائیگی جس کے ساتھ انہوں نے بخل کیا قیامت کے دن۔ اور اللہ ہی کے لیے ہے وراثت آسمانوں کی اور زمین کی۔ اور جو کچھ وہ کام کرتے ہیں اللہ اسکی خبر رکھتا ہے ①

اس سورۃ کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کا ذکر فرمایا، اور ان کے فاسد عقیدے کو بیان کیا۔ یہاں بچہ زیادہ تر تذکرہ نصاریٰ کا ہے۔ مگر مختصر یہودیوں کا بھی کچھ بیان آیا ہے۔ اُس کے بعد جنگ احد سے متعلق بہت کچھ آچکا ہے۔ درمیان میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی باتیں سمجھائی ہیں اور آخر میں خیریت اور طیب کے اُمیاد کا ذکر کیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اچھے اور بُرے عقیدے میں امتیاز پیدا کر کے چھوڑے گا اور واضح ہو جائیگا کہ سچے مومن کون ہیں، اور گندے عقیدے والے منافق کون ہیں۔ اس طرح مالک ذوالجلال نے غزوہ احد میں شکست کی تجویزِ جہت بھی بیان فرمادی۔

اللہ تعالیٰ کے دین کی تقویت کے لیے جہاد بہت بڑا عمل ہے جس

کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو انسان بذاتِ خود جہاد میں شریک ہو کر جسم و جان کی بازی لگا دیتا ہے۔ یا پھر مال خرچ کر کے مجاہدین کے لیے سامان پیدا کرتا ہے۔ مگر مشیتِ دروس میں ان منافقین کا ذکر آچکا ہے۔ جنہوں نے اپنی جان بچانے کی خاطر مختلف جیلوں بہانوں سے جہاد میں حصہ لینے سے اعراض کیا۔ اب آج کے درس میں ان بخیل لوگوں کا تذکرہ ہے جو ضرورت کے وقت خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ انفاق فی سبیل اللہ کا حکم سورۃ بقرہ میں بھی آچکا ہے۔ وَأَلْفَقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تَقْتُلُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ اللہ کے راستے میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بخل کرنے والوں کی مذمت بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ بِمَا أَتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بخل لوگ بخل کر کے دینہ گان کہیں کہ جو کچھ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا ہے، وہ ان کے لیے بہتر ہے۔ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ بلکہ وہ تو ان کے لیے بُرا ہے۔

اس آیت کی سی میں بِمَا أَتَاهُمُ اللَّهُ کے الفاظ خاص طور پر قابلِ غور ہیں۔ اللہ کریم النان کو یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ جس مال کے خرچ کا اُس سے تقاضا کیا جا رہا ہے۔ وہ اُس کا ذاتی نہیں بلکہ اللہ ہی کا عطا کردہ ہے۔ انسان کا تو جسم اور قہری بھی ذاتی نہیں ہیں چہ جائیکہ مال ذاتی ہو۔ اللہ تعالیٰ مختلف لوگوں کو مختلف ذرائع سے مال مہیا کر دیتا ہے اور انسان یہ سمجھتا ہے۔ کہ یہ اُس کے عقل و بہنر کا مہربونِ منت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی اسباب پیدا کر کے مال دیا ہے۔ اور پھر اس میں سے اپنے راستے میں خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے مگر کجخوس آدمی سمجھتا ہے۔ کہ کجخوس ہی اس کے حق میں بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایسا ہرگز نہیں۔ بلکہ بخل ان کے حق میں بہت بُری چیز ہے۔

بخل کی بیماری ایسی دہلک بیماری ہے جس کی وجہ سے انسان نہ صرف شیروں سے محروم ہو جاتا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کر کے ہلاکت میں پڑ جاتا

بخل کی بیماری

ہے۔ سخیل کی وجہ سے انسان فرائض بھی ادا نہیں کر سکتا۔ مثال کے طور پر جو شخص اپنے مال سے اللہ کی فرض کردہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتا۔ وہ مسنون اور محتب صدقہ و خیرات کب کرے گا۔ اسی لیے سخیل کو بدترین اخلاقی بیماری کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

مَنْ يُؤْتِكُمْ شَيْئًا تَنْفُسِهِ فَاُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ جس شخص کو اس کے نفس کے سخیل سے بچا لیا گیا، یقین جانو وہ کامیاب ہو گیا۔ انسان کا مزاج تو ویسے ہی مال کی محبت میں ڈوبا ہوا ہے "اِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ" انسان مال کی شدید محبت میں گرفتار ہے ہر طریقے سے مال حاصل کرتا چاہتا ہے اور پھر خرچ کرنے میں سخیل کھرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو صلح کے باب میں بھی فرمایا ہے "وَأَحْضَرْتِ إِلَّا نَفْسُ الشَّيْطَانِ" یعنی مال خرچ کر کے بھی صلح کر لینی چاہیے نفسوں کے پاس سخیل حاضر ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ خرچ کرنے سے روک جاتے ہیں۔

حضور علیہ السلام کے سامنے عرض کیا گیا، یا حضرت! فلاں شخص میں سخیل کی بیماری پائی جاتی ہے فرمایا اَلْحَىٰ ذَاؤِ اَدْوَمِ مِّنَ اَلْبَحْلِ سخیل سے بڑھ کر بدی بیماری کونسی ہو سکتی ہے۔ اگلی آیت میں یہودیوں کی اس بیماری کا ذکر بھی آیا ہے۔ قرآن پاک نے یہودیوں کی خرابیوں میں سخیل کو بھی شامل کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے مطلقاً سخیل سے منع فرمایا ہے۔ یہ بدترین بیماری ہے۔

نسائی شریف کی روایت میں آتا ہے لَا يَجْتَمِعُ الشَّيْطَانُ وَالْإِيمَانُ فِي قَلْبٍ عَبْدٍ أَبَدًا یعنی کسی مومن بندے کے دل میں سخیل اور ایمان جمع نہیں ہو سکتے۔ جو سچا مومن ہو گا، وہ سخیل نہیں ہو سکتا۔ اگر سخیل ہے تو ناقص الایمان ہے اسے اپنے ایمان کی اصلاح کرنا ہوگی۔

جس طرح مال اللہ کا فضل ہے۔ اسی طرح علم کو بھی اللہ کا فضل کہا گیا ہے سخیل فی اور سخیل نہ مال میں روا ہے اور نہ علم میں، جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے علم جیسی دولت عطا فرمائی ہے اور وہ اس کو آگے نہیں اپنیچاتا، سخیل کھرتا ہے۔ تو حضور علیہ السلام نے

یہ شخص کی خدمت بیان فرمائی ہے۔ مَن سُبِّلَ عَلِمًا فَكْتَحَهُ الْجَمُّ بِلِجَاوٍ مِنْ نَارٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ یعنی جس شخص سے کوئی علم کی بات پوچھی گئی جسے وہ جانتا تھا تو اس نے وہ بات چھپا دی، فرمایا قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام ڈالی جائیگی۔ سائل علم کا محتاج تھا مگر صاحب علم نے اس کی ضرورت کو پورا نہ کیا، لہذا اس نے بخل کیا۔ اس لحاظ سے علم کا بخل مال کے بخل سے بھی بُرا ہے۔ سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْكِتَابِ وَالْهُدَىٰ.....

جو لوگ ہماری نازل کردہ واضح باتوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں، فرمایا أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ الْعَوْنُ ایسے لوگو! اللہ بھی لعنت کرتا ہے اور دوسرے لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔ یہ ملعون لوگ ہیں اسی لیے بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت کے پیش نظر مسلمانوں پر بہت بڑی ذمہ داری آتی ہے۔ مسلمان حامل قرآن ہیں مگر اس وقت حالت یہ ہے کہ دنیا کی پانچ ارب کی آبادی میں سے سو اچار ارب اس نعمت سے محروم ہیں۔ انہیں قرآنی ہدایت کی ضرورت ہے۔ اور اگر قرآن کا علم ان تک نہ پہنچے اور وہ کھڑے کھڑے اور معاصی میں مبتلا رہیں تو اسکے ذمہ دار مسلمان ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قرآن جیسی عظیم نعمت دی جسے انہوں نے چھپائے رکھا اور ضرورت مند تک آگے نہیں پہنچایا۔ قرآن پاک کی طرح سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی بہت بڑی نعمت ہے مگر اس کو بھی مستحقین تک نہیں پہنچایا جا رہا ہے۔ یہ بھی حق بات کو چھپانے کی صیغہ وَنَعَنْ سَبِيلَ اللَّهِ کے مترادف ہے اللہ کے راستے سے روکنے والی بات ہے۔ لہذا اہل اسلام کی ذمہ داری ہے۔ کہ وہ دین اسلام کے علم کو دوسروں تک پہنچائیں۔ نہ خود بلانی کا ارتکاب کریں اور نہ دوسروں کو کرنے دیں۔ یہ سب کچھ فضل میں شامل ہے۔

فضل کے لفظ میں اور بھی بہت سی چیزیں آتی ہیں۔ مثلاً سورۃ فتح میں نبی علیہ السلام کے صحابہؓ کی طرح میں آتا ہے۔ يُبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرَضُوا أَنَّهُ اللَّهُ كَا فَضْلٍ أَوْ رَضُوا أَنَّهُ اللَّهُ كَا فَضْلٍ أَوْ رَضُوا أَنَّهُ اللَّهُ كَا فَضْلٍ

فضل اور رضوان تلاش کرتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ رضوان سے

سرد اللہ تعالیٰ کا تقرب اور خوشنودی ہے۔ اور فضل میں ارتفاق، معاش پایا جاتا ہے۔ جس شخص کو جائزہ ذرائع سے رزقِ حلال میسر آ رہا ہے یہ خدا کا فضل اور ارتفاق ہے۔ دوسرے فرائض کے بعد کسبِ رزقِ حلال بھی انسان کے لیے فرض ہے اگر اللہ نے یہ نعمت عطا کی ہے۔ تو اس کے خرچ کرنے میں سخی نہ کرو، کیونکہ جس ذاتِ باری تعالیٰ نے یہ عطا کیا ہے، وہ چھین بھی سکتا ہے۔ ہم نے اپنی زندگی میں کتنے مشاہدات کیے ہیں۔ کہ بڑے بڑے امیر کبیر اور دولت مند چند دلوں میں تلاش ہو گئے۔ لہذا مال کے ساتھ حد درجہ کی محبت نہیں کرنی چاہیے بلکہ اپنے ہاتھ سے خرچ کر دینا چاہیے۔

مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے یا بن آدم ان تبذل الفضل حین لک اے آدم کے بیٹے! اگر تمہارے پاس ضرورت سے زیادہ مال ہے تو اسے خرچ کر دو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے و ان تمسک شراکے اور اگر روک رکھو گے تو یہ تمہارے لیے بُرا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر تم نے مال کے فرائض ادا نہیں کیے تو جہنم لازم آئیگی اور اگر فرائض ادا کر لیے ہیں۔ پھر بھی فضیلت سے محروم رہو گے۔ اس میں شرکاکوئی نہ کوئی درجہ ضرور پایا جائے گا۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی دعائیں فرمایا کرتے تھے اللہم اجعل رزق الی محمد قوتاً لے اللہ! آلِ محمد کی روزی بس اتنی کرے جس سے گذر اوقات ہو جائے اس سے زائد کی ضرورت نہیں ہے۔ کہ کہیں شر میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

اخلاق کا
بگاڑ

حجۃ اللہ البالغہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی عظیم کتاب ہے۔ گذشتہ بارہ صدیوں میں اسلام کی تائید و خدمت میں ایسی کتاب نہیں ملتی، یہ کتاب ہمارے درسوں میں پڑھائی جاتی ہے۔ آپ کی دوسری معرکہ آرا کتاب اذالۃ المتفان عن خلافت الخلفاء ہے۔ اس میں خلیفائے اربعہ کی سوانح حیات اور ان کا نظام حکومت مذکور ہے شاہ صاحب ان دونوں کتابوں میں فرماتے ہیں کہ دنیا میں اخلاق کا بگاڑ پیدا کرنے

والی دو چیزیں ہیں ایک اسپرٹیزم جسے تہذیبیت یا ملوکیت کہا جاتا ہے اور دوسری سرمایہ داری۔ انبیاء علیہم السلام ایسی ہی چیزوں کی اصلاح کے لیے تشریف لاتے رہے ملوکیت میں من مانی کاروائیاں کی جاتی ہیں، کھسی کے حقوق کا خیال نہیں کیا جاتا جس کی وجہ سے اخلاق میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ اور سرمایہ داری میں بھی انسان حلال و حرام کی تمیز کے بغیر مال اکٹھا کرنے کی فکریں لگا رہتا ہے، جس سے دو سر لوگوں کے حقوق ضائع ہوتے ہیں، لہذا یہ دونوں چیزیں انسانی اخلاق کے بگاڑ کا موجب ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ فجر میں فرمایا وَتَجِدُونَ أَمْوَالَكُمْ حَبَابًا مُّثْمَرًا جِئْتُمْ بِهَا كَرۡهًا وَكُرۡهًا مِمَّا كَرِهْتُمْ لَئِن كُنْتُمْ تُحِبُّونَ الْبَاطِلَ وَتُبْغِضُونَ الْبِرَّ لَوۡ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ الْبِرَّ لَوۡ كُنْتُمْ تَكۡفُرُونَ

ہاں سے مجرت کرتے ہو، غزباہ مساکین کا خیال نہیں رکھتے یتیموں کی سرپرستی نہیں کرتے، لہذا ذلت کا شکار ہو کر رہو گے۔ ہم مشرقی ممالک کے باشندے سرمایہ داری کا شکار ہیں۔ برخلاف اس کے بعض ممالک میں اشتراکی نظام رائج ہے۔ یہ سب نظام خدا اور اس کے دین سے انکار پر مبنی ہیں اس لیے ملعون ہی ہاں! اسلامی نظام ہی وہ نظام ہے جسے بنیاد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور آخرت کے مواخذہ پر رکھی گئی ہے۔ لہذا اس میں حق تلفی کی بجائے حق رسی ہوتی ہے۔ ذرائع آمدنی پر کنٹرول کر کے حلت و حرمت کو واضح کیا جاتا ہے۔ سرمایہ داری کی حوصلہ افزائی کی بجائے اس کی اصلاح کی جاتی ہے۔ رزق حلال کمانے کی ترغیب دہی جاتی ہے اسی لیے شاہ صائب فرماتے ہیں کہ اسلام نے باطل نظاموں کو ختم کر کے اپنا اعلیٰ و ارفع نظام قائم کیا ہے۔ جب مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے اقتدار دیا تو انہوں نے قیصر و کسری کے غلط نظاموں کو یکدم تبدیل کر دیا اور دنیا میں ایک صالح نظام قائم کیا، خلافت راشدہ کا نظام دنیا میں مثالی نظام تھا، مگر آج مسلمان اس نظام کو بھول چکے ہیں۔

فرمایا بخیلوں کو جو کچھ اللہ نے دیا ہے، وہ اُسے اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں بلکہ وہ اُن کے لیے شر ہے۔ اور اُن کے بخل کی آخرت میں سزا یہ ہوگی۔

بخیل کی
سزا

سَيُطۡوَعُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قِيَامت کے دن بخیلوں کے گلے میں اس چیز کو طوق بنا کر ڈالا جائے گا، جس کے ساتھ انہوں نے بخل کیا۔

بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے سونے چاندی کی دولت عطا کی اور اُس نے زکوٰۃ ادا نہیں کی، قیامت کے دن یہ مال سانپ بن جائیگا۔ اور اُس کے گلے میں پتھر کمر اُس کو کاٹے گا۔ اور کہے گا۔
اَنَا كَتُّكَ اَنَا مَا لَكَ میں تیرا وہ مال ہوں، میں تیرا وہ خزانہ ہوں جسے تو سمیرٹ
 سمیرٹ کمر رکھتا تھا، جسے تو عیاشی اور فحاشی میں صرف کرتا تھا اور جس کے ساتھ تو
 غریب و مسکین کی پوری بخش نہیں کرتا تھا۔ فرمایا اسی طرح اگر کسی کے پاس جالور تھے
 اور اُس نے اُن کا حق ادا نہیں کیا۔ تو وہ اُس شخص کو لٹا کر اسکے اوپر سے گزریں گے
 اس کو روندیں گے، اُس کو سینگ ماریں گے۔ اور اس کو کاٹیں گے۔

مالک ہر شے
 خدا سنت

فرمایا یہ نہ سمجھو کہ اگر دنیا میں کسی کو مال مل گیا تو وہ اس کی ذاتی میراث بن گیا۔
بَلِكُمْ وَ لِلّٰهِ حَيْثُ شِئْتُمُوهَا وَ لِلّٰهِ رِضْوَانٌ وَّ اَسْمَانُ كِي تَنَامُ وَ رِثَاتُ اللّٰهِ
 کی ہے۔ ہر چیز کا خالق بھی وہی ہے۔ اور مالک بھی وہی ہے احسن اللہ
 علیک اللہ نے تم پر احسان فرمایا کہ تمہیں عارضی طور پر اس کا مالک بنایا۔ پھر
 اپنے احکام بھیجے تاکہ اُن کے مطابق عمل کمر کے اس مال سے نیکی کمالور اُس
 کے مال کو اسی کے راستے میں خرچ کر دو، بخل نہ کرو۔ اور یاد رکھو اِنَّ اللّٰهَ يَمَّا
تَعْمَلُونَ خَيْرًا تمہارے ہر فعل کی اللہ تعالیٰ کو خبر ہے۔ يُنَبِّئُكُمْ
بِمَا عَمِلْتُمْ تم جو کچھ دنیا میں کمر ہے ہو، وہ سب کچھ تمہارے سامنے آجائیگا
 اور پھر تمہیں اُس کا جھکتاں کمرنا ہوگا۔

لَنْ تَنَالُوا ۲

الْأَعْصَانِ ۳

درس شصت چار ۶۴

آیت ۱۸۱ ۱۸۲

لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ
وَمَحْنٌ أَغْنِيَاءُ ۖ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوا وَقَتْلَهُمُ
الْأَنْبِيَاءِ بِغَيْرِ حَقٍّ ۖ وَنَقُولُ ذُوقُوا عَذَابَ
الْحَرِيقِ ۝ (۱۸۱) ذَلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ آيْدِيَكُمْ
وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلِيمٍ لِلْعَبِيدِ ۝ (۱۸۲)

وقف لازم

ترجمہ: البتہ تحقیق اللہ نے ان لوگوں کی بات سنی ہے جنہوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں۔ ہم ضرور تمہیں گے اس نیز کہ جو انہوں نے کہی ہے۔ اور انکا اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کرنا بھی۔ اور پھر ہم (جیزائے عمل کے وقت) کہیں گے کہ چھو جلاتے والے عذاب کا مزہ (۱۸۱) اور یہ اس وجہ سے جو آگے بھیجا تمہارے ہاتھوں

نے۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے (۱۸۲)

اس سے پہلے درس میں یہودیوں کے نجل کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ آج کی آیات بھی اسی سلسلہ سے متعلق ہیں۔ یہ تو معلوم ہے۔ کہ حضور نبی کریم علیہ السلام کی ہجرت مدینہ کے وقت خود مدینہ تیلیدہ اور اس کے ارد گرد یہودی کثیر تعداد میں آباد تھے۔ خیبر یہودیوں کا خاص گڑھ تھا۔ اس کے علاوہ جوارہ مدینہ میں بنی قریظہ، بنی نضیر اور بنی قینقاع کی بستیاں تین تین چار چار میل کے فاصلے پر آباد تھیں۔ ان آیات کے شان نزول کے متعلق جو واقعات بیان کیا گیا ہے۔ اُسے اہم بیضاوی، صاحب تفسیر منظر ہی اور ابن جریر وغیرہ نے محمد بن اسحاق مؤرخ کی روایت سے نقل کیا ہے فرماتے ہیں۔ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو دعوت اسلام کا پیغام دیکھ کر بنی قینقاع کی طرف بھیجا۔ یہ دعوت نامہ بائیں مضمون تھا کہ اَقُولُ اللَّهُ

یعنی اللہ سے ڈر جاؤ، ایمان لے آؤ کیونکہ تم جانتے ہو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بڑے رسول ہیں اور اس بات کی گواہی خود تمہاری کتب میں موجود ہے الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ۔ نیز یہ بھی کہ نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، وَاَقْرِبْصُومَ اللّٰهِ قَرْضًا حَسَنًا اور اللہ کو قرض حسن دو۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ مکتوب لے کر بنی قریظہ کے ہاں پہنچے اُس وقت یہودیوں کا بڑا عالم فخاص بن عازور ابوبیت المدارس میں تعلیم دے رہا تھا۔ حضور علیہ السلام کا مکتوب پڑھ کر کہنے لگا کہ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ خدا فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں۔ اسی لیے تو وہ ہم سے قرض طلب کرتا ہے (العیاذ باللہ) یہودی عالم نے یہ بھی کہا کہ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر سود حرام کیا ہے اور ہمارے لیے جائز بنایا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ فرمایا کہ یہ سُن کر برداشت نہ کر سکے اور اُس یہودی عالم کے تجھے طرے مارا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر ہمارے اور تمہارے درمیان معاہدہ حاصل نہ ہوتا تو میں تلوار سے تمہارا کام تمام کر دیتا۔

روایت میں آتا ہے۔ کہ فخاص بن عازور نے حضور بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اُس کے ساتھ زیادتی کی ہے آپ کے دریافت کرنے پر صدیق اکبرؓ نے کہا۔ کہ اے اللہ کے رسول! اس شخص نے اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کی تھی، کہ تَحْتَانِ اللّٰهِ فَقِيْرٌ وَتَحْتِ اَعْنِيَاوِ یعنی اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔ اللہ ہم سے قرض مانگتا ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہودی کی اس گستاخی کا جواب دیا ہے۔

جہاں تک اللہ کو قرض حسن دینے کی بات ہے۔ اُسے یہودی اپنی بہت دھرمی کی وجہ سے نہ سمجھ سکے۔ اللہ تعالیٰ نہ تو فقیر ہے (نعوذ باللہ) اور نہ اُسے اپنی مخلوق سے قرض کی ضرورت ہے۔ اُس نے جس قرض حسن کا ذکر کیا ہے، اس سے مراد یتیموں، مسکینوں، بیواؤں اور دیگر مستحقین پر خرچ کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مقصود یہ ہے۔ کہ تم اپنے مال میں سے مستحقین پر خرچ کرو۔ اور اُس کا اجر مجھ سے وصول کر لو۔

فَرِيًّا مَنْ ذَا الَّذِي يَقْرُضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعَفْ لَهُ أَجْرًا كَثِيرًا
 کو قرض دیکھا، میں اس کا دگنا چوگنا اجر عطا کر دوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کے راستے
 میں خرچ کمرے والوں کو یقین دلایا ہے۔ کہ تمہارا خرچ کیا ہو مال ضائع نہیں جائیگا
 بلکہ اس کے عوض میں تمہیں بڑھا چڑھا کر عطا کیا جائیگا۔ اللہ تعالیٰ تو غنی ہے اُس کے
 سامنے تمام مخلوق محتاج ہے۔ جیسا کہ اُس کا اپنا ارشاد ہے "يَا أَيُّهَا النَّاسُ
 أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ" اُس کی ذات
 بے نیاز ہے اور تم سب اس کے سامنے فقیر اور محتاج ہو۔

حلال و حرام
 کی حکمت

یہاں پر یہ بات سمجھ لینی چاہیے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حلت و حرمت کے
 جتنے احکام نازل فرمائے ہیں وہ سب السائل ہی کے فائدے کے لیے ہیں
 یا ان کے نقصان سے بچنے کے لیے ہیں۔ لوگ جس قدر صدقہ خیرات کرتے
 ہیں یا زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، ان میں سے اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی چیز نہیں جاتی اور
 نہ ہی اُس کو ان چیزوں کی ضرورت ہے۔ وہ تو غنی ہے۔ اس میں باقی السائل
 کے لیے فائدے ہیں۔ امیر آدمی کے صدقہ خیرات سے محتاج کی پرورش
 ہو جاتی ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ نے آپس میں سہار دی اور غمگساری کا ذریعہ پیدا فرمایا
 ہے اس سے پاکیزہ جذبات پیدا ہوتے ہیں اور انسان کو تہذیبِ نفس حاصل ہوتی
 ہے۔ اس سے انسان کے اخلاق کی تکمیل ہوتی ہے۔ یہ چیزیں بہر حال نبی نوع
 انسان کے لیے مفید ہوتی ہیں۔ اسی طرح اللہ جل جلالہ نے جن چیزوں کو حرام
 مقرر کیا ہے۔ ان میں لوگوں کے لیے نقصانات ہیں۔ اول تو کوئی نہ کوئی جسمانی
 نقصان ہوگا، وگرنہ روحانی نقصان تو لازمی ہوگا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان
 چیزوں کو انسانوں کے لیے حرام قرار دیا ہے۔

یہودیوں نے حرص اور جھل کی وجہ سے اللہ جل شانہ کی شان میں بہت
 سہی گستاخیاں کیں جن کا تذکرہ قرآن پاک میں ملتا ہے۔ جب ان بدبختوں کو مالی
 پریشانی کا سامنا کرنا پڑا تو کہنے لگے۔ "يَدَّ اللَّهُ مَعْلُوكَ" خدا تعالیٰ کے

یہودی
 گستاخیاں

تھ جڑے گئے ہیں وہ ہم پر فیاضی نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا
 عَلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلَعْنَتْهُمْ أَنْ بَدَّ نَصِيْبِيْنَ كَيْدِهِمْ فَجُرُطِيْهِمْ
 ہیں اور ان پر اللہ کی لعنت برس رہی ہے فرمایا بَلْ يَدُهُ مَبْسُوطَتَانِ
 بلکہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ تو کشادہ ہیں۔ وہ تو اپنی فیاضی کی بارش نازل فرما رہا ہے۔ وہ
 جس طریقے سے چاہے خرمنج کر رہا ہے، اُس کے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں بھینقت
 یہ ہے کہ یہودی کفر کے کلمات بول کر گستاخی کا ارتکاب کر رہے ہیں اور بے ادبی میں مبتلا
 ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا واقعہ سورۃ بقرہ میں بیان ہو چکا ہے۔ انہوں نے
 موسیٰ علیہ السلام سے کہا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَىٰ اللّٰهَ جَهَنَّمَ ہرگز تم ایمان
 نہیں لائیں گے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی ان کھلی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔ اللہ تعالیٰ
 نے اس گستاخی کی فوراً سزا دی اور وہ گرفت میں آگئے۔

آج کے درس کی آیت کرمیہ میں بھی یہودیوں کی گستاخی کا تذکرہ کرتے ہوئے
 فرمایا لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَنَحْنُ اَغْنِيْكُمْ
 بیشک اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی بات سن لی جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ (معاذ اللہ)
 فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔ فرمایا یہودیوں کے اس گستاخانہ کلام کا بدلہ یہ ہے کہ
 سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا هُمْ اِسْبَاتٌ كَوْمٌ رَّكْحَلَيْسَ كَعَلَىٰ اللّٰهِ تَعَالٰى تَوَعَّلِمُ كَلِّمْ
 اُسے لکھنے کی بھی ضرورت نہیں۔ ہر چیز اس کے علم میں ہے۔ تاہم انصاف کے
 تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ان کی یہ بات لکھ لی جائیگی اور دفتر میں محفوظ ہو
 جائیگی۔ پھر حساب کتاب کے دن لا کر ان کے سامنے رکھ دی جائیگی۔ تاکہ وہ
 اس کا انکار نہ کر سکیں۔

اس گستاخی کے علاوہ یہودیوں کی ایک بہت بڑی غصلت ناحق قتل انبیاء ہے
 فرمایا وَقَتْلَهُمْ الْاَنْبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ اِن كِي جَانِبٌ سَلِ اللّٰهِ كِي نَبِيْ
 کا ناحق قتل بھی ہم نے لکھ رکھا ہے۔ ہم اسی بھی ان کو ضرور سزا دیں گے۔ بنی کا قتل تو
 یقیناً ناحق ہوتا ہے۔ بلکہ کسی عام مسلمان کا قتل ناحق بھی اکبر الجنازہ میں سے ہے۔

قتل انبیاء

در بدر ترین جرم ہے۔ تاہم یہاں پر لفظ بغیر حق سے مراد یہ ہے کہ انبیاء کا قتل خود ان قاتلین کے نزدیک بھی ناحق تھا۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اللہ کے نزدیک سبے سخت سزا کا مستحق وہ شخص ہوگا۔ جس نے اللہ کے نبی کو شہید کیا ہوگا۔ یا وہ شخص جس سے زیادہ ملعون ہوگا جسے اللہ کا نبی قتل کرے۔ ایسے شخص کی مثال ابی ابن خلفت کی ہے۔ جو غزوہ احد میں نبی علیہ السلام کے نیزہ کی زد میں آکر جہنم واصل ہوا تھا۔

بنی اسرائیل کے قتل کا ذکر تو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جگہ جگہ کیا ہے خود حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں بھی یہودیوں نے نبی علیہ السلام کو شہید کرنے کی کئی مذموم کوششیں کیں۔ خیر میں آپ کو زہر دیا گیا مگر اللہ نے آپ کو محفوظ رکھا۔ پھر بتی انضیر کے علاقے میں دیوار کے اوپر سے آپ علیہ السلام پر پتھر گرانے کی سعی لاحق کی گئی۔ یہ لوگ اپنے ابو اجداد کے ان قبیح کارناموں کو نظر اٹھان نہ کھتے تھے اور ان پر فخر کرتے تھے۔ اگرچہ حضور علیہ السلام کے زمانے کے یہودی قاتلین انبیاء کے صدیوں بعد آئے مگر اپنے سابقین کی بُرائی کی حمایت کرنے کی وجہ سے یہ اس قتل ناحق میں شریک سمجھے گئے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ کہ ایک شخص بالفعل بُرائی نہیں کرتا، مگر بُرائی کرنے والے کو دل سے اچھا سمجھتا ہے، تو وہ بھی بُرائی کرنے والے کے ساتھ شامل سمجھا جائے گا۔ البتہ ایسا شخص جو اپنے سلسلے بُرائی ہوتی دیکھ کر دل سے بُرا سمجھتا ہے، تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

ان گستاخوں کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا وَقَوْلُ ذُو قُوَّةٍ اَعْدَابَ الْحَرِيقِ گستاخی کی سزا اور پھر ہم جزائے عمل کے وقت کہیں گے جلالانے والے عذاب کا مزہ چکھو۔ تم خدا تعالیٰ کی شان میں یہودہ کلمات بولتے تھے کہ خدا فقیر ہو گیا ہے جو ہم سے قرض مانگتا ہے۔ لو آج اس گستاخی کی سزا بھگت لو۔ فرمایا ہماری سخت سزا تمہارے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی بلکہ ذَلِكْ بِمَا قَدْ مَدَّتْ اَيْدِيَكُمْ يَوْمَئِذٍ ہے جو کچھ تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا۔ تم نے دنیا میں جس قسم کے اعمال انجام دیے یہ ابھی کا بدلہ ہے۔ سورۃ بقرہ میں بھی گند چکا ہے لَهَا مَا كَسَبَتْ

رَعِيهَا مَا كَتَبْتُهَا تَهَارِي اِپنی ہی کمانی تہاے سامنے آئے گی۔ یہ تمہاری
 بد اعمالیوں کا صلہ ہے۔ جو تمہیں مل رہا ہے۔ اور یاد رکھو! وَكَانَ اللَّهُ لَكَيْسًا
بِظُلْمِ اللَّعِيْبِ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کرتا، وہ تو انصاف
 کرنے والا ہے۔ رحیم و کریم ہے۔ یہاں یہ ظُلْمًا مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اور معنی
 یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بالکل ظلم نہیں کرتا یا ذرہ بھر بھی کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کرتا۔
 مگر انسان خود اپنی نافرمانی، بد اعتقادی، بد اعمالی اور معاصی کی وجہ سے شدید تر سزا
 کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔

لَنْ تَنَالُوا

الْعَمْرَانِ ۳

درشصت و پنج ۶۵

آیت ۱۸۳ تا ۱۸۵

الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ عٰهَدَ اِلَيْنَا اَلَّا نُوْمِنَ لِرَسُوْلِ حَتّٰى
 يٰتِنَا بِقُرْبٰنٍ تَاْكُلُهٗ النَّارُ قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ
 قَبْلِى بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِى قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ
 كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾ فَاِنْ كَذَّبْتُمْ فَلَقَدْ كَذَّبَ رَسُوْلٌ
 مِّنْ قَبْلِكَ جَاۗءُوْا بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾
 كُلُّ نَفْسٍ ذٰلِقَةٌ لِّلْمَوْتِ وَاِنَّمَا تُؤْفَوْنَ اَجُوْرَكُمْ
 يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَمَنْ زُحِرَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ
 فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْعٰرِضِ ﴿۱۸۵﴾

ترجمہ: یہ وہ وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے ہم سے عہد کر رکھا ہے
 کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ وہ ہمارے پاس ایسی قربانی لائے، جس کو
 آگ کھا جائے۔ اسے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کہ دیجئے، تحقیق تمہارے پاس مجھ سے
 پہلے رسول آئے واضح نشانیاں لے کر، اور اس چیز کو لے کر جو تم نے کہی ہے۔ پس
 تم نے ان کو کیوں قتل کیا، اگر تم پیسے ہو ﴿۱۸۳﴾ پس اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں۔ تو
 بیشک آپ سے پہلے بہت سے رسول جھٹلائے گئے ہیں، جو لائے تھے۔
 کھلی نشانیاں، اور صحیفے اور روشن کتابیں ﴿۱۸۴﴾ ہر ایک نفس موت کا ذائقہ
 چکھنے والا ہے۔ اور بیشک تم کو تمہارا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا قیامت کے دن
 پس جو شخص دوزخ کی آگ سے دور کر دیا گیا۔ اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو بیشک
 وہ کامیاب ہو گیا، اور نہیں ہے دنیا کی زندگی مجھ دھوکے کا سامان ﴿۱۸۵﴾

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے سب کے لئے اور حصص کا تذکرہ کر کے ان کی مذمت کی تھی۔ وہاں ان کی اللہ رب العزت کی بارگاہ میں اُس گستاخی کا بیان بھی تھا جس میں انہوں نے کہا۔ کہ اگر اللہ ہم سے قرض حسن مانگتا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے وہاں پر متنبہ کر دیا تھا۔ کہ اُس نے ان گستاخانہ کلمات کو تحریر کر لیا ہے۔ نیز یہ بھی بتا دیا تھا کہ ان کے آباؤ اجداد کے قتل انبیاء کے فعل کو بھی اُس نے لکھ رکھا ہے۔ اور قیامت کے دن انہیں جلائیے والے عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا۔ دراصل قبولیتِ اسلام کے خلاف اہل کتاب کی یہ حیلہ سازی تھی۔ وگرنہ وہ اسلام کی سچی اور مبنی بر حقیقت دعوت کو ٹھکرا نہیں سکتے تھے۔ انہیں حقیقتِ حال کا علم ہو چکا تھا۔ مگر وہ محض اپنی ہیٹ دھرمی عناد اور ضد کی وجہ سے اسلام قبول کرنے پر تیار نہ ہوتے تھے۔ انہیں علم تھا کہ اگر انہوں نے اسلام کی حقانیت کو تسلیم کر لیا تو پھر ان کی سیادت قائم نہیں رہ سکی اور ان کے اکل حرام شمولہ سود کے تمام اتسے بند ہو جائیں گے۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے ایک اور حیلے کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ انہوں نے کہا۔ کہ ہم تو صرف اسی صورت میں ایمان لائیں گے جب اللہ کا رسول ہمارے پاس ایسی قربانی لے کر آئے جسے آگ ہمارے سامنے کھا جائے۔ اس درس میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس بیہودہ بہانے کا جواب بھی دیا ہے۔

سرمایہ داری
کی لعنت

سرمایہ داری ہمیشہ قبولِ حق میں مانع رہی ہے۔ سابقہ انبیاء کے دور میں بھی یہی چیز تھی۔ بڑے بڑے ذریعہ ستوں نے ہر جائزہ و ناجائزہ طریقے سے دولت اکٹھی کر رکھی تھی۔ مال اکٹھا کرنا اور پھر اسے جائزہ کی بجائے ناجائزہ امور پر خرچ کرنا ان کی فطرتِ ثانیہ بن چکی تھی۔ اللہ کے نبی انہیں حرام راستے سے دولت کھانے اور حرام راستے پر خرچ کرنے سے روکتے تھے۔

عدل و انصاف کا حکم دیتے تھے، جس کی وجہ سے سرمایہ دارانہ ذمہ داری کے

لوگ انبیاء کے گمراہ جمع نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ اُن کی مخالفت پر کمر بستہ ہو جاتے تھے۔ سورۃ ہود میں حضرت شعیب علیہ السلام کی تقریر موجود ہے۔ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا، اے میری قوم! خالص اللہ ہی کی عبادت کرو، اُس کے سوا تمہارا کوئی الٰہ نہیں۔ نیز یہ کہ ناپ تول میں ڈنڈی نہ مارو۔ کسی کا حق نہ کھاؤ، زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔ **بَقِيَّةُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ** لوگوں کے حق ادا کرنے کے بعد جو چیز تمہارے پاس بچ جائیگی۔ وہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم ایمان والے ہو۔ اور اگر تم نے حقداروں کے حق ادا نہ کئے، تو وہ چیز تمہارے لیے بہتر نہیں ہوگی۔ اس وعظ پر قوم سخت چین بچیں ہوئی۔ اور کہنے لگی **لَشُعَيْبٌ هٰٓ اَصْلٰوْنٰكُ تَاْمُرًا اَنْ نَّسْتُوْلَكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَاؤُنَا** اے شعیب! کیا تمہاری نمازیں یہ کہتی ہیں۔ کہ ہم اپنے اباؤ اجداد کے معبودوں کو ترک کر دیں **اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِىْ اَمْوَالِنَا مَا نَشَآءُ** یا ہم اپنے مالوں میں جس طرح چاہیں تصرف کریں۔ تم ہمیں اس کام سے بھی روکنا چاہتے ہو۔ تم ہمارے مال پر پابندی لگانا چاہتے ہو۔ ہمیں تمہاری یہ بات ہرگز قبول نہیں۔ اور اگر اللہ کا نبی یہ کہے کہ مجھ پر ایمان لا کر جو چاہے کرتے پھرو۔ تو پھر وہ سارے کے سارے نبی کے گمراہ کھٹے ہو جائیں گے مگر اللہ کا پیغمبر تو انہیں شہتیلے دھاگہ نہیں چھوڑ سکتا۔ وہ تو حلال و حرام اور جائزہ و ناجائزہ کی تمیز سمجھا سکیگا۔ اللہ کا نبی انہیں جائزہ ذرائع سے کھانے اور جائزہ امور پر خرچ کرنے کی تلقین کرتا ہے اسی لیے تو لوگ اُس کی مخالفت کرتے ہیں۔ اور اُسے تسلیم کرنے میں پس و پیش کرتے ہیں، طرح طرح کے جیلے بہانے کرتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں مکہ کے دولت مند مشرکین کا بھی یہی حال تھا۔ وہ بھی حضور علیہ السلام کو نبی ماننے کے لیے تیار نہ تھے اور اس کے لیے کسی بہانے نہ بناتے تھے۔

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے ایک اور جیلہ کا ذکر کیا ہے ایمان لانے کے لیے انہوں نے نبی علیہ السلام کے سامنے ایک اور شرط پیش کی ارشاد ہوتا ہے۔ **الَّذِيْنَ وَاٰلُوْا۟ اِنَّ اللّٰهَ عٰهَدَ اَلَيْسَ اِلَّا نُوْمِنُ**

قرآنی کی
فرمائش

لِرَسُولٍ حَتَّىٰ يَأْتِيَنَّكَ الْبُشْرَانِ تَأْكُلُهُ النَّارُ وَهِيَ لَوْكٌ مِّنْهُنَّ لَمَّا كَرَّمَ اللَّهُ
 نَبِيَّكُمْ مُحَمَّدًا عَلَيْهِ السَّلَامُ كَمَا كَرَّمَ اللَّهُ نَبِيَّكُمْ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ ،
 جِبْتًا تَكْتُمُونَ فِيهَا آيَاتِنَا وَمَنْ يَكْتُمْ آيَاتِنَا فَسَوْفَ نَجْزِيهِ عَذَابًا أَلِيمًا
 جِبْتًا تَكْتُمُونَ فِيهَا آيَاتِنَا وَمَنْ يَكْتُمْ آيَاتِنَا فَسَوْفَ نَجْزِيهِ عَذَابًا أَلِيمًا
 اپنی تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے سابقہ انبیاء علیہم السلام کے
 متعلق تو ایسی بات کی تھی کہ جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے اُسے اس قسم کی سوختی قربانی
 پیش کرنے کو کہا جائے مگر دونی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
 کو اس شرط سے مستثنیٰ قرار دے دیا۔

سابقہ امتوں میں مالِ غنیمت کا استعمال بھی جائز نہیں تھا۔ لہذا محاذ جنگ
 سے حاصل ہونے والا مال لوگ استعمال نہیں کرتے تھے بلکہ سارا سامان ایک مقام
 پر اکٹھا کر دیا جاتا تھا۔ آسمان سے سفید رنگ کی معجزانہ آگ آتی تھی جو اُسے جلا کر رکھ
 کر دیتی تھی۔ اور ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ کہ چونکہ یہ مال ان لوگوں کے لیے حلال نہیں
 تھا اس لیے وہ خود ہی اُسے آگ لگا کر ضائع کر دیتے ہوں۔ مگر نبی آخر الزمان کی
 امت کے لیے اللہ تعالیٰ نے مالِ غنیمت کو حلال قرار دیا ہے صحیح حدیث میں
 حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری عاجزبری
 اور ضعف کو دیکھ کر کہا ہے لیے مالِ غنیمت جائز قرار دے دیا ہے۔ سورۃ انفال
 میں بھی موجود ہے فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا مالِ غنیمت
 کے حلال اور طیب مال میں سے کھاؤ۔

بائبل کی روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ کے ہاں قربانی کی قبولیت کی نشانی
 یہ تھی کہ آسمان سے آگ نازل ہو کر اُسے جلا دیتی تھی۔ چنانچہ بعض مواقع پر کوئی نبی
 سوختی قربانی کرتا تھا تو آگ اُسے جلا دیتی تھی۔ جو نبی کی صداقت کی دلیل بھی جاتی
 تھی سورۃ مادہ میں حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کی قربانی کا ذکر ہے کہ
 ان میں سے ایک کی قبول ہو گئی اور دوسرے کی نہ ہوئی، بعض روایات کے
 مطابق وہاں بھی مقبولیت کی نشانی یہی تھی کہ اُسے آگ نے جلا دیا تھا جب کہ

دوسری غیر مقبول قربانی صحیح سلامت بچ گئی تھی۔ الغرض! اہل کتاب نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایسی ہی معجزانہ قربانی کی فرمائش کی، اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے عہد کر رکھا ہے کہ جب تک ایسی قربانی کا مشاہدہ نہ کریں ہم کسی رسول پر ایمان نہیں لائیں گے۔

اس کا خواب

اللہ تعالیٰ نے اس فرمائش کے جواب میں فرمایا قُتِلَ اَبُو سَعْدٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ ان کو دیکھو قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ قَبْلِ مُحَمَّدٍ سے پہلے تمہارے پاس بہت سے رسول آئے ہیں بِابِئِنَّتٍ واضح باتیں لے کر۔ بِنَاتِ سَعْدٍ کو بھی کہتے ہیں اور واضح دلائل اور واضح احکام پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ جیسے نماز، روزہ، توحید، صبر، شکر، خدا کا ذکر وغیرہ یہ سب بیانات اور دین کے بڑے اہم اصول ہیں۔ اللہ کے نبی ہر بات میں واضح دلائل پیش کرتے ہیں۔ خاص طور پر توحید کے متعلق تو بڑے بڑے عقلی اور نقلی دلائل اور مشاہدہ کے ہزاروں دلائل پیش کیے گئے ہیں جن کو سن کر اور دیکھ کر ہر مسلم الفطرت انسان تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

اور بخاندی ذہن والے لاجواب ہو جاتے ہیں اور جہالت پر اتر آتے ہیں۔ اس سلسلہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے توحید باری تعالیٰ کے متعلق عقلی، نقلی اور مشاہداتی دلائل کتنے مضبوط تھے جن کا جواب نہ باپ نے سکا، نہ بادشاہ وقت اور نہ ساری قوم نتیجہ یہ ہوا کہ دلائل کا جواب دلائل سے دینے کی بجائے ماریٹ پر تیار ہو گئے، باپ نے گھر سے نکال دیا۔ حتیٰ کہ پوری قوم دشمن جان بن گئی۔

اسی لیے فرمایا کہ اے پیغمبر علیہ السلام آپ ان سے کہ دیں کہ مجھ سے پہلے بھی اللہ کے رسول واضح دلائل لے کر آئے ہیں وَالَّذِي قُلْتُمْ اور وہ چیز بھی لائے ہیں جسکی تم لوگ فرمائش کر رہے ہو یعنی مجھ سے پہلے اللہ کے نبی سوختی قربانی کی دلیل بھی تمہارے آباؤ اجداد کے سامنے پیش کر چکے ہیں مگر انہوں نے پھر بھی انکار کر دیا۔

تو رات میں حضرت الیاس علیہ السلام کی قربانی کا ذکر موجود ہے۔ بعل نامی بت کے سکھاری یہی بودی تھے۔ ان کو حضرت الیاس علیہ السلام نے کہا کہ آؤ میدان میں نکلو، ایک بیل میں اللہ کے نام پر قربان کرنا ہوں، تم ایک بیل اپنے بت بعل

قوم نے انہیں تسلیم نہ کیا۔ روشن کتاب سے مراد ایسی کتاب ہے جس میں وعظ و نصیحت کے علاوہ ہر قسم کے احکام منجملہ حلال و حرام کے احکام، سیاسی اور معاشی احکام، جہاد، عبادات اور دیگر معاشرتی احکام موجود ہوں۔ فرمایا اللہ کے نبیوں نے تمام حجت پوری کر دی مگر اُن لوگوں نے اُن کا نہ صرف انکار کیا، بلکہ ان کے قتل کے دپے ہوئے۔ لہذا اے پیغمبر! آپ بد دل نہ ہوں۔ پیغمبروں کو جھٹلانا ان کی فطرت ثانیہ بن چکی ہے۔ یہ لوگ اپنی عادت سے باز نہیں آئیں گے لہذا آپ اپنا کام کرتے چلے جائیں۔

فرمایا كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ہر ایک نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے، کوئی فری روح موت سے نہیں بچ سکتا۔ یہ قطعی اور یقینی بات ہے أَفَأَنْ مِتَّ فَهُمْ الْجِلْدُونَ جس طرح نبی اور اس کے ماننے والے موت سے ہم کنار ہوں گے، اسی طرح اُن کے مخالفین کو بھی یہ گھائی لازماً عبور کرنا ہوگی۔ یہ زندگی ختم ہو جائے گی اور سب کو نئی زندگی میں داخل ہو کر رب العزت کی بارگاہ میں پیش ہونا ہوگا۔ وَأَلْحَا تَوْفُونَ أَجْوَرَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اور پھر فیصلے کے دن تمہیں تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اس میں نہ کمی ہوگی اور نہ کسی پر ظلم کیا جائے گا۔ ہر شخص کو اس کے کئے کا پھل مل جائے گا۔ اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جیسا انسان کا اپنا وجود۔ جس طرح انسان کے اپنے جسم کے موجود ہونے میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں، اسی طرح جزائے عمل بھی لاریب واقع ہو کر رہی۔ فَمَنْ نَزَحْنَحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ پس جو شخص دوزخ سے دور کر دیا گیا، اور جنت میں داخل کر دیا گیا۔ وہ کامیاب ہو گیا یہ ایسی کامیابی ہے جس کے مقابلے میں دنیا کی بڑی سے بڑی دولت، سرمایہ اور اقتدار سب بچ ہیں۔ اصل کامیابی یہ ہے۔ کہ انسان دوزخ سے بچ کر جنت کا داخل جمل کرے جو ہمیشہ کے لیے خدا تعالیٰ کی رحمت کا مقام ہے۔ جو وہاں پہنچ گیا، وہ حظیرۃ القدس کا ممبر بن گیا اور اسی کے لیے فلاح و کامیابی ہے۔

موت اور
جزائے عمل

فرمایا وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لُتْفٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ الْعَزِيزِ اور دنیا کی زندگی محض دھوکے کا سامان ہے۔ شیطان بہت بڑا دھوکے باز ہے اُس نے لوگوں کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ آدمی اس دنیا کے کاموں میں مگن ہو کر اس کو مستقل ٹھکانا سمجھنے لگتا ہے اور آخرت کے انجام سے غافل ہو جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اکثر لوگ حقیقت سے بے بہرہ ہو کر دینِ حق کی مخالفت پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں اور پھر باغی اور بدعتیہ کی کا ذخیہ جمع کر کے آخرت میں نام لادونا کام ہو جاتے ہیں۔ اس واسطے فرمایا کہ دنیا دھوکے کا سامان ہے اس سے ہوشیار رہنا چاہیے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے قبولِ حق میں اہل کتاب کے جھوٹے حیلے بیانوں کی ذمہ داری فرمائی اور نبی علیہ السلام اور آپ کے متبعین کو تسلی دی کہ تکذیبِ حق سے پریشان نہ ہوں۔ اللہ والوں کو ایسی آزمائشوں سے ہمیشہ گمراہی سے بچا رہے۔

الِ عَمَلَانِ ۳

لَنْ تَنَالُوا ۲

آیت ۱۸۶

درس شصت و شش ۶۶

لَتَسْبُلُونَ فِيْ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فَتَ وَ لَتَسْمَعَنَّ مِنَ
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَنْ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوا اَذَى كَثِيْرًا
وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۱۸۶

ترجمہ: البتہ تحقیق تم ضرور آزمائے جاؤ گے اپنے مالوں اور جانوں میں۔ اور البتہ ضرور
سنو گے اُن لوگوں سے جن کو کتاب دی گئی تم سے پہلے اور اُن لوگوں سے جنہوں نے
شرک کیا بہت سی تکلیف دہ باتیں۔ اور اگر تم صبر کرو گے اور تقویٰ کی راہ پر قائم
رہو گے تو بیشک یہ مقصود ہی کاموں میں سے ہے (۱۸۶)

رابطہ آیات

گذشتہ درس میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ماننے والوں کو اہل کتاب
کی ایذا رسانیوں کے خلاف تسلی دی گئی تھی۔ کہ اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں
تو آپ اس سے ذل برداشت نہ ہوں، کیونکہ یہ لوگ تو ہمیشہ سے اللہ کے نبیوں کی
تکذیب کرتے رہے ہیں حالانکہ وہ پیغمبر اللہ کی طرف سے واضح نشانیاں، کتاب
اور نصیحت امیر باتیں لے کر آتے رہے۔ فرمایا اہل کتاب کی یہ عودہ باتوں سے
قطع نظر آپ تبلیغ دین کا کام جاری رکھیں۔ نیز فرمایا کہ ہر نفس نے موت کا مژہ
چکھنا ہے۔ اور اس گھٹائی کو بخوبی کر کے اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش ہونا ہے
وہاں ہر ایک کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ مل جائے گا۔ کسی کے ساتھ زیادتی
نہیں ہوگی۔ آج کے درس میں بھی اہل کتاب اور مشرکین کی اسی قسم کی اذیت سال
باتوں کا تذکرہ کر کے حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کرام کو تسلی دی گئی ہے۔
کہ آپ اپنا کام جاری رکھیں۔

ارشاد ہوتا ہے لَتَسْلُوُنَّ اسے اہل ایمان! البتہ تم ضرور آزمائے جاؤ گے یہاں پر ل تاکید اور ان ثقیلہ دونوں آئے ہیں اور یہ دونوں حروف تاکید کے لیے آئے ہیں، لہذا معنی یہ ہوا کہ تمہاری آزمائش لازماً ہوگی۔ اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور آزمائش کس چیز میں ہوگی، فرمایا فِيْ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ تمہارے مالوں میں بھی آزمائش ہوگی اور جانوں میں بھی ہوگی۔ یعنی دیندار لوگوں کو مالی اور جانی ہر دو لحاظ سے آزمائش میں مبتلا کیا جائے گا۔ تاکہ پتہ چل جائے کہ دین کے معاملہ میں پورے خلوص کون ہے اور کمتر و ایمان والا کون ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد کہ امی ہے يُبْتَلَى الرَّجُلُ عَلَى وَاَدْمَى دِيْنِهِ انسان اپنے دین کے مرتبے اور مقدار کے مطابق آزمایا جاتا ہے۔ کوئی شخص جس قدر دین میں مضبوط ہوگا، بسا اوقات اُسکی آزمائش بھی اسی قدر سخت ہوتی ہے۔

آزمائش کا یہ قانون اللہ تعالیٰ نے کئی ایک سورتوں میں بیان فرمایا ہے۔

سورۃ بقرہ میں گمز چکا ہے وَكَانَ بَلْوَاكُمْ لِبَشِيْرٍ مِّنَ الْجَنُوْبِ وَاَلْحُوْبِ وَاَقْصَصَ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَاَلْاَنْفُسِ وَاَلْمَمَالِ اور ہم تمہاری ضرور آزمائش کریں گے خوف اور بھوک کے ذریعے اور مال، جان اور پھلوں کے نقصان کے ذریعے۔ جب بھی مالی یا جانی نقصان ہوتا ہے، اہل ایمان کے لیے آزمائش ہوتی ہے۔ کہ اس تکلیف پر وہ کہاں تک ثابت قدم رہتا ہے۔ سورۃ انبیاء میں آتا ہے وَنَبِّئُوْهُمْ بِالْبَشْرِ وَالْخَيْرِ فَاْتَنَّهُمْ خَيْرٌ وَّشَرٌّ دونوں طریقوں سے آزماتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس دنیا کو دارالابتلاء کہا جاتا، اس دنیا کو کوئی مستقل گھر نہ سمجھ بیٹھے، یہ تو آزمائش کا گھر ہے۔ اکثر مقامات پر آزمائش کے سلسلہ میں مال و جان کا ذکر کیا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے۔ کہ کسی کو مال اور اولاد دیکھ کر آزمایا جاتا ہے اور کسی سے یہ چیزیں واپس لے کر آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ کبھی بیماری میں مبتلا کر کے آزمایا جاتا ہے اور کبھی جہاد میں جاہر شہادت پلا کر انسان کی کھٹی آزمائش ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ عام قانون

اصول ابتلاء

بتا دیا تاکہ اللہ والے ہر وقت امتحان سے گزرنے کے لیے تیار رہیں۔ ایک ابتلا رہ
جنگ احد میں آئی تھی تو اس کے بعد بھی کوئی امتحان آسکتا ہے۔ لہذا اہل ایمان کو
اس سے گھبرانا نہیں چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ایک دوسری آزمائش کے متعلق خبردار کیا۔ تکلیف دہ
باتیں
وَلَقَدْ سَمِعْنَا مِنْ الَّذِينَ آذَوْا آلَ كَثِبٍ مِنْ قَبْلِكَ قَوْلًا مَقْرُونًا
أَنْ لَوْ كُنَّا كُنَّا لَمُتْنَا بِمَنْ لَمْ يَكُنْ يَكُنْ لَمْ يَكُنْ لَمْ يَكُنْ لَمْ يَكُنْ لَمْ يَكُنْ لَمْ يَكُنْ لَمْ يَكُنْ
اور ان لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا آذی کشیوں بہت سی تکلیف دہ باتیں،
یعنی یہود و نصاریٰ اور مشرکین کی طرف سے نہیں اذیت ناک باتیں سننا پڑیں گے۔
ایسی تکلیف دہ باتیں وہ پہلے بھی کرتے آئے ہیں اور آئندہ بھی باز نہیں آئیں گے لہذا
اہل ایمان کو اس کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے۔ مشرکین کے متعلق تو سچی سورتوں میں
آپ جگہ جگہ پڑھتے ہیں کہ وہ قرآن پاک، پیغمبر خدا اور اہل ایمان کے متعلق کس قسم کی
زبان استعمال کرتے تھے۔ اُس وقت سے لیکر یہ اذیت ناک سلسلہ آج تک جاری
ہے۔ مشرکین کو دنیا میں جہاں کہیں غلبہ حاصل ہوتا ہے یا انہیں موقع ملتا ہے۔ وہ
اہل ایمان کو ذلیل کرنے سے باز نہیں آتے۔ باقی ہے اہل کتاب تو ان کے
متعلق آپ جانتے ہیں کہ ہجرت کے وقت مدینہ کے گمراہوں اور لوہڑوں میں جو یہودی
آباد تھے انہوں نے اہل اسلام کے متعلق کیا کیا شوشے چھوڑے، اور نئے نئے
مسلمانوں پر کس طرح عرصہ حیات تنگ کرنے کی کوشش کی کعب بن اشرف
یہودیوں کا دولت مند تاجر اور سردار تھا۔ وہ پابخت شعر بھی کہتا تھا۔ اور اپنے اشعار
حضور علیہ السلام کی ہجو بیان کرتا تھا۔ اور ایسے قبیح اشعار سر عام پڑھنے کی دوسروں
کو بھی ترغیب دیتا تھا۔ یہ لعین اپنے شعروں میں مسلمان پاکر من اور باعصمت
عورتوں کے ساتھ اپنے عشق و محبت کا اظہار کرتا تھا۔ مسلمانوں کے لیے یہ چیز
نہایت ہی تکلیف دہ تھی۔ ہر میں مسلمانوں کے ہاتھوں مشرکین کی ذلت ناک
شکست کے بعد یہ شخص مگر گیا اور اہل مکہ کو مسلمانوں کے خلاف حملہ کرنے پر ابلیس

نے اُسے قرآن کا نام دے دیا۔ العیاذ باللہ۔ غرضیکہ ان لوگوں سے جیسا بھی بن پڑا انہوں نے دین کو بدنام کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کیا۔ یہودی تو انہی اہدی سازشی ہیں، اسلام کے خلاف انہوں نے امریکی جرمنی اور فرانسیسی انگریزوں کو بھی شامل کر لیا ہے، بلکہ اب خود پس منظر میں رہ کر دوسروں کے ہاتھ سے اپنی خباثت کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ سب اہل اسلام کی دل آزاری کی باتیں ہیں ہندوستان میں اپنے دور اقتدار میں ایک انگریز نے اپنے کتے کا نام احمد رکھا تھا۔ اس پر ساری دنیا میں احتجاج ہوا، تو اُس نے معافی مانگی کہ مجھے علم نہیں تھا کہ میں نے کس قدر گھناؤنے فعل کا ارتکاب کیا ہے۔ بعض اوقات یہ بد بختی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی تصویریں شائع کرتے ہیں یا ان کے کارٹون اور فلمیں بناتے ہیں۔ پچھلے دنوں بعض خبیثوں نے کپڑے پر قرآن پاک کی آیات شائع کر کے اس کی تذلیل کا سہلو نکالا۔ اور پھر ایسے کپڑے سے ایسی قمیصیں تیار کیں۔ کہ بیٹھنے پر آیت الحکسی بیٹھنے کے نیچے آجائے۔ اس قسم کے ملبوسات یہودیوں نے امریکہ اور کینیڈا سے تیار کروا کے بھیجے تاکہ اسلام اور اہل اسلام کی تذلیل ہو۔ بعض اوقات یہ لوگ قرآن (اسلام) کو رجعت پسند مذہب اور مسلمانوں کو رجعت پسند لوگ کہتے ہیں۔

مسلمانوں کی دل آزاری کا اس بات میں بھی بہت سامان ہے۔ کہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ یعنی اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔ انہوں نے لغت کی کتاب (مغرب) میں لکھا ہے کہ مسیح کا معنی ہی ابن اللہ ہے۔ العیاذ باللہ، یہ اللہ تعالیٰ پر کتنا بڑا بہتان ہے۔ وہ تو خود قرآن میں فرماتا ہے۔ کہ زمین و آسمان پھٹ جائیں، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں اس بات پر اَنْ دَحُوْا لِلّٰہِ جُنَّ وَ کَلَدًا کہ اللہ تعالیٰ کا بیٹا پکارا جائے۔ یہ اتنی سخت بات ہے۔ مگر ان لوگوں کے منہ اس قدر چھٹ چکے ہیں کہ انہیں وہی تباہی بکنے میں کچھ جھجک محسوس نہیں ہوتی۔ روسی بھی بگڑے ہوئے یہودی اور عیسائی ہیں۔ انہوں نے اشتراکیت

کے سامنے میں پناہ لے رکھی ہے یہ بھی اہل اسلام کو تنگ کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرتے۔ دل آزاری کے نئے نئے سامان پیدا کرتے رہتے ہیں ہندوستان میں ہنود نے بھی اس سلسلہ میں پورا پورا پارٹ ادا کیا ہے۔ راجپال نے رنگیلار رسول نامی کتاب لکھی کہ اہل اسلام کو غیظ و غضب کا نشانہ بنایا، اسے ایک غریب بڑھی نوجوان مسلمان غازی علم الدین شہید نے قتل کیا۔ دیانند سرسوتی نے اپنی کتاب کچھو چھو مال باب قرآن پاک کی مذمت میں کچھا تھا۔ مختلف آیات قرآنی کے ساتھ اس نے تمسخر کیا تھا۔ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے متعلق لکھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا خدا کوئی بدو تھا جو اونٹ چرایا کرتا تھا، اسی لیے تو صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو ناقہ اللہ یعنی اللہ کی اونٹنی کہا گیا ہے۔ ان ہنودوں نے بھی اللہ تعالیٰ سے پیغمبر خدا اور قرآن پاک کے متعلق ایسی ایسی ناقابل برداشت باتیں کیں، اس معاملہ میں نصاریٰ، یہود اور ہنود سب لکھے ہیں اور مسلمانوں کے خلاف ذہر اگنے میں کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جاتے جیتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسی باتیں تم پہلے بھی سُن چکے ہو اور آئندہ بھی سننی پڑیں گی، اس کے لیے ہمیشہ تیار رہو۔

صبر کی تقنین

ان دو باتوں یعنی مال و جان میں آزمائش اور مخالفین کی طرف سے تکلیف دہ باتیں سننے کا تذکرہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان دو تکالیف کا علاج بھی بیان فرمایا ہے۔ **وَإِنْ تَصَدَّقُوا** اور اگر تم صبر کرو گے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے صبر کی بہت زیادہ تقنین فرمائی ہے۔ کہیں فرمایا **إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ** یعنی اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ** اے اہل ایمان! صبر اور نماز کے ساتھ استعانت پوچھو۔ سورۃ احقاف میں حضور علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا **فَاصْبِرْ كَمَا صَبَّأَ أَوْلُوا الْعَنَمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ** آپ جگہ بازی نہ کریں بلکہ اولوالعزم رسولوں کی طرح صبر سے کام لیں۔ مقصد یہ کہ اے پیغمبر علیہ السلام اگر آپ کے مخالفین آپ کو مختلف

طریقوں سے اذیت پہنچاتے ہیں تو آپ بھی ان کا اسی طریقے سے تہ کی یہ تہ کی جواب
 نہ دیں، بلکہ صبر کا دامن تھامے رکھیں۔ اینٹ کا جواب پتھر سے دنیا اہل حق کا شیوہ
 نہیں، دشمن کا مقابلہ احسن طریقے سے کریں۔ اگر کسی نے کتاب لکھ کر مخالفت کی
 ہے۔ تو آپ اس کا جواب اسی معروف طریقے سے دیں۔ یا اگر کوئی صورت
 باقی نہیں رہی تو ان کے خلاف جہاد کریں، تاکہ دنیا سے فتنے کو ختم کیا جاسکے۔
 محض اشتعال انگیز باتیں سن کر مشتعل ہو جانا اصول صبر کے خلاف ہے۔
 ایسی ہی اذیت ناک باتوں کا دوسرا علاج فرمایا و تَتَّقُوا اگر تم تقویٰ کی راہ
 اختیار کرو گے۔ اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کی بھی بار بار تاکید کی ہے۔ تقویٰ کا معنی
 "محافظة بر حدود و شرع" ہے۔ یعنی کسی بھی حالت میں شریعت کی حدود کو عبور
 نہیں کرنا چاہیے۔ گالی کا جواب گالی سے نہیں دینا چاہیے۔ بیہودگی کا جواب
 بیہودگی نہیں ہے۔ بلکہ تقویٰ کا تقاضا یہ ہے۔ کہ برائی کا جواب اچھائی سے دو
 ایسا کرنے سے لوگوں پر اس کا بہت اچھا اثر مرتب ہوگا۔ تہلکے اخلاق اور صبر سے
 مخالفین کے دل کمزور ہو جائیں گے اور وہ جلد ہی مغلوب ہو جائیں گے۔ عند میں آکر
 ایسا نہ کریں کہ اگر اہل کتاب نے حضور علیہ السلام کی شان میں کوئی ایسی ویسی بات کی
 ہے تو آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کوئی نازیبا الفاظ کہ
 دیں۔ العیاذ باللہ۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا کہ اس کے پیچھے ہوتے
 تمام رسول اور تمام آسمانی کتابوں پر ایمان لاؤ۔ اہل اسلام تو ایسا ہی کرتے ہیں۔ مگر
 تورات کی طرف اپنی نسیبت کرنے والے یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پتھر تیلیم
 کرتے اور نہ حضور حاتم النبیین کو۔ اسی طرح نصاریٰ جو انجیل کے حامل ہونے کے
 دعوے دار ہیں، نہ قرآن پاک کو اللہ کی کتاب مانتے ہیں اور نہ محمد الرسول اللہ کو اللہ کا
 رسول تیلیم کرتے ہیں۔ یہ سب ضد، عناد اور تعصب کی وجہ سے ہے۔

فرمایا اگر تم صبر کرو گے اور تقویٰ کا دامن پکڑو گے فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ
 عَزْمِ الْأُمُورِ تو یہ مقصود ہی امور ہیں، یعنی ایسا ہی ہونا چاہیے۔ شاہ ولی اللہ

تقویٰ کی
 طہال

مقصود ہی امور

محدث دہلوی اس کا ترجمہ کرتے ہیں "ابن ازکار ہائے مقصود است" یہ چیزیں یا
 کاموں میں سے ہیں کہ جن پر پختہ عزم ہونا چاہیے۔ ایک مسلمان کے لیے لازم ہے
 کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام و فرامین بدل و جان قبول کرے۔ فرمایا صبر اور تقویٰ
 اپنی عزم یا بجز عزم امور میں سے ہیں۔

لَنْ تَنَالُوا

الْعِصْمَانِ ۳

درش صحت و صفت ۶۷

آیت ۱۸۷

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ

لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ

وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَبُئِسَ مَا يَشْتَرُونَ ﴿۱۸۷﴾

ترجمہ: اور (اس بات کو اپنے خیال میں لاؤ) جب کہ اللہ تعالیٰ نے نچتے عمدایا ان لوگوں سے جن کو کتاب دی گئی کہ اس کو تم خزانہ رو لوگوں کے سامنے ظاہر کر دو گے۔ اور اس کو چھپاؤ گے نہیں۔ پس انہوں نے اُسے پس پشت پھینک دیا۔ اور اس کے بدلے میں خریدی تھوڑی

سی قیمت۔ پس بہت بُری چیز ہے جو انہوں نے خریدی ﴿۱۸۷﴾

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے آزمائش کا اصول بیان فرمایا تھا۔ اور مسلمان کو خیر دل کر دیا تھا۔ کہ تم میں تمہارے مالوں اور جانوں کے ذریعے لازمی طور پر آزمایا جائیگا۔

لہذا اس قسم کے امتحان کے لیے ہمہ وقت تیار رہو۔ نیز یہ کہ کئی مومن کا ایمان جس قدر پختہ ہوتا ہے، اس کی آزمائش بھی اسی قدر سخت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ تمہیں اہل کتاب اور مشرکین کی طرف سے بڑی دل آزار باتیں سننی پڑیں گی۔ مگر

ان سے دل برداشتہ ہو کہہ تبلیغ دین کا کام ترک نہ کر بیٹھنا، بلکہ اپنا کام ہمیشہ اور ہر حالت میں جاری رکھنا۔ اللہ تعالیٰ نے ان تکلیف دہ امور پر اہل ایمان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔ کہ اگر تم صبر کا دامن پکڑے رہو گے کہ صبر ملت ابراہیمی کا بہت

بڑا اصول ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ تقویٰ کی راہ پر گامزن رہو گے، تو یہ باتیں مقصود ہی امور میں سے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو صبر اور تقویٰ کی راہ اختیار کرنے کی تمغیبت دی۔ کہ ان دو سنہری اصولوں کو مضبوطی سے پکڑے

رکھو تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس امتحان میں کامیاب فرمائے گا۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے اُس عمدہ و پیمان کا ذکر فرمایا جو ان سے عمدہ لیا گیا کہ تمہیں میری

رہنمائی

طرف سے جو احکام پہنچیں گے، تم انہیں لوگوں کے سامنے بلا کم و کاست واضح طور پر بیان کر دو گے اور اُس میں سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رکھو گے۔ مگر اہل کتاب اس عہد پر قائم نہ رہ سکے اور انہوں نے اچھی چیز کے بدلے کم قیمت چیز خرید لی جسکی وجہ سے وہ امتحان میں پورے نہ اتر سکے اور ناکام ہو گئے۔

میثاقِ اہل کتاب

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ **وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ آوَوْا الْكِتَابَ** اے پیغمبرِ طیب! اُس بات کو اپنے دھیان میں لاؤ جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے پختہ عہد لیا۔ **مِيثَاقَ وَفْقَ كَسَمَعْتُمْ** کے مادہ سے ہے اور اس کا معنی پختہ عہد کرنے کا ہوتا ہے۔ ایسا عہد جسکی پابندی نہایت ضروری ہوتی ہے۔ یہ اُس عہد کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے بارے میں بنی اسرائیل سے لیا تھا، حالانکہ محمدؐ بیان تو اور بھی ہیں جن کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے۔ مثلاً **عہدِ الست** جو عالم ارواح میں تمام نوع انسانی کی ارواح سے لیا گیا تھا۔ اللہ نے پوچھا تھا **أَكْسَبْتُمْ سِرِّي كَعَمَلِكُمْ** کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو تمام ارواح نے بیک زبان اقرار کیا تھا **قَالُوا بَلَىٰ** کہ ہاں مولا کریم! تو ہی ہمارا رب ہے۔ بنی اسرائیل سے خصوصی طور پر لیے گئے عہدوں کا ذکر بھی سورۃ بقرہ میں گزر چکا ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا **لَا تَقْبَلُوا دُونََ اللَّهِ كَمَا كَرِهَ اللَّهُ لِعِبَادِهِ تَعْبَادَتِهِمْ** نہیں گے اور والدین اقربا، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ تو حسن سلوک کریں گے۔ اسی طرح سورۃ مادہ میں آئیگا کہ **لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَارْسَلْنَا إِلَيْهِمْ رَسُولًا مُرْسَلًا** ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور اُن کی طرف رسول بھیجے مگر انہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی میں بعض رسولوں کو جھٹلایا اور بعض کو قتل کر دیا۔

بہر حال یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے اس عہد کا ذکر فرمایا ہے جس میں اُن کو دی گئی کتاب کے متعلق فرمایا تھا۔ **كَتَبْنَا لَهُ الْكِتَابَ** کہ تم اُسے لوگوں کے سامنے لازماً ظاہر کر دو گے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں پر ہ کی ضمیر کتاب کی طرف لوٹتی ہے اور معنی یہ ہوتا ہے۔ کہ تم اُس کتاب کو

ضرورت ظاہر کرو گے، بعض دوسرے مفسرین کہہ رہے ہیں کہ لا کی ضمیر میثاق کی طرف اشارہ ہے۔
 بھی رات ہی ہو سکتی ہے۔ کہ تم لوگوں کے سامنے اس عہد کا واضح اعلان کرو گے کہ ہم نے
 اللہ سے یہ پختہ وعدہ کیا ہے۔ بہر حال عہد یہ تھا کہ تم اللہ کے احکام لوگوں کے سامنے
 بلا کم و کاست واضح طور پر بیان کرو گے وَلَا تَكْتُمُوهُنَّ اور اُسے چھپاؤ گے نہیں
 یہ عہد تورات و انجیل دونوں کتابوں میں موجود تھا بلکہ موجودہ تحریف شدہ کتابوں میں اب
 بھی ایسی آیتیں موجود ہیں۔ جن سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے
 بنی اسرائیل سے فرمایا تھا کہ جو کتاب میں نے تم کو دی ہے اس کو لوگوں کے سامنے
 علی الاعلان بیان کرنا۔ اس کے احکام کو ظاہر کرنا۔ جو چیز میں نے تمہیں اندھیرے میں
 دی ہے اُسے تم روشنی میں لوگوں کے سامنے بیان کرنا، بعض مقامات پر آتا ہے کہ
 اس کے متعلق اپنی اولادوں کو بتلانا۔ انجیل میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اس کتاب کا اعلان
 کو بھولوں اور مکملوں پر کرنا اور منادی کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات بتلائی ہے۔ اور
 اس کو چھپانے کی کوشش نہ کرنا۔

عربی

مگر اس سچے عہد کے باوجود اللہ نے فرمایا فَلْيَذَكِّرُوا بِهِ اور ظُهُورِهِمْ
 انہوں نے اس کتاب کو یا عہد کو پس پشت ڈال دیا۔ دوسری جگہ پر ہے کہ انہوں نے
 اللہ کی کتاب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اور پھر یہ بھی کہ کتاب میں جو چیزیں ان کے
 مفاد میں تھیں انہیں ظاہر کر دیا اور باقی باتوں کو چھپا دیا۔ قرآن پاک کی شہادت کے
 مطابق جن چیزوں کو انہوں نے چھپا دیا وہ نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق
 پیش گوئیاں تھیں جو اللہ نے تورات و انجیل میں بیان فرمائی تھیں۔ سورۃ اعراف میں
 موجود ہے کہ یہ لوگ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ یہ وہ
 نبی ہیں الَّذِي يَخْتَدُّونَهُ كَمَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ
 جن کا ذکر ان کی تورات و انجیل میں لکھا ہوا موجود ہے۔ سورۃ بقرہ میں بھی لکھا ہے
يَكْتُمُونَكَ كَمَا كَتَمُوا نُبُوَّةَ إِسْمَاعِيلَ اللہ کی کتاب کو اسی طرح
 چھپاتے ہیں۔ جیسے اپنی اولادوں کو چھپاتے ہیں۔ اور جانتے ہیں کہ یہ وہی کتاب

اور وہی پیغمبر ہے جسکی خوشخبری ان کی کتابوں میں موجود ہے۔ مگر یہ لوگوں کے سامنے اُسے ظاہر نہیں کرتے بلکہ چھپا جاتے ہیں۔

اہل کتاب کی طرف سے کتان حق ان کی غرضِ فاسد کی بنا پر تھا اور وہ یہ تھی کہ اگر قرآن پر ایمان لائیں گے، خاتم النبیین کو رسول مان لیں گے، تو ان کی ساری چیزیں ختم ہو جائے گی۔ جیسا کہ پہلی آیتوں میں گزر چکا ہے۔ یہود کی اصل بیماری زر پرستی اور سربازہ داری تھی جس کی وجہ سے وہ ساری باتوں کے ترکیب ہوتے تھے۔ قرآن پر ایمان لانے کے بعد ان کے لیے دولت جمع نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ قرآن پاک تو حلال حرام کی تمیز سکھاتا ہے نہ وہ حرام ذرائع سے دولت جمع کرنے کی اجازت دیتا ہے اور نہ اُسے ناجائز امور میں خرچ کرنے دیتا ہے۔ قرآن تو برائیوں کو ختم کرنے کے لیے آیا ہے۔ وہ تو صاف صاف کہتا ہے۔ "لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبِطَالِ" ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے مت کھاؤ۔ سود اور رشوت کو کرو۔ حرام کاری کو ختم کرو۔ عیاشی افحاشی اور زنا پر قدغن لگا دی جاتی ہے۔ اس لیے قرآن پاک کا قانون ان لوگوں کو اس نہیں آتا۔ برطانیہ کے ایک ذریعہ عظیم کلیڈ سٹون نے قرآن پاک ہاتھ میں لیکر پارلیمنٹ میں اعلان کیا تھا کہ جب تک یہ کتاب دنیا میں موجود ہے لوگ منہذب نہیں ہو سکتے۔ ظاہر ہے کہ ان کی تہذیب تو یہ ہے کہ زنا اُس وقت تک زنا شمار نہیں ہوتا جب تک وہ فریقین کی مرضی کے خلاف نہ ہو۔ اگر مرد و زن باہمی رضامندی سے اس فعل کا ارتکاب کرتے ہیں، تو قانون کی نظر میں یہ کوئی جرم نہیں۔ بلکہ وہاں تو لواطت تک کہ جائز قرار دے دیا گیا ہے۔ قرآن تو حکم دیتا ہے "وَلَا تَقْرَبُوا الزَّانِيَةَ" یعنی زنا کے قریب تک نہ جاؤ، مگر یہ منہذب قوم ہر فحاشی کہ جائز تصور کرتی ہے۔ قرآن شراب پر پابندی عاید کرتا ہے اور اُسے "مُرْتَجِسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ" قرار دیتا ہے۔ کہ یہ ناپاک ہے اور شیطان کی عمل ہے۔ عوار، قمار بازی سب اسی حکم میں آتے ہیں مگر یہود نصاریٰ کے ہاں سب کچھ جائز ہے۔ وہ قرآن پاک کو اللہ کا کلام اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا نبی کیسے

مان سکتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے: لَا تَشْرَبُوا الْخَمْرَ فَإِنَّهُ مِفْتَاحُ كُلِّ شَيْءٍ
شرب مست پر جو کہ یہ ہر بڑائی کا دروازہ کھولتی ہے۔ مقصد یہ کہ اہل کتاب اپنی من مانی غرض حاصل
کی بنا پر اللہ کا قرآن اور اس کے نبی کا فرمان اپنانے کے لیے تیار نہیں۔ دگر نہ وہ خوب
جانتے ہیں۔ کہ یہ دونوں چیزیں برحق ہیں اور اس کی شہادت ان کی اپنی کتابوں میں موجود
ہے۔ مگر وہ اسے چھپا جاتے ہیں۔

آفریفت
کی بیماری

اغراض فاسدہ کی وجہ سے حقائق کو چھپا جانا اس آخری امت میں بھی عموماً کر آیا ہے
شُرک و بدعات کی ترویج اسی قبیل سے ہے۔ اہل بدعت حق سے روگردانی کرتے
ہوئے اپنے پیٹ کی خاطر سنت کی بجائے بدعت اور توحید کی بجائے شرک کو اختیار
کرتے ہیں اور اسی کے حق میں پراگینہ کر دیتے ہیں۔ اگر صحیح مسئلہ بتایا جائے تو لوگوں کی
کایا لپٹ جاتے مگر کیا کیا جائے ان نام نہاد عالمانِ دین کا جو فیس کے کد غلط مسائل
بیان کرتے ہیں اور حق کو چھپاتے ہیں۔ بعض مولوی سو روپے کی خاطر کالج پر نکل کر پڑھا
جیتے ہیں۔ انہیں ذرہ خدا کا خوف نہیں آتا کہ وہ حرام میں حصہ دار بن رہے ہیں۔ ہمارے
معاشرے کی سوتلا عروس، تیجا، چالیسواں وغیرہ سب باطل طریقے میں جن کے ذریعے
لوگوں کا مال بھٹم کیا جاتا ہے۔ قبروں پر چادریں چڑھائی جاتی ہیں، ان پر گنبد بنائے
جاتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کے فرمان کی خلاف ورزی ہو رہی ہے حضور علیہ السلام نے
نے تو فرمایا لَا تَخَصَّصُوا قُبُورَ رِجَالٍ بِرِجَالٍ نَهَ لَكَ دُرٌّ جَوْنا اور سمیٹ مت لگاؤ۔
مگر آج عالیشان گنبد بنائے جا رہے ہیں۔ یہ کہاں کا دین ہے۔ آج کون ہے جو
انہیں دین کا اصل مسئلہ بتائے اور کہن ہے جو اس پر عمل کرے۔ حضرت
خواجہ معین الدین چشتیؒ کا بہت بڑا دربار تو بنا دیا مگر ان کی تعلیم کو کبھی کسی نے پڑھا ہے
آپ کے ملفوظات میں موجود ہے کہ کسی نے دریافت کیا، حضرت! بعض اوقات
بارش کی وجہ سے قبر کی مٹی ضائع ہو جاتی ہے، کیا اسے پختہ کیا جا سکتا ہے؟ آپ نے
فرمایا، نہیں۔ قبر جتنی بوسیدہ ہوگی، اُس پر اللہ کی رحمت اتنی ہی زیادہ برسے گی۔

خواجہ صاحب اور سید علی جوہریؒ نے تو اپنے لیے جھوٹے ہی تاک نہیں بنائی مگر آج

ساتھ تبادلہ خیال کے طور پر تو بہ سچی ہیں مگر علوم کے لیے مناسب نہیں۔
 الغرض! حق بات کو چھپایا جانا اہل کتاب کی بیماری اغراض فاسدہ کی بنا پر بھتی۔
 حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں مدینہ طیبہ میں یہودیوں کے دس بڑے عالم تھے
 جن میں سے اسلام کی دولت صرف حضرت عبداللہ بن سلام کے حصے میں آئی، باقی
 سب محروم رہے حالانکہ وہ حقیقت کو پہچانتے تھے مگر ان کی اغراض فاسدہ ان
 کے اڑے آتی تھیں۔ وفد بخران میں شامل بڑے پادری کے بھائی نے دوران سفر
 یہی بات کی تھی کہ اگر تم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا سچا رسول مانتے
 ہو، تو تسلیم کیوں نہیں کہہ لیتے۔ تو وہ کہنے لگا کہ اگر ہم حق کو تسلیم کر لیں تو ہم رومی
 بادشاہوں کی عطا کردہ جاگیروں سے محروم ہو جائیں گے۔ ہمارے اغراض ختم ہو
 جائیں گے۔ اور بیماری اغراض پوری نہیں ہوں گی۔

فرمایا اہل کتاب نے عبدلہ بنی کی اور اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا وَاشْتَرُوا
بِهَا ثَمَنًا قَلِيلًا اور کتاب اللہ کے بدلے میں دنیا کا حقیر مال خرید لیا۔ چند لوگوں کی
 خاطر دین حق کو بیچ ڈالا۔ اور حقیقت کے بدلے کلمہ ہی مول لی۔ توحید کی جگہ بدعت
 اور شرکیہ افعال کو رائج کیا۔ سحر، جادو، گدھے اور تعویذ کے ذریعے دنیا کا حقیر مال اکٹھا
 کیا۔ اللہ کا فرمان ہے مَتَاعَ الدُّنْيَا قَلِيلٌ دنیا کا سارا مال بھی قلیل ہے۔
 آخرت کے مقابلے میں اسی کوئی حیثیت نہیں، ترمذی شریف کی روایت میں
 آتا ہے کہ دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص مندر میں سوئی ڈبو کر نکالنے
 سوئی کے ذریعہ وہ کتنا پانی حاصل کر لے گا۔ فرمایا آخرت کی نسبت پوری دنیا ایک
 سوئی کے برابر ہے۔ اگر کوئی شخص پوری دنیا کا مال و متاع بھی سمیٹ کر رکھ
 لے تو کتنے روز اس کے پاس رہے گا۔ آخری امت کی تو عمر ہی چھوڑی ہے
 پہلی امتوں کے لوگ چار چار پانچ پانچ سو سال تک بھی عمر میں پاتے تھے۔ مگر
 وہ بھی دنیا کا مال دنیا میں ہی چھوڑ کر چلے گئے۔ لہذا اس دنیا کے بڑے سے بڑے
 مال کی بھی کوئی حقیقت نہیں مگر لوگوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی، وہ ہمہ وقت

حقیر دنیا
 کی طلب

دنیا کے حقیر مال کے پیچھے دوڑ رہے ہیں حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا، ہر امرت
 کا کوئی نہ کوئی فتنہ ہوتا ہے۔ اور میری امرت کا فتنہ مال ہے۔ لوگ اسی کے پیچھے
 دوڑتے رہیں گے۔ صحیحین کی روایت میں آتا ہے حضور بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
 نے فرمایا، مجھے اپنی امرت پر فقر و ناداری آنے کا ڈر نہیں بلکہ خوف یہ ہے۔

أَنْ تَبْسُطَ عَلَيْكُمْ الدُّنْيَا كَرْتُمْ بِرَدِّيَا بِصِلَادِي جَائِغِي وَتَهْلِكُكُمْ
 كَمَا أَهْلَكَتَهُمْ أَوْ رِيهْتُمِ أَسَى طَرَحٍ تَبَاهُ كَرْدِي جِي طَرَحٍ بِلِي لُوكُوں كُو
 کیا۔ اسی لیے فرمایا کہ جن لوگوں نے دنیا خریدی فَبَيْسُوا مَا كَيْسَتْ سُورَتِ
 بہت بُری چیز ہے جو انہوں نے خریدی۔ ایمان کو برباد کر کے دنیا کا حقیر مال خریدا
 انہوں نے نہایت ہی گھٹے کا سودا کیا۔

۳۳۸ (ذی قعدہ)

لَنْ تَنَالُوا

الْإِعْمَالِ

آیت ۱۸۸ تا ۱۸۹

در شصت و ہشت ۶۸

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوْا وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحَدِّثُوا
بِمَالِهِمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبْتَهُمْ بِمَفَازَةٍ مِنَ الْعَذَابِ
وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۸۸﴾ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَ
الْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۸۹﴾

۱۹

ترجمہ : نہ گمان کریں آپ اُن لوگوں کے بارے میں جو خوش ہوتے ہیں اس چیز پر جو انہوں نے کی ہے۔ اور پسند کرتے ہیں کہ اُن کی تعریف کی جائے، اُن باتوں پر جو انہوں نے نہیں کیں۔ پس نہ گمان کریں آپ کہ اُن کو عذاب سے کامیابی حاصل ہوگی۔ اور اُن کے لیے تو دردناک عذاب ہے ﴿۱۸۸﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۱۸۹﴾ گذشتہ کئی دروس سے اہل کتاب اور منافقین کی قباحتوں کا ذکر ہو رہا ہے اہل کتاب کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گستاخی کرنا، ارتکانہ دولت کرنا اور جن سے کام لینا، اسلام قبول کرنے میں مختلف حیلے بہانے کرنا اور بیہودہ مطالبات کرنے کے متعلق تفصیلات بیان ہو چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو تسلی دی اور فرمایا کہ تمہاری آزمائش بھی ضرور ہوگی، اس کے لیے ہمہ وقت تیار رہنا چاہیے، اور جان و مال کی قربانی سے دریغ نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ اہل ایمان تمہیں اہل کتاب اور مشرکین کی جذبات سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سننا پڑیں گی، جن کی وجہ سے تمہیں کوفت ہوگی اور فرمایا کہ ایسی باتوں کا مقابلہ تم صبر اور تقویٰ کے ذریعے کرنا، اللہ تعالیٰ تمہیں ضرور کامیاب کرے گا۔ اہل کتاب کی اس خرابی کا بھی تذکرہ ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن سے

گذشتہ
سے پوچھنا

پچھتائیں پھر دینا جائے، تو یہ فائزہ سینچ رہی ہے۔ اور مصلحتاً یہ ہو گا کہ جو لوگ
 اپنے کئے پر خوش ہوتے ہیں اور ناکردہ پر مدح چاہتے ہیں، وہ یہ گمان نہ کریں کہ خدا
 سے فرج جائیں گے۔ اب رہا یہ سوال کہ انہوں نے کیا کیا اور کیا نہ کیا۔ جو کچھ اہل کتاب
 اور منافقین نے کیا وہ تو یہ ہے کہ حق بات کو چھپایا اور اس کے بدلے میں دنیا
 کا حقیر مال وصول کیا۔ ہر قسم کی بڑائی، دھوکہ اور فریب کیا، اور اس پر بھی خوش ہوئے
 ہیں۔ کہ ہم نے بہت بڑا معرکہ مار لیا ہے۔ اور جو کام نہیں کیا، وہ نیچی کا کام ہے
 حق بات کو ظاہر نہیں کیا۔ حضور علیہ السلام اور قرآن پاک کے متعلق پیشین گوئیوں کو
 ظاہر نہیں کیا۔ اور چاہتے ہیں کہ ان کے ناکردہ کاموں پر بھی لوگ ان کی تعریف
 کریں کہ یہ بہت اچھے دیندار آدمی ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ محض ان کی خام خیالی ہے
 اس قسم کی ہوشیاری اور چالاکی کر کے وہ عذاب الہی سے نہیں بچ سکتے۔ انہیں
 اپنے کئے دھڑے کا حساب دینا ہو گا۔ منافقین کا بھی یہی حال ہے۔ وہ سمجھتے ہیں
 کہ ہمارے لفاظی کا کسی کو علم نہیں، ہمیں کوئی گرفت نہیں کر سکتا، لہذا توقع رکھتے
 ہیں کہ لوگ ہمیں نیک سمجھیں اور عابد و زاہد سمجھیں کہ ہماری تعریف کریں۔ اللہ نے فرمایا وَلَهُمْ
عَذَابٌ أَلِيمٌ ایسے لوگوں کے لیے اللہ نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔
 اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے متعلق سورۃ مؤمنون میں فرمایا
وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ کہ وہ نیچی کا کام کرنے کے
 باوجود اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں أَتَاهُمُ إِلَىٰ رَبِّهِمْ کہ وہ
 اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے چاہتے ہیں۔ نا معلوم ہماری نیکیوں میں کتنی کوتاہیاں
 ہوتی ہیں۔ چنانچہ بزرگان دین کا مقولہ ہے کہ بعض نیک آدمی نماز پڑھ کر بھی اس
 قدر گھبرا جاتے ہیں جیسے کوئی چوری کرنے نکلتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ نا معلوم اس
 فرض میں کس قدر کوتاہی اور غلطی واقع ہوئی ہے۔ کہیں اللہ تعالیٰ ناراض نہ ہو جائے
 امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ نیچی کرنے کے بعد انسان کو اللہ تعالیٰ سے بہتر اجر کی توقع
 رکھنی چاہیے اور خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے، مگر اُس نے نیچی کی تو نیک بنی۔ اور ساتھ فرستے

بھی رہنا چاہیے۔ کہ کہیں کوئی غلطی نہ ہو، اسی طرح روزہ ہے۔ روزہ رکھ کر بھی دل میں خوف رہنا چاہیے۔ کہ یہ قبولیت کے قابل بھی ہو رہا ہے یا نہیں۔ اسی لیے تو فرمایا **الْإِيمَانُ بَيْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ** یعنی ایمان خوف اور امید کے درمیان پایا جاتا ہے صحیح ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بھی ڈرتا ہے اور اُس کے ساتھ امید کا دامن بھی والہتہ رکھے۔ اللہ فرمایا ہے کہ ہمارے بیٹی کی جیبتنا **مَرَعِيًا قَرَّهْبًا** ہمیں رعبت اور خوف کے ساتھ پکارتے ہیں۔ اور ہمارے سامنے عاجزی کا اظہار کرتے ہیں۔

مع کے
طالب یا کار

اپنی تعریف کرانے کی سیاری ہیرویلوں سے نکل کر اہل اسلام تک بھی پہنچ چکی ہے اللہ والے تو نیکی کرنے کے بعد بھی اپنی تعریف نہیں چاہتے مگر آج کا ہر چھوٹا بڑا اسی چکر میں پڑا ہوا ہے کہ کسی طرح اخبار میں نام آجائے تو لوٹ چھپ جائے تو بہت بڑا مقصد پورا ہو جائے گا۔ حکومت کے کارپورڈان خصوصاً صدر، وزیر عظم، وزراء اعلیٰ ۱۔ دیگر وزراء حضرات اپنی ہر کردہ اور ناکردہ پر تعریف سنا چاہتے ہیں۔ یہ تو صریحاً ریا کاری ہے۔ اور اچھے کام پر بھی پانی پھیرنے کے مترادف ہے، لہذا اگر اللہ نے کسی کو نیکی کی توفیق عطا کی ہے۔ تو اُسے ثمرت کا ذریعہ نہیں بنانا چاہیے بلکہ حتی الامکان اُسے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

البتہ ایک چیز ہے۔ نیک کام کر کے اگر مومن کے دل میں خوشی پیدا ہو۔ تو یہ طبعی امر ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ روزہ دار کو دو روزت خوشی حاصل ہوتی ہے۔ ایک خوشی اُسے افطاری کے وقت حاصل ہوتی ہے۔ کہ اس کی ذمہ داری پوری ہوئی اور دوسری خوشی اُس وقت حاصل ہوگی۔ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ روزے کا اجر عطا فرمائیں گے یہ طبعی خوشی ہے اور جائز ہے۔ ہاں اگر خوشی اس وجہ سے ہے کہ لوگ اُسے روزہ دار کہیں یا نمازی اور پوسٹنگار تصور کریں، تو یہ خطرناک بیماری ہے۔ یہ چیز ریا کاری کہلاتی ہے اور نفاق کی تعریف میں بھی آتی ہے۔ ایسے شخص کو آخرت میں سخت ترین عذاب

سے سابقہ پڑے گا۔

مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ایک لمبی حدیث آتی ہے۔
قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک شہید سے اس کے اعمال کے متعلق دریافت
فرمائیں گے، تو وہ عرض کرے گا، مولاکریم! میں نے تیرے راستے میں جہاد کیا
اور اپنی جان جیسی قیمتی متاع تیرے راستے میں قربان کر دی۔ اللہ کریم فرمائیں گے
تو جھوٹ کہتا ہے۔ تو نے جہاد میں اس لیے حصہ لیا کہ تمہاری بہادری کے چرچے
ہوں۔ تیرا یہ مقصد دنیا میں پورا ہو چکا ہے۔ اس کے بعد وہ اونڈھے منہ جہنم میں ڈال
دیا جائے گا۔ اسی طرح ایک عالم سے دریافت کیا جائے گا۔ کہ میں نے کچھ
دنیا میں علم کی دولت عطا کی، تو نے اسے کہاں صرف کیا۔ عرض کرے گا۔ کہ میں نے دینی
کا علم حاصل کر کے دوسروں تک پہنچایا۔ آپ کی کتاب قرآن پاک میں مشغول رہا اللہ
فرمائے گا تو جھوٹ کہتا ہے۔ تو قرآن اس لیے پڑھتا تھا۔ کہ لوگ تجھے عالم اور قاری
کہیں۔ تیرا یہ مقصد دنیا میں پورا ہو چکا اب تیرا ٹکنا جہنم میں ہے۔ اسی طرح ایک
ایک تیسرے شخص سخی کا معاملہ پیش ہو گا۔ وہ بھی کہے گا کہ دنیا میں میں نے تیرا عطا
کردہ مال تیری رضا کے لیے تیرے بندے ہوئے راستے پر خرچ کیا۔ مولاکریم
فرمائیں گے تو بھی جھوٹا ہے۔ تو نے سخی کہلانے کے لیے مال صرف کیا، تاکہ تیری
سخاوت کے چرچے ہوں۔ تیرا بھی یہ مقصد دنیا میں پورا ہو چکا۔ پھر حکم ہو گا اور وہ
بھی اونڈھے منہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

الغرض! موجودہ زمانے میں ذاتی نمود و نمائش ایک فیشن بن چکا ہے۔ ہر شخص
اس دوزخ میں سب سے آگے نکلنا چاہتا ہے۔ ہاں اللہ کے بندے کچھ ایسے بھی
ہیں جو ہر نیک کام رضائے الہی کی خاطر کرتے ہیں۔ اس میں کسی قسم کی خود نمائی نہیں
کرتے بلکہ اپنے آپ کو ہمیشہ ہیچ سمجھتے ہیں۔ مولانا احمد علی لاہوریؒ خط لکھتے تو آخر
میں اپنے آپ کو احقر الانام لکھتے یعنی سارے انسانوں میں حقیر زندہ۔ حضرت مولانا صاحبؒ
اپنے آپ کو ننگ اسلاف اسلاف کے لیے باعث شرم سے تعبیر کرتے تھے۔

مجھے کچھ قادر نہ دیا، سب کچھ تباہ ہو گیا۔ نہ فوج کام آئی۔ نہ پولیس اور نہ کوئی سکیورٹی
 کاش میں دنیا میں حکومت پر فائز نہ ہوں۔ اُس دن ہی بچ سکیں گے۔ جنہوں نے اقتدار
 کا تصرف عدل و انصاف کے ساتھ کیا ہوگا۔ جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، اس کے
 احکام پر عمل کرتے ہیں، انہیں یقین رکھنا چاہیے کہ بادشاہی تو خدا تعالیٰ کی ہے۔
 اگر اس کے حکم پر چلتے رہیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ فلاح عطا فرمائے گا، وہ اس دنیا میں
 بھی کامیاب ہوں گے اور آخرت کی کامیابی بھی انہی کے مقدر میں ہے۔ منسرایا
 وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ الَّذِيْ هُوَ جَزِيْرٌ قَدِيْرٌ ۝ مَكَارٌ ۝ اُوْرْ كَمٰنٌ حٰقٌّ كَرِيْمٌ
 اسی کی ہے۔ سزا و جزا پر بھی وہ قادر ہے۔ لہذا جسوٹے، مکار، اور کمان حق کرنے
 والے لوگوں کو بالکل الملک کی گرفت کا انتظار کرنا چاہیے۔ اور صاحبِ بصیرت
 لوگوں کو اللہ کی طرف سے بہتر جزا کی امید رکھنی چاہیے۔ وہ ضرور کامیاب ہوں گے۔

لَنْ تَنَالُوا

الْأَرْضَ

درست شصت و نہ ۶۹

آیت ۱۹۰ تا ۱۹۱

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ
 لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۚ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَمًا
 وَقَعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ
 وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ
 فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩١﴾

ترجمہ: بیشک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور رات اور دن کے اختلاف
 میں الہی نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لیے ﴿۱۹۰﴾ وہ جو یاد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ
 کو، کھڑے ہوں، بیٹھے ہوں یا کھڑوں کے بل لیٹے ہوں اور وہ غور و فکر کرتے
 ہیں آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں (اور کہتے ہیں) اے ہمارے پروردگار! تو نے
 نہیں پیدا کیا اس کو باطل، پاک ہے تیری ذات، پس بچاؤ ہمیں آگ کے عذاب
 سے ﴿۱۹۱﴾

سورۃ کی ابتداء
 اور انتہا

آج کے درس سے سورۃ ال عمران کا آخری رکوع شروع ہو رہا ہے۔ سورۃ کی ابتداء
 میں اللہ تعالیٰ نے مسئلہ توحید بیان فرمایا تھا اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ
 یعنی اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ زندہ اور قائم ہے
 اب سورۃ کے آخری رکوع میں اللہ تعالیٰ نے مسئلہ توحید کے دلائل بیان فرمائے
 ہیں۔ گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور حاکمیت کا دعویٰ کیا گیا تھا۔
 وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَنَحْنُ نَعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰی
 كُلِّ شَيْءٍ قٰدِمِيْنَ۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ قادر مطلق اور معبود برحق
 وہی ہے۔ اب آئدہ آیات میں دعویٰ ملکیت، قدرت نامہ اور توحید کے دلائل

بیان ہوئے ہیں۔ یہ ایسی صفات ہیں جو صرف اللہ رب العزت کے ساتھ مختص ہیں۔
متصرف فی الامور، قادر مطلق، مستحق عبادت، نافع، ضار صرف اللہ تعالیٰ کی ذات
ہے۔ ان امور میں کسی اور کو کوئی دخل حاصل نہیں۔

شان نزول

مفسرین کلام بیان کرتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین حضور علیہ السلام سے
طرح طرح کے بیہودہ سوال کرتے تھے، آپ سے معجزات طلب کرتے تھے، اور
جیلے بہانے سے خود اسلام قبول نہیں کرتے تھے اور دوسروں کو قبول کرنے سے
سکھتے تھے۔ چنانچہ اس آیت کے شان نزول کے متعلق فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ
مشرکین مکہ نے یہودیوں سے سوال کیا کہ تمہارے نبی موسیٰ علیہ السلام کیسے تھے۔ ۵۵
کننے لگے کہ موسیٰ علیہ السلام عصا اور پیر بھینا جیسی نشانیاں رکھتے تھے۔ ان کے ہاتھ
پر کئی معجزے ظاہر ہوئے، پانی میں راستہ بن گیا، بارہ چشمے جاری ہو گئے، ہن و سلوا
نازل ہوا وغیرہ وغیرہ۔ اس کے بعد مشرکین نے نصاریٰ سے دریافت کیا کہ
تمہارے نبی عیسیٰ علیہ السلام کیسے تھے۔ عیسائیوں نے کہا، وہ مردوں کو زندہ کھتے
تھے، مادر زاد اندھوں کو بینا کرتے تھے اور کوڑھی کو شفا دیتے تھے۔ اس پر مشرکین
نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ دیکھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور
حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی اپنی امت کے ساتھ کیسی کیسی نشانیاں ظاہر کیں۔
آپ بھی ہمارے سامنے معجزہ پیش کریں اور وہ یہ کہ صفا پہاڑی کو سونے کا بنا دیں۔
مشرکین کے اس قسم کے مطالبات کا ذکر سورۃ بنی اسرائیل میں موجود ہے۔ کہ انہوں
نے اجڑے چھتہ کا معجزہ طلب کیا۔ اور کہا کہ آپ کے لیے کھجور اور انجور کا باغ ہونا
چاہیے۔ جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں۔ یا ہم پر آسمان گرا دے یا اللہ اور فرشتوں کو
ہمارے پاس لے آئے تمہارے لیے سونے کا ٹھل ہونا چاہیے یا آپ کو آسمان پر
چڑھ جانا چاہیے اور پھر ہمارے سامنے آسمان سے کتاب نازل ہونی چاہیے وغیرہ
تو اس مقام پر مشرکین نے صفا پہاڑی کو سونے کا بنانے کا مطالبہ پیش کیا تو اللہ تعالیٰ
نے اس کے جواب میں یہ آیت نازل فرمائی۔

حضرت عطار کی روایت میں ہے کہ انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے عرض کیا کہ حضور نبی کریم علیہ السلام کا کوئی عجیب و غریب واقعہ بیان کریں۔ انہوں نے فرمایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام حالات عجیب و غریب تھے۔ تاہم انہوں نے بتایا کہ ایک دفعہ حضور علیہ السلام رات کو میرے گھر تشریف لائے۔ میں لحاف میں لیٹی ہوئی تھی۔ آپ بھی تھوڑی دیر لحاف میں لیٹ گئے اور پھر فرمایا، عائشہ! مجھے اجازت دو، میں اپنے رب کی عبادت کروں۔ چنانچہ اٹھ کر آپ نے وضو کیا اور نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ آپ یہ آیت إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآ پڑھتے رہے اور ملتے رہے صبح کو سینہ مبارک آنسوؤں سے تر ہو گیا۔ اس طرح کافی وقت گزر گیا اور صبح ہو گئی۔ حضرت بلالؓ اذان کے لیے آئے اور عرض کیا۔ آپ اس قدر گریہ زاری کیوں کرتے ہیں۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی پچھلی تمام خطا میں معاف کر دی ہیں۔ آپ نے فرمایا أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا سَيِّئًا۔ کیا میں اپنے پروردگار کا شکریہ گزار بندہ نہیں ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ آج رات مجھ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآخْتِلَافٍ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ كَذَلِكَ بَلَّغْنَا لَآيَاتِنَا لِلْعَابِدِينَ

بہر حال اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کے سوال کے جواب میں اپنی الوہیت اور ملکیت کے متعلق دلائل پیش فرمائے ہیں، دلائل عقلی اور نقلی دونوں قسم کے ہو سکتے ہیں تاہم یہاں عقلی دلائل کا تذکرہ ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے دلائل تو عام ہیں جن کا مشاہدہ تمام انسان شب و روز دیکھتے ہیں۔ لہذا ان کی موجودگی میں کوئی دوسرا معجزہ طلب کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

تاہم یہ لوگ تعصب اور عناد کی بنا پر حضور علیہ السلام سے ہر روز نئے نئے معجزات کی فرمائش کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ إِنَّ فِي خَلْقِ

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآخْتِلَافٍ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اور شب و روز کے اختلاف یعنی آگے پیچھے آنے میں لَآيَاتِنَا لِلْعَابِدِينَ

البتہ عقل مند کے لیے نشانیاں ہیں۔

ظاہر ہے۔ کہ اتنے بڑے بڑے آسمانوں اور اتنی وسیع و عریض زمین کی تخلیق کوئی کمزوری بات نہیں ہے۔ ان اشیاء کی پیدائش جن وائس کے پس کی بات نہیں۔ پھر اس زمین میں بڑے بڑے دریا چلائے اور سمندر پیدا کئے، بلند و بالا پہاڑ پیدا کئے، ان کے اندر انسانی قائد کے لیے معدنیات پیدا کیں۔ اسی زمین پر پھیل، پھیل، بسزیاں اور اندرچ پیدا کیے۔ اللہ تعالیٰ کی پہچان کے لیے کیا یہ کوئی کم دلائل ہیں۔ اس کے علاوہ رات اور دن کا آگے پیچھے مقرر اوقات میں آنا اور پھر موسموں کا تغیر و تبدل، کبھی گرمی ہے، کبھی سردی ہے، کبھی بہا رہے اور کبھی خزاں ہے۔ کبھی بارشس برس کبھی سبز لوہوں اور پھلوں کو روئیدگی میں مدد دے رہی ہے۔ اور کبھی سخت دھوپ پھلوں اور فصلوں کو پھار رہی ہے۔ آخر یہ سب کچھ کیا خود بخود یعنی (AUTOMATIC) ہی ہو رہا ہے؟ اس پورے نظام کو چلانے والی کوئی ہمتی موجود ہے یا نہیں۔ انسان پوری زندگی غور کرتا ہے، آخر کار اُسے تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس پورے کارخانہ قدرت کی چلانے والی واحد ذات ہے، جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو ہر چیز پر قادر ہے۔ یہ اسی کی قدرت اور حکمت کا کام ہے، جو الوہیت میں منقور ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کی قدرت تمام کے یہ کم دلائل ہیں؟ نہیں بلکہ صاحبانِ عقل و خرد کے لیے یہی دلائل کافی ہیں بشرطیکہ وہ غور و فکر کر کے ان کو سمجھنا چاہے۔

اولی الایات الباب لب کی جمع ہے اور لب مغز یا خلاصے کو کہتے ہیں۔ باوام، اخروٹ وغیرہ کا مغز ہوتا ہے جسے انسان استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح انسان کا لب لباب اس کی عقل ہوتی ہے جس کے ذریعے وہ دورانِ زندگی بڑے بڑے فیصلے کرتا ہے، رحمت مزدوری، کاروبار، تعلیم و تعلم، ہر چیز عقل پر موقوف ہے۔ انسان نیچی بدی اور حق و باطل کی پہچان بھی اسی عقل کے ذریعے کرتا ہے۔ چنانچہ انسان کے لیے کسی قانون کی پابندی کا دار و مدار بھی عقل پر ہی ہے۔ اسی کی وجہ سے انسان تکلف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل جیسا کمال جو ہر عطا فرمایا ہے۔ جس کو بروئے کار لا کر انسان بڑے بڑے کام انجام دیتا ہے۔ تو فرمایا کہ تخلیقِ مرض و سما اور شب و روز کے تغیر و تبدل کے دلائل جو ہم نے پیش

کیے ہیں۔ اُن سے عقلمند ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ وہ ان دلائل قدرت میں غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کو پہچان سکتے ہیں۔

فرمایا جو انسان عقل کو بروئے کار نہیں لاتے، وہ انسان نہیں بلکہ جانور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ انفال میں فرمایا ہے "إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الضَّمَمُ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يُعْقِلُونَ" بلکہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں گونگے اور بہرے ہیں۔ جانور بھی اپنے مالک کو پہچانتا ہے۔ مگر یہ حضرت انسان ہے جسے اللہ نے عقل صدیقی عظیم نعمت عطا فرمائی ہے۔ مگر اُسے بروئے کار لا کر اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں کرتا۔ وہ تو آسمان وزمین کو دیکھ کر ہی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا یقین کر لیتے ہیں کہ یہ کام سوائے اُس مالک الملک کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ دن اور رات کی تبدیلی اُسی کے حکم سے آتی ہے "يُقَلِّبُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ" یعنی رات اور دن کو پھیناں دینا اُسی کا کام ہے، اس میں کسی دوسرے کو تصرف حاصل نہیں۔ لہذا جو شخص اپنی عقل کو استعمال کرے گا وہ انسانیت میں کمال حاصل کرے گا اور اعلیٰ درجہ پائیگا۔

باقی ہے مادہ پرست لوگ، تو یہ دنیا کا کتنا بھی علم حاصل کر لیں، یہ اللہ تعالیٰ کی مصنوعات کی تاروں میں ہی الجھ کر رہ جاتے ہیں اور ضائع کی صحیح معرفت حاصل نہیں کر سکتے، ایسے لوگ بڑے بڑے سائنس دان تو ہو سکتے ہیں، بڑے بڑے فلاسفر تو کلا سکتے ہیں، محقق اور دانشور بھی ہو سکتے ہیں، مگر قرآن پاک کی زبان میں اولی اللباب نہیں ہو سکتے، جو غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کی معرفت تک نہیں پہنچ سکتے وہ احمق ہیں۔ انہیں دنیا کے بڑے بڑے علم نے بھی کچھ فائدہ نہیں دیا۔ جس نے خدا کو پہچان کر سکی عبادت نہیں کی۔ اللہ کا ذکر نہیں کیا وہ کیسا سکارہ ہے۔ وہ تو جاہل ہے اُسے عقلمند نہیں کہہ سکتے۔

ذکر الہی

آگے فرمایا عقلمند وہ لوگ ہیں الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ جَوَّالًا ذَكَرًا كَرِهَاتٍ
ہیں قَلِيلًا وَقَعِيدًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ كَهْطَرَةٌ هُمْ يَوْمًا يَأْتِيهِمْ هَوًىٰ أَوْ بَاطِلًا
کے بل لیتے ہوں ہر حالت میں اپنے خالق و مالک کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ اور اس

یاد آوری میں آگے ان کی دعاؤں کا ذکر بھی کر چکا ہے کہ وہ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں کس قسم کی التجا کرتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی فکر کسی صحیح ہے، اور ان کے عقائد کیسے پختہ ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ کی یاد سے ہی عقلمند پہچانے جاتے ہیں، یہی ان کی علامت ہے۔

ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کی روایت میں آتا ہے۔ کہ نبی علیہ السلام کے ان نَبِيَّكُمْ اللَّهُ فِي كُلِّ أَحْيَانِهِ آپ تمام اوقات میں اپنے رب کو یاد کرتے رہتے تھے، آپ کا کوئی وقت ذکر الہی کے بغیر نہ گزرتا تھا۔ عمران ابن حصینؓ کی روایت میں آتا ہے۔ کہ ذکر میں ہر قسم کی عبادت بھی شامل ہے، جو کہ ہر حالت میں کی جاسکتی ہے۔ جیسے فرمایا صَلَّى قَائِمًا نَازِلًا كَهَيِّطَةٍ هُوَ كَهَيِّطَةٍ هُوَ كَهَيِّطَةٍ ادا نہیں کر سکتے فَصَلِّ قَائِدًا تَوْبِيضًا كَهَيِّطَةٍ هُوَ كَهَيِّطَةٍ اور ایسا بھی نہیں کر سکتے تُو عَلَيَّ جَنِيْدًا پہلو کے بل لیٹ کر بھی ادا کر لو۔ آگے فقہانے کرام نے اجتہاد سے یہ اشارہ فرمایا ہے۔ اگر لیٹ کر بھی نماز پڑھنے سے محذور ہی ہو تو اشارے سے بھی پڑھ لینی چاہیے۔ کیونکہ یہ اہم ترین عبادت ہے اور بہترین ذکر۔ جیسا کہ فرمایا أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي میرا ذکر کرنے کے لیے نماز پڑھو۔ مقصد یہ کہ ذکر میں تمام عبادت بھی شامل ہیں۔

اب ذکر قلبی بھی ہے اور زبانی بھی۔ ہم عوام لوگوں کے لیے زبانی ذکر ہی بہت بڑی سعادت ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت تمام اوراد کا سر وار ہے۔ یا پھر وہ اذکار کہیں جو قرآن پاک میں یا سنت خیر الانام میں وارد ہوئے ہیں یا پھر اسلاف کرام نے بتائے ہیں۔ ہمیں ایسے اذکار کی پابندی کرنی چاہیے، اس کے علاوہ مختلف اوقات کے خصوصی ذکر ہیں جیسے رات کا ذکر، صبح کا ذکر، وضو کرتے وقت، کھانا کھاتے وقت، بازار چلتے وقت، نیند سے بیداری کے وقت وغیرہ وغیرہ۔

غرضیکہ کوئی وقت اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہونا چاہیے، جس قدر کثرت سے ذکر کریگا، اسی قدر فلاح حاصل ہوگی وَإِذْ كَرَّمْنَا نُوْحًا وَآلَهُ كَاتِبِينَ۔

لَقَدْ جِئُوا اللَّهَ كَذِبًا كَثْرًا س سے کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ، کامیاب ہو جاؤ۔ ذکر الہی ایک ایسی عبادت ہے جس کی کوئی حد نہیں۔ باقی تمام عبادت کی کوئی نہ کوئی حد (LIMIT) ہے۔ جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ جیسی عبادت محدود ہیں مگر ذکر الہی کی کوئی حد نہیں۔ سننا احمد کی روایت میں آتا ہے اَكْثَرُ مَا ذَكَرَ اللَّهُ حَتَّى يَقُولُوا مَا جِئُوا اللَّهَ كَذِبًا اس کثرت سے کہو کہ لوگ کہتے گلیں یہ پاگل ہے۔ غرضیکہ ذکر انسان کی بلندی کا ذریعہ ہے۔

اب ذکر الہی سے دو چیزیں حاصل ہوتی ہیں یعنی حکمت خداوندی اور انسانیت کی تکمیل۔ اگر انسانیت میں کفر، شرک اور معاصی کی وجہ سے فساد پیدا ہو جائے، تو حکمت باطل ہو جاتی ہے۔ زمین و آسمان کو پیدا کرنے کا مقصد یہی ہے کہ انسانیت کی تکمیل ہو۔ لوگ خدا تعالیٰ کی وحدانیت کو پہچانیں، اور خالص اُس کی عبادت کریں۔ اور اگر انہی چیزوں میں فساد پیدا ہو جائے، تو حکمت کا ابطال لازم آئے گا۔ انسان اپنے مقام سے گمراہ ہو جائے گا۔ جب انسان نے تخلیق ارض و سما اور اختلاف لیل و نہار میں غور و فکر کیے، بلکہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لی تو وہ عقلمندوں میں شامل ہو گیا اور پھر عقلمندوں کی نشانی اور علامت یہ ہے۔ کہ وہ ہر حالت اور ہر وقت اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں۔

زبانی ذکر تو عام ہے۔ اس کے علاوہ قلبی ذکر بھی ہے۔ جو لوگ بزرگان دین سے تربیت حاصل کرتے ہیں، وہ بزرگان دین انہیں قلبی ذکر بھی سکھلا دیتے ہیں جس کی وجہ سے انسان کا دل ہمیشہ بیدار رہتا ہے اور ذکر الہی میں مشغول رہتا ہے۔ اُن کا کوئی سانس ذکر سے خالی نہیں ہوتا حتیٰ کہ اُن کے لطافت باطنی بھی ذکر کرنے لگتے ہیں۔ یہ چیزیں ایسے لوگوں کو حاصل ہوتی ہیں۔ جو سلوک کی منازل طے کرتے ہیں۔ اور مرشدانِ برحق کا یہ طریقہ ہے کہ وہ ہر طالب کی تربیت اسکی صلاحیت کے مطابق کرتے ہیں۔

خواجہ شہاب الدین بہروردیؒ کے پاس جو شخص ذکر کی تربیت کے لیے جاتا، آپ اس کی مناسبت اسمائے الہی کے ساتھ معلوم کرتے اور پھر جس اسم کے ساتھ زیادہ مناسبت ہوتی، اسی اسم پاک کا ذکر بتاتے۔ اگر کسی شخص کی اسمائے حسنہ

میں سے کسی کے ساتھ بھی مناسبت نہ پاتے، تو اُس سے فرماتے کہ تم عقیدہِ حمت اور ایمان پر قائم رہو، اور نبیؐ کہتے رہو۔ تمہارے لیے یہی کافی ہے۔
 عقلمندوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کی پہلی صفت یہ ہے کہ وہ اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹتے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ اور دوسری

مصنوعاتِ آفرینی
 میں غور و فکر

صفت یہ بیان فرمائی وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ کہ وہ آسمان و زمین کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں۔ اس غور و فکر کے نتیجے میں انسان اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اسکی صفاتِ کمال کو سمجھ سکے گا۔ چنانچہ حضرت شیخ الاسلام لکھتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ آسمان و زمین اور دیگر مصنوعات الہی میں غور و فکر وہی کامیاب سمجھا جائے گا جس کا نتیجہ خدا تعالیٰ کی یاد اور آخرت کی طرف توجہ ہو۔ حضرت حسن بصریؒ کی روایت میں آتا ہے کہ تفکر ساعة خیر من عبادة ستين سنة۔ یعنی ساٹھ سال کی عبادت کی نسبت ایک گھنٹہ کی فکر زیادہ قیمتی ہے۔ اگر کسی نے غور و فکر کے بعد اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لی تو یہ چیز سال ہا سال کی عبادت بلا معرفت سے بدرجہا بہتر ہوگی

فرمایا صاحبِ عقل وہ لوگ ہیں جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور مصنوعاتِ قدرت میں غور و فکر کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچتے ہیں سَرَبْنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ سب چیزیں بیکار پیدا نہیں کیں۔ ان اشیا کی تخلیق میں ضرور کوئی حکمت ہے۔ اور دنیا کی حکمت آخرت ہے۔ الدنيا منزلة الاخرة فرمایا دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ یہ اگلی منزل کا راستہ ہے۔ اس راستے پر چل کر انسان آخرت میں پہنچ سکتا ہے۔ اس دنیا میں جو کچھ کمائی کر لیا۔ اُسے آخرت میں پایگا۔ مقصد یہ ہے کہ کائنات کی تخلیق بیکار محض یا کوئی کھیل تماشہ نہیں، بلکہ اس کی کوئی غرض و غایت ہے اور وہ ہے آخرت۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے عرض کی گئی ہے سُبْحٰنَكَ اے مولا! تیری ذات پاک ہے تو تمام عیوب، نقائص اور کمزور لیوں سے پاک ہے۔ یہ تشریح فی العقیدہ ہوگی۔

مصنوعاتِ قدرت
 عیس نہیں

اے اللہ! ہم تیرا تسبیح اور پاکیزگی بیان کرتے ہیں "فَتَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ"
 اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ نہ کوئی عبادت میں شریک ہے نہ اختیار میں
 نہ مشکل کشائی میں، نہ حاجت روائی میں۔ اس میں عقیدہ کی اصلاح کا پورا مواد موجود ہے
 اگر عقیدہ درست نہیں، خدا کی تشریح کا قائل نہیں تو ایسا شخص عقلمند نہیں ہو سکتا، وہ
 بیوقوف ہو گا۔

جب عقیدہ صاف ہو گیا اور قیامت کے دن پر یقین ہو گیا تو ایسے لوگ
 پھر اللہ کے حضور دعا کرتے ہیں فَقَدْ آتَاكَ عَذَابَ النَّارِ اے مولا کریم! ہمیں
 دوزخ کے عذاب سے بچا لے، عقلمندوں کی پہلی دعا ہے جو حضور و فکر کے نتیجے
 میں اُن کے دل سے نکلی ہے۔ اس کے بعد اگلی آیات میں باقی دعاؤں کا ذکر آئیگا۔

دوزخ سے
 نجات

لَنْ تَنَالُوا

ال عمران ۳

درس ہفتہ ۷۰

آیت ۱۹۱ تا ۱۹۴

رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تَدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ وَمَا

لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿۱۹۱﴾ رَبَّنَا إِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي

لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا ۗ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا

ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ ﴿۱۹۲﴾

رَبَّنَا وَإِنَّا مَا وَعَدْتَنَا عَلَىٰ رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ

الْقِيَامَةِ ۗ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ ﴿۱۹۳﴾

ترجمہ :- اے ہمارے پروردگار! بیشک نے جن کو دوزخ کی آگ میں داخل کر دیا پس

بیشک تو نے اُس کو رسوا کر دیا، اور نہیں ہوگا ظالموں کے لیے کوئی مددگار (۱۹۱)

اے ہمارے پروردگار! بیشک ہم نے سنا ہے، ایک پکارتے والے کو جو پکارتا ہے

ایمان لانے کے لیے کہ ایمان لاؤ اپنے پروردگار پر، پس ہم ایمان لے آئے ہیں -

اے ہمارے پروردگار! بخش دے ہم کو ہمارے گناہ اور مٹا دے ہم سے ہماری برائیاں

اور موت دے ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ (۱۹۲) اے ہمارے پروردگار! اور

دے دے ہمیں جو تو نے وعدہ کیا ہے ہم سے اپنے رسولوں کی زبانوں پر اور نہ رسوا

کر تو ہمیں قیامت والے دن۔ بیشک تو وعدے کا خلاف نہیں کرتا (۱۹۳)

جیسا کہ گذشتہ درس میں عرض کیا تھا کہ اس سورۃ کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے ایمان

اور توحید کے مسائل بیان فرمائے ہیں۔ اور ان میں عقلی اور سمعی یا عقلی دونوں قسم کے

دلائل موجود ہیں۔ گذشتہ درس میں عقلی دلائل بیان ہو چکے ہیں اور اب عقلی دلائل پیش

ہو رہے ہیں۔ ابتداء میں ذکر آچکا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور شب و روز کے

ربطیات

اختلاف میں اہل عقل کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔ جن کے ذریعے انسان اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، اس کی حکمت کاملہ اور قدرت نامم کو سمجھ سکتا ہے اور ایمان اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو اختیار کر سکتا ہے۔ پھر عقلمندوں کی علامات یہ بتائیں کہ وہ ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور آسمان و زمین کی تخلیق میں غور و فکر کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ اے اللہ! تو نے یہ سب کچھ عبث پیدا نہیں کیا۔

تخلیق ارض و سما میں غور و فکر کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی مصنوعات میں تو غور و فکر کر سکتا ہے اور اس کی صفت اور وحدانیت کو سمجھ سکتا ہے، مگر خود خدا تعالیٰ کی ذات میں غور و فکر نہیں کر سکتا۔ یہ بات امام غزالیؒ نے اپنی متعدد کتابوں میں درج کی ہے۔ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے بھی حجۃ اللہ الباقیہ میں یہ اصول بیان کیا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ لَا فِیْ حِجْرَةٍ فِی السَّوْبِ یعنی رب تعالیٰ کی ذات میں غور و فکر نہیں ہو سکتا۔ تَفَكَّرُوا فِی الْخَلْقِ وَلَا تَفَكَّرُوا فِی الْخَالِقِ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اشیاء میں غور و فکر کرو، خود خالق کا نام کی ذات میں فکر مت کرو، کیونکہ ذات خداوندی وہ ذات ہے، جسے غور و فکر کے ذریعے نہیں پایا جاسکتا۔ مخلوق میں غور و فکر سے اللہ تعالیٰ کی صفت سمجھ میں آتی ہے اور اس کی وحدانیت کا ادراک ہوتا ہے۔ چنانچہ عقلمند لوگ غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اے مولا کریم! تو نے یہ تمام چیزیں بیکار پیدا نہیں کیں، ہم تیری تسبیح بیان کرتے ہیں، تو وحدہ لا شریک ہے۔ اس طرح گویا توحید کا مسئلہ بھی سمجھ میں آگیا۔ سورۃ یوسف میں موجود ہے وَكَأَيُّ مَن آيَةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كَيْمُؤَنَ عَلَیْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ لوگ زمین و آسمان کی بیشمار نشانیوں کے قریب سے گزر جاتے ہیں مگر ان میں غور و فکر کر کے نتیجہ اخذ نہیں کرتے، بلکہ غافل رہتے ہیں۔ مقصد یہ کہ زمین و آسمان، اس کے ستارے اور سیارے ہر وقت انسان کو غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں۔

جس نظام شمسی (SOLAR SYSTEM) میں ہم رہتے ہیں۔ اس کے سات نظام شمسی

مشہور سیارے زہرہ، اُمر، شمس، عطارد، مشتری اور زحل ہیں۔ ان کے ابھلنے
 بڑے چرچے ہوتے ہیں۔ غلا سیارے سائنس دان ان سیاروں پر کھنڈیں ڈال رہے ہیں۔
 بلکہ ان سات میں قمر سیارے پر تو انسان پہنچ چکا ہے اور اسکی وضع قطع معلوم ہو چکی
 ہے۔ چاند پر سرد ترین علاقہ بھی معلوم ہوا ہے، اگر انسان وہاں پہنچ جائے تو برف کا ٹکڑا
 بن جائے اسی طرح وہاں پر اڑھائی سو سنٹی گریڈ تک گرم ترین علاقہ بھی موجود ہے۔
 جو لوگ چاند پر پہنچے ہیں وہ اس زمینی لباس میں نہیں گئے، یہ تو فوراً جل جائیگا، وہاں پر
 خلائی لباس پہن کر ہی پہنچا جاسکتا ہے۔ اور یہ ایسا لباس ہے جس کی تیاری پر اڑھائی تین لاکھ روپے
 خرچ آتا ہے۔ قرآن پاک کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ چاند پر انسانی رہائش
 قریباً ناممکن ہے۔ انسان وہاں پر پہنچا بھی ہے تو محدود وقت کے لیے۔ ماہرین فلکیات
 بتاتے ہیں کہ چاند پر ایک پونڈ انسانی خوراک پہنچانے پر تیس ہزار پونڈ خرچ آئے گا۔
 ظاہر ہے۔ کہ اس قدر فضول عیاشی کی کرن جرات کرے گا۔ یہ اس سیارے کی بہت
 ہے جو زمین سے قریب ترین ہے۔ نظام شمسی کا دوسرا سیارہ سورج زمین سے
 نو لاکھ و تیس لاکھ میل دور ہے۔ یہ اپنی پیدائش سے لے کر پورے نظام شمسی کو گھمائی
 اور روشنی پہنچا رہا ہے۔ اس کی روشنی ہم تک سات منٹ اور آٹھ سیکنڈ میں
 پہنچتی ہے۔ مگر اللہ مالک الملک نے فرمایا کہ ایک دن ایسا بھی آئے گا۔
 اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ "جب یہ سورج اور اس کی روشنی لپیٹ دی جائے گی
 یہ پورا نظام شمسی درجہ برہم ہو جائے گا۔ اس کے بعد ایک دوسرا نظام قائم ہوگا، جسے آخرت
 اور حشر کا نظام کہا جاسکتا ہے۔

ستاروں سے متعلق علم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک علم نجوم ہے۔ جس میں بتاروں کے
 تغیر و تبدل کے حساب سے کسی شخص کی قسمت یا سعادت اور شقاوت کا حال معلوم
 کیا جاتا ہے۔ اس قسم کے علم کو حضور علیہ السلام نے شرک کا حصہ قرار دیا ہے۔ اور سحر
 کی طرح حرام کہا ہے۔ مَن اِنِّیْ مَنجَمًا فرمایا جو کوئی شخص نجومی کے پاس جا کر
 قسمت کا حال معلوم کرے گا، وہ شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا انکار کرتا ہے

علم فلکیات

ایسے شخص کو تو رب کہہ کر کے تجدیر ایمان کرنی چاہیے۔ قرآن پاک میں ایسے ستارے کا بھی ذکر ہے جسے عرب کے لوگ پوجا کرتے تھے۔ سورۃ نجم میں موجود ہے۔ "وَ اِنَّهُ هُوَ رَبُّ الْعِشْعُورِ" یعنی شعری ستارے کا مالک بھی وہی خدا ہے، جو چاند اور سورج کا خدا ہے، لہذا تم اس ستارے کی پوجا کیوں کرتے ہو۔ تفسیر الجوامع میں مذکور ہے اور ماہرین فلکیات بھی بتاتے ہیں کہ شعری ستارہ ہمارے سورج سے سیس ہزار گنا بڑا ہے۔

ستاروں سے متعلق دوسرا علم، علم فلکیات یا (ASTRONOMY) کہلاتا ہے۔ اور اس کے ذریعے خلا میں موجود ستاروں کے حالات معلوم کیے جاتے ہیں جن پر غور و فکر کر کے انسان کے لیے ترقی کی راہیں کھلتی ہیں۔ شعری ستارے کا حجم اسی علم کے ذریعے حاصل ہوا ہے۔ پھر ماہرین فلکیات ASTRONOMISTS یہ بھی بتاتے ہیں کہ ہماری یہ زمین سورج سے اس قدر چھوٹی ہے کہ ان کے حجم کی نسبت ایک اور تیرہ لاکھ کی ہے۔ گویا زمین سورج سے تیرہ لاکھ گنا چھوٹی ہے۔ مگر بہت دوری کی وجہ سے اتنا بڑا فرق نظر نہیں آتا۔ اور پھر چاند زمین سے بھی چھوٹا ہے۔ مریخ سرخ سیارہ ہے، ساآئد ان اُس پر بھی پہنچے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس کی تصاویر اور دیگر حالات معلوم کئے جا رہے ہیں۔

بہر حال ان سب چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیاں رکھی ہیں۔ مومن ان میں غور کر کے فوراً خدا کی توحید کا قائل ہو جاتا ہے کہ جس مالک الملک نے یہ سارا نظام قائم کیا ہے، وہ وحدہ لا شریک ہے۔ یہ نظام شمسی ہے، اس کے اوپر عالم بالا اور پھر ملاء اعلیٰ، حظیرۃ القدس اور آخرت کا نظام ہے۔ اور یہ سب نظام اس کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ ان تمام پر اللہ تعالیٰ کا تصرف ہے۔ سورۃ کی ابتدا میں ذکر ہو چکا ہے۔ کہ ہر چیز کو تمھارے والی فقط ذراں خداوندی ہے۔ ربوبیت بھی اسی کے ساتھ منحصر ہے۔ ہر چیز کو وہی حد کمال تک پہنچاتا ہے نشوونما کے تمام سامان پیدا کرنے والا بھی وہی مالک الملک ہے۔ لہذا اُس کے

سوا معبود بھی کوئی نہیں ہو سکتا۔ نافع، ضار، ہمہ دان، ہمہ بین اور ہمہ توان صرف اور صرف وہی ہے۔ اسی لیے انسان یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے سُبْحٰنَكَ اے اللہ! تیری قزاق پاک ہے۔

آخرت کی
سوائی

الغرض! جب انسان تخلیق کائنات میں غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا وَّوہ اس حقیقت کو بھی پالیتا ہے کہ لا محالہ یہ تمام نظام آخرت پر منتج ہونے والا ہے اس لیے وہ رب العزت سے دعا کرتا ہے فَقَدْ سَأَدَابَ النَّارِ اے مولا کریم! آخرت میں پیش آنے والے دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔ وہ سمجھ چکا ہے کہ دوزخ کا عذاب کس قدر ہولناک ہے اس لیے مزید دعا کرتا ہے۔ رَبَّنَا اِنَّكَ مَنْ تَدْخُلُ النَّارَ فَقَدْ اَخْرَجْتَهُ لَئِي اللّٰهِ! جس کو تو نے دوزخ کی آگ میں ڈال دیا، تو نے اُس کو رسوا کر دیا۔ کافروں کی رسوائی تو واضح ہے کیونکہ وہ ابدی نہیں ہیں۔ تاہم بعض مومن بھی کچھ عرصہ کے لیے دوزخ میں جائیں گے اگرچہ اُن کا یہ قید و بند دوامی نہیں ہو گا بلکہ اُن کے ترکہ کے لیے ہو گا۔ تاکہ گناہوں کی وجہ سے جو میل پچیل اُن پر جم چکا ہے، اُسے صاف کر کے اُس شخص کو پاک مقام پر جانے کا اہل بنایا جاسکے گا۔ تو بہر حال مفسرین کلام فرماتے ہیں۔ کہ مومن جبنا عرصہ بھی دوزخ میں رہیں، اتنا عرصہ تو رسوائی ضرور ہوگی۔ اسی لیے بزدل عرض کرتا ہے۔ کہ مولا کریم! دوزخ سے بچا لے کیونکہ وہ رسوائی کا مقام ہے۔ اور پھر وہ یہ بھی جانتا ہے وَصَالِ لِلظّٰلِمٰیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ جو شخص اپنے گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں چلا گیا، اُس کے لیے وہاں کوئی مددگار نہیں ہو گا اس دنیا میں تو لوگ جیلے بہانے اور سفارشات کے ذریعے کسی ترکسی طرح سزا سے بچ جاتے ہیں مگر وہاں پہنچ کر اسے کی کوئی صورت نہیں ہوگی، مقررہ سزا بہر حال بھگتنا ہوگی۔

ایمان کی
دھڑ

اب تک تو عقلی دلائل کی بات ہو رہی تھی کہ انسان عقلی طور پر غور و فکر کر کے کسی نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے۔ اب آگے نقلی یا سمعی دلیل کا بیان آ رہا ہے۔ مومن بارگاہ

رب العزت میں عرض کرتا ہے۔ رَبَّنَا إِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ
 أَنْ أَصْلُوا بِرَبِّكُمْ اے مولا کریم! بیشک ہم نے ایک منادی کمرے والے کی آواز
 کو سنا جو ایمان کی دعوت دیتا ہے۔ کہ اپنے رب پر ایمان لے آؤ۔ اب سوال پیدا ہوتا
 ہے کہ منادی کمرے والا کون ہے۔ تو مفسرین کلام فرماتے ہیں۔ کہ اگر اس سے
 صامت یعنی خاموش منادی کمرے والا مراد لیا جائے تو وہ قرآن پاک ہے۔ اور اگر
 ناطق یعنی بولنے والا منادی ہو تو وہ پیغمبر علیہ السلام کی ذات مبارک ہے۔

قرآن پاک بظاہر خاموش ہے مگر وہ زبان حال سے پکار پکار کر ایمان کی دعوت
 لے رہا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ جس وقت انسان صراط مستقیم پر
 قدم رکھتا ہے، تو کوئی شخص اُس کو کہتا ہے اَسْتَقِيمَ وَلَا تَعْدُ یعنی سیدھے چلے
 جانا اور واپس یا نہیں نہ مڑنا۔ جب صراط مستقیم کا مسافر آگے کی طرف سفر شروع کرتا
 ہے۔ تو دائیں بائیں طرف موجود دیواروں پر سے پردہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے
 پروا پر سے کوئی دوسرا شخص آواز دیتا ہے کہ بھائی پردہ نہ اٹھاؤ، ایسا کہہ دو گے تو
 نظر راستے پر چل پڑو گے جہاں سے واپس نہیں آسکو گے۔ فرمایا یہ صراط مستقیم
 اسلام کا راستہ ہے۔ اور جو ہستی انسان کو اس پر سیدھا چلنے کی دعوت دیتی
 ہے، وہ قرآن پاک ہے۔ اور جب کوئی شخص حرام یا ناجائز چیز کی طرف جاتا ہے
 تو گویا دیوار کا پردہ اٹھاتا ہے۔ اُس وقت جو شخص اُسے ایسا کرنے سے منع کرتا ہے
 وہ انسان کا زندہ ضمیر ہوتا ہے۔ وہ انسان کو جھنجھوڑ کر کہتا ہے۔ کہ غلط راستے
 پر مت جاؤ۔ مگر جب کوئی شخص گناہوں پر اصرار کرتا ہے تو اس کا ضمیر مردہ
 ہو جاتا ہے، جو آخر کار ایسے غلط کار کو منع کرتا بھی چھوڑ دیتا ہے اور مسلسل
 گناہوں کی وجہ سے انسان کے دل پر تاریکی چھا جاتی ہے کَلَّا بَلْ سَكَدَ
 رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَتَا كَانُوا يَكْسِبُونَ، فرمایا لوگوں کے گناہوں
 کی وجہ سے ان کے دلوں پر زنگ چڑھ جاتا ہے۔ جس طرح مٹی لگنے سے
 لوانہ زنگ آ کر دھبہ جاتا ہے۔ اسی طرح گناہوں کی وجہ سے لوگوں کے دل سیاہ

ہو جاتے ہیں۔

اگر اس منادی سے مراد ناظم منادی لیا جائے تو وہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ مبارکہ ہے۔ آپ بلا واسطہ منادی ہیں، جنہوں نے ہر مقام پر براہِ راست ایمان کی دعوت دی۔ آپ نے کدو صفا پر ایمان کی دعوت دی، کعبۃ اللہ کے پاس اعلان کیا۔ طائف پہنچ کر اللہ کا پیغام پہنچایا۔ کلیوں میں، بازاروں میں، میلوں میں اور مندلیوں میں آپ نے ہر جگہ یہی دعوت دی يَا أَيُّهَا النَّاسُ قُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَفْلِحُوا اے لوگو! لا الہ الا اللہ کہ دو، فلاح پا جاؤ گے۔ یہ دعوت حضرت نبی کریم نے اپنے صحابہ کے واسطے سے لوگوں تک آگے بھی پہنچائی یہ دعوت بالواسطہ ہو گئی۔ صحابہ کے بعد تابعین، تبع تابعین، بزرگانِ دین، عالمانِ دین، مفسرین اور مفسرین اس دعوت کو دوسریں تک پہنچا کر رسالت کا حق ادا کر رہے ہیں۔

بہر حال فرمایا کہ ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا جو بلند آواز سے پکار کر کہ رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ۔ اس دعوت کے جواب میں ہم نے کہا فَأَمَّا إِنَّا پس ہم ایمان لے آئے ہیں۔ اور عرض کرتے ہیں سَبَّأْنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہوں کو معاف فرمائے۔ یہاں پر ذنوب کا لفظ ہے اور اس سے مراد بڑے بڑے گناہ ہیں، جن سے معافی کی درخواست کی جا رہی ہے۔ وَكَلَّهْنَا سَنَاطِنًا اور ڈٹائے ہم سے ہماری چھوٹی چھوٹی کوتاہیاں۔ یعنی بڑے چھوٹے سارے ہی گناہ معاف فرمائے۔ بلکہ ان کی بجائے سچائی اور اعمال میں نیکیاں درج فرمائے، جیسا کہ اللہ نے بعض مقامات پر ارشاد فرمایا۔ فَأُولَٰئِكَ يَبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ اللہ تعالیٰ ان کی کوتاہیوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔ ہم بھی ایسی ہی درخواست کرتے ہیں۔

دعوتِ بیت

فرمایا، صاحبِ بصیرت لوگوں کی اگلی دعا یہ ہوتی ہے وَتَوَقَّانَا مَعَ الْأَبْرَارِ اے مولا کریم! ہمیں وفات بھی نیک لوگوں کے ساتھ دے۔ مرنے سے پہلے اور بعد نیک لوگوں کی رفاقت اللہ کا بہت بڑا انعام ہے۔ سو دعا نسائے میں فرمایا

نبیوں کا درس
کی نجات

کہ جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصَّالِحِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا اللہ کے انعام یافتہ لوگ منجملہ نبیوں، صدیقیوں، شہیدوں اور صالحین کے ساتھ ہوں گے، اور یہ بہت اچھی رفاقت ہے (جسے نصیب ہو جائے)۔ یہ ایسی چیز ہے جس کے لیے انبیاء علیہم السلام بھی دعائیں مانگتے رہے جیسے یوسف علیہ السلام نے دعا کی "فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنْتَ وَلِيَّ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ كَوْنِي مُسْلِمًا وَالْحَقِّي بِالصَّالِحِينَ" مجھے اسلام پر موت دینا اور صالحین کی رفاقت نصیب کرنا۔ میرا انجام نیک لوگوں کے ساتھ ہو۔

یہاں پر ابراہیم کا لفظ استعمال ہوا ہے جو سب کی جمع ہے اور معنی انبیا کو کار یا نیک خصلت ہے۔ ایسے لوگ جو ہمیشہ نبی پر توجہ رکھتے ہیں۔ نیچے کاروں کی صحبت یا اچھی سوسائٹی کی ضرورت اس زندگی میں بھی ہے۔ اچھے اور نیچے والے وہی لوگ ہوں گے جس دن ذہن اچھے ہیں اور جن کی تربیت اچھی ہوئی ہے۔ مقصود یہ ہونا چاہیے۔ کہ ایمان والے تقویٰ والے، طہارت والے اور صداقت والے لوگوں کی سوسائٹی نصیب ہو، ہمکنہ آج ایسی مجلس کہاں ملے گی، ہر طرف دھوکے، فریب، فراڈ، شرک اور بدعت کا زور ہے، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اخلاق ہمیشہ ماحول سے سیکھا جاتا ہے۔ جب ہمارا ماحول ہی درست نہیں ہے۔ ہماری گلیوں اور بازاروں میں گالی گلوچ، لہو و لوب، عیاشی اور فحاشی کا دور دورہ ہے۔ بچے گلیوں میں آوارہ پھر رہے ہیں، تو اچھی تربیت کیسے ہوگی اور اچھی سوسائٹی کہاں سے آئے گی۔ قرآن پاک کہتا ہے۔ کہ مومن غافل نہیں ہو سکتا، وہ ماحول کو درست رکھنے کی کوشش کرتا ہے، وہ جانتا ہے کہ اگر ماحول خراب ہو گیا تو معاشرہ بگڑ جائے گا، اور پھر آنے والی نسل کی درستگی کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے گا۔

فرمایا عقل مند لوگوں کی منتہا ہے مقصود یہ دعا ہوتی ہے رَبَّنَا وَارْتِنَا

مَا وَعَدْتَنَا عَلَى رُسُلِكَ لَنْ نَعْبُدَكَ بِمَعْبُودَاتِكَ مَا وَعَدْتَنَا عَلَى رُسُلِكَ لَنْ نَعْبُدَكَ بِمَعْبُودَاتِكَ
اپنے رسولوں کی زبان پر وعدہ کیا ہے اور وہ وعدہ یہ ہے "إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا
وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ" ہم اپنے رسولوں
اور اہل ایمان کی دنیا میں بھی مدد فرمائیں گے، انہیں فتح و نصرت اور غلبہ عطا کریں
گے اور آخرت میں بھی جنت اور درجات عالیہ کا وعدہ ہے۔

اللہ کی مخلوق میں سزا و فخر کرنے والے اہل خردیہ بھی عرض کرتے ہیں۔ اے ہولاکیم
وَلَا تَحْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ہمیں قیامت کے دن سو گناہ گنا، ہمیں یقین ہے
إِنَّكَ لَا تَخْلِفُ الْوَعْدَ بِيَعَاذُ بِكَ تَرَوْعَدَ خَلْفِي نَبِيْسُ كَمَا؟ حضرت مولانا شاہ
اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ منہ تائے کار دوہی باتیں ہیں اور وہ یہ کہ انسان آخرت
میں کامیابی کے مقام یعنی جنت میں پہنچ جائے اور خدا کے غضب کے مقام نوزخ
سے بچ جائے۔ اور یہ مقصود حاصل کرنے کے لیے صرف دو چیزوں کی ضرورت
ہے۔ اول یہ کہ انسان ایمان، توحید اور اطاعت کو اختیار کر لے اور دوسرا یہ کہ انسان
معاصی سے بچا رہے۔

لَنْ تَنَالُوا

الْءَمۡرَانَ ۲

درس ہفتادویک اے

آیت ۱۹۵

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمُ ۙ اِلَّا اَضَاعَ عَمَلًا مِّنْكُمْ
 مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثَىٰ ۚ بَعۡضُكُمۡ مِّنْ بَعۡضٍ ۚ فَاَلَّذِيۡنَ هَاجَرُوۡا
 وَاُخْرِجُوۡا مِّنْ دِيَارِهِمۡ وَاُوۡذُوۡا فِي سَبِيۡلِيۡ وَقَتَلُوۡا وَقُتِلُوۡا
 لَا كُفْرٰنَ بَعۡنَهُمۡ سَبٰۤاَتِهِمۡ وَلَا دَخَلَتۡهُمۡ جَنٰتٌ
 تَجْرِيۡ مِّنْ تَحْتِهَاۤ اَلۡاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنۡدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنۡدَهُ
 حَسَنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

ترجمہ + پس قبول کی اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے اُن کی دعا کہ بیشک میں ضائع نہیں
 کرتا عمل کرنے والے کے عمل کو تم میں سے مرد ہو یا عورت۔ بعض تمہارے
 بعض سے ہیں۔ پس وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور وہ اپنے گھروں سے نکالے
 گئے اور میرے راستے میں ستائے گئے اور انہوں نے لڑائی کی اور شہید کئے گئے
 تو ہیں اُن کی بیویاں اُن سے مٹا دوں گا۔ اور البتہ ضرور ہیں اُن کو ہشتوں میں داخل
 کروں گا جن کے سامنے نہریں بہتی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بدلہ ہے اور اللہ تعالیٰ
 کے پاس بہت اچھا بدلہ ہے ﴿۱۹۵﴾

ربط آیات

یہ آیت بھی گذشتہ آیات کے ساتھ مربوط ہے۔ سابقہ دروس میں عقلمند لوگوں

کی صفات بیان ہوتی رہی ہیں۔ کہ عقلمند وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ چیزوں
 میں غور و فکر کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اے پروردگار! تو نے ہر سب
 چیزیں بیکار پیدا نہیں کیں۔ ہم تیری تسبیح بیان کرتے ہیں۔ پس تو ہمیں دوزخ کے
 عذاب سے محفوظ رکھ۔ اللہ تعالیٰ نے اہل عقل و خرد کی بعض علامات بھی بیان فرمائیں

کہ وہ اٹھتے، بیٹھتے، لیٹے، ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اور پھر اپنے رب کریم سے دعائیں بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں تیرا پیغام پہنچا۔ ہمیں ایمان کی دعوت دی گئی جسے ہم نے قبول کر لیا۔ اس طرح انہوں نے عقلی و نقلی دونوں طرح کے دلائل سے خدا تعالیٰ کی معرفت حاصل کی۔ اور دعاؤں میں مشغول ہو گئے۔

اعمال صالحہ کی قبولیت

آج کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مذکورہ دعاؤں کی قبولیت کی خوشخبری دی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے فَاَسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ان کی دعاؤں کو قبول کر لیا۔ جب ان لوگوں نے غور و فکر کے نتیجے میں دعوتِ ایمان پر لبیک کہا، اللہ کا ذکر کیا اور اس کے سامنے گڑ گڑا کر دعائیں کیں، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاؤں کو شرفِ قبولیت بخشا اور فرمایا اَلَا اُصْنَعُ عَمَلِكُمْ مگر تم کو کبھی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا۔ مَنْ ذَكَرَا اُو اُنْتَنِي خَواہ مرد ہو یا عورت۔ عمل سے مراد یہاں پر نیک اعمال ہیں۔ برے اعمال مراد نہیں ہیں۔ کیونکہ ان سے تیرا پناہ مانگی گئی ہے۔ اللہ کسی نیک عمل کو ضائع نہیں کرتا۔ اور پھر نیک اعمال میں سرفہرست ایمان باللہ ہے۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا گیا۔ حضور یہ ارشاد فرمائیں اَيُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ کونسا عمل زیادہ افضل ہے۔ ارشاد فرمایا ایمان باللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانا سب سے افضل عمل ہے۔ اس کے بعد دیگر اعمال منجملہ نماز، جہاد، والدین کی خدمت وغیرہ ہیں۔ تاہم تمام اعمال کی جڑ بنیاد ایمان ہی ہے۔ بہر حال فرمایا جو بھی نیک عمل کرے، مرد ہو یا عورت، میں اس کا عمل ضائع نہیں کرتا۔

یہاں پر مرد و زنان کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ کہ جو بھی نیک عمل کرے گا، بدلہ پائے گا۔ ام المؤمنین ام سلمہ کی روایت میں آتا ہے۔ کہ انہوں نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ حضور نبی کے کاموں میں مردوں کا ذکر تو کثرت سے آتا ہے مگر عورتوں کا ذکر اس کثرت سے نہیں آتا۔ ایک دوسری روایت کے مطابق بعض عورتیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا، حضور!

بہت سے اعمال صرف مردوں کے لیے مخصوص ہیں، جیسے، اذان، جہاد وغیرہ تو اس لحاظ سے مرد عورتوں سے اجزیں بڑھ گئے۔ عورتوں کو تو بہت کم حصہ ملا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ عورتوں کو بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں ویسا ہی بدلہ ملیگا جیسا مردوں کو۔ اللہ کے قانون میں اس بارے میں کوئی تفریق نہیں۔ مرد و زن دونوں یکساں ہیں۔ البتہ ان کے عمل کی نوعیت مختلف ہے۔ مرد میدان جنگ میں جہاد کرتا ہے۔ اور عورت اس کی خدمت کرتی ہے۔ تو دونوں کو برابر برابر ثواب ملیگا۔ بعض مشقت طلب کام ہیں جو صرف مردوں کے ذمہ ہیں اور بعض کام صرف عورتوں کے سپرد ہیں۔ اور بعض کام نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، احسن سلوک، حقوق العباد اور حقوق اللہ مرد و زن دونوں کے لیے یکساں ضروری ہیں۔ لہذا اس طرح مردوں کو اجر ملے گا۔ اسی طرح عورتوں کو بھی ملیگا۔ بعض عورتوں نے جہاد میں شریک ہونے کی اجازت طلب کی تو حضور علیہ السلام نے فرمایا جہاد کن الحجاج تمہارا حج ہی جہاد کے برابر ہے محرم کے ساتھ حج کرو، یہ تمہارے لیے کافی ہے غرضیکہ عورت اور مرد میں سے کسی کا عمل ضائع نہیں ہوگا۔

مرد و زن میں اگر کوئی تفریق ہے تو وہ دائرہ کار کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کے لیے اپنے اپنے کام مقرر کر دیے ہیں جو وہ انجام دیں گے۔ اور اگر میان بیانیہ ایک دوسرے کے دائرہ کار میں مداخلت کریں گے۔ تو اس کا نتیجہ اچھا نہیں نکلے گا۔ مثال کے طور پر جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو قوی بنایا ہے اور اس کے ذمہ کام بھی مشقت طلب لگائے ہیں۔ اسی طرح عورت بے حیثیت صنعت نازک نسبتاً آسان کام کرنے کی اہل ہے۔ مرد محنت مزدوری کرتا ہے، مشقت کرتا ہے اور گزاراوقات کے لیے کما کر لاتا ہے۔ عورت اپنے گھر کی چار دیواری میں بچوں کی پرورش اور دیگر امور خانہ داری کی ذمہ دار ہے اب فساد و ہاں پیدا ہوتا ہے، جب مرد و زن ایک ہی دائرہ کار میں نظر آنے لگتے ہیں۔ عورتوں کے حقوق کی آڑ میں انگریزوں نے جو پراپیگنڈا کیا ہے۔ اس سے

مشرقی ممالک بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔ ہر مقام پر مردوزن کے شانہ بشا نہ چلنے کی وجہ سے معاشرہ میں خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں جس کا نتیجہ بے حیائی اور فحاشی کی صورت میں نکلے گا۔ اس غلط رجحان سے اذعان کو کشیدہ سلطان کی جولان گاہ بنا دیا ہے۔ جب عورتیں، دفاتروں، کارخانوں، فرج، پولیس، بازاروں اور کھیل کے میدانوں میں مردوں کے دوش بدوش چلیں گی تو نتیجہ ظاہر ہے معاشرے میں فساد آئے گا۔ اب تو عورتیں ممبر بھی بن رہی ہیں۔ اسمبلیوں میں، وزارتوں میں، مجالس شوریٰ میں مہرمت پر ان کا حصہ مقرر ہو چکا ہے۔ اور پھر ایسے مقامات پر مردوں اور عورتوں کی جس طریقے پر ٹوک جھڑک ہوتی ہے اُس کی تفصیلات اخبارات میں آتی رہتی ہیں۔ عورتوں کا کام گھر کی دیکھ بھال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق بہت سے احکام سورۃ نسا، سورۃ طلاق، سورۃ تحریم وغیرہ میں بیان فرمائے ہیں جن سے ان کے دائرہ کار کا پتہ چلتا ہے، لہذا ان کی بھلائی اپنے دائرہ کار میں کہنے سے ہی ہے۔ اُس سے تجاوز و شرفناہ کا موجب ہوگا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مردوزن کے ذمہ جو بھی فرائض ہیں ان کی ادائیگی پر اللہ تعالیٰ کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتے۔

تقریباً صنف

آگے فرمایا **بَعْضُكُمْ مِنْ آبَعَيْنِ** بعض تمہارے بعض سے ہیں۔ مرد عورتوں سے ہیں اور عورتیں مردوں سے ہیں۔ یعنی ایک دوسرے کی جنس سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو ایک جنس انسانی سے پیدا فرمایا ہے۔ دونوں کا ایک ہی باپ اور ایک ہی سلسلہ نسب ہے۔ البتہ دونوں کی صنف میں تفریق پیدا کی ہے۔ ایک کو مرد اور دوسرے کو عورت بنا دیا۔ دونوں کے دائرہ ہائے کار الگ الگ مقرر فرمائے اور پھر معاشرے کی تہذیب و تمدنی کا انحصار اپنے اپنے امور کی انجام دہی پر رکھ دیا۔ جب تک عورت اور مرد اپنے اپنے دائرہ کار میں رہ کر اپنے اپنے فرائض انجام نہیں دیں گے تمدن کی اصلاح نہیں ہو سکے گی۔ غرضیکہ مردوزن کی جنس تو ایک ہے مگر ان کی صنف الگ الگ ہے۔ **بَعْضُكُمْ مِنْ آبَعَيْنِ** بعض کا یہی مطلب ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ بعض کام ایسے ہیں جنہیں صرف عورتیں

تہذیب
اچھی

ہی انجام دے سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کا مزاج ہی ایسا بنا دیا ہے کہ تکلیف پر وہ تکلیف اٹھانے کے باوجود اولاد کی خفانت کی ذمہ دار ہے اور اسے خوشی سے انجام دیتی ہے۔ بلکہ اکثر مشاہدہ میں آیا ہے کہ اگر کسی درجے کے بچے کی پیدائش کا سلسلہ شروع نہ ہو سکے تو عورت بے چین ہو جاتی ہے۔ اور پھر پیدائش کے بعد بچے کی پرورش اور دیکھ بھال عورت کی فطرت میں داخل ہے یہ کام مرد انجام نہیں دے سکتا کیونکہ اللہ نے اس کا دائرہ کار مختلف بنا دیا ہے۔ عورتیں اگر دیندار، سمجھدار اور اپنے کام کی سجا آوری کا حقہ انجام دیں۔ تو ان کے تربیت یافتہ بچے ایک اچھی سوسائٹی کی بنیاد رکھیں گے۔ اور اس طرح جو تمدن پیدا ہوگا، وہ اعلیٰ درجے کا ہوگا۔

ڈاکٹر اقبال مرحوم فرماتے ہیں۔

مادرت درس سختیں باتو دراد غنچہ تو از نسیم او کشاد
دولت جاوید از دولت و صحت از لب او لا الہ آمون حق

بچے کو سب سے پہلا درس مال ہی دیتی ہے اور بچہ کلمہ طیبہ مال ہی کی زبان سے سیکھتا ہے گویا ایمان کی دولت انسان کو مال کے ذریعے نصیب ہوتی ہے۔ اچھی مال کی اچھی تربیت انسان کی زندگی پر مثبت اثر ڈالے گی اور اس کے برخلاف اگر مال کی تربیت بے دینی پر مشتمل ہوگی، تو اولاد بھی ویسی ہی ہوگی۔ حضور علیہ السلام کا فرمان مبارک ہے کہ دنیا کی سب سے اچھی نعمت مرآۃ صائمہ یعنی نیک عورت ہے۔ اور معاشرے کے بنیاد بگاڑ میں اس کا بنیادی حصہ ہے۔

ہجرت کی فضیلت

عقل مند لوگوں کی دعا اور اس کی قبولیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے مشقت کے کام کرنے والے دیکھ لوگوں کا تذکرہ بیان فرمایا۔ مشکل ترین امور میں سے ایک ہجرت بھی ہے۔ چنانچہ اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا **فَالَّذِينَ هَكَاجِرُوا جِن لُغُوں** نے ہجرت کی۔ بعض اوقات اہل ایمان اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، کیونکہ وہ خدا کا نام نہیں لے سکتے اور اس سلسلے میں بعض اوقات مال اور اہل و عیال کی قربانی دینی پڑتی ہے۔ نئی جگہ پر ماحول مختلف ہوتا ہے۔ آب و ہوا کی تبدیلی کی وجہ سے

مقصود کے لیے ہوگی۔ اللہ کے ہاں اس کا کچھ اجر نہ ہوگا۔

افزیت فی
سبیل اللہ

فرمایا وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکلے گئے وَ اُوذُوا

فی سبیل اللہ اور جنہیں میرے راستے میں تکلیف دی گئی، وہ کون سی تکلیف ہے جو کافروں، مشرکوں اور اہل کتاب نے مسلمانوں کو نہیں پہنچائی۔ انہیں تشدد کا نشانہ بنا لیا گیا، تپتی ہوئی ریت پر لٹایا گیا، مالی نقصان پہنچایا گیا اور پھر سب سے بڑی دینی تکلیف دی گئی۔ اسلام کو استہزاء کا نشانہ بنا لیا گیا۔ قرآن پاک کی تحزیب کی گئی اور حضور نبی کریم کی شان میں گستاخی کی گئی۔ یہ تکلیف جہانی افزیت سے بھی سوا ہے۔ اسی لیے تو حضور علیہ السلام نے دعا فرمائی اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلَ مَصِيبَتَنَا فِي دِينِنَا اے اللہ! دین کے معاملے میں ہمیں افزیت نہ پہنچے۔ ہم سے برداشت نہیں کر سکتے۔ گذشتہ رکوع میں گمزہ چکا ہے اے اہل ایمان! تمہیں مالوں اور جانوں کے ذریعے آزمایا جائے گا اور تمہیں اہل کتاب اور مشرکین کی طرف سے اذیت ناک باتیں سننا پڑیں گی۔ اور اگر ان تکلیف پر عبور کرو گے اور تقویٰ کا راستہ اختیار کرو گے تو یہ چیز دین میں مطلوب و مقصود ہے اور باعثِ فوز و فلاح ہے۔ اور پھر فرمایا کہ تم میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں وَقَاتِلُوا جَنُودَ اللَّهِ کے راستے میں جہاد باسیف کیا۔ جان کو ہتھیلی پر رکھ کر نکلنا بڑا مشکل کام ہے۔ اور اس سے کوئی دنیاوی غرض نہ ہو بلکہ لَنْتَكُونَ كَلِمَةَ اللَّهِ هِيَ الْعَلِيَّا اُس لیے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اس کا دین غالب آئے اور قرآن پاک کا دستور جاری ہو۔ فرمایا جو لوگ کفن بردوش نکلے وَقَاتِلُوا اور شہید بھی کیے گئے۔ انہوں نے اللہ کی راہ میں جان جیسی قیمتی متاع قربان کر دی۔ اس سے بڑی قربانی کیا ہو سکتی ہے۔

ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا لَا كَقَوْمٍ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ

میں ان کی خطاؤں کو ضرور معاف کر دوں گا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ شہید کے خون کا پہلا قطرہ زمین پر گرنے سے قبل اللہ تعالیٰ اُس کے تمام گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے۔ حضور نبی کریم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا

کہ اسلام، ہجرت اور حج تین عمل ایسے ہیں کہ ان کے انجام دینے پر یہ قدم ما کان قبلہا اللہ تعالیٰ سابقہ سائے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ البتہ ایک چیز پھر بھی اُس کے ذمہ رہتی ہے اور وہ حقوق العباد ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حقوق کو معاف فرمادیتا ہے مگر بندوں کے حقوق اس وقت تک معاف نہیں ہوتے جب تک صاحب حق خود نہ معاف کرے۔ ایک شخص نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر میں خدا کی راہ میں اس طرح مارا جاؤں مَقْبِلًا غَيْرَ مُدْبِرٍ لِغَيْرِ نِيَّةٍ پھرے بہادری کے ساتھ لڑوں اور پھر جان قربان کر دوں، تو کیا میرے تمام گناہ معاف کر دیے جائیں گے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا ہاں۔ یہ سن کر جو شخص دل میں لگا نہی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بتلایا اور ارشاد فرمایا کہ باقی گناہ تو سائے ہی معاف ہو جائیں گے اَلَا الدِّينُ سَوَانٌ قَرَضٌ كَسْتَقْرَضْتَهُ مِنَ الْعِبَادِ مِنْ سَعْيِهِمْ۔ آپ نے فرمایا، جبرائیل نے ابھی انکو مجھے بتایا ہے کہ شہادت سے قرضہ معاف نہیں ہوگا۔

جنت میں
داخل

فرمایا ایسے لوگوں کے گناہ معاف کر دوں گا وَلَا دَخَلْتَهُمْ جَدَّتْ تَجْرِبِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَكْثَمُ اور میں اُن کو ایسے بہشتوں میں داخل کروں گا۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ جنت بڑا عزت کا مقام ہے۔ بڑی اعلیٰ اور ارفع جگہ ہے۔ جہاں باغات، کوٹھیاں اور محلات ہوں گے، جن کی تفصیلات قرآن پاک میں مختلف مقامات پر ذکر ہوئی ہیں۔ فرمایا یہ سب چیزیں ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ تَعَالَى کی طرف سے اجر و ثواب ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو ایمان لائے، اللہ کا ہر حالت میں ذکر کرے، ادعائیں کرے مشقت کے کام انجام دے، جہاد میں حصہ لے۔ دین کو قائم کرے، اس کا بدلہ ایسا ہی ہونا چاہیے۔ فرمایا وَاللَّهُ عِنْدَهُ حَسَنُ الثَّوَابِ بیشک اللہ کے ہاں بہت ہی اچھا بدلہ ہے۔ ایسا بدلہ صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہے لہذا اُس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنی چاہیے۔ اور ہمیشہ اُس کی وحدانیت پریش نظر رہنی چاہیے۔

لَنْ تَنَالُوا

الْعَمَلُ

درس ہفتاد و دو ۷۲

آیت ۱۹۶ تا ۱۹۸

لَا يَغْرَبُكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ﴿١٩٦﴾ مَتَاعٌ
 قَلِيلٌ لِّمَنْ كَفَرَ تَعْمَرُوا بِهِمْ جَهَنَّمَ وَيَبُئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٩٧﴾ لَكِنَّ
 الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ
 تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا
 عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِلْآبِرَارِ ﴿١٩٨﴾

المتعلقہ

تمہیں یہ نہ مغالطہ میں ڈالے آپ کو ان لوگوں کا متعلقہ شہروں میں چلنا پھرنا جنہوں نے کفر
 کیا ﴿۱۹۶﴾ یہ تھوڑا سا فائدہ اٹھانا ہے۔ پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور بہت بڑا ٹھکانا ہے ﴿۱۹۷﴾
 لیکن وہ لوگ جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں۔ ان کے لیے باغات ہیں جن کے سامنے
 نہریں جاری ہیں۔ اس میں ہمیشہ ہمیشہ ہنسنے والے ہوں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہمانی
 ہے۔ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ وہ بہتر ہے نیچے کاروں کے لیے ﴿۱۹۸﴾

گذشتہ دروس میں ذکر آچکا ہے کہ تھکنندہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی نشانیوں میں غرور و تکبر
 کرنے کے بعد ایمان متبرول کرتے ہیں اور آخرت کی فخر میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ایسے
 لوگ اللہ کی حمد و ثنا بیان کرتے ہیں اور آخرت کی رسوائی سے بچنے کے لیے گڑگڑا کر
 دعائیں کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ ان کی دعاؤں
 کو قبول کرتا ہے۔ اور کسی عامل کے عمل کو ضائع نہیں کرتا۔ عمل کرنے والا خواہ مرد ہو یا
 عورت۔ ہر شخص کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ ضرور ملے گا۔ خصوصاً جو لوگ مشقت
 کے کام کرتے ہیں، اپنے گھربار کو چھوڑ کر اللہ کے دین کی خاطر ہجرت کرتے ہیں اور
 جان ہتھیلی پر رکھ کر خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، کبھی غالب آتے ہیں۔ اور کبھی شہادت
 کا درجہ پاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے خدا تعالیٰ کے ہاں بڑا اجر و ثواب ہے

لٰٓئِن اَشْيٰى كُنْتَ لَيَجْبَطَنَّ عَصٰىكَ اَبَشْرِكَ نَه كَرِيْمٍ اَكْرَمِ اَبْنِ اَبِي سَرْحٍ
 كِيَا تُو اَبْ كَيْ عَمَلِ هَبِي صُلْحٍ هُو جَابِيْنَ كَيْ - اَللّٰهُ كَيْ تَمَامِ نَبِيْ تُو شَرْكِ سَي مَعْصُوْمِ هُو تِي
 هِيْنَ - نَبِيْ كِي ذَاتِ سَي تُو شَرْكِ كَا شَابِيْتِهْ تَمَكِ مَحَالِ هِيْ مَكْتُمِهْ تَا كَيْدِ كَيْ طَرِيقِ اَسْ قِسْمِ كَا
 خَطَابِ كِيَا كِيَا هِيْ - كِهْ اَبْ هِيْ مَشِيْتِهْ شَرْكِ سَي بِيْزَارِ هِيْ هِيْ لَهْزَا اَنْدَهْ هَبِيْ اَسْ سَي
 سَبِيْحَتِهْ رَهِيْنَ - بَعْضِ مَعْضَرِيْنَ كَرَامِ فَرَمَتِيْ هِيْنَ - كِهْ يِهْ خَطَابِ عَامِ هِيْ - اَوْرِ هِرْ اُسْ
 مَخَاطَبِ كَيْ يِلِيْ هِيْ هُو حَقِّ كَا طَلِبِ كَارِ هِيْ اَوْرِ حَقِيْقَتِ تَمَكِ پَسِنِيْ جَابِيْتَا هِيْ
 كُو يَا عَامِ طَابَانِ حَقِّ كُو بَاتِ سَبْحِيْ جَابِيْ جَارِ هِيْ هِيْ - كِهْ كَا فِرُوْنَ كِيْ خُرْشَالِيْ دِيْ كِيْ كَيْ سِيْ غَلَطِ نَهْمِيْ
 مِيْنَ سَبِيْلَانِهْ هُو جَابِيْنَ -

متاع قلیل

فرمایا دنیا کا سارا سا زو سامان جو اس زمین پر بسنے والے ایک ایک فرد کے
 پاس موجود ہے، اور وہ خزانے جو پہاڑوں کی تہوں میں موجود ہیں اور وہ بیش قیمت
 موتی جو سمندروں میں پائے جاتے ہیں، مکان، کوٹھیاں، کاریں، کارخانے، فیروزہ موتی
 معدنیات، عرصہ یکہ دنیا کی ہر چیز ایک جگہ پر اکٹھی کر دی جائے، تو پھر بھی یہ سب کچھ
 اللہ تعالیٰ کے نزدیک متاعِ قلیل کہ تھوڑا سا فائدہ اٹھانا ہے۔ یہ معمولی سامان
 ہے جو اللہ نے لوگوں کے استعمال کے لیے دے رکھا۔ حضور نبی علیہ السلام
 کے فرمان کے مطابق پوری دنیا کے مال و دولت کی مثال آخرت کے مقابلے
 میں ایسی ہے جیسے کوئی شخص سمندر میں انگلی ڈبو کر نکال لے۔ انسان جس مالِ متاع
 کی موجودگی پر اکتفا کر رہا ہے، اُس کی حیثیت اتنی بھی نہیں جتنا پانی کسی انگلی کو لگ سکتا
 ہے۔ اب تو لوگوں کی عمریں چھوٹی ہو گئی ہیں اور اس تھوڑے وقت میں انسان
 کیا کچھ حاصل کر سکتا ہے۔ پہلے لوگوں نے بڑی لمبی عمریں پائیں اور اس طرح
 انہوں نے مال و دولت بھی زیادہ اکٹھا کیا۔ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت
 ادریس علیہ السلام کا زمانہ بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور تک لوگوں کی عمریں
 طویل تھیں پھر کم ہونا شروع ہو گئیں۔ اُس وقت لوگوں پر بڑھا پاجھی طاری نہیں
 ہوا تھا۔ اب بڑھا پانے لگا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے لوگوں

کے بال بھی سفید نہیں ہوتے تھے۔ سب سے پہلے آپ ہی کے بالوں میں سفیدی آئی۔
 غرض! اب تو پوری دنیا پر بڑھا یا طاری ہو گیا ہے۔ اپنے اپنے دنیا سے لے کر جتنا
 بھی مال و متاع ہے آخرت کے مقابلے میں اُس کی کوئی حیثیت نہیں۔ لہذا آپ
 کافروں کی طرف دیکھ کر کسی مغالطے میں نہ پڑ جائیں کہ وہ محبوب خدا ہیں جو کچھ بھی اُن
 کے پاس ہے بالکل حقیر چیز ہے۔ جو اس دنیا میں ختم ہو جائے گا۔ اور پھر جب وہ
 آخرت کی منزل میں قدم رکھیں گے ثُمَّ مَا وَدَّعُوهُمُ جَهَنَّمَ
أُنْ كَا تُطْعَمُونَ جَهَنَّمَ اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے جس کی
 طرف جاتے ہیں۔

متقین کے
 لیے انعام

فرمایا یہ تو کفار کا انجام ہو گا۔ اب تصویر کا دوسرا رخ دیکھیے لِكُلِّ الَّذِينَ
اتَّقَوْا رَبَّهُمْ مگر وہ لوگ جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ شرک و کفر سے
 محفوظ رہے، معاشی سے بچتے ہیں اُن کے دلوں میں خدا کا خوف جاگزیں رہا
 اور اسی خوف کی وجہ سے اللہ کی قائم کردہ حدود سے تجاوز نہیں کیا، دنیا میں حلال و حرام
 کا امتیاز کیا۔ نیکی اور بدی کو پہچانا، اپنے ایمان کی حفاظت کی، اسی چیز کا نام تقویٰ ہے
چنانچہ جن لوگوں نے تقویٰ کا راستہ اختیار کیا فرمایا لَّهُمْ جَنَّاتٌ
مِّنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ اُن کے لیے باغات ہیں۔ جن کے سامنے نہریں
 بہتی ہیں۔

جنت کی نعمتوں کی جو تفصیلات، قرآن پاک نے مختلف مقامات پر بیان
 کی ہیں وہ ایسی چیزیں ہیں جو انسان عام طور پر اپنے تصور میں لاسکتا ہے۔ مثلاً دنیا میں
 آرام و آسائش کے لیے اچھا مکان، اچھی بھری جو اچھے اخلاق و اطوار کی حامل ہو
 قرآن پاک نے انہیں أَزْوَاجٌ مِّمَّنْ لَّهِنَّ کا نام دیا ہے وَمَوْلٰئِنَ طَيِّبٰتٍ
 یعنی پسندیدہ مکانوں کا ذکر کیا ہے۔ اور اسی طرح اچھی رفاقت کا تذکرہ آتا ہے
 جیسے گذشتہ درس میں گنہ چکا ہے مَعَ الْأَوْلَادِ نِيكٍ لوگوں کی رفاقت کی
 دعائیں انبیاء علیہم السلام بھی کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ انسان اچھا لباس بھی پسند

کہا ہے اس کی موافقت سے جنت کے پاکیزہ لباس کا تذکرہ بھی آتا ہے
 ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ جنت کی حور کی اورٹھنی نصیفة
 خیر من الدنيا و ما فیہا اس پوری دنیا اور اس میں موجود ہر چیز سے زیادہ
 قیمتی ہوگی۔ آخرت کا مال و متاع اور آرام و آسائش اس دنیا کے مقابلے میں محدود
 ہوگا۔ اسی طرح شراب طہور، غسل مصفی، دودھ کی نہروں اور غیر آسن پانی کا تذکرہ
 ملتا ہے۔ یہ سب چیزیں اہل جنت کو حاصل ہوں گی جن کا صحیح تصور ہم اس وقت
 نہیں کر سکتے، تاہم اللہ تعالیٰ نے اپنے العام یافتہ بندوں کے لیے جن انعامات
 کا ذکر کیا ہے۔ وہ ایسی چیزیں ہیں جو کسی حد تک ہمارے تصور میں آسکتی ہیں۔ اسی
 لیے فرمایا کہ متقی لوگوں کے لیے باغات ہوں گے جن کے سامنے مصفی پانی
 کی نہریں بہتی ہونگی۔ ان نہروں کا پانی کبھی خراب نہیں ہوگا اور انہیں چاہیں گے
 تو یہ نہریں بغیر کسی رکاوٹ کے زمین کے اوپر چل رہی ہوں گی۔ فرمایا متقین اس
 جنت میں کسی محدود عرصہ کے لیے نہیں جائیں گے بلکہ خالدین فیہا اس میں
 ہمیشہ ہمیشہ سکونت پذیر رہیں گے اور اللہ تعالیٰ وعدہ فرمایا ہے کہ وہاں سے انہیں
 نکالا نہیں جائیگا۔ اللہ تعالیٰ یہ بھی فرمائیں گے کہ تم مقام رضوان میں پہنچ چکے ہو۔ اب
 میں تم سے کبھی ناراض نہیں ہونگا۔

اللہ کی طرف
 سے مہمانداری

فرمایا یہ ساری نعمتیں نَسْرًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ اللہ کی طرف سے نہ مہمانداری سے
 گی۔ نزل۔ اُن اچھی سے اچھی چیز کے لیے استعمال ہوتا ہے جو مہمان کی آمد
 پر سب سے پہلے پیش کی جاتی ہے۔ ایسی نعمتوں کا اشارہ اگلی آیت کے اگلے حصے
 میں بھی آ رہا ہے بہر حال اللہ تعالیٰ کی مہمانداری میں اعلیٰ ترین چیزیں پیش کی جائیں گی
 جن میں مادی نعمتوں کے علاوہ تقرب الہی اور تجلیات الہی جیسی عظیم نعمتیں بھی
 شامل ہوں گی۔ نزل کو مہمانداری کے معانی میں عام عربی بول چال میں بھی استعمال کیا
 جاتا ہے۔ امام بیضاوی ایک شعر نقل فرماتے ہیں۔

وَكَمَا إِذَا الْجَبَّارُ بِرَبِّهِ جِيئَ ضَافًا جَعَلْنَا الْقِنَاءَ وَالْمَرْهَقَاتِ كَذُنُورًا

لہ ترمذی ص ۲۵۵ و بخاری ص ۳۹۲ (فیاض)

لَنْ تَنَالُوا الْمَوْلَاةَ
الْعِمْرَانَ

آیت ۱۹۹

درس ہفتاد و ستر ۷۳

وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ
وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ خَشِعِينَ لِلَّهِ لَا يَشْتُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ
ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِنَّ

اللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ (۱۹۹)

ترجمہ: بیشک بعض اہل کتاب میں سے البتہ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں، اور
اُس چیز پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی اور اُس چیز پر جو ان کی طرف اتاری گئی، وہ اللہ
کے سامنے عاجزی کرنے والے ہیں۔ وہ نہیں خریدتے اللہ کی آیتوں کے بدلے قیمت
یہی لوگ ہیں جن کے واسطے اُن کے پروردگار کے پاس بدلہ ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ

جلد حساب لینے والا ہے (۱۹۹)

رہنمائی

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے کفار کا ذکر فرمایا کہ اے اہل ایمان! کفار کی خوشحالی
وسعت کاروبار، اعلیٰ ذرائع آمد و رفت، اچھی خوراک اور اچھی رہائش کہیں تمہیں اس
مغالطے میں نہ ڈال دے کہ یہ لوگ اللہ کے محبوب ہیں۔ فرمایا یہ تو دنیا میں استعمال کے
لیے انہیں تنخواہ اساسا سامان دیا گیا ہے۔ اور پھر مرنے کے بعد ان کا ٹھکانا جہنم میں
ہوگا جو کہ بہت ہی بُری جگہ ہے۔ فرمایا البتہ عام متقین کے لیے اُن کے رب
کے پاس بدلہ ہے۔ انہیں جنت میں داخل کیا جائیگا، وہ اللہ رب العزت سے
سے اعلیٰ انعام پائیں گے، اللہ تعالیٰ اُن کی مہمانداری کریں گے۔ اب آج کے
درس میں اللہ تعالیٰ نے خاص متقین کا ذکر فرمایا ہے۔ کہ اہل کتاب میں سے جو
لوگ ایمان لائیں گے اُن کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا اجر تیار رکھا ہے
اسی سورۃ میں اہل کتاب کے متعلق پہلے بھی گزر چکا ہے لَيْسُوا سَوَاءً

سارا اہل کتاب
برائے نہیں

سائے کے سائے اہل کتاب تو ایک جیسے نہیں۔ اگر ملین کی اکثریت قرآن پاک، نبی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے دشمن ہیں تو ان میں سے اچھے لوگ بھی ہیں جو اسلام کی حقانیت کو سمجھتے ہیں۔ وہ تعصب اور عناد کو چھوڑ کر ایمان کو قبول کر لیتے ہیں، اگرچہ وہ تعداد میں قلیل ہیں۔ ایسے سمجھدار لوگ ہر زمانے میں پائے گئے ہیں۔ حضور علیہ السلام کے زمانے میں عبداللہ بن سلام یہودیوں کے بہت بڑے عالم تھے، مگر اللہ کی توفیق سے اسلام قبول کیا۔ ان کے ساتھ بہت سے دوسرے لوگ بھی حلقہ مجتوش اسلام ہوئے۔ تمیم داری مشہور عیسائی تھے۔ صہیب رومی کا تعلق بھی اسی مذہب کا تھا، سلمان فارسی عیسوی عظیم المرتبت شخصیت کا پہلا دین عیسائیت تھا۔ ان سب نے اسلام قبول کیا اور مسلمانوں کی صفِ اول میں جگہ پائی۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ لَيْسُوا سَوَاءً والی آیت میں یہودیوں کی طرف اشارہ ہے۔ کہ وہ سب برابر نہیں ہیں۔ ان میں کچھ اچھے لوگ بھی ہیں اور اس آیت **إِنَّ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ** سے نصاریٰ مراد ہیں۔ یہودیوں میں سے حضرت عبداللہ بن سلام کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا عبد اللہ مثل عاشری عشیہ کہ وہ عشرہ مبشرہ کی طرح ہیں۔ یعنی وہ ان دس صحابہ کی طرح ہیں جنہیں حضور علیہ السلام نے بیک وقت جنت کی بشارت دی۔ ان میں حضرات ابو بکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ، علی المرتضیٰؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، سعدؓ، سعیدؓ، ابو عبیدہؓ، عبد الرحمنؓ، شامل ہیں۔ یعنی حضرت عبداللہ بن سلامؓ ان دس صحابہ کی طرح جنتی ہیں۔ مسلم شریف اور ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے۔ کہ عبداللہ بن سلامؓ نے خواب دیکھا اور حضور علیہ السلام کے پاس بیان کیا، تو آپ نے فرمایا **أَنَّ تَكْوِينَ عَلَى الْإِيْمَانِ** یعنی تمہارا خاتمہ بالایمان ہوگا۔ آپ نے یہ بشارت اسی وقت سنا دی تھی۔

نبیائی کا
قبول اسلام

اہم نائی اور اہم بیضاوی کے حضرت انسؓ سے روایت بیان کی ہے۔ اور اہم ابن حجر برزنی نے حضرت جابرؓ سے نقل کیا ہے کہ نجران کے چالیس گن عیسائی ایمان قبول کر چکے تھے۔ جنتہ میں بھی بیس خوش نصیب ایمان کی دولت سے

مالاں ہونے، مدینے کے یہودیوں میں سے حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے فرست تھے اور حبشہ کے بادشاہ نجاشیؓ خود ایمان لے آئے۔ اہم نشانی فرماتے ہیں کہ مکہ سے ہجرت کر کے دو قافلے حبشہ پہنچے۔ پہلے قافلہ میں تو حناجرین کی تعداد کم تھی، تاہم دوسرا اسی افراد پر مشتمل تھا جس میں حضرت عثمانؓ بجمع اپنی زوجہ اور حضور علیہ السلام کی دختر حضرت رقیہؓ شامل تھے۔ حضرت جعفرؓ بھی جمع اپنی زوجہ اسماءؓ کے ساتھ اسی قافلے کے ہمراہ گئے۔ فرماتے ہیں کہ نجاشی نے حضرت عثمانؓ اور حضرت جعفرؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ اُسے حضور علیہ السلام کی ملاقات کا زیارت بجز شوق رہا۔ مگر اس کی یہ حسرت پوری نہ ہو سکی۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ ایک موقع پر نجاشی نے تیسس افراد پر مشتمل ایک وفد جس میں اُس کا اپنا بیٹا بھی تھا، حضور علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا تھا۔ یہ وفد کجبری ہتھیار کے دوران سمندری طوفان کی نذر ہو گیا، کشتی ڈوب گئی اور ان میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچ سکا۔ البتہ اس کے علاوہ ایک اور قافلہ وہاں سے مدینے آیا اور ایمان قبول کیا، اس کا ذکر ساتویں پارے کی ابتدا میں آئے گا۔

اہم نبویؐ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔ کہ نجاشی کی وفات کے وقت وہاں پر ایک بھی مسلمان موجود نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے نہ سترت جبریل علیہ السلام کے ذریعے حضور علیہ السلام کو خبر دی کہ آج نجاشی فوت ہو گیا ہے۔ وہ سب ایمان تھا، لہذا آپؐ اس کی نماز جنازہ ادا کریں۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا عام اعلان فرمایا لوگ باہر عید گاہ میں نکلے، دو بڑی بیڑی صغیریں نہیں اور نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی گئی۔ امام نجویؒ فرماتے ہیں۔ کہ حقیقت میں یہ جنازہ غائبانہ نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے مدینے اور حبشہ کے درمیان موجود تمام پرے پرے ہٹا دیے اور نجاشی کی میت حضور علیہ السلام کو نظر آنے لگی اور اس طرح یہ جنازہ گویا حاضر میت پر ہی پڑھا گیا۔ یہ بالکل اسی طرح ہوا، جس طرح مشرکین کے بیت المقدس سے متعلق سوال کرنے پر اللہ تعالیٰ نے درمیانی تمام پرے چاک کر کے بیت المقدس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھردیا تھا اور آپؐ ہر سوال کا جواب بیت المقدس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر دیتے جاتے تھے۔

اہل کتاب
کے لینے
دہرا آج

نماز جنازہ غائبانہ طور پر درست ہے یا نہیں، یہ مسئلہ متنازعہ ہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جس مسلمان کا جنازہ پڑھنے والا کوئی مسلمان موجود نہ ہو، اس کا غائبانہ جنازہ پڑھا جاسکتا ہے، نماز فرض کفایہ ہے اور چند مسلمانوں کی طرف سے نماز جنازہ پڑھ لینا سب کو کفایت کر جاتا ہے، نجاشی کا جنازہ غائبانہ ایک تو اس وجہ سے جائز تھا کہ اس وقت جبشہ میں کوئی مسلمان موجود نہیں تھا لہذا اس کا جنازہ پڑھنا دوسرے مسلمانوں پر ضروری ہو گیا تھا۔ اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ یہ جنازہ حقیقت میں غائبانہ نہیں تھا کیونکہ نجاشی کی میت حضور علیہ السلام کی آنکھوں کے سامنے کھڑی گئی تھی۔ بعض حضرات اسی واقعہ نجاشی سے غائبانہ جنازہ کا جواز نکالتے ہیں مگر صحیح مسلک یہی ہے کہ اگر کسی مرنے والے کا جنازہ بعض آدمیوں نے پڑھ لیا تو سب کو کفایت کر گیا، اب دوبارہ غائبانہ جنازہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اہم بغویؒ لکھتے ہیں کہ جب حضور علیہ السلام نے نجاشی کا جنازہ ادا کر لیا اعلان فرمایا تو منافقین نے کہا، حضور! وہ جو جیشی غلام ہیں کیا ہم ان کی نماز جنازہ پڑھیں، فرمایا، وہ مومن تھا اور ایمان لا کر اعلیٰ مقام حاصل کر چکا تھا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت میں آتا ہے کہ صحابہ کرام بیان کرتے تھے کہ کاتبی عرصہ تک نجاشی کی قبر پر نور برستا دکھائی دیتا رہا۔ فرماتے ہیں کہ نجاشی کا جنازہ پڑھنے پر بعض منافقین نے اعتراض کیا کہ دیکھو! مسلمان کن لوگوں کے جنازے پڑھتے ہیں میں مگر بعض خالص مسلمانوں کو بھی ترو د تھا، تو اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو خبر دیکر واضح کر دیا کہ نجاشی ایمان قبول کر کے مومن ہو چکا تھا۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ آیت زیر در اس موقع پینازل ہوئی تھی۔

فَرَمَا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْزَنُوا عَلَى الْمَوْتِ وَالْمَوْتُ أَهْلُ الْكِتَابِ أَهْلُ الْكِتَابِ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ آيَاتٍ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ آيَاتِهِ وَيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَإِنَّ آيَاتِهِ لَتُفَسَّرُ لَكُمْ ۚ إِنَّكُمْ أَقْبَابٌ ۚ وَمَا تَجْعَلُونَ إِلَّا حُجْرًا مُنْتَضِبَةً تَبْجُلُونَ فِيهَا صُدُورَكُمْ وَأَنْفُسَكُمْ وَأَعْيُنَكُمْ وَمَا تُحْسِنُونَ كَلِمَاتِكُمْ ۚ وَالْأَعْيُنُ عَلَى أَعْقَابِكُمْ فَاصْبِرُوا ۚ إِنَّ صَبْرَكُمْ لَشَاءٌ لَكُمْ ۚ إِنَّكُمْ أَقْبَابٌ ۚ وَمَا تَجْعَلُونَ إِلَّا حُجْرًا مُنْتَضِبَةً تَبْجُلُونَ فِيهَا صُدُورَكُمْ وَأَنْفُسَكُمْ وَأَعْيُنَكُمْ وَمَا تُحْسِنُونَ كَلِمَاتِكُمْ ۚ وَالْأَعْيُنُ عَلَى أَعْقَابِكُمْ فَاصْبِرُوا ۚ إِنَّ صَبْرَكُمْ لَشَاءٌ لَكُمْ ۚ إِنَّكُمْ أَقْبَابٌ ۚ

تمہاری طرف نازل کی گئی وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ اور جو ان کی طرف اتاری گئی۔
کچھ اہل کتاب ایسے ہیں کہ جو تورات اور انجیل پر بھی ایمان رکھتے تھے اور جب
ملحہ معالم التنزیل ص ۲۶ ج ۱ (فیاض)

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کا نزول فرمایا تو اُس پر بھی ایمان لے آئے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ تین آدمی ایسے ہیں جو دوسرے اجر کے مستحق ہیں۔ پہلا شخص وہ مسلمان غلام ہے جو اللہ کا حق بھی ادا کرتا ہے، اُس کے حکم کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے۔ اور پھر اپنے دُنیوی آقا کا حق بھی ادا کرتا ہے۔ اس کی خدمت کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا، فرمایا اس کے لیے اللہ کے ہاں دوسرا اجر ہے۔ اس اجر کا حقدار دوسرا وہ شخص ہے جو اپنی لونڈی کی اچھی تربیت کرتا ہے، پھر اُس کو آزاد کر کے اُس سے نکاح کر لیتا ہے اور تیسرا وہ شخص بھی دوسرے اجر کا مستحق ہے جو پہلے کسی دوسرے نبی اور دوسری کتاب پر ایمان رکھتا ہے اور پھر حضور علیہ السلام کا زمانہ پاکر آپ پر اور قرآن پاک پر ایمان لے آتا ہے آیت کے اگلے حصے میں اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی دو صفات بھی بیان فرمائی ہیں۔ اور پھر اُن کے اجر کا تذکرہ کیا ہے۔

اس قسم کے لوگ ہر زمانہ میں موجود رہے ہیں۔ بعض انصاف پسند لوگوں کو ہمیشہ دوسرا اجر حاصل ہوتا رہا ہے۔ ہمارے قریبی زمانہ انیسویں اور بیسویں صدی میں ایسے کسی خوش نصیب ہمارے سامنے ہیں۔ ڈاکٹر اقبالؒ کے جدِ امجد برہمن تھے، اللہ نے ایمان نصیب فرمایا۔ مولانا احمد علیؒ لاہوری کے والد اولاد ہندو تھے، زرگرمی کا کام کھتے تھے، اللہ نے ایمان بخشا۔ اسی طرح مولانا علیہ اللہؒ سندھی سمجھے تھے، وہ خود ایمان کی دولت سے مالا مال ہوئے اور اعلیٰ مقام پایا۔ یہاں آپ کے ضلع میں پروفیسر محبوب الہیؒ سمجھے مذہب رکھتے تھے، اللہ نے ایمان بخشا۔ اسلامیہ ہائی سکول کے ٹیچر ابراہیم صاحب کے والد اور مولانا احمد علیؒ کے والد اکٹھے مسلمان ہوئے۔ امیران مالٹا میں سے واحد زندہ شخصیت مولانا عزیز گل کی بیوی انگریز تھی، وہ بھی ایمان لائی اور تیس سال تک آپ کے عقد میں رہی۔ ابھی چند سال پہلے فوت ہوئی ہے۔ بڑی عبادت گزار خاتون تھیں۔ تختہ ہند کے مصنف ہندو تھے۔ پٹیا لے کے رہنے والے تھے۔ شاہ اسماعیلؒ شہیدؒ کی جماعت کے آدمیوں سے متاثر ہو کر ایمان لائے۔ آپ نے اسلام کے حقائق اور شرک کی تردید میں بڑی اچھی کتاب لکھی ہے۔

قریبی دور کے
نہ مسلم

اب بھی ایک آدمی زندہ ہے جو یہودی تھا اور ترکوں کے دورِ شہنائے آخری تھے
 میں مسلمان ہوا۔ اُس وقت مصر، اردن اور شام کا دینے کے ساتھ رابطہ بذریعہ ریل قائم
 تھا۔ اردن میں تو اب بھی یہ ریل چلتی ہے، مگر سعودی عرب والا حصہ جگہ خلیج میں الیا
 تباہ ہوا جو آج تک بحال نہیں ہو سکا۔ بہر حال اس جرمن یہودی کا پہلا نام یو لو پو لڈ تھا، مسلمان
 ہو کر محمد اسد کہلایا۔ اس شخص نے مطالعہ اسلام کے لیے مصر سے بذریعہ ریل سفر کا آغاز کیا۔
 گاڑی میں فلسطین کے کچھ مسلمان بدو بھی ہم سفر تھے۔ دورانِ سفر ایک بدو کسی پیشین پر اُتر
 اور کھانے کے لیے دو روٹیاں لے آیا۔ اُس نے کھانے میں شرکت کے لیے یو لو پو لڈ
 کو بھی دعوت دی اور کہا بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰی سِوَالِ اللّٰهِ تَنَاوَلْ فَرَمَائِسْ۔ اُس نے
 معذرت چاہی مگر اُس بدو نے اصرار کیا کہ ہم مسلمانوں کا یہی طریقہ ہے۔ کہ ہم ساتھیوں
 کو بھی کھانے کی دعوت دیتے ہیں، وہ شخص اس پیشکش سے بہت متاثر ہوا۔
 اُس شخص نے بدو کے سامنے اسلام پر یہ اعتراض پیش کیا۔ کہ تمہارے بقول
 اسلام ایک عالمگیر اور منصفانہ دین ہے مگر اس کا یہ قانون عجیب معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک
 مسلمان آدمی اہل کتاب عورت لے لے تو نشادی کر سکتا ہے مگر ایک مسلمان عورت کسی یہودی
 یا عیسائی کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتی۔ وہ بدو باشعور تھا، فرما محافل کی تہ تک پہنچ گیا اور
 اعتراض کی وضاحت یوں کی کہ مسلمان حضرت مومن علیہ السلام اور حضرت علی علیہ السلام
 سمیت تمام انبیاء کے کلام پر ایمان رکھتے ہیں لَآ نُنْفِرُ قُبٰلَیْنِ اَ حِدٍ وَّ هُمْ
 اور ان کی اسی طرح تحکیم کرتے ہیں جس طرح نبی آخر الزماں علیہ السلام کی کرتے ہیں۔ اگر
 کوئی یہودی یا عیسائی عورت مسلمان کے گھر میں آجاتی ہے، تو وہ اس گھر میں پانے نبی
 اور اس کی کتاب کے متعلق کوئی تکلیف دہ بات نہیں سنے گی بلکہ پانے نبی کا عروت
 احترام دیکھے گی۔ برخلاف اس کے اگر مسلمان عورت کسی یہودی یا عیسائی کے گھر
 داخل ہوگی، تو وہ پانے نبی آخر الزماں علیہ السلام کی تعظیم و تحکیم کو محفوظ نہیں پائے گی۔
 جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ ذہنی گرفت میں مبتلا رہے گی۔ لہذا اسلام نے کسی مسلمان عورت
 کو غیر مسلم سے نکاح کی اجازت نہیں دی۔ اس بات نے بھی یو لو پو لڈ پر اثر کیا۔ اور

اللہ تعالیٰ نے اُس کا دل ایمان کے لیے کھولا دیا۔ اُس شخص نے اسلام کی تائید میں بڑی اچھی کتابیں لکھی ہیں جن میں ROAD TO MAKKAH (شاہراہ مکہ) بڑی اچھی کرکٹس ہے، اور ISLAM AT THE CROSS ROAD (اسلام چورستے پر) بھی اعلیٰ کتاب ہے۔ یہ شخص مسلمانوں کی زلوں حالی کا بڑا شاکی ہے۔

مارا ڈیوک بھی عیسائی تھا۔ ترکی میں جاسوسی کرنے کی غرض سے گیا۔ اُس دور کے شیخ الاسلام کی مجالس میں شمولیت اختیار کی جس کا اثر یہ ہوا کہ عیسائیت چھوڑ کر اسلام میں داخل ہو گیا۔ ضلع جہلم میں پرو فیسر خان ای احمد آج بھی زندہ سلامت موجود ہے جس نے خود اسلام قبول کیا۔ اُس کا باپ کٹر ہندو تھا۔ اسلام قبول کر کے بڑے مصائب کا شکار ہوا۔ والدین کی طرف سے سختیاں جھیلیں اور آخر کار دل پر پتھر رکھ کر ہمیشہ کے لیے اُن سے علاحدہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے علم عسری نعمت عطا کی، اُس نے ہدایہ کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے۔ ملکہ کوٹوریہ کے زمانے میں شاہی خاندان کے فرد کو لیم نے اسلام قبول کیا۔ اس نے قبول اسلام کا واقعہ خود لکھا ہے جسے طنطاوی بیہ مری نے تفسیر الجواهر میں نقل کیا ہے۔ کو لیم تیرلی آب و ہوا کے لیے انجمن آرگنیا، وٹاں پر سکالوں کے وضو رکے طریقے سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ خود بیہ ستر تھا۔ اس کے ساتھ خاندان کے مزید چالیس افراد نے ایمان قبول کیا۔ انگریزوں نے اُس پر علاقہ میں مقدمہ دار کیا۔ اُس نے اپنے مقدمہ کی خود پیروی کی اور انگریز نام اور ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمام غیر مسلم ایک سے نہیں ہوتے بلکہ اُن میں بعض منصف مزاج بھی ہوتے ہیں۔ جو حق کو قبول کر لیتے ہیں اور ایسے لوگ ہر دور میں پائے گئے ہیں۔

آگے اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی صفات بیان فرمائی ہیں۔ پہلی صفت

خشیت الہی

یہ ہے کہ وہ خَشِيعِينَ لِلّٰهِ اللہ کے سامنے عاجزی کرنے والے ہوتے ہیں۔

خشیت الہی یا اجابت ربہ اسلام کے چار اہم اصولوں میں سے ایک ہے۔ اور ہر اہل ایمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کا اظہار کرے۔ حضرت علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اس امر سے جو چیز سب سے پہلے اٹھے گی وہ

اخبارات سے۔ فرمایا مسجد نمازیوں سے بھری ہوگی مگر پانچ سو آدمیوں میں سے لاٹری
 فیئہ خاشعاً ایک بھی صاحب خشوع و خضوع نظر نہیں آئے گا اخبارات
 کا اس قدر قحط واقع ہو جائیگا۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کہنا جبر و ایمان ہے، جو
 شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرے گا، وہ اپنے گمرو و پیش والوں کے ساتھ بھی
 تواضع سے پیش آئیگا۔ وہ کسی بات پر اکت نہیں دکھائے گا حضور علیہ السلام نے فرمایا
 لا یبغی بعضکم علی بعض تم ایک دوسرے کے ساتھ فخر و غرور کے ساتھ
 مت پیش آؤ، ہمیشہ انکاری اختیار کرو۔

فرمایا ایسے لوگوں کی دوسری صفت یہ ہے لَا یَشْتَرُونَ بِأَلِیْتِ اللّٰهِ ثَمَنًا
 تَلِیْلًا وہ اللہ کی آیتوں کے بدلے دنیا کا حقیر مال نہیں خریدتے۔ گذشتہ دروس میں کئی
 مقامات پر آچکا ہے۔ کہ اہل کتاب اللہ کی آیتوں کو محض طری قیمت پر بیچ ڈالتے تھے۔
 یہاں فرمایا کہ بعض اچھے میں جو ایسا نہیں کرتے۔ یہ بہت بڑی بیماری ہے، جو اہل
 کتاب سے مسلمانوں میں بھی آگئی ہے دھوکے فریب کی کئی اسی قبیل سے ہے۔
 غلط مسائل بنا کر اس کی فیس وصول کی جاتی ہے۔ یہ اللہ کی آیتوں کو بیچنے کے مترادف ہے۔

فرمایا اُولَٰئِكَ لَهُمْ أَجْرٌهُمْ عَنِ ذُرِّيَّتِهِمْ اِیْسے لوگوں کا اپنے
 پروردگار کے ہاں بہتر اجر ہے۔ بلکہ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ دوہرا اجر
 عطا فرمائیں گے۔ اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے
 قیامت قریب ہے اور ہر شخص کا حساب جلدی شروع ہو گا۔ لہذا اُسے غافل نہیں
 رہنا چاہیے۔ اور پھر یہ بھی ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ حساب جلدی لینے والا ہے۔ تو
 اُس کا اجر بھی جلدی عطا کرے گا۔ اس میں کسی قسم کی دیر نہیں ہوگی۔ اچھا یا بُرا بدلہ جبر کا کوئی
 شخص حقدار ہوگا۔ فوراً پائے گا۔

حسدیں
 جلدی

لَنْ تَنَالُوا ۝۳

آیت ۲۰۰

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا قِفْ
وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝۳۰

ترجمہ: اے ایمان والو! صبر کرو وادباً مقابلے میں مضبوط رہو۔ اور لگے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پا جاؤ ۝۳۰

سورۃ آل عمران کی یہ آخری آیت ہے۔ یہ لمبی اور عظیم سورتوں میں سے ہے سورۃ کے اختتام پر اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے خطاب کر کے اس سورۃ کے خلاصہ کے طور پر پانچ اصول بیان فرمائے ہیں اور اس کے بعد چھٹی بات مومنوں کے لیے فلاح و کامیابی کا شرع ہے آج کی یہ آخری آیت پوری سورۃ کا لب لباب اور ایک جامع نصیحت پر مشتمل ہے۔ دوسرے لفظوں میں پوری سورۃ آل عمران اس آخری آیت میں مذکورہ پانچ اصولوں کی تشریح ہے۔

ارشاد ہوتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اے ایمان والو! اس آیت میں خطاب ہی ایمان والوں سے ہے۔ انسان کے لیے سب سے اہم مطلوبہ چیز ایمان ہے۔ اس لحاظ سے یہ ایمان والوں سے خطاب بھی ہے اور ایک اہم اصول بھی ہے۔ انسان کی سعادت، فلاح، نجات اور دنیا و آخرت میں کامیابی ایمان پر ہی موقوف ہے۔ اس سورۃ کی ابتداء سے اختتام تک ایمان ہی کی بات سمجھائی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے بیس سے زیادہ مقامات پر شرک کی تردید فرمائی ہے اور واضح کر دیا ہے کہ جس طرح اللہ کی ذات میں کوئی شریک نہیں اسی طرح علم میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں، علم کل بھی وہی ہے اور عالم الغیب بھی وہ خود ہی ہے۔ لکن مخالفین میں بڑے شرک نہ کر بیٹھنا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بالوضاحت فرما دیا ہے کہ ہر قسم کی عبادت بدنی ہو

۳۰

خلاصہ
پانچ اصول

پہلا اصول
ایمان

کا ایک اہم اصول ہے۔ ان بھی صبر کرنے کی بڑی تاکید آئی ہے۔ ایک جگہ فرمایا
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّهُ الْيَمَانُ وَالْوَصْبُ
 اور نماز کے ساتھ استغانت پکڑو۔ اطاعت کے لیے صبر بہت ضروری ہے
 نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ جیسی اطاعتیں صبر کے بغیر ممکن نہیں، لہذا صبر بہت ضروری
 اصول ہے۔

صبر کا لغوی معنی روکنا یا ضبط کرنا ہے، لہذا صبر کی ایک دوسری صورت نفسِ انسانی
 خواہشات سے روکنا ہے۔ نفس ہمیشہ خواہشات کے پیچھے چلتا ہے۔ اور اس
 کو ڈسپلن کا پابند بنانا بھی صبر ہی کی ایک قسم ہے۔ صبر کی ایک قسم یہ ہے کہ انسان پر دین
 کے سلسلہ میں جس قدر مشکلات آئیں، ان کو برداشت کرے۔ گویا صبر انسانی زندگی کے
 ہر موڑ پر کام آنے والا اصول ہے۔ کوئی نقصان ہو جائے، جان چلی جائے، مقدمہ پیش
 آجائے، ہنگامہ ہو جائے، جنگ چھڑ جائے ہر معاملے میں صبر کی ضرورت پیش آتی
 ہے اور اس کے بغیر انسان کی کامیابی ممکن نہیں ہے!

اللہ تعالیٰ نے تیسرا اصول فرمایا وَصَابِرُوا اور مقابلے میں مضبوط رہو۔

پہلے فرمایا تھا ہر تکلیف پر خود صبر کر، اب فرمایا، اور مقابلے میں مضبوط رہو۔ اس کے علاوہ بھی
 قرآن کریم میں متعدد مقامات پر دوسروں کو صبر کی تلقین کرنا حکم دیا گیا ہے۔ کہ
 - انہیں ترغیب دو کہ وہ مشکلات پر صبر کے ذریعے قابو پائیں سورۃ بقرہ میں

فَرَمَا يَا وَكُوا صَابِرًا وَكُوا صَابِرًا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّهُ الْيَمَانُ وَالْوَصْبُ
 چار و جوہر ایک دوسرے کو صبر اور رحم کی تلقین کرتے ہیں سورۃ العصر میں بھی ایسا ہی آتا ہے
 وَكُوا صَابِرًا بِالْحَقِّ وَكُوا صَابِرًا بِالصَّبْرِ یعنی خصلتوں سے محفوظ رہو لوگ ہیں جنہوں
 نے ایک دوسرے کو حق اور صبر کی تلقین کی۔ گویا ایمان کے ساتھ ساتھ اعمالِ صالحہ

اور تو اسی بالصبر بھی ضروری ہے۔ حق اور صبر کی تلقین ایک جیسی ضروری ہے۔ صابر ہوا
 میں یہ بات بھی آگئی کہ خود بھی ایمان پر قائم رہو اور دوسروں کو بھی قائم رہنے کی تلقین
 کرتے رہو۔ غرضیکہ ایک اصول خود صبر کرنا ہے اور دوسرا اصول تو اسی بالصبر
 اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جو نئے اصول کے متعلق فرمایا وَكُوا صَابِرًا

تیسرا اصول
 تلقین صبر

چوتھا اصول
 صابر

نیکی اور اطاعت کے کاموں میں لگے رہو۔ رابطہ دراصل دشمن کی سرحد پر گھوڑے باندھنے کو کہتے ہیں۔ جہاں دو ملکوں کی سرحدیں ملتی ہیں وہاں سرحدوں کی حفاظت کے لیے ہمہ وقت مستعد رہنا بھی اتنی معافی میں آتا ہے۔ اسلامی ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرنے اور وہاں پر پہرہ دینے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ یہ اس لیے ضروری ہے کہ کہیں دشمن حملہ کر کے اسلام کے پروگرام میں خلل ازیزی نہ کرے۔ لہذا سرحدوں کی حفاظت اہل اسلام کے لیے فرض ہو جاتی ہے حدیث شریف میں آتا ہے رِبَاطٌ يَوْمَ خَيْبَرَ مِنْ صِيَامِ شَهْرِ وَقِيَامِهِ (منہاج) یعنی سرحد پر ایک رات پہرہ دینا میدانہ بھر کی نقلی عبادت سے افضل ہے۔ ایک دوسری روایت میں فرمایا خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرِ اَبَدٍ ایک ہزار میدانوں کی نقلی عبادت سے افضل ہے اور جو شخص سرحدوں کی حفاظت کے دوران فوت ہو گیا، تو اس کا یہ عمل قیامت تک کے لیے لکھا جائے گا۔ ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ ایسا شخص قبر کے نعتے سے مامون ہے گا۔

رباط کی دو صورتیں ہیں، ایک ظاہری اور ایک باطنی۔ ظاہری رباط کا بیان تو ہو چکا۔ باطنی رباط یہ ہے کہ انسان شیطان کے مقابلے میں مستعد ہو جائے۔ اور اُسے خل اندازی نہ کرنے دے۔ جس طرح ظاہری دشمن کے مقابلے میں سرحدوں کی حفاظت ضروری اسی طرح باطنی دشمن شیطان کا مقابلہ کرنا بھی ضروری ہے تاکہ وہ دوسرے اندازی نہ کر سکے۔ انسان جب تک نیکی میں لگا ہے گا، شیطان دخل نہیں دے سکیگا جب آدمی غافل ہو جاتا ہے تو شیطان کو دوسرے اندازی کا موقع مل جاتا ہے۔ لہذا شیطان کے مقابلے میں باطنی رباط بھی ضروری ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان مبارک ہے۔

اَلَا اَدُّكُمْ عَلٰی مَا يَمْحُو اللّٰهُ بِهٖ الْخَطَايَا وَيَرْفَعُ بِهٖ الدَّرَجَاتِ قَالُوْا سُبْحٰنَ يٰ اَرْسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَسْبَغُ الوُضُوْءَ عَلٰی الْمَكَارِهِ وَكَثْرَةُ الْخَطَاۃِ اِلٰی الْمَسْجِدِ وَالتَّظَاۃُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَذٰلِكُمْ الرِّبَاطُ

آپ نے صحابہ کو فرمایا کہ میں نہیں وہ چیز بتاؤں جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ

خطاؤں کو مٹاتا ہے اور درجات کو بلند کرتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا، حضور! کیوں نہیں۔ فرمایا تکلیف برداشت کر کے کامل وضو بنا، مسجد کی طرف کثرت سے قدم اٹھانا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا یہ تمہارا رباط ہے۔ یہ بات آپ نے تین دفعہ فرمائی۔

پانچواں اصول

تقویٰ سے تقویٰ آگے فرمایا **وَاتَّقُوا اللَّهَ** لے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو، یعنی تقویٰ اختیار کرو۔ اور یہ بھی اہم اصول ہے۔ تقویٰ کا معنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، براہیوں سے بچ جانا اور اللہ کی حدود کو قائم کرنا ہے۔ شاہ ولی اللہ اپنی کتاب الطاف القدس میں فرماتے ہیں ”تقویٰ محافظت است برحدود شرع“ یعنی شریعت کی حدود کی حفاظت کرنا تقویٰ کہلاتا ہے۔ اور تقویٰ میں عدل اور احسان اور شعائر اللہ کی تعظیم بھی شامل ہے شیخ عبد القادر جیلانی نے غیثۃ الطالبین میں تقویٰ کی تشریح کرنے کے بعد یہ آیت نقل کی ہے **إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَايَ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْعَفْوَ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ** گویا تقویٰ میں عدل قائم کرنا، لوگوں کے ساتھ احسان کرنا، سرکشی بے حیائی اور بُری باتوں سے بچ جانا بھی شامل ہے۔ تقویٰ کا لفظی معنی ڈر اور بچاؤ ہے۔ جو شخص اللہ سے ڈر کر اس کی نافرمانی سے بچ جاتا ہے وہ تقویٰ کو پالیتا ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں جگہ جگہ تقویٰ کی تعلیم دی گئی ہے۔ الغرض ایہ پانچواں اصول ہے جو اس سورۃ میں بیان ہوا ہے۔

فرمایا خود صبر کرو، دوسروں کو صبر کی تلقین کرو اور اطاعت کے کاموں میں لگے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو **لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ** اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم کامیاب ہو جاؤ گے۔ منزل مراد کو پالو گے۔

حضور علیہ السلام نے سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران کی ٹہمی فضیلت بیان کی ہے، فرمایا قیامت کے دن یہ دونوں سورتیں خیموں کی شکل میں آئیں گی، ان کے درمیان چمک ہوگی اور وہ اپنے پڑھنے والوں، عمل کرنے والوں اور ایمان رکھنے والوں پر سایہ فگن ہوں گی اور بندے کے حق میں سفارش کریں گی۔ ان سورتوں کو زہرا دین

یعنی دور روشن سورتیں کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لمبی سورتوں میں بہت سے
 حقائق، معارف، بنیادی اصول اور مسائل بیان فرمائے ہیں۔ دارمی شریف کی حدیث
 میں آتا ہے کہ جو شخص جمعے کے دن سورۃ آل عمران کی تلاوت کرے گا، اس کے لیے
 فرشتے سارا دن دعائیں کرتے رہیں گے۔ حتیٰ کہ سورج غروب ہو جائے۔
 واللہ اعلم بالصواب۔ وصلى الله على خبيخ خلقه محمد والله وصيحه وازواجه واتباعه
 اجين۔ برحمتك يا ارحم الراحمين۔ والحمد لله رب العالمين۔

حَمَلٌ عَلَى الْفَلَاحِ

نماز مسنون کلال پر غیر مفلسدین کے
 اعتراضات کے دندان شکن
 مسکت اور مدلل جوابات

تالیف

مولانا حاجی محمد فیاض خان سواتی

قیمت
۱۸ روپے

صفحات
۹۶

ملنے کا پتہ

مکتبہ درس القرآن فاروق گنج گوہر انوالہ

مباحث کتاب الایمان مع تسہیل و توضیح

مقدمہ صحیح مسلم

مصنف

حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی مدظلہ

صحیح مسلم شریف، علم حدیث میں تین اہم ترین کتابوں میں ایک ہے اور صحیح بخاری کی طرح تمام صحیح اور حسان روایات پر مشتمل ہے۔ قرن سوم سے آج تک متداول و معمول بہ ہے۔ اس میں ”کتاب الایمان“ کا ایک طویل اور اہم باب ہے جس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے درج کیا ہے۔ اس میں ایمانیات کے جملہ مسائل کا ذکر ہے اور بعض مباحث اس کے نہایت اہم اور وقیع ہیں۔ ان مباحث کی توجیہ و تعبیر درسیات کی تعلیم کے طریق پر اس رسالہ میں بیان کی گئی ہے جن کو سمجھنے سے ایمان کے جملہ مسائل نہایت ہی عمدہ طریق پر حل نشین ہو جاتے ہیں۔ اختلاف و مشکلات وغیرہ بخوبی حل ہو جاتے ہیں۔

نیز مقدمہ میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے علم اصول حدیث کے ایسے اہم ترین مباحث ذکر کیے ہیں جو عام فن حدیث میں بہت کار آمد ہیں۔ خصوصاً ”مسلم شریف کی احادیث میں بے حد مفید و نفیس بخش ہیں۔ مقدمہ اپنی عبارت کے اعتبار سے مشکل بھی ہے اس لیے اس کی تسہیل و توییح مختصر طریق پر اور بہترین انداز میں کی گئی ہے علم حدیث کے طلب گاروں کے لیے بہت نافع ہوگی اور اس کے پڑھنے سے بہت سے لوگوں کو فائدہ ہوگا۔ عمدہ کتابت و طباعت ۱۲۰ صفحات پر مشتمل طبع دوم کی قیمت ۳۵ روپے ہے۔

پتہ { مکئبہ دوس القرآن فاروق گنج گوہر الوالہ

عمرہ پر جانے والے خواتین و حضرات کے لیے انمول تحفہ

احکام عمرہ

مع

زیارات مکہ المکرمہ و مدینہ المنورہ

مرتب

مولانا حاجی محمد فیاض خان سواتی

مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

اس رسالہ میں عمرہ کی تعریف، فضیلت، طریقہ، احکام و مسائل اور بہت سی اہم چیزوں کا نہایت اختصار کے ساتھ قرآن و سنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں ذکر کیا گیا ہے۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں موجودہ زیارات کا محل وقوع اور ان کا تاریخی پس منظر ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ طواف و سعی کا طریقہ نقشوں کے ساتھ سمجھایا گیا ہے۔ روضہ اطہر، جنت البقیع، ریاض الجنۃ کا نقشہ اور بعض دیگر اہم مقامات کا تذکرہ بطور خاص کیا گیا ہے۔ ۹۶ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ عمدہ کتابت و طباعت کے ساتھ صرف ۱۸ روپے میں دستیاب ہے۔

ملنے کا پتہ

مکتبہ دوس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

قرآن مجید مترجم

ترجمہ

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی مدظلہ

بانی مدرسہ نصرۃ العلوم جامع مسجد نور گوجرانوالہ

قرآن مجید کے صحیح ترجموں میں حضرت مولانا شاہ عبد القادر محدث دہلویؒ، حضرت مولانا شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ، حضرت مولانا عاشق الہی میرٹھیؒ، شیخ السند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ، حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے تراجم مشہور اور مقبول ہیں۔ حضرت صوفی صاحب مدظلہ نے بھی موجودہ دور کے مطابق جدید اردو زبان میں یہ ترجمہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ پہلے حضرت صوفی صاحب مدظلہ کی تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن کی بیس جلدوں میں بھی شائع ہو چکا ہے اور حال ہی میں عمدہ کتابت و طباعت اور معیاری جلد بندی کے ساتھ ۱۰۴ صفحات پر مشتمل شائع ہو کر منظر عام پر آچکا ہے۔

قیمت ۲۵۰ روپے۔

ناشر مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

حدیث کی مشہور ترین کتاب مسند امام احمد بن حنبل کی تشریح

دروس الحدیث

افادات

حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی مدظلہ

مرتب

الحاج لعل دین، ایم اے

مسند احمد کی منتخب احادیث کی مایہ ناز شرح اردو زبان میں پہلی مرتبہ چار جلدوں میں شائع ہو کر منظر عام پر آئی ہے ان میں ہر موضوع پر احادیث رسول ﷺ کو سمجھنے کے لیے گراں قدر علمی ذخیرہ ہے، خصوصاً "درس دینے والے اصحاب کے لیے تو یہ ایک نعمت غیر مترقبہ ہے احادیث کے ضمن میں مسائل و احکام کی توضیح عام فہم اور سلیس اردو زبان میں ہونے کی وجہ سے معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی اس سے مکمل فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔ کتابت و طباعت اور معیاری جلد بندی کے ساتھ۔ جلد اول صفحات ۳۳۲ قیمت ۷۵ روپے، جلد دوم صفحات ۳۰۸ قیمت ۹۰ روپے، جلد سوم صفحات ۳۹۲ قیمت ۹۰ روپے، جلد چہارم صفحات ۳۹۲ قیمت ۹۰ روپے۔

ناشر: مکتبہ دروس القرآن، فاروق گنج گوجرانوالہ

معالم الاعراف - دروس القرآن

تعداد

مفتی آیت
حضرت مولانا
صوفی عبدالحمید سواتی صاحب

تعداد

بلال احمد ناگی صاحب

تعداد

الحاج لعل دین صاحب (ایم۔ اے علوم اسلامیہ)

تعداد

انجمن مجبان اشاعت قرآن

تعداد

شیخ محمد یعقوب عاجز

تعداد

بابو غلام حیدر صاحب

تعداد

محمود انور بٹ ایڈووکیٹ

تعداد

محمد منیر صاحب Ph: 221943

پبلسٹیڈ ڈروس القرآن، گوجرانوالہ